

آیت اللہ عبدالحسین شرف الدین موسوی

مذہب اہل بیت



مَجْمَعُ جِهَانِي أَهْلِ بَيْتٍ

مذہب اہل بیتؑ

ترجمہ

المہاجرین

تالیف

آیت اللہ عبدالحسین شرف الدین موسوی قدس اللہ سرہ

یکے از مطبوعات

مجمع جهانی اہل بیتؑ

jabir.abbas@yahoo.com

نام کتاب _____ مذہبِ اہلِ بیتؑ
مؤلف _____ آیت اللہ عبدالحسین شرف الدین موسوی
مترجم _____ مولانا سید محمد باقر صدر الافاضل
ناشر _____ مجمع جهانی اہل بیتؑ
تاریخ اشاعت _____ ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ جون ۱۹۹۳ء

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

فہرست

- ۲۳ — پیش لفظ — ○
- ۲۶ — عالیجناب شیخ سلیم البشری (عالم اہلسنت کے مختصر حالات زندگی) — ○
- ۲۸ — عالیجناب آقائے سید عبدالحسین شرف الدین موسوی کے مختصر حالات زندگی — ○
- ۳۰ — کتاب ہذا سے متعلق علمائے اعلام کے مکتوبات — ○
- ۳۰ — شام کے ایک معزز عالم دین علامہ شیخ محمد ناجی غفری کا مکتوب گرامی — ○
- ۳۱ — ان ہی عالم دین کا دوسرا مکتوب گرامی — ○
- ۳۲ — مولانا موصوف کا تیسرا مکتوب گرامی — ○
- ۳۳ — حجۃ الاسلام علامہ شیخ محمد حسین المظفر کا مکتوب گرامی — ○
- ۳۵ — مکتوب نمبر ۱ — ○
- ۳۶ — مناظرہ کی اجازت — ○
- ۳۸ — جواب مکتوب — ○

- — مناظرہ کی اجازت - ۳۸
- — مکتوب نمبر ۲ - ۳۹
- — شیعہ بھی حضرات اہلسنت کا مسلک کیوں نہیں اختیار کر لیتے؟ ۳۹
- — اتحاد و اتفاق کی ضرورت - ۴۰
- — اتحاد جمہور اہلسنت کا مذہب اختیار کرنے ہی سے ہو سکتا ہے - ۴۰
- — جواب مکتوب - ۴۱
- — شرعی دلیلیں مجبور کرتی ہیں کہ مذہب اہلبیتؑ کو اختیار کیا جائے - ۴۱
- — جمہور اہلسنت کا مسلک اختیار کرنے کی کوئی دلیل نہیں ملتی - ۴۲
- — پہلے زمانے کے لوگ جمہور کے مذہب کو جانتے ہی نہ تھے - ۴۳
- — اجتہاد کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے - ۴۴
- — اتحاد کی آسان صورت یہ ہے کہ مذہب اہلبیتؑ کو معتبر سمجھا جائے - ۴۵
- — مکتوب نمبر ۳ - ۴۸
- — جواب مکتوب - ۴۹
- — اتباع اہلبیتؑ کے وجوب پر ایک ہلکی سی روشنی - ۴۹
- — امیر المؤمنینؑ کا دعوت دینا مذہب اہلبیت کی طرف - ۵۰
- — امام زین العابدینؑ کا ارشاد گرامی - ۵۶

- ۵۸ ————— ○ مکتوب نمبر ۴
- ۵۸ ————— ○ کلام مجید یا احادیث پیغمبر سے دلیل کی خواہش۔
- ۵۹ ————— ○ جواب مکتوب۔
- ۵۹ ————— ○ ہماری تحریر پر غور نہیں کیا گیا۔
- ۵۹ ————— ○ حدیث ثقلین۔
- ۶۳ ————— ○ حدیث ثقلین کا متوازن ہونا۔
- ۶۵ ————— ○ جس نے اہلبیتؑ سے تمسک نہ کیا اس کا گمراہ ہونا۔
- ۶۷ ————— ○ اہلبیتؑ کی مثال سفینہٴ نوحؑ اور بابِ حطہ کی ہے اور ۶۷ وہ اختلاف فی الدین سے بچانے والے ہیں۔
- ۶۸ ————— ○ اہلبیتؑ سے کون مراد ہیں۔
- ۷۰ ————— ○ اہلبیتؑ کو سفینہٴ نوحؑ اور بابِ حطہ سے کیوں تشبیہ دی گئی۔
- ۷۳ ————— ○ مکتوب نمبر ۵۔
- ۷۳ ————— ○ مزید نصوص کی خواہش۔
- ۷۳ ————— ○ جواب مکتوب۔
- ۷۳ ————— ○ نصوص کا مختصر سا تذکرہ۔
- ۸۵ ————— ○ مکتوب نمبر ۶
- ۸۵ ————— ○ ہماری تحریر پر اظہارِ پسندیدگی۔
- ۸۵ ————— ○ حیرت و دہشت کہ مذکورہ احادیث اور جمہور کی روش کو ایک کیونکر کیا جائے؟
- ۸۶ ————— ○ کلام مجید سے اولہ کی خواہش۔

- ۸۶ —○ جوابِ مکتوب -
- ۸۶ —○ کلامِ عجیب سے دلائل -
- ۱۱۶ —○ مکتوب نمبر ۷ -
- ۱۱۷ —○ جوابِ مکتوب -
- ۱۲۰ —○ مکتوب نمبر ۸ -
- ۱۲۱ —○ جوابِ مکتوب -

الف :

- ۱۲۱ —○ ابان بن تغلب بن رباح قاری کوئی -
- ۱۲۱ —○ ابراہیم بن یزید بن عمرو بن اسود بن عمرو نخعی کوئی -
- ۱۲۲ —○ احمد بن مفضل ابن کوئی حضری -
- ۱۲۲ —○ اسماعیل بن ابان -
- ۱۲۳ —○ اسماعیل بن خلیفہ ملای کوئی -
- ۱۲۳ —○ اسماعیل بن زکریا خلعتی کوئی -
- ۱۲۳ —○ اسماعیل بن عباد بن عباس طالقانی -
- ۱۲۴ —○ اسماعیل بن عبد الرحمن بن ابی کریمہ مشہور مفسر جو سدی کے نام سے شہرت رکھتے ہیں -
- ۱۲۵ —○ اسماعیل بن موسیٰ فراری کوئی -

ت :

- ۱۲۵ —○ تلید بن سلیمان کوئی -

ث :

- ۱۲۶ —○ ثابت بن دینار

○ — ثور بن ابی فاختہ۔ ۱۲۶

ج :

○ — جابر بن یزید جعفی کوفی۔ ۱۲۶

○ — جسر بن عبد الحمید ضبی کوفی۔ ۱۲۶

○ — جعفر بن زیاد احمہ کوفی۔ ۱۲۶

○ — جعفر بن سلیمان ضبی بصری۔ ۱۲۸

○ — جمیع بن عمیرہ بن ثعلبہ کوفی تہمی۔ ۱۲۸

○ — حارث بن حصیرہ کوفی۔ ۱۲۸

○ — حارث بن عبد اللہ ہمدانی۔ ۱۲۹

○ — حبیب بن ابی ثابت اسدی۔ ۱۲۹

○ — حسن بن حمی۔ ۱۲۹

○ — حکم بن عقیبہ کوفی۔ ۱۳۰

○ — حماد بن عیسیٰ۔ ۱۳۰

○ — حران بن اعین۔ ۱۳۰

خ :

○ — خالد بن مخلد قطوانی کوفی۔ ۱۳۰

ز :

○ — زبید بن حارث بن عبد الکریم کوفی۔ ۱۳۱

○ — زید بن الحباب کوفی تمیمی۔ ۱۳۱

س :

○ — سالم بن ابی الجعد شحجی کوفی۔ ۱۳۱

- — سالم بن ابی حفصہ عجلی کوفی۔ ۱۳۲
- — سعد بن طریف الاسکاف حنظلی کوفی۔ ۱۳۲
- — سعید بن اشوع۔ ۱۳۲
- — سعید بن خيثم۔ ۱۳۳
- — سلمہ بن الفضل الابرش۔ ۱۳۳
- — سلمہ بن کہیل بن حصین حضرمی۔ ۱۳۳
- — سلیمان بن مردخزاعی کوفی۔ ۱۳۳
- — سلیمان بن طرخان تیمی بصری۔ ۱۳۴
- — سلیمان بن قرم بن معاذ ضبی کوفی۔ ۱۳۴
- — سلیمان بن مهران کابل کوفی مشہور بہ اعمش۔ ۱۳۴
- ش :
- — قاضی شریک بن عبداللہ بن سنان بن الش نخعی کوفی۔ ۱۳۷
- — شعبہ بن حجاج عتکی۔ ۱۳۹
- ص :
- — صعصعہ بن صوحان بن حجر بن حارث عبدي۔ ۱۳۹
- ظ :
- — ظالم بن عمرو بن سفیان ابوالاسود دؤلی۔ ۱۴۱
- ع :
- — ابوالطفیل عامر بن وائلہ بن عبداللہ بن عمرو اللبثی۔ ۱۴۲
- — عباد بن یعقوب الاسدی۔ ۱۴۳
- — ابو عبدالرحمن عبداللہ بن داؤد ہمدانی کوفی۔ ۱۴۴

- ۱۴۴ —○ عبد اللہ بن شداد۔
- ۱۴۴ —○ عبد اللہ بن عمر مشہور بيشکدانہ۔
- ۱۴۴ —○ عبد اللہ بن لہیعہ قاضی و عالم مصر۔
- ۱۴۵ —○ عبد اللہ بن میمون قذاح صحابی امام جعفر صادقؑ۔
- ۱۴۵ —○ ابو محمد عبد الرحمن بن صالح ازدی۔
- ۱۴۶ —○ عبد الرزاق بن صمام بن نافع حمیری۔
- ۱۵۰ —○ عبد الملک بن اعین۔
- ۱۵۰ —○ عبد اللہ بن عیسیٰ کوفی
- ۱۵۱ —○ ابو الیقطان عثمان بن عمیر ثقفی کوفی بجلی۔
- ۱۵۱ —○ عدی بن ثابت کوفی
- ۱۵۲ —○ عطیہ بن سعد بن جنادہ عوفی۔
- ۱۵۳ —○ علاء بن صالح تیمی کوفی۔
- ۱۵۴ —○ علفمہ بن قیس بن عبد اللہ نخعی
- ۱۵۴ —○ علی بن بدیمہ
- ۱۵۴ —○ ابو الحسن علی بن جعد جوہری بغدادی
- ۱۵۵ —○ علی بن زید بن عبد اللہ تیمی بصری
- ۱۵۵ —○ علی بن صالح
- ۱۵۵ —○ ابو یحییٰ علی بن غراب فزاری کوفی
- ۱۵۶ —○ ابو الحسن علی بن قادم خزاعی کوفی
- ۱۵۶ —○ علی بن منذر طراغنی
- ۱۵۶ —○ ابو الحسن علی بن ہاشم بن برید کوفی

- ۱۵۷ — ○ عمار بن زریق کوفی
- ۱۵۷ — ○ عمار بن معاویہ
- ۱۵۸ — ○ ابواسحاق عمرو بن عبد اللہ سہلانی کوفی
- ۱۵۹ — ○ ابوہریرہ عوف ابن ابی جمیلہ البصری -
- ف :
- ۱۵۹ — ○ فضل بن دکین
- ۱۶۰ — ○ ابو عبد الرحمن فضیل بن مرزوق -
- ۱۶۱ — ○ فطر بن خلیفہ حناط کوفی -
- م :
- ۱۶۱ — ○ ابو غسان مالک بن اسماعیل بن زیاد بن درہم کوفی -
- ۱۶۲ — ○ محمد بن خازم -
- ۱۶۲ — ○ محمد بن عبد اللہ نیشاپوری مشہور بہ امام حاکم -
- ۱۶۳ — ○ محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع مدنی -
- ۱۶۳ — ○ ابو عبد الرحمن محمد بن فضیل بن غزوہ وان کوفی -
- ۱۶۴ — ○ محمد بن مسلم بن طائفی -
- ۱۶۴ — ○ محمد بن موسیٰ بن عبد اللہ الفطری المدنی -
- ۱۶۵ — ○ معاویہ بن عمار دہنی سجلی کوفی -
- ۱۶۵ — ○ معروف بن خربوذ کرخی -
- ۱۶۵ — ○ منصور بن المعتمر بن عبد اللہ بن ربیعہ کوفی
- ۱۶۶ — ○ منہال بن عمرو تابعی
- ۱۶۶ — ○ موسیٰ بن قیس حضرمی

ن :

۱۶۷ ————— ○ ابو داؤد نفع بن حارث نخعی کوئی۔

۱۶۷ ————— ○ نوح بن قیس بن رباح الحدادی۔

ه :

۱۶۸ ————— ○ ہارون بن سعد عجمی کوئی۔

۱۶۸ ————— ○ ابو علی ہاشم بن برید کوئی۔

۱۶۸ ————— ○ ہبیرہ بن برکیم حمیری۔

۱۶۸ ————— ○ ابو القدحام ہشام بن زیاد بصری۔

۱۶۹ ————— ○ ابو الولید ہشام بن عمار بن نصیر بن میسرہ۔

۱۶۹ ————— ○ ہشیم بن بشیر بن قاسم بن دنیا رسلمی واسطی۔

و :

۱۶۹ ————— ○ وکیع بن جراح بن ملیح بن عدی۔

ی :

۱۷۰ ————— ○ یحییٰ بن جہزار عری کوئی۔

۱۷۰ ————— ○ یحییٰ بن سعید قطان۔

۱۷۰ ————— ○ یزید بن ابی زیاد کوئی۔

۱۷۱ ————— ○ ابو عبد اللہ جدلی۔

۱۷۳ ————— ○ مکتوب نمبر ۹۔

۱۷۵ ————— ○ جواب مکتوب۔

۱۷۶ ————— ○ مکتوب نمبر ۱۰۔

۱۷۸ ————— ○ باب دوم۔

- ۱۷۸ —○ امامت عامہ یعنی خلافت پیغمبرؐ -
- ۱۷۸ —○ جواب مکتوب -
- ۱۷۹ —○ دعوتِ عشیرہ کے موقع پر پیغمبرؐ کا خلافت امیر المومنینؑ پر نص فرمانا -
- ۱۸۱ —○ پیغمبرؐ کی اس نص کا تذکرہ کن کن کتابوں میں موجود ہے -
- ۱۸۲ —○ مکتوب نمبر ۱۱
- ۱۸۲ —○ حدیث مذکورہ بالا کی سند میں تردد -
- ۱۸۵ —○ جواب مکتوب -
- ۱۸۵ —○ نص کا ثبوت
- ۱۸۷ —○ نص سے کیوں اعراض کیا؟
- ۱۸۷ —○ مکتوب نمبر ۱۲
- ۱۸۹ —○ حدیث کی صحت کا اقرار
- ۱۸۹ —○ چونکہ دعوتِ عشیرہ والی حدیث حد تو اتر کو نہیں پہنچتی اس لیے اس سے استدلال صحیح نہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مخصوص قسم کی خلافت ثابت ہوتی ہے -
- ۱۹۰ —○ یہ حدیث منسوخ ہو گئی تھی -
- ۱۹۰ —○ جواب مکتوب -
- ۱۹۰ —○ اس حدیث سے استدلال کرنے کی وجہ -
- ۱۹۱ —○ مخصوص خلافت کا کوئی بھی قائل نہیں -

- ——— حدیث کا منسوخ ہونا ناممکن ہے۔ ۱۹۱
- ——— مکتوب نمبر ۱۳ ۱۹۳
- ——— جواب مکتوب - ۱۹۳
- ——— حضرت علیؑ کی دس ایسی فضیلتیں جس میں کی کوئی ۱۹۳
- ایک بھی کسی دوسرے کو حاصل نہیں اور جس سے آپؐ کی خلافت کی صراحت ہو رہی ہے۔
- ——— اس حدیث سے ثبوتِ خلافت امیر المؤمنینؑ۔ ۱۹۹
- ——— مکتوب نمبر ۱۴ ۲۰۲
- ——— جواب مکتوب - ۲۰۲
- ——— حدیث منزلت صحیح ترین حدیث ہے۔ ۲۰۲
- ——— اس کی صحت پر دلائل بھی موجود ہیں۔ ۲۰۵
- ——— وہ علمائے اہلسنت جنہوں نے اس حدیث کی روایت ۲۰۵
- کی ہے۔
- ——— آمدی کے شک کرنے کی وجہ۔ ۲۱۱
- ——— مکتوب نمبر ۱۵ ۲۱۲
- ——— سندِ حدیث کی صحت کا اقرار۔ ۲۱۲
- ——— عمومِ حدیث منزلت میں شک۔ ۲۱۲
- ——— اس حدیث کے حجّت ہونے میں شک۔ ۲۱۳
- ——— جواب مکتوب - ۲۱۴
- ——— عرب کے اہل زبان عمومِ حدیث کے قائل ہیں۔ ۲۱۴
- ——— اس کا ثبوت کہ حدیث کسی مورد کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ۲۱۵

- ۲۱۷ — اس قول کی تردید کہ یہ حدیث حجت نہیں۔ ○
- ۲۱۸ — مکتوب نمبر ۱۶ ○
- ۲۱۸ — حدیث منزلت و مقامات۔ ○
- ۲۱۹ — جواب مکتوب۔ ○
- ۲۱۹ — منجملہ مقامات حدیث منزلت ملاقاتِ اُمّ سلیم ہے۔ ○
- ۲۲۸ — مکتوب نمبر ۱۷ ○
- ۲۲۸ — جواب مکتوب۔ ○
- ۲۲۹ — یوم شیر و شیر و مبشر۔ ○
- ۲۲۹ — یوم مواخات۔ ○
- ۲۳۷ — سدّ البواب۔ ○
- ۲۴۳ — مکتوب نمبر ۱۸ ○
- ۲۴۳ — جواب مکتوب۔ ○
- ۲۵۳ — مکتوب نمبر ۱۹ ○
- ۲۵۳ — جواب مکتوب۔ ○
- ۲۵۷ — مکتوب نمبر ۲۰ ○
- ۲۵۸ — جواب مکتوب۔ ○
- ۲۶۳ — مکتوب نمبر ۲۱ ○
- ۲۶۳ — جواب مکتوب۔ ○
- ۲۶۶ — علامہ زرخشری کا نکتہ۔ ○
- ۲۶۷ — ایک اور لطیف نکتہ ○
- ۲۶۹ — مکتوب نمبر ۲۲ ○

- — یہاں آیت دلالت کرتی ہے کہ ولی سے دوست یا ۲۶۹
 اسی جیسے معنی مراد ہیں۔
- — جواب مکتوب - ۲۷۰
- — سیاق آیت سے اس قسم کے معنی نہیں نکلتے۔ ۲۷۰
- — سیاق آیت ادلہ کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ ۲۷۲
- — مکتوب نمبر ۲۳ ۲۷۴
- — مراد آیت میں تاویل ضروری ہے تاکہ سلف پر آنح ۲۷۴
 نہ آئے۔
- — جواب مکتوب - ۲۷۵
- — سلف کا احترام مستلزم نہیں کہ آیت کے معنی میں ۲۷۵
 تاویل کی جائے۔ تاویل ہو بھی کیا سکتی ہے۔
- — مکتوب نمبر ۲۴ ۲۷۶
- — جواب مکتوب - ۲۷۶
- — مکتوب نمبر ۲۵ ۳۱۱
- — امیر المومنینؑ کے فضائل کا اعتراف - ۳۱۱
- — فضائل مستلزم خلافت نہیں - ۳۱۳
- — جواب مکتوب - ۳۱۴
- — امیر المومنینؑ کے فضائل سے آپ کی خلافت پر استدلال - ۳۱۴
- — مکتوب نمبر ۲۶ ۳۱۸
- — صحابہ کے فضائل کی حدیثوں سے معارضہ - ۳۱۸
- — جواب مکتوب - ۳۱۸

- ۳۱۸ ————— ○ دعوائے معارضہ کی رد۔
- ۳۲۱ ————— ○ مکتوب نمبر ۲۷۔
- ۳۲۱ ————— ○ حدیث غدیر کی بابت استفسار۔
- ۳۲۱ ————— ○ جواب مکتوب ۔
- ۳۲۵ ————— ○ مکتوب نمبر ۲۸۔
- ۳۳۶ ————— ○ جواب مکتوب ۔
- ۳۳۶ ————— ○ حدیث غدیر کا توازن اور اس کی غیر معمولی اہمیت۔
- ۳۵۶ ————— ○ مکتوب نمبر ۲۹
- ۳۵۸ ————— ○ حدیث غدیر کی تاویل پر قرینہ۔
- ۳۵۹ ————— ○ جواب مکتوب ۔
- ۳۵۹ ————— ○ حدیث غدیر کی تاویل ممکن نہیں۔
- ۳۶۸ ————— ○ مکتوب نمبر ۳۰
- ۳۶۸ ————— ○ حق کا بول بالا۔
- ۳۶۹ ————— ○ جواب مکتوب ۔
- ۳۷۵ ————— ○ مکتوب نمبر ۳۱
- ۳۷۵ ————— ○ شیعوں کے سلسلہ سے نصوص کی خواہش۔
- ۳۷۶ ————— ○ جواب مکتوب ۔
- ۳۹۳ ————— ○ مکتوب نمبر ۳۲
- ۳۹۳ ————— ○ شیعوں کی حدیث حجت نہیں۔ اگر یہ حدیثیں صحیح ہیں تو
- الہسنات نے کیوں نہیں ان کی روایت کی۔ مزید نصوص
- ذکر فرمائیں

- ۲۹۴ ————— ○ جوابِ مکتوب ۔
- ۲۰۰ ————— ○ مکتوب نمبر ۳۳
- ۲۰۰ ————— ○ جوابِ مکتوب ۔
- ۲۰۰ ————— ○ علیؑ وارثِ پیغمبرؐ
- ۲۰۶ ————— ○ مکتوب نمبر ۳۴
- ۲۰۶ ————— ○ بحثِ وصیت ۔
- ۲۰۶ ————— ○ جوابِ مکتوب ۔
- ۲۰۶ ————— ○ امیر المومنینؑ کے وصی پیغمبرؐ ہونے کے متعلق
پیغمبرؐ کے ارشادات ۔
- ۲۱۶ ————— ○ مکتوب نمبر ۳۵
- ۲۱۹ ————— ○ جوابِ مکتوب ۔
- ۲۳۳ ————— ○ مکتوب نمبر ۳۶
- ۲۳۳ ————— ○ افضل ازواج ۔
- ۲۳۴ ————— ○ جوابِ مکتوب
- ۲۳۴ ————— ○ جناب عائشہ افضل ازواج نبی نہ تھیں ۔
- ۲۳۵ ————— ○ جناب خدیجہ تمام ازواج میں افضل ہیں ۔
- ۲۳۸ ————— ○ مکتوب نمبر ۳۷
- ۲۳۸ ————— ○ جوابِ مکتوب
- ۲۳۸ ————— ○ حضرت عائشہ سے اعراض کی وجہ ۔
- ۲۴۵ ————— ○ عقل بتاتی ہے کہ پیغمبرؐ نے یقیناً وصیت فرمائی ۔
- ۲۴۹ ————— ○ عائشہ کا دعویٰ معارض ہے دیگر احادیث سے ۔

- ۴۵۰ ————— ○ مکتوب نمبر ۳۸
- ۴۵۰ ————— ○ حضرت عائشہ اپنی حدیثوں میں جذبات سے کام نہ لیتی تھیں۔
- ۴۵۱ ————— ○ حسن و قبح السنن کے یہاں عقلی نہیں شرعی ہیں۔
- ۴۵۲ ————— ○ دعویٰ عائشہ کے معارض کوئی حدیث نہیں۔
- ۴۵۲ ————— ○ جواب مکتوب۔
- ۴۵۲ ————— ○ عائشہ کا روایت حدیث میں جذبات سے مجبور ہونا
- ۴۵۶ ————— ○ حسن و قبح کے عقلی ہونے کا ثبوت۔
- ۴۵۹ ————— ○ صحیح حدیثیں مخالف ہیں دعویٰ عائشہ کے۔
- ۴۶۶ ————— ○ ام سلمہ کی حدیث مقدم ہے حضرت عائشہ پر
- ۴۶۶ ————— ○ مکتوب نمبر ۳۹
- ۴۶۶ ————— ○ جناب ام سلمہ کی حدیث کو ترجیح کیونکر۔
- ۴۶۸ ————— ○ جواب مکتوب۔
- ۴۶۸ ————— ○ جناب ام سلمہ کی حدیث کے مقدم و ارجح ہونے کے اسباب۔
- ۴۷۵ ————— ○ مکتوب نمبر ۴۰
- ۴۷۵ ————— ○ اجماع و خلافت
- ۴۷۶ ————— ○ جواب مکتوب۔
- ۴۷۶ ————— ○ اجماع ہوا ہی نہیں۔
- ۴۸۳ ————— ○ مکتوب نمبر ۴۱
- ۴۸۳ ————— ○ اختلافات ختم ہونے کے بعد اجماع منعقد ہو گیا۔

- ۴۸۴ — جواب مکتوب - ○
- ۴۹۴ — مکتوب نمبر ۴۲ ○
- ۴۹۵ — جواب مکتوب - ○
- ۵۰۴ — مکتوب نمبر ۴۳ ○
- ۵۰۴ — وہ مقامات جہاں صحابہ نے ارشادات پیغمبر کی مخالفت کی - ○
- ۵۰۵ — جواب مکتوب - ○
- ۵۰۵ — واقعہ قرطاس ○
- ۵۱۴ — پیغمبر نے زبردستی نوشتہ لکھ کر کیوں نہیں ڈالا - ○
- ۵۱۶ — مکتوب نمبر ۴۴ ○
- ۵۱۶ — واقعہ قرطاس پر عذر و معذرت - ○
- ۵۲۱ — جواب مکتوب - ○
- ۵۲۱ — عذر و معذرت صحیح نہیں - ○
- ۵۲۹ — مکتوب نمبر ۴۵ ○
- ۵۲۹ — عذر و معذرت کے لغو ہونے کا اعتراف - بقیہ ○
- موارد کے متعلق استفتاء
- ۵۳۰ — جواب مکتوب - ○
- ۵۳۰ — جیش اسامہ ○
- ۵۳۹ — مکتوب نمبر ۴۶ ○
- ۵۳۹ — سریہ اسامہ میں صحابہ کے نہ جانے کی معذرت - ○
- ۵۴۲ — جواب مکتوب - ○

- — مکتوب نمبر ۴۷ ۵۴۹
- — جواب مکتوب۔ ۵۴۹
- — پیغمبر کا حکم کہ مارق (دین سے نکل جانے والے) کو قتل کر ڈالو۔ ۵۴۹
- — مکتوب نمبر ۴۸ ۵۵۵
- — جواب مکتوب ۵۵۶
- — مکتوب نمبر ۴۹ ۵۵۸
- — جواب مکتوب۔ ۵۵۸
- — مقامات جہاں صحابہ نے حکم پیغمبر پر عمل نہ کیا۔ ۵۵۸
- — مکتوب نمبر ۵۰ ۵۶۱
- — صحابہ کا مصالحت کو مقدم سمجھنا۔ ۵۶۱
- — باقی موارد کی تصریح پر اصرار۔ ۵۶۲
- — جواب مکتوب۔ ۵۶۲
- — موضوع بحث سے باہر ہو جانا۔ ۵۶۲
- — مکتوب نمبر ۵۱ ۵۶۹
- — حضرت علیؑ نے بروز سقیفہ اپنی خلافت و جانشینی کی ۵۶۹ احادیث اسے احتجاج کیوں نہ فرمایا۔
- — جواب مکتوب۔ ۵۷۰
- — احتجاج نہ کرنے کی وجوہ ۵۷۰
- — مکتوب نمبر ۵۲ ۵۷۴
- — حضرت علیؑ نے کب احتجاج فرمایا؟ ۵۷۴

-
- ۵۷۲ — جوابِ مکتوب۔ ○
- ۵۷۲ — حضرت علیؑ اور آپ کے شیعہ کا احتجاج۔ ○
- ۵۸۲ — جنابِ سیدہ کا احتجاج۔ ○
- ۵۸۲ — مکتوب نمبر ۵۳۔ ○
- ۵۸۲ — جوابِ مکتوب۔ ○
- ۵۸۲ — عبداللہ بن عباس کا احتجاج۔ ○
- ۵۹۱ — مکتوب نمبر ۵۴۔ ○
- ۵۹۱ — جوابِ مکتوب۔ ○
- ۶۰۹ — مکتوب نمبر ۵۵۔ ○
- ۶۱۰ — جوابِ مکتوب۔ ○
- ۶۱۰ — مذہبِ شیعہ کا اہلبیت سے ماخوذ ہونا۔ ○
- ۶۱۳ — تصنیف و تالیف کی ابتدا شیعوں سے ہوئی۔ ○
- ۶۳۶ — مکتوب نمبر ۵۶۔ ○
- ۶۳۷ — جوابِ مکتوب۔ ○
-

ذات اُدروازہ شہرِ علوم
زیرِ مناش حجاز و چین و روم



آپ کی ذات تمام علوم کے شہر کا دروازہ ہے
اور ان کے زیرِ نرمان حجاز و چین و روم
آجاتے ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

شہرہ آفاق کتاب ”المراجعات“ کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔
یہ کتاب عربی زبان میں لبنان اور ایران سے کئی مترجمہ چھپ چکی ہے۔
اُردو کا ترجمہ بھی اب تک تقریباً تین دفعہ چھپ چکا ہے۔
شیعہ و سنی اختلاف پر اب تک بے انتہا کتابیں چھپ چکی ہیں
لیکن اس موضوع پر تحریر کی جانے والی کتب میں سے یہ کتاب اپنے منفرد
انداز و خصوصیات کی وجہ سے ایک خاص مقام رکھتی ہے۔

پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ اس کتاب کے دونوں فریقین جن کے
درمیان یہ خط و کتابت انجام پائی ہے، ہر قسم کے بغض و کینہ اور قومی تعصبات
سے پاک ہیں، دونوں میں اسلامی مقاصد و مصالح کے حصول کا جذبہ بطور کامل
موجود ہے۔ امت مسلمہ پر گزرنے والی روئیداد سے آشنا ہوتے ہوئے عالم

اسلام کے زبردست حامی ہیں۔ ان دونوں کا مقصد ہرگز شیعہ سنی بحث کو چھیڑنا اور اس کے نتیجے میں امت کی صفوں میں اختلافات اور تفرقہ کے مواقع فراہم کرنا نہیں بلکہ نہایت ہی شائستہ ماحول میں ”مذہبِ اہلبیتؑ“ کو سمجھنا اور اس سلسلہ میں موجود مغرض اور منقصب و جاہل استدلال کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کا ازالہ ہے، ”مذہبِ اہلبیتؑ“ پر سے پڑے ہوئے ان پردوں کو ہٹانا ہے جنہیں بعض تنگ نظر اور منفعت پرست افراد نے ڈال کر امتِ مسلمہ کو اس مکتبِ عظیم سے دُور کیا ہے۔

سُنی و شیعہ دونوں ہی عالمِ دینِ اسلامی روح سے سرشار نظر آتے ہیں۔ حق پرستی کا جو ہر کتاب کے مختلف حصوں میں بکثرت قابلِ مشاہدہ ہے۔ سچے دونوں ہی اپنے اپنے مکتبہ فکر میں صفِ اول کے علماء میں سے ہیں، اور اپنے زمانہ میں حروفِ آخر شمار کیے جاتے تھے۔ اہلسنت کے محترم عالم جناب شیخ سلیم البشری ہیں جو اہلسنت والجماعت کی بین الاقوامی مرکزی علمی درسگاہ جامعۃ الازہر کے شیخ اور سربراہ ہیں۔ دوسری طرف حضرت آیت اللہ سید شرف الدین الموسوی ہیں جو اس زمانے میں شیعوں کے سب سے بڑے علمی مرکز نجف اشرف میں صفِ اول کے اساتید میں شمار ہوتے تھے۔

مناظرہ کی اکثر کتب میں جدال و خطاب کا رنگ غالب نظر آتا ہے جبکہ اس کتاب کے امتیازات میں سے ایک یہ ہے کہ یہاں پر اکثر علمی و برہانی روش استدلال کو اختیار کیا گیا ہے۔ آیت اللہ مرحوم کا استدلال مضبوط اور مستحکم اولہ پر استوار نظر آتا ہے۔ مسئلہ کے اختلافی دھاس ہونے کے باوجود ادب و متقابل احترام کے دائرہ میں رہتے ہوئے نہایت شستہ زبان استعمال کی گئی ہے۔

پھر کچھ ایسے مسائل اور موضوعات بھی مختلف مناسبتوں سے زیر بحث آئے ہیں جو کلام کی یاد دوسری کتابوں میں کمتر پائے جاتے ہیں۔ مثلاً تاریخ اسلام میں اشیعوں کا حصہ۔ شیعہ اصحاب روایت کی علمی خدمات اور ان کا سنی کتب و مصادر میں تذکرہ ایسے موضوعات ہیں جن میں کم از کم اردو زبان میں بہت کم لکھا اور بولا گیا ہے۔

ان تمام خصوصیات اور بہت سی دوسری خوبیوں نے اس کتاب کی افادیت و اہمیت میں خاطر خواہ اضافہ کر دیا ہے جس کی وجہ سے یہ کتاب کلام کی علمی کتب میں سے شمار کی جاتی ہے۔

ہم نے اسے طباعت کے زیور سے از سر نو آراستہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ حق کے متلاشیوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہو سکے گی۔

ناشر



عالیجناب شیخ سلیم البشری (عالم اہل سنت کے مختصر حالات زندگی)

جناب شیخ سلیم البشری جو الکی مسلک رکھتے تھے ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۲ء میں ضلع بحیزہ کے محلہ بشر میں پیدا ہوئے اور جامعۃ الازہر (قاہرہ - مصر) میں تعلیم حاصل کی۔

بعد میں دو مرتبہ اس عظیم الشان درسگاہ کے انچارج بھی قرار پائے۔ ایک دفعہ ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹۰۰ء سے ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۴ء تک اور دوسری دفعہ ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء سے ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۷ء تک۔

آپ ہی کے زمانہ میں جامعۃ الازہر میں تدریس کے فرائض انجام دینے کے خواہشمند حضرات کے لیے امتحان کی بنیاد رکھی گئی جس میں کثرت اہل علم نے شرکت کی۔

آپ نے جامعۃ الازہر کو پورے نظم و ضبط کے ساتھ چلایا اور انچارج

ہونے کی حیثیت سے جو ذمہ داریاں آپ پر عائد تھیں انہیں درس و تدریس میں حاصل نہ ہونے دیا (بلکہ شیخ الجامعہ ہونے کے ساتھ ساتھ طلبہ کو درس بھی دیتے رہے)

آپ کی قلمی نگارشات بہت ہیں جن کا زیادہ حصہ قدیم علما کی کتابوں پر حاشیہ اور گفتار مقدم کے عنوان سے ہے۔ مثلاً :

○ — ادب کے موضوع پر : حاشیۃ تحفۃ الطلاب لشرح رسالة الآداب۔

○ — توحید کے موضوع پر : حاشیۃ علی رسالة الشيخ علی۔

○ — ادب کے موضوع پر : شرح نهج السيرة۔

○ — عالم نحو کے موضوع پر : الاستثناس فی بیان الاعلام و

اسماء الاحباس۔ جس میں نحوی مطالب

پر بحث کی گئی ہے اور یہ (اتنی اعلیٰ درجہ

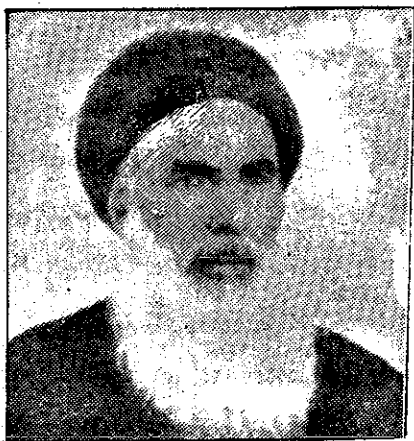
کی کتاب ہے کہ) جامعۃ الازھر میں درس و

تدریس کے سلسلہ میں اس کتاب پر بہت

زیادہ اعتماد کیا گیا ہے۔

جناب شیخ سلیم البشیری نے ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۶ء میں وفات پائی۔^{۱۷}

۱۷ حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو کتاب "الازھر فی ۱۲ علما" صفحہ ۵



عالیجناب آقائے سید عبدالحسین شرف الدین موسوی (علیہ الرحمۃ) کے مختصر حالات زندگی

(ممتاز شیعہ عالم) جناب علامہ سید عبدالحسین شرف الدین موسوی علیہ الرحمۃ کاظمین (عراق) میں ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۲ء میں پیدا ہوئے۔ کاظمین اور نجف اشرف میں تعلیم حاصل کی اور اس زمانے کے انتہائی بلند مرتبہ عالم دین جناب آقائے شیخ محمد کاظم الخراسانی (صاحب کفایہ) سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ عراق کی سرزمین پر فرانس کی سامراجی حکومت کے خلاف انقلابی اقدامات آپ ہی کے زمانہ میں شروع ہوئے جن میں آپ نے مثبت حصہ لیا۔ جس کی پاداش میں آپ کے اس نہایت قیمتی کتب خانہ کو جلادیا گیا جو اسلامی علوم و معارف کا خزانہ تھا۔ اس میں آپ کے نہایت بیش قیمت مخطوطات بھی نذر آتش کر دیے گئے اور آپ کو گرفتار کرنے کی کوشش بھی کی گئی۔

اس موقع پر آپ نے مناسب سمجھا کہ اپنی آواز کو تمام اسلامی ممالک تک پہنچانے کے لیے سفر کریں، چنانچہ آپ دمشق تشریف لے گئے اور وہاں سے فلسطین اور مصر کا سفر کیا۔

اور مصری میں اس زمانہ کے شیخ الازھر جناب شیخ سلیم البشری سے آپ کے مسلسل مذاکرات ہوئے اور ان ہی مذاکرات کے نتیجے میں یہ کتاب ترتیب پائی۔ مولانا نے موصوف نے متعدد موضوعات پر نہایت قیمتی کتابیں تحریر فرمائی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں :

- ✽ المراجعات ○ الفصول المهمة ○ اجوبة مسائل موسى جبار الله ○ الكلمة الغراء في تفضيل الزهراء ○ المجالس الفاضلة ○ النص والاجتهاد ○ فلسفة الميثاق والولاية ○ البوهريرة بغية الراغبين ○ المسائل الفقهية ○ ثبت الاثبات في سلسلة الدواة ○ الى المجمع العلمي العربي بدمشق ○ رسائل ومسائل ○ رسالة كلامية اور ان کے علاوہ وہ بکثرت تالیفات جنھیں دشمنان دین و ادب نے نذر آتش کر دیا۔

آپ نے اس کے ساتھ بہت سے دینی و اجتماعی منصوبے بھی شروع کیے تھے جن کے ذکر کا موقع نہیں۔

آقائے شرف الدین موسوی نے ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں رحلت فرمائی۔

کتابندے سے متعلق علمائے اعلام کے مکتوبات

شام کے ایک معزز عالم دین

علامہ شیخ محمد ناجی غفری کا مکتوب گرامی

آقائے محترم و استاذ مکرم آقائے شرف الدین عبدالحسین صاحب قبلہ دالم مجددہ

قبلہ محترم!

میں نے آپ کی کتاب "المراجعات" کا مطالعہ کیا اور اسے ایک ایسی کتاب پایا جو روشن و محکم دلائل و براہین سے مالا مال ہے۔ پروردگار عالم آپ کو پوری قوم کی طرف سے جزائے خیر دے کہ آپ نے حکمت و دانائی اور فیصلہ کن انداز اختیار فرمایا ہے۔

اگرچہ دشواریاں اور مشکلات سدِ راہ نہ ہوتیں تو اب تک میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دست بوسی کا شرف حاصل کر چکا ہوتا لیکن امید ہے کہ بہت جلد میں آپ کے چہرہ انور کی زیارت کی سعادت حاصل کر سکوں گا۔

میں نے (آپ کی کتاب پڑھنے کے بعد) اپنا سابق مذہبِ حنفی ترک

کر دیا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے مذہب کو اختیار کر لیا ہے ۔
آپ سے التماس ہے کہ کوئی ایسی کتاب میرے لیے بھیجیں جس سے میں اس مذہب
کے احکام و معارف سے پوری طرح واقف ہو سکوں ۔

والسلام
محمد ناجی غفری (۱۸ صفر ۱۳۳۷ھ)

اُن ہی عالم دین کا دوسرا مکتوبِ گرامی

بخدمت عالیجناب آقائے سید عبدالحیمن شرف الدین صاحب دام مجده
سلام علیکم : مزاج شریف !

جناب محترم شرف الدین صاحب ! آپ تو میرے مہربان و پاسبان
میرے رشد اور راہِ حق و صراطِ مستقیم تک پہنچنے کا سب سے بڑا وسیلہ ثابت
ہوئے۔ میں حضرت محمد و آل محمد علیہم السلام کے وسیلہ سے پروردگارِ عالم کی بارگاہ
میں دستِ بدعا ہوں کہ آپ کا سایہ مومنین کے سروں پر نادرِ سلامت رکھے
کیونکہ ان کی سعادت و خیر خواہی آپ کی ذاتِ والا صفات سے وابستہ ہے۔

میں خداوندِ عالم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے آج تک نہ آپ جیسا کوئی عالم
ملا، نہ میں نے آپ جیسی صفات رکھنے والے کسی عالم کے بارے میں سنا۔ آپ
اپنے جدِ اعلیٰ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعتِ مقدسہ کی طرف
سے دفاع کر رہے ہیں اور وہ مخرف و گمراہ لوگ جو حق پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں اُن
کی سازشوں کو طشتِ ازابام کر رہے ہیں اور ان کے سامنے ایسی محکم دلیلیں اور روشن
براہان قائم کر رہے ہیں جن کا نہ تو وہ کوئی جواب دے سکتے ہیں۔ نہ ان دلائل

سے انکار کی ہمت کر سکتے ہیں (اور گو ایسی روشن دلیلوں کے بعد بھی) جو لوگ مذہب حق کو قبول نہ کریں اور حق و باطل میں امتیاز نہ کریں ان کے لیے بدبختی اور عذاب یقینی ہے۔ پروردگارِ عالم آپ کو جزائے خیر دے (کہ آپ نے حق کو آشکار کیا)

والسلام

محمد ناجی غفری - ۱۵ ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ

مولانا موصوف کا تیسرا مکتوب گرامی

بخدمت جناب آقائے سید عبدالحجین شرف الدین موسوی دام مجدہ

سلام علیکم!

جناب محترم!

میں آپ کی ذات والا صفات پر فخر کرتا ہوں۔ میرا دل بلکہ میرے تمام اعضاء و جوارح آپ کی عظمت کے تصور سے مالا مال ہیں اور دنیا بھر کے اہل علم کے درمیان آپ کے فضل و شرف کا بھرپور اعتراف کرتے ہیں۔

کیونکہ آپ نے اپنے قائم مبارک سے بہت سی اقوام و ملل کو حیات نو بخشی اور ضلالت و گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر انھیں ہدایت کی روشنی سے منور کیا اور یہ وہ حقیقت ہے جس کا انکار کرنے والا یا تو اپنی جہالت کے سبب انکار کرے گا یا طبیعت کی کسرشی اور عناد کی بنا پر۔

اور دارالسلطنت میں میں نے جناب سے ملاقات کی۔

اور ان سے مذاکرات بھی کیے۔

وہ حضرت لیے .. بہت بڑے قاضی کے منصب پر فائز ہیں (اور بہت زیادہ اثر و رسوخ کے مالک بھی ہیں) میں نے اُن سے بحث و مباحثہ کیا تو سمجھہ تعالیٰ وہ پوری طرح سے مذہب حق کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔

چنانچہ آپ کی کتاب "المراجعات" میں نے اُن کی خدمت میں پیش کر دی ہے جسے انھوں نے پڑھا اور آپ کے حیرت انگیز دلائل نے انھیں تعجب و مسرت کے دوراہے پر پہنچا دیا۔

کیونکہ آپ نے اپنے علم کے بحر ذخار اور قلم کے شاہکار سے ان کے لیے اس امر کو ممتاز و نمایاں کر دیا کہ دونوں راستوں میں سے حق و صداقت کا راستہ کون سا ہے۔

والسلام۔ آپ کا مخلص
محمد ناجی غفری۔ ۱۷ محرم ۱۳۷۳ھ

حجتہ الاسلام علامہ شیخ محمد حسین المظفر کا مکتوب گرامی

مجاہد ملت حجتہ الاسلام علامہ سید عبدالحسین شرف الدین دامت برکاتہ کے نام...
سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

آپ کی مساعی جیلہ کو مشرق و غرب عالم میں جو پذیرائی اور مقبولیت و محبوبیت

لے بعض خصوصی مصالح کی بنا پر اس جگہ قاضی مذکور کا نام اور ان سے متعلق متعدد باتیں جو غلط کے اندر موجود تھیں اس کتاب کی طباعت کے موقع پر حذف کر دی گئی ہیں۔

حاصل ہوئی ہے وہ لائق تعجب ہرگز نہیں ہے کیونکہ آپ راہِ خدا کے ایک ایسے مجاہد اور حق کا ایسا دفاع کرنے والے ہیں جو عفوِ انِ حیات سے مسلسل خدمتِ دین اور نصرتِ شریعت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خوگر ہیں۔

آپ کو دین کی خدمت کرتے ہوئے نہ کسی قسم کی تکان محسوس ہوتی ہے نہ پریشانی۔ نہ اضطراب نہ تردد بلکہ جہادِ مسلسل کو آپ نے اپنی زندگی کا شعار بنا رکھا ہے اور پروردگارِ عالم کا وعدہ ہے کہ :

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

(اور جو لوگ ہماری راہوں میں جہاد کرتے ہیں ان کے لیے ہم اپنی راہوں کو نمایاں کر دیتے ہیں) اور یقیناً ان مجاہدین کو صراطِ مستقیم پر گامزن رکھتا ہے۔

اور مجھے اُس دن انتہائی مسرت ہوئی جب حلب (شام) کے شیخ محمد..... کا مجھے خط موصول ہوا۔

مکتوب نمبر ۱

میرا سلام ہو شریف النفس عالم بزرگ جناب عبدالحجین شرف الدین موسوی
اور ان پر خدا کی رحمت و برکت ہو۔

جناب عالی، میں زمانہ گزشتہ میں شیعوں کے اندرونی مسائل سے باخبر نہیں
تھا اور نہ مجھے ان کے سلوک و رفتار کی خبر تھی۔ کیونکہ میری نہ کسی کے ساتھ نشست و
برخواست تھی اور نہ ان کے عوام الناس کے اندرونی حالات کا میں نے جائزہ لیا تھا۔
مجھے یہ شوق تو تھا کہ میں ان کے بزرگان کی تقریریں سنوں لیکن عام پبلک سے میں
ہمیشہ دور رہا نہ ان کے افکار اور آراء سے بحث کی اور نہ ان کے نظریات میں
مداخلت کی۔

البتہ جب خداوند عالم نے مجھے یہ توفیق عطا کی کہ میں آپ کے علوم و معارف کے سمندر کے کنارے پہنچوں اور ساغرِ لبریز سے اپنی پیاس بجھاؤں تو بحمد اللہ آپ نے نہایت شیریں پانی سے مجھے سیراب کیا۔ میری علمی تشنگی کو دُور کیا اور علومِ الہی کے شہرِ حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور بابِ مدینۃ العلم حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام جو آپ کے اجدادِ کرام تھے ان کے معارف سے مجھے اس طرح سیراب کیا کہ اس سے زیادہ شیریں جام کسی پیاسے کو نہ ملا ہو گا اور نہ کسی بیمار کو ایسی شفا ملی ہو گی جیسی شفا مجھے آپ کے بحرِ ذخار سے ملی۔

میں لوگوں سے سنتا رہتا تھا کہ آپ شیعہ حضرات اپنے سنی بھائیوں سے ملنا پسند نہیں کرتے ان سے اجتناب کرتے ہیں، تنہائی کو پسند کرتے ہیں اور ہمیشہ گوشہ نشینی اختیار کیے رہتے ہیں..... اور اسی قسم کی باتیں میں سنا کرتا تھا۔

لیکن جب میں نے آپ کو دیکھا تو نہ چلا کہ آپ انتہائی لطیف اور پاکیزہ مزاج کے انسان ہیں۔ بحث و مباحثہ کی گہرائی تک اُترتے ہیں، تبادلہ خیالات کے آرزو مند رہتے ہیں، مناظرہ میں انتہائی قوی اور بہادر ہیں، آپ کی گفتگو بہت پاکیزہ، آپ کا سلوک بہت شریفانہ، آپ سے تعلق لائقِ تشکر اور آپ سے گفتگو نہایت لائقِ تحسین ہے۔ اس لیے اب میری رائے یہ ہے کہ شیعہ حضرات محفل کی خوشبو اور ادب و تہذیب کی آرزوؤں کا مرکز ہیں۔

مناظرہ کی اجازت

جنابِ عالی! اب جبکہ میں آپ کے اوقیانوسِ علم کے ساحل پر کھڑا ہوں آپ سے اجازت طلب کرتا ہوں کہ مجھے اس کی گہرائیوں تک اترنے کا اور

جو اہر تلاش کرنے کا موقع عطا فرمائیے۔ تو اگر آپ نے مجھے اجازت دی تو میں ان باریکیوں اور الجھنوں کو آپ کی خدمت میں پیش کروں گا جو مدت دراز سے میرے سینہ میں موجزن ہیں اور اگر آپ نے اجازت نہ عطا فرمائی تو بھی آپ مختار کل ہیں کیونکہ میں جن باتوں کو پوچھنا چاہتا ہوں ان میں نہ تو کسی لغزش کا طلب گار ہوں نہ کسی بات کا پردہ فاش کرنا چاہتا ہوں۔ نہ فتنہ انگیزی میرا مقصود ہے اور نہ اس سلسلہ میں کوئی بڑا ارادہ رکھتا ہوں بلکہ ایک تلاش گمشدہ کی طرح میں اس مسئلہ کو حل کرنا چاہتا ہوں اور حقیقت کو پہچاننا چاہتا ہوں۔ کیونکہ حق اگر واضح ہو جائے تو انسان کو اسی کی پیروی کرنا چاہیے اور اگر حق واضح نہ بھی ہو سکا تو میں شاعر کے اس شعر پر عمل پیرا ہوں گا کہ :

نحن بما عندنا وانت بما عندك

راہن والسرائی مختلف

"اگرچہ ہماری رائیں مختلف ہیں لیکن آپ اپنے نظریہ

پر خوش رہیں ہم اپنے مسلک پر راضی رہیں۔"

اگر آپ نے بحث کی اجازت دے دی تو میں صرف دو مسائل پر

آپ سے رائے طلب کروں گا۔

نمبر ۱۔ آپ کے مذہب میں امامت کی اصولی اور فروعی حیثیت

اور نمبر ۲۔ وہ عمومی امامت جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کے طور پر کسی کو حاصل ہوتی ہے۔

میں اپنے ہر خط کے اختتام پر دستخط کی جگہ "س" لکھا کروں گا اور آپ

اپنے دستخط کی جگہ "ش" لکھ دیا کیجیے گا۔ آخر میں میں اپنی ممکنہ لغزشوں سے

معذرت چاہتا ہوں۔

جوابِ مکتوب

مناظرہ کی اجازت

عالیجناب شیخ الاسلام دام مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مکتوب گرامی موصول ہوا۔ آپ نے خط کی شکل میں وہ نعمتِ فراواں بھیجی اور میرے لیے ایسے نفیس خیالات کا اظہار کیا جن کا حق ادا کرنے سے زبان قاصر ہے اور جس کے شکرِ لیے سے میں زندگی بھر عاجز ہوں۔

آپ نے اپنی آرزوؤں کو مجھ سے وابستہ کیا اور بلند توقعات قائم کیں جبکہ آپ کی ذات لوگوں کی امیدوں کا مرکز اور ان کے افکار و نظریات کی پناہ گاہ ہے جہاں لوگوں کی امیدیں آپ سے وابستہ رہتی ہیں اور وہ آپ کے وسیع و عریض دہلیز پر اتر کر آپ کے علم سے فیضیاب ہوتے ہیں، آپ کے فضل و شرف کی بارش سے سیراب ہوتے ہیں، اس لیے مجھے امید ہے کہ میں بھی اپنی امیدوں میں کامیاب ہوں گا اور جو تمنائیں میں نے وابستہ کر رکھی ہیں وہ قوی ثابت ہوں گی۔ آپ نے گفتگو کی اجازت چاہی ہے جبکہ آپ صاحب اختیار ہیں جیسا حکم فرمائیں جس بات کے بارے میں چاہیں دریافت کریں۔ جس طرح چاہیں ارشاد فرمائیں آپ صاحب فضل بھی ہیں آپ کی گفتگو فیصلہ کن بھی ہوگی اور انشاء اللہ آپ جو حکم فرمائیں گے وہ عدل کے مطابق ہوگا۔

والسلام

مکتوب نمبر ۲

شیعہ بھی حضرات اہلسنت کا مسلک کیوں نہیں اختیار کرتے؟

مولانا محترم! تسلیمات زاکیات!!
اس کی وجہ آپ بتا سکتے ہیں کہ آخر آپ لوگ بھی وہی مذہب کیوں نہیں
اختیار کر لیتے جو جمہور مسلمان کا مذہب ہے؟

جمہور مسلمان کا مذہب یہ ہے کہ وہ اصول دین اور عقائد میں اشاعرہ کے مخیال
ہیں اور فروع دین میں ائمہ اربعہ امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام
احمد بن حنبل میں سے کسی ایک کے مقلد ہیں۔ آپ بھی اصول دین میں اشاعرہ کا
مسلک اختیار فرمائیں اور فروع دین فرائض و عبادات میں مذاہب اربعہ میں
سے کسی ایک کے پابند ہو جائیے، چاہے امام ابو حنیفہ کی تقلید کیجیے یا امام شافعی
کی یا امام مالک کی یا احمد بن حنبل کی۔ کیونکہ یہی مذہب ایک ایسا مذہب ہے کہ

سلف صالحین بھی اسی کے پابند رہے اور اسی کو بہتر و افضل سمجھتے رہے۔
 نیز ہر زمانہ اور ہر خطہ ارض کے جملہ مسلمانوں کا مذہب بھی یہی رہا اور سب
 کے سب ان ائمہ اربعہ کی عدالت، اجتہاد، زہد و ورع، تقدس و پرہیزگاری
 پاکیزہ نفسی، حسن سیرت اور علمی و عملی جلالت قدر پر ابتداء سے کر آج
 تک بیک دل و زبان متفق رہے ہیں۔

اتحاد و اتفاق کی ضرورت

یہ بھی غور فرمائیے کہ اس زمانے میں ہم لوگوں کے لیے اتحاد و اتفاق
 کس قدر ضروری ہے۔ دشمنان اسلام، ہم مسلمانوں کے خلاف محاذ قائم کیے
 ہوئے ہیں، ایذا رسانی پر کمر باندھ لی ہے دل و دماغ اور زبان کی ساری
 طاقتیں ہمارے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔

اتحاد جمہور اہلسنت کا مذہب اختیار

کرنے ہی سے ہو سکتا ہے۔

ہم لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور فرصت نبدی سے اپنے خلاف
 دشمنوں کی مدد کر رہے ہیں۔ لہذا ایسی حالت میں ہم لوگوں کے لیے بہتر یہی
 ہے کہ ایک مرکز پر جمع ہو جائیں۔ ایک نقطہ پر سمٹ آئیں اور یہ اتفاق
 اتحاد جب ہی ہو سکتا ہے کہ ہمارا مسلک و مذہب بھی ایک ہو، آپ
 لوگ بھی اس مذہب کو اختیار کر لیں جسے عامۃ المسلمین اختیار کیے
 ہوئے ہیں۔

کیا میری رائے سے آپ کو اختلاف ہے؟ خدا کرے اس پر انگشت کی

اور فرقہ واریت سے نجات کی راہ نکلے اور ہم لوگوں کے متحد ہو جانے کی سبیل پیدا ہو۔

س

جوابِ مکتوب

شرعی دلیلیں مجبور کرتی ہیں کہ مذہبِ اہلبیتؑ کو اختیار کیا جائے

مکرمی تسلیم!

گرامی نامہ ملا۔ عرض یہ ہے کہ ہم جو اصولِ دین میں اشاعرہ کے ہم خیال نہیں اور فروعِ دین میں ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید نہیں کرتے تو یہ کسی تعصب یا فرقہ پرستی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ شرعی دلیلیں ہمیں مجبور کرتی ہیں کہ ہم مذہبِ اہلبیتؑ ہی کو اختیار کریں۔ یہی وجہ ہے جو ہم جمہور سے الگ ہو کر اصول و فروعِ دین میں بس ارشاداتِ ائمہ طاہرینؑ ہی کے پابند ہیں۔ کیونکہ اولاً و براہین کا یہی فیصلہ ہے اور سنتِ نبویؐ کی پابندی بھی بس اسی صورت سے ہو سکتی ہے اگر دلیلیں ہمیں ذرا بھی مخالفتِ اہل بیتؑ کی اجازت دیں یا ان کے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی پابندی میں تقربِ الہی ممکن ہوتا تو ہم ضرور جمہوری کی روش پر چلتے تاکہ باہمی رشتہ اخوت اچھی طرح استوار رہے لیکن مجبوری یہ ہے کہ قطعی اور محکم دلیلیں سنگِ راہ بنی ہوئی ہیں اور کسی طرح مذہبِ اہلبیت چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتیں۔

جمہور اہلسنت کا مسلک اختیار کرنے کی کوئی دلیل نہیں ملتی

اس کے علاوہ ان چاروں مذاہب کو کسی قسم کی ترجیح بھی تو نہیں۔ ان مذاہب کی پابندی کا واجب و لازم ہونا تو اور چیز ہے ان کے بہتر اور قابل ترجیح ہونے پر جمہور کوئی دلیل بھی پیش نہیں کر سکتے۔ ہم نے تو جمہور مسلمین کے اولاً کو پوری تحقیق سے دیکھا۔ ہمیں تو ایک دلیل بھی ایسی نہ ملی جو ان ائمہ اربعہ کی تقلید و پیروی کو واجب بتاتی ہو۔ بس لے دے کے یہی ایک چیز ملی ہے جسے آپ نے بھی ذکر کیا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ مجتہد و عادل اور بڑے جلیل القدر علماء تھے لیکن یہ سوچنے کی بات ہے کہ اجتہاد، امانت، عدالت، جلالِ علمی۔ یہ ان ہی چاروں بزرگوں کے ساتھ مختص تو نہیں، انھیں میں منحصر تو نہیں لہذا معین طور پر فقط ان ہی کی پیروی اور ان ہی کے مذاہب میں سے کسی نہ کسی ایک کا پابند ہو رہنا واجب کیونکر ہو جائے گا؟ اور میرا یہ دعویٰ ہے کہ مسلمانوں میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ نکلے گا جو یہ کہہ سکے کہ یہ چاروں ائمہ اہلسنت ہمارے ائمہ علیہم السلام سے علم یا عمل کسی ایک چیز میں بڑھ کر تھے۔ ہمارے ائمہ تو اہلبیت طاہرین ہیں۔ جو سفینہ نجات ہیں۔ امت اسلام کے لیے بابِ حطہ ہیں، ستارہ ہدایت ہیں اور ثقل پیغمبر ہیں۔ امت میں رسول کی چھوٹی مولیٰ نشانی ہیں۔ جن کے متعلق رسول کا یہ ارشاد ہے کہ :

”دیکھو ان سے آگے نہ بڑھنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور نہ انھیں پیچھے کر دینا ورنہ تب بھی ہلاک ہو جاؤ گے اور انھیں سکھانا

پڑھانا نہیں، یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں“

لیکن کیا کہا جائے کہ رسولؐ کے مرنے کے بعد سیاست نے کیا کیا کرشمے دکھائے اور کیا سلوک کیا گیا اہلبیتؑ کے ساتھ؟

آپ کے اس جملہ نے کہ سلف صالحین بھی اسی مسلک پر گامزن رہے اور انھوں نے اسی کو معتدل و معتبر مذہب سمجھا، مجھے حیرت میں ڈال دیا شاید آپ نہیں جانتے کہ مسلمانوں میں تقریباً آدھی تعداد شیعوں کی ہے اور شیعیان آل محمدؐ کے سلف و خلف اس زمانے کے شیعہ ہوں یا اُس زمانے کے پہلی صدی ہجری سے لے کر اس چودھویں صدی تک مذہب اہلبیتؑ کے پابند ہیں۔ شیعہ مسلک اہلبیت کی اتباع عہد امیر المومنینؑ اور جناب سیدہ سے کر رہے ہیں جب کہ نہ اشعری کا وجود تھا اور نہ ائمہ اربعہ میں سے کوئی عالم وجود میں آیا تھا۔

پہلے زمانہ کے لوگ جمہور کے مذہب کو جانتے ہی نہ تھے

اس کے علاوہ زمانہ پیغمبرؐ سے قریب زمانہ کے مسلمان خواہ شیعہ ہوں یا سنی انھوں نے ان مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کو اختیار ہی نہیں کیا۔ ان میں سے کسی ایک کے پابند ہی نہیں ہوئے اور ان مذاہب کو وہ اختیار بھی کرتے تو کیسے جب کہ ان مذاہب کا اس زمانے میں وجود بھی نہ تھا۔ اشعری (اصول دین میں آپؐ لوگ جن کے پیرو ہیں) ۲۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۰ھ میں انتقال کیا۔ ظاہر ہے کہ ۲۷۰ھ کے قبل کے مسلمان عقائد میں اشعری کیسے کہے جاسکتے ہیں۔ احمد بن حنبل ۱۶۲ھ

میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں انتقال کیا۔ شافعی ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۰ھ میں انتقال کیا۔ امام مالک ۱۷۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۹ھ میں انتقال کیا۔ امام ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں انتقال کیا۔

خدا کے لیے انصاف تو فرمائیے کہ جب اصول دین میں آپ کے پیشوا اشعری ۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور فروغ دین میں آپ کے ائمہ اربعہ ابتداء زمانہ اسلام سے اتنے زمانہ کے بعد عالم وجود میں آئیں، پھر اس سے پہلے کے مسلمانوں کے متعلق یہ کہنا کیونکر روا ہے کہ وہ بھی ان ہی مذاہب اربعہ کے پابند تھے اور ان کا مذہب بھی وہی تھا جو آج کل جمہور مسلمین کا ہے۔

ہم شیعیان اہلبیتؑ تو ائمہ اہلبیتؑ کے پیرو ہیں اور آپ لوگ یعنی جمہور مسلمین اہلبیتؑ کو چھوڑ کر صحابہ اور تابعین صحابہ کے پیرو ہیں۔ تو دورِ اول کے تمام مسلمانوں پر ان مذاہب میں سے کسی نہ کسی ایک کو اختیار کر لینا، کسی نہ کسی ایک کا پابند ہو رہنا واجب کیونکر ہو گیا اور ان چاروں مذاہب سے پیشتر جو مذاہب رائج تھے ان میں کیا خامی تھی کہ ان سے کنارہ کشی کر لی گئی اور آپ کے ان مذاہب میں جو بہت بعد میں عالم وجود میں آئے ایسی کیا خوبی تھی کہ اہلبیتؑ سے روگردانی کی گئی جو ہم پایہ کتاب الہی کشتی نجات اور معدن رسالت ہیں۔

اجتہاد کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے

یہ بھی غور طلب امر ہے کہ اجتہاد کا دروازہ اب کیوں بند ہو گیا جب کہ ابتدائے زمانہ اسلام میں پاٹوں پاٹ کھلا ہوا تھا۔ ہاں اب اگر اپنے کو

بالکل عاجز و قرار دے لیا جائے یہ طے کر لیا جائے کہ ہم اجتہاد کرنا بھی چاہیں تو اب ہم سے نہیں ہو سکتا۔ ہم اس شرف سے محروم ہی رہیں گے تو یہ دوسری بات ہے ورنہ کون شخص اس کا قائل ہونا پسند کر سکتا ہے کہ خداوندِ عالم نے حضرت خاتم المرسلینؐ کو بہترین شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا اور تمام کتب سماویہ سے افضل و اشرف کتاب قرآن مجید نازل کی۔ دین کو مکمل اور اپنی نعمتوں کو تمام کیا اور آنحضرتؐ کو آئندہ و گزشتہ باقیں بنا کر بھیجا تو وہ صرف اس لیے کہ یہی ائمہ اربعہ شریعت کے مالک و مختار ہو رہیں۔ انھیں سے پوچھے، انھیں سے معلوم کرے ان کو چھوڑ کر دوسرے ذریعے سے حاصل کرنا چاہے خود جدوجہد کر کے معلوم کرنا چاہے تو نہ معلوم کر سکے۔ مخقر یہ کہ پوری شریعت اسلامیہ قرآن مجید، سنت رسولؐ تمام دلائل و بیانات سمیت ان کی جاگیر ہو جائے، ملکیت خاص بن جائے، ان کے حکم و رائے کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی رائے پر عمل کرنے کی کسی کو اجازت ہی نہ ہو۔

کیا یہی ائمہ اربعہ و اربابِ نبوت تھے یا انھیں پر خداوندِ عالم نے ائمہ و اوصیاء کا سلسلہ ختم کیا، کیا انھیں کو آئندہ و گزشتہ کے علوم و ولایت کیے اور کیا بس انھیں کو وہ صلاحیتیں ملیں جو دنیا بھر میں کسی اور کو نہیں ملیں، میرے خیال میں کوئی مسلمان بھی اس کا قائل نہ ملے گا۔

اتحاد کی آسان صورت یہ ہے کہ مذہبِ اہلبیتؑ کو معتبر سمجھا جائے

آپؐ نے جس اہم امر کی طرف ہمیں متوجہ کیا ہے یعنی یہ کہ فرقہ واریت ختم کی جائے اور تمام مسلمان شیعہ سنی ایک ہو جائیں تو بس اللہ یہ بہت مستحسن

اقدام ہے لیکن میرا خیال یہ ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کا ہونا بس اسی پر موقوف و منحصر نہیں کہ شیعہ اپنا مذہب چھوڑ دیں یا اہلسنت اپنے مذہب سے الگ ہو جائیں اور خاص کر شیعوں سے یہ کہنا کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دیں ترجیح بلا مرجح ہے بلکہ درحقیقت مرجح کو ترجیح دینا ہے۔ ہاں یہ پرگندگی تب ہی دور ہو سکتی ہے اور اتحاد و اتفاق جب ہی پیدا ہو سکتا ہے جب آپ مذہب اہلبیتؑ کو بھی مذہب سمجھیں اور اس کو بھی ان چاروں مذہبوں میں سے کسی ایک جیسا قرار دیں تاکہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، شیعہ کو بھی ان ہی نظروں سے دیکھیں جن نظروں سے آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ اگر آپ جائزہ لیں تو خود مذاہب اہلسنت میں جتنے اختلاف موجود ہیں وہ شیعہ سنی اختلافات سے کم نہیں۔ لہذا صرف غریب شیعوں پر عتاب کیوں کیا جاتا ہے کہ وہ اہلسنت کے برخلاف ہیں۔ حضرات اہلسنت کو بھی شیعوں کی مخالفت پر سرزنش کیوں نہیں کی جاتی۔ بلکہ خود اہلسنت میں جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں کوئی حنفی ہے کوئی شافعی، کوئی مالکی ہے کوئی حنبلی، تو انہیں اختلاف سے منع کیوں نہیں کیا جاتا لہذا جب ملت اسلامیہ میں چار مذہب ہو سکتے ہیں۔ چار مذہب ہونے پر کوئی لب کشائی نہیں کرتا تو پانچ ہونے میں کیا قباحت ہے؟ کس عقل میں یہ بات آ سکتی ہے کہ چار مذاہب تک ہونے میں کوئی خرابی نہیں، چار مذہبوں میں بٹ کر مسلمان متحد رہ سکتے ہیں اتحاد و اتفاق باقی رہ سکتا ہے لیکن اگر چار سے بڑھ کر پانچ ہو جائیں تو اتحاد رخصت ہو جائے گا۔ جمعیت اسلام پر آگندہ و منتشر ہو جائے گی۔

آپ نے ہم شیعوں کو مذہبی وحدت کی طرف جو دعوت دی ہے کاش کہ آپ یہی دعوت مذاہب اربعہ کو دیتے یہ دعوت آپ کے لیے بھی آسان تھی اور ان کے لیے بھی۔ یہ ہمیں کو مخصوص کر کے دعوت کیوں دی گئی؟

کیا آپ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ اہلبیتؑ کی اتباع و پیروی میں اتحاد و حضرت، رشتہ اخوت منقطع، اہلبیتؑ کی پیروی کرنے والوں کا دیگر مسلمانوں سے کوئی واسطہ نہیں، کوئی رابطہ نہیں اور اہلبیتؑ کو چھوڑ کر جس کی بھی پیروی کی جائے جیسے بھی امام بنایا جائے دل ملے رہیں گے، عزائم ایک رہیں گے چاہے مذاہب مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔ راہیں ایک دوسرے کے برخلاف ہی کیوں نہ ہوں، خواہشیں ایک دوسرے سے متفاوہ ہی کیوں نہ ہوں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کا بھی یہ خیال نہ ہو گا اور نہ آپ کو رسولؐ کے اہلبیتؑ سے اتنی پرخاش ہوگی آپ تو دوستدارِ قرابت وارانِ پیغمبرؐ ہیں۔

ش

مکتوب نمبر ۳

مولانا کے محترم تسلیم! آپ کا مفصل گرامی نامہ ملا۔ اس میں شک نہیں کہ آپ نے اصول و فروع دین دونوں میں جمہور کے مذہب کی پیروی واجب نہ ہونے کو بہت تفصیل سے بیان کیا۔ اجتہاد کا دروازہ منور کھلے رہنے کو بھی تشفی بخش طور پر ثابت کیا۔ آپ نے گرامی نامہ میں ان دونوں مسئلوں پر ایسے ناقابل رد دلائل و براہین اکٹھا کر دیئے ہیں کہ انکار یا تاامل کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اب تو میں بھی آپ کا ہم خیال ہوں کہ یقیناً جمہور کے مسلک کا اتباع کوئی ضروری نہیں نیز یہ کہ اجتہاد کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے۔

میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ آپ لوگ بھی وہی مذہب کیوں اختیار نہیں کر لیتے جو جمہور مسلمین کا مسلک ہے۔ تو آپ نے یہ فرمایا کہ اس کا سبب اِدْرہ

شرعیہ ہیں۔ آپ کو چاہیے تھا کہ اس چیز کو ذرا تفصیل سے بیان کرتے۔ بڑی مہربانی ہوگی اگر آپ کلام مجید یا احادیث نبویؐ سے ایسی قطعی دلیلیں پیش کریں جن سے یہ معلوم ہو کہ ائمہ اہل بیتؑ ہی کی پیروی واجب و لازم ہے نہ کہ ان کے غیر کی

س

جوابِ مکتوب

مکرمی تسلیم!

آپ مجھ کو زیرک و دانا ہیں اسی لیے میں نے بجائے شرح و بسط کے اشارتاً کچھ باتیں ذکر کر دی تھیں۔ توضیح کی ایسی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی تھی میرا تو یہ خیال ہے کہ آپ کو ائمہ اہل بیت کے متعلق کسی قسم کا تردد نہ ہوگا۔ نہ ان کو ان کے غیروں پر ترجیح دینے میں کسی قسم کا پس و پیش ہونا چاہیے۔ اہلبیتؑ کی ذوات مقدسہ گناہ ہتیاں نہیں۔ ان کی عظمت و جلالت اظہر من الشمس ہے۔

اتباعِ اہلبیتؑ کے جواب پر

ایک ہلکی سی روشنی

اُن کا کوئی ہمسرہ ہوا نہ نظیر، انھوں نے پیغمبرؐ سے تمام علوم سیکھے، اور دین و دنیا دونوں کے احکام حاصل کیے، اسی وجہ سے پیغمبرؐ نے انھیں قرآن کا مثل، صاحبانِ عقل و بصیرت کے لیے ہادی و پیشوا اور نفاق کے طوفان و تلاطم میں سفینہٴ نجات قرار دیا کہ جو ان کے زمرہ میں داخل ہو گیا اس کی بخشش یقینی ہوگی۔ عروہ و ثقی (مضبوط رسی) فرمایا جو کبھی ٹوٹے گی نہیں۔

امیر المومنینؑ کا دعوت دینا مذہبِ اہلبیتؑ کی طرف

اور حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں۔
 ”تم کہاں جا رہے ہو؟ کدھر بھٹک رہے ہو؟ حالانکہ علمِ ہدایت
 نصب ہیں، نشانیاں واضح ہیں، منارے کھڑے ہیں۔ تم تھاری
 یہ سرگردانی کہاں پہنچائے گی تھیں؟ بلکہ میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ تم
 بھٹک کیسے رہے ہو حالانکہ تمہارے درمیان اہل بیت پیغمبر
 موجود ہیں جو حق کی زمام ہیں، دین کے جھنڈے ہیں، سچائی کی
 زبان ہیں لہذا انہیں بھی قرآن کی طرح اچھی منزل پر رکھو اور تحصیلِ علم
 کے لیے ان کی خدمت میں پہنچو، جس طرح پیاسے اور تھکے ہارے
 چوپائے نہر کے کنارے پہنچتے ہیں، اے لوگو! یہ یاد رکھو یہ ارشادِ
 پیغمبر ہے کہ ہم میں سے کسی شخص کو اگر موت آجائے تو ظاہرِ حقیقت
 سے وہ مر جائے گا لیکن درحقیقت زندہ ہوگا اور یوں اس کا جسم
 خاک میں مل جائے گا لیکن واقعاً خاک میں نہ ملے گا لہذا تم جو
 باتیں جانتے نہیں ہو اس کے متعلق لب کشائی نہ کرو کیونکہ زیادہ تر
 وہی باتیں حق ہیں جن کا تم انکار کرتے ہو معافی مانگو اس سے جس
 پر تم غلبہ نہیں پاسکتے اور وہ ہیں ہوں۔ کیا میں نے تمہارے دسیان

اے کیونکہ ان کی روح عالمِ ظہور میں کار فرما ہے۔ دنیا کو منور بنائے ہوئے ہے
 جیسا کہ شیخ محمد عبدہ مفتی دیارِ مصر وغیرہ نے کہا ہے۔

ثقلِ کبر (یعنی سُکْران) پر عمل نہیں کیا؟ اور تم میں ثقلِ اصغر (یعنی اپنے دونوں جگر گوشے حسنؑ و حسینؑ) چھوڑنے والا نہیں ہوں؟ کیا میں نے تمہارے درمیان ایمان کا جھنڈا نہیں گھڑا؟“

نیز حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

”اپنے نبیؐ کے اہل بیتؑ پر نظر رکھو، ان کی پہچان کا پورا دھیان رہے، ان کے نقشِ قدم پر چلتے رہو، یہ تمہیں راہِ راست سے الگ نہ کریں گے اور نہ ہلاکت میں ڈالیں گے، اگر وہ ٹھہریں تو تم بھی ٹھہر جاؤ اور اگر چل کھڑے ہوں تو تم بھی چل پڑو۔ ان سے آگے نہ بڑھ جانا کہ گمراہ ہو جاؤ اور نہ پیچھے رہ جانا کہ ہلاکت میں پڑ جاؤ“

ایک مرتبہ آپؐ نے اہلبیتؑ کا ذکر فرماتے ہوئے کہا:

”وہ علم کی زندگی ہیں (ان کے دم سے علم زندہ ہے) جہان کے لیے (پیام) موت ہیں۔ ان کے عمل کو دیکھ کر تم ان کے علم کا اندازہ کر سکو گے، ان کے ظاہر کو دیکھ کر ان کے باطن کا اندازہ نتھاری سمجھ میں آجائے گا۔ ان کے سکوت سے تم سمجھو گے کہ ان کا کلام کس قدر جچا تلا ہو گا۔ نہ تو وہ حق کی مخالفت کرتے ہیں اور نہ ان کے مابین حق میں اختلاف ہوتا ہے۔ وہ اسلام

۱۔ نہج البلاغۃ - جلد اول، صفحہ ۱۸۹ خطبہ ۹۳

۲۔ نہج البلاغۃ - جلد ۲، صفحہ ۲۵۹ خطبہ ۲۳۴

کے ستون ہیں، مضبوط سہارا ہیں۔ ان ہی کے ذریعے حق اپنی منزل پر پہنچا۔ باطل کو زوال ہوا اور باطل کی زبان جڑ سے کٹ گئی انھوں نے دین کو حاصل کیا۔ اس پر عمل کرنے اور ذہن نشین کرنے کے لیے صرف سننے سنانے کے لیے نہیں کیونکہ علم کے راوی تو بہت ہیں لیکن علم پر عمل کرنے والے، علم کا حق ادا کرنے والے بہت کم ہیں۔“

ایک دوسرے خطبہ میں آپؐ فرماتے ہیں :
 ”پیغمبرؐ کی عترتؑ تمام عترتوں میں بہترین عترت ہے۔ آپؐ کا گھرا نا تمام گھرانوں سے بہتر گھرا نا ہے، آپؐ کا شجرہ بہترین شجرہ ہے۔ حرم کی چار دیواری میں وہ روئیدہ ہوا۔ اوج بزرگی تک بلند ہوا۔ اس درخت کی شاخیں دراز اور پھل اس کے ناممکن الحصول ہیں۔“

نیز حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں :
 ”اُمّ ہی پیغمبرؐ کی نشانیاں ہیں، ہم ہی اصحاب ہیں، ہم ہی خزانہ دار ہیں، اُمّ ہی دروازے ہیں، گھروں میں دروازے ہی سے آیا جاتا ہے۔ جو شخص دروازے سے نہ آئے اسے چور کہا جاتا ہے۔“
 آگے چل کر آپ اہل بیتؑ کی توصیف فرماتے ہیں :
 ”انھیں کی شان میں کلام مجید کی بہترین آیتیں نازل ہوئیں یہی

۱۔ نہج البلاغۃ۔ جلد اول صفحہ ۱۷۵ خطبہ ۱۹۰
 ۲۔ نہج البلاغۃ جلد ۱ صفحہ ۵۸ خطبہ ۱۵۰

اہل بیتؑ خدا کے حنزانے ہیں۔ اگر بولیں گے تو سچ بولیں گے،
اور اگر خاموش رہیں گے تو ان پر سبقت نہ لی جاسکے گی۔“
ایک اور خطبہ میں آپؑ فرماتے ہیں:

”سمجھ رکھو تم ہدایت کو اس وقت تک جان نہیں سکتے جب
تک تم یہ نہ جان لو کہ کون راہ ہدایت سے منحرف ہے۔ کتاب
خدا کے عہد و پیمان پر عمل نہیں کر سکتے جب تک تم یہ نہ معلوم کر لو
کہ کس کس نے عہد شکنی کی۔ قرآن سے اس وقت تک متمسک نہیں
ہو سکتے جب تک قرآن چھوڑ دینے والوں کو پہچان نہ لو۔ لہذا اس
کو قرآن والوں سے پوچھو، اہل بیتؑ سے دریافت کرو وہ علم کی
زندگی میں جہالت کے لیے موت ہیں۔ اہل بیت ہی ایسے ہیں کہ
ان کے حکم سے تمہیں پتہ چلے گا کہ وہ کتنا علم رکھتے ہیں۔ ان کی
خاموشی سے تمہیں معلوم ہو گا کہ وہ کس قدر متین اور چچی تکی گفتگو
کرنے والے ہیں۔ ان کے ظاہر کو دیکھ کر تمہیں ان کے باطن کا
اندازہ ہو گا۔ نہ تو وہ دین کی مخالفت کرتے ہیں اور نہ دین میں
ان کے مابین کوئی اختلاف ہوتا ہے۔ پس گویا دین ان کے درمیان
شاہد بھی ہے، صادق بھی، خاموش بھی ہے گویا بھی۔“

اس موضوع پر بکثرت ارشادات آپؑ کے موجود ہیں چنانچہ ایک اور موقع
پر آپؑ نے ارشاد فرمایا:

”ہم ہی سے تم نے تاریکیوں میں ہدایت پائی۔ ہمارے ہی ذریعہ

بلندیوں پر نازل ہوئے۔ ہماری ہی وجہ سے تاریکیوں سے نکلے۔
 بہرے ہو جائیں وہ کان جو سنیں اور سُن کر یاد نہ رکھیں۔“
 ایک اور موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا :
 ”اُسے لوگو! روشنی حاصل کرو اس شخص کے چراغ کی لو سے جو
 تمہیں نصیحت کرنے والا بھی ہے اور خود بھی مطابق نصیحت
 عمل کرنے والا ہے اور پانی بھر لو اس پاک و صاف چشمہ سے
 جس کا پانی نچرا ہوا ہے۔“

ایک اور موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا :
 ”ہم شجرہ نبوتؐ ہیں۔ ہم منزلِ رسالت ہیں، ہم ملائکہ کی جائے
 آمد و رفت ہیں، علم کے خازن ہیں، حکمتوں کے سرچشمہ ہیں،
 ہمارے مددگار اور دوست منتظرِ رحمت اور ہمارے دشمن
 ہم سے کینہ رکھنے والے خدا کے قہر و غضب کے منتظر ہیں۔“
 ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا :
 ”کہاں گئے وہ جو ہم سے سرکشی کر کے ہم پر کذب و افترا کر کے ہمارے

۱۔ منہج البلاغۃ جلد ۱ صفحہ ۳۳ خطبہ ۳

۲۔ منہج البلاغۃ جلد اول خطبہ ۲۰۱

۳۔ منہج البلاغۃ جلد اول صفحہ ۲۱۴ خطبہ ۱۰۵ ابن عباس کا قول ہے کہ ہم

اہل بیت شجرہ نبوتؐ ہیں، ملائکہ کی جائے آمد و رفت ہیں۔ رسالت کے گھرانے والے ہیں،

رحمت کے گھرانے ہیں، علم کے معدن ہیں، ان کے اس فقرہ کو محققین علماء اہل سنت نے نقل کیا

ہے۔ چنانچہ صواعقِ محرقہ صفحہ ۱۴۲ پر بھی منقول ہے ۴۔ منہج البلاغۃ جلد ۲ صفحہ ۳۶

مقابلے میں اپنے کو راسخون فی العلم بتاتے تھے آئیں اور دیکھیں کہ ہم کو خدا نے رفعت بخشی انھیں پست کیا، ہمیں مالا مال کر دیا انھیں محروم رکھا، ہمیں اپنی رحمت میں رکھا انھیں نکال باہر کیا ہم سے ہدایت چاہی جاتی ہے، ہم سے آنکھوں میں نور لیا جاتا ہے یقیناً ائمہ قریش ہی سے ہیں جو ہاشم کی نسل سے ہوں گے ایامت بنی ہاشم کے سوا کسی کے لیے لائق و سزاوار ہی نہیں اور نہ بنی ہاشم کے علاوہ کسی کو حکومت زیب دے سکتی ہے.....“

اسی سلسلہ میں آپ نے اپنے مخالفین سے فرمایا:
 ”.... انھوں نے دنیا کو اختیار کیا اور آخرت کو چھپے کر دیا۔ پاک و صاف چٹے کو چھپوڑ کر گدے پانی سے سیراب ہوئے۔“
 اسی طرح آخر خطبہ تک عنوان کلام ہے۔
 آپ ہی کا یہ قول بھی ہے کہ:

”تم میں سے جو شخص اپنے بستر پر مرے اور وہ اپنے پروردگار اپنے رسولؐ اور اہلبیت رسولؐ کے حقوق کو پہچانتا ہوا مرے تو شہید مرے گا۔ اس کا اجر خدا کے ذمہ ہوگا اور جس نیک کام (جہاد فی سبیل اللہ) کی نیت رکھتا تھا اس کی بھی جزا پائے گا۔ اور اس کی نیت اس کی تلوار کشی کی قائم مقام ہو جائے گی۔“

ایک اور موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:
 ”ہم ہی شرفدار ہیں ہمارے بزرگانِ انبیاء ہیں ہماری

جماعت خدا کی جماعت ہے اور باغی گروہ شیطان کی جماعت ہے۔ جو شخص ہمیں اور ہمارے دشمن کو برابر رکھے وہ ہم سے نہیں۔
 امام حسنؑ نے ایک موقع پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا:
 ”ہمارے بارے میں خدا سے ڈرو کیونکہ ہم تمہارے امیر و حاکم ہیں۔“

امام زین العابدینؑ کا ارشاد گرامی

امام زین العابدین علیہ السلام جب اس آیت کی تلاوت فرماتے :
 ”اے لوگو! خدا سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔“
 تو آپؑ دیر تک خدا سے دعا فرماتے جس میں صادقین کے درجے سے ملحق ہونے اور اندراج عالیہ کی خواستگاری فرماتے، مصائب و شدائد کا ذکر کرتے اور ائمہ دین خانوادہ رسالتؑ کو چھوڑ دینے والے بدعتی لوگوں نے جن چیزوں کی دین کی طرف نسبت دے رکھی ہے اس کا تذکرہ کرتے۔ پھر فرماتے :
 ”اور کچھ لوگ ہمیں ہمارے درجے سے گھٹانے پر اتر آئے۔ کلام مجید کی متشابہ آیتوں سے کام نہ کھانے لگے۔ انہوں نے ان آیتوں کی من مانی تاویلیں کیں اور ہمارے متعلق جو کچھ ارشاد است پیغمبرؐ ہیں ان کو تنہم قرار دے دیا۔“

اسی سلسلہ میں آپؑ فرماتے :

”اے پالنے والے! اس امت کی نافرمانی کی کس سے فریاد کی جائے
 حالت یہ ہے کہ اس ملت کی نشانیاں خاک میں ملی گئیں اور امت

نے فرقہ پرستی اور اختلاف کو اپنا دین بنا لیا۔ ایک دوسرے کو کافر بتانے لگے حالانکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقہ فرقہ ہو گئے اور اختلافات میں پڑ گئے۔ بعد اس کے کہ ان کے پاس روشن نشانیاں آچکی تھیں لہذا حجت پہنچانے اور حکم کی تاویل میں سوا ان کے جو ہم پہ کتاب الہی ہیں ابنائے ائمہ ہدایت ہیں تاریکیوں کے روشن چراغ ہیں جن کے ذریعہ خدا نے بندوں پر اپنی حجت قائم کی اور اپنی مخلوق کو بغیر اپنی حجت کے نہیں چھوڑا کون بھروسے کے قابل ہو سکتا ہے۔ تم انھیں پہچانتا اور پانا چاہو تو شجرہ مبارکہ کی شاخ اور ان پاک و پاکیزہ ذوات کے بقیہ افراد پاؤ گے جن سے خدا نے ہر گندگی کو دور رکھا اور ان کی طہارت کی تکمیل کی۔ انھیں تمام آفتوں سے بری رکھا اور کلام مجید میں ان کی محبت واجب کی ہے۔

یہ امام کی اصل عبارت کا ترجمہ ہے۔ غور سے ملاحظہ فرمائیے۔ یہ عبارت اور امیر المؤمنینؑ کے جتنے فقرے ہم نے ذکر کیے یہ نمایاں طور پر مذہب شیعہ کو پیش کرتے ہیں۔ ایسے ہی متواتر اقوال دیگر ائمہ کرام کے ہمارے صحاح میں موجود ہیں۔

ش

مکتوب نمبر ۲

کلام مجید یا احادیث پیغمبرؐ سے

دلیل کی خواہش

مولانا محترم!

کلام مجید یا حدیث نبویؐ سے کوئی ایسی دلیل پیش کیجیے جس سے معلوم ہو کہ ائمہ اہل بیتؑ ہی کی پیروی واجب ہے۔ قرآن و حدیث کے ماسوا چیزوں کو رہنے دیجیے۔ کیونکہ آپ کے ائمہ کا کلام مخالفین کے لیے حجت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کے کلام سے استدلال اس مسئلہ پر دور کا مستلزم ہے۔ آپ ثابت یہ کرنا چاہتے ہیں کہ ائمہ اہل بیتؑ ہی کی پیروی واجب ہے اور آپ دلیل ہیں انھیں ائمہ اہل بیتؑ کا قول پیش کرتے ہیں جن کی پیروی ہی محل بحث ہے۔

س

جواب مکتوب

ہماری تحریر پر غور نہیں کیا گیا

آپ نے غور نہیں کیا۔ ہم نے حدیث سے ابتدا ہی میں ثبوت پیش کر دیا تھا۔ اپنے مکتوب میں یہ لکھتے ہوئے کہ بس ائمہ اہلبیت ہی کی پیروی ہم پر واجب ہے نہ کہ غیر کی۔ ہم نے حدیث اشارہ ذکر کر دی تھی۔ ہم نے یہ لکھا تھا کہ پیغمبرؐ نے انھیں کتاب خدا کے مفارن صاحبان عقل کے لیے مقتدی، نبات کا سفینہ، امت کے لیے امان قرار دیا ہے، باب خطہ فرمایا۔ تو میری یہ عبارت انھیں مضامین کی احادیث کی طرف اشارہ تھی جو کہ اکثر و بیشتر کتب احادیث میں موجود ہیں۔ ہم نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ آپ ماشار اللہ ان لوگوں میں ہیں جن کے لیے اشارہ ہی کافی ہے تصریح کی ضرورت نہیں۔ لہذا جب ہمارے ائمہ کی اطاعت و پیروی کے متعلق اتنی کثرت سے احادیث موجود ہیں تو اب ان کے اقوال مخالفین کے مقابلہ میں بطور استدلال پیش کیے جاسکتے ہیں اور کسی طرح دور لازم نہیں آتا۔ ہم نے اقوال پیغمبرؐ کی طرف ابتدا میں اشارہ جو کیا تھا ان کی تفصیل بھی کیے دیتے ہیں پیغمبرؐ نے صاف الفاظ میں ارشاد فرمایا :

حدیث ثقلین

بہانگ دہل اعلان فرمایا :

”یا ایہا الناس انی تارک..... الخ“

”اے لوگو! میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم انہیں اختیار کیے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک کتابِ خدا دوسرے میرے اہل بیتؑ“

یہ بھی ارشاد فرمایا:

”میں نے تم میں ایسی چیزیں چھوڑیں کہ اگر تم ان سے محبت کرو تو کبھی گمراہ نہ ہو۔ ایک کتابِ خدا جو ایک رسی ہے آسمان سے زمین تک کھینچی ہوئی، دوسرے میرے عترت و اہل بیتؑ۔ یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پہنچیں۔ دیکھنا میرے بعد تم ان سے کیونکر پیش آتے ہو؟“

یہ بھی آپؑ نے فرمایا کہ:

”میں تم میں اپنے دو جانشین چھوڑے جاتا ہوں، ایک کتابِ خدا جو ایک دراز رسی ہے آسمان سے لے کر زمین تک۔ دوسرے میری عترت و اہل بیتؑ۔ یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس پہنچیں۔“

سے ترمذی و نسائی نے جنابِ جابر سے روایت کی ہے اور ان دونوں سے لاشعری نے کنز العمال جلد اول صفحہ ۴۴۴۔ باب اعتقاد الکتاب والسنۃ کے شروع میں نقل کیا ہے۔

سے ترمذی نے زید ابن ارقم سے روایت کی ہے۔ کنز العمال جلد اول صفحہ ۴۴۴ پر بھی موجود ہے۔ امام احمد نے زید ابن ثابت سے دو صحیح طریقوں سے اس کی روایت کی ہے پہلے سند صحیح جلد ۵ کے بالکل آخر میں طبرانی نے بھی معجم کبیر میں زید بن ثابت سے روایت کیا ہے کنز العمال جلد اول صفحہ ۴۴۴ پر بھی موجود ہے۔

یہ بھی آپ نے فرمایا کہ :

”میں تم میں دو گرافت در چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ کتابِ خدا اور میرے اہلبیتؑ۔ یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں۔“

یہ بھی آپ نے فرمایا کہ :

”قریب ہے میں بلایا جاؤں اور مجھے جانا پڑے۔ میں تم میں دو گرافت در چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک خدائے بزرگ دہرتر کی کتاب دوسرے میری عترت۔ کتابِ خدا تو ایک رستی ہے جو آسمان سے زمین تک دراز ہے اور میری عزت میرے اہل بیتؑ ہیں۔ اور خداوندِ عالم لطیف و خیر نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر پہنچیں۔ پس دیکھو میرے بعد تمہارا سلوک ان کے ساتھ کیا رہتا ہے۔“

۱۔ امامِ حاکم متدرک جلد ۳ صفحہ ۱۲۸ پر اس کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ حدیث شیخین یعنی مسلم و بخاری کے شرائط کے لحاظ سے بھی صحیح ہے لیکن ان دونوں نے اس کو درج نہیں کیا۔

۲۔ امام احمد نے اس حدیث کو ابوسعید خدری سے دو طریقوں سے روایت کیا ہے ایک جلد ۳ صفحہ ۱۴ پر دوسرے صفحہ ۲۶ پر۔ ابن ابی شیبہ، علی اور ابن سعد نے ابوسعید خدری سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ کنز العمال جلد اول صفحہ ۷۴ پر بھی موجود ہے۔

۳۔ امامِ حاکم نے اس حدیث کو متدرک جلد ۳ صفحہ ۱۰۹ پر مرفوعاً نقل کیا ہے اور نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ حدیث مسلم و بخاری کے معیار پر بھی صحیح ہے لیکن ان دونوں (باقی اگلے صفحہ)

اور جب حضرت حج آخری سے پلٹے اور مقام غدیر خم پر پہنچے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ :

”مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ جلد ہی میری طلبی ہوگی اور مجھے جانا پڑے گا۔ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جن میں ایک دوسرے سے بڑا ہے۔ کتاب خدا، دوسرے میرے اہلبیتؑ دیکھو خیال رکھنا کہ ان کے ساتھ تم کس طرح پیش آتے ہو یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں“

پھر آپؐ نے کہا کہ خدائے قوی و توانا میرا مولا و آقا ہے اور میں ہر مومن کا مولا ہوں۔ پھر آپؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور ارشاد فرمایا کہ :

”میں جس کا مولا ہوں یہ علیؑ بھی اس کے مولا ہیں میرے بعد خداوند! دوست رکھ اس کو جو ان کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو ان کو دشمن رکھے“

بقیہ حاشیہ ص ۱۱۷ : نے رج نہیں کیا پھر اسی جلد ۲ صفحہ ۵۳۳ پر دوسرے طریقے سے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن بخاری و مسلم نے ذکر نہیں کیا علامہ ذہبی نے بھی تخفیف مستدرک میں اس کو باقی رکھا ہے اور اس کے صحیح ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

اسے طبرانی نے اس حدیث کو درج کیا ہے جیسا کہ علامہ نہجانی کی اربعین فی الاربعین اور علامہ سیوطی کی احیاء المیت میں مذکور ہے آپؐ ناواقف نہ ہوں گے کہ آنحضرتؐ کا اس دن کا خطبہ صرف اسی فقرہ پر ختم نہیں تھا کیونکہ صرف اتنا کہتے پر خطبہ کا لفظ صادق نہیں آتا۔ لیکن سیاست نے بیشتر محدثین کی زبانیں بند کر دیں اور لکھنے والوں کے قلم روک دیے مگر باوجود اس کے صرف یہ ایک فقرہ اس سمندر کا یہ ایک قطرہ بہت کافی ہے۔

عبداللہ بن اخطب سے روایت ہے کہ رسولؐ نے مقام جحفہ پر خطبہ ارشاد فرمایا جس میں کہا:

”کیا میں تم پر تم سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا؟“
لوگوں نے کہا بے شک یا رسول اللہؐ۔ آپؐ نے اس پر ارشاد فرمایا:
”میں تم سے دو چیزوں کے متعلق پوچھوں گا۔ ایک کتابِ خدا
دوسرے میرے اہل بیتؑ“

حدیثِ ثقلین کا متواتر ہونا

احادیثِ صحیحہ جن کا قطعی فیصلہ یہ ہے کہ بس ثقلین (اہل بیت و قرآن کی پیروی واجب ہے) معمولی درجہ کی حدیثیں نہیں بلکہ متواتر حدیثیں ہیں اور بیئیں سے اوپر صحابیوں سے بکثرت طریقوں سے مروی ہیں۔ اہلبیتؑ کی پیروی کو واجب بتانے کے لیے ایک مرتبہ نہیں بار بار اور متعدد مواقع پر پیغمبرؐ نے علیؑ کو اعلان کھلے لفظوں میں فرمایا۔ کبھی غدير خرم میں اعلان کیا گیا ابھی میں بیان کر چکا ہوں۔ حجِ آخری کے موقع پر عوفہ کے دن اعلان کیا کبھی طائف سے واپسی کے موقع پر اعلان کیا۔ ایک مرتبہ مدینہ میں برسرِ منبر اعلان کیا پھر دوسری مرتبہ جب آپؐ ہجر مرگ پر حجرہ میں تھے اور آپؐ کا حجرہ صحابیوں سے بھرا ہوا تھا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

”اے لوگو! غفریب تم سے رخصت ہونے والا ہوں۔ میں پہلے ہی تم سے سب کچھ کہہ سن چکا ہوں پھر کبے دینا ہوں کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ اپنے پروردگار کی کتاب اور اپنی عزت و اہلبیتؑ“

پھر آپ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور ارشاد فرمایا کہ :
 ” دیکھو یہ علیؑ ہیں۔ یہ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن ان کے
 ساتھ ہے۔ یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض
 کوثر پر میرے پاس پہنچیں۔“

رسالت مآبؐ کی اس وصیت پر جمہور مسلمین کے سر پر آورہ افراد کی ایک جماعت
 نے اقرار و اعتراف کیا ہے۔ یہاں تک کہ ابن حجر نے اپنی کتاب میں حدیث
 ثقلین درج کر کے لکھا ہے کہ حدیث تمسک بکثرت طریقوں سے مروی ہے اور
 بیئیں سے زیادہ صحابیوں نے اس کی روایت کی ہے۔ پھر آگے چل کر کہتے ہیں کہ
 یہاں ایک شبہ ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حدیث بکثرت طریقوں سے مروی
 تو ہے مگر کہیں یہ ہے کہ آپؐ نے حجتہ الوداع کے موقع پر عرفات میں فرمایا۔
 کہیں یہ ہے کہ مدینہ میں جب آپؐ بستر بیماری پر تھے تب ارشاد فرمایا۔ اور
 حجرہ اصحاب سے بچھا ہوا تھا۔ کہیں یہ ہے کہ غدیر خم میں فرمایا۔ کہیں یہ ہے
 کہ جب آپؐ طائف سے واپس ہوئے ہیں تو دوران خطبہ آپؐ نے فرمایا۔
 لیکن یہ شبہ درست نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے کلام اللہ اور
 اہل بیتؑ کی عظمت و جلالت کا لحاظ کرتے ہوئے اور لوگوں کو ان کی طرف
 زیادہ سے زیادہ توجہ دلانے کے لیے ان تمام مواقع پر اس حدیث کو بتکرار
 ارشاد فرمایا ہو تاکہ اگر پہلے سے کسی کے کانوں میں یہ بات نہ پڑی ہو تو اب
 پڑ جائے۔ پہلے کسی نے نہ سنا ہو تو اب سن لے۔ اور جب اہلبیتؑ طاہرین

لے ملاحظہ فرمائیے۔ علامہ ابن حجر کی صواعق محرقہ باب ۹ فضل ۲ کی آخری سطریں۔

۲ دیکھیے صواعق محرقہ صفحہ ۸۹ باب ۱۱ فضل اول

خدا اور رسولؐ کے نزدیک قرآن کے ہم پلہ وہم و زن ہیں تو جو قرآن کی شان ہے وہی ان کی بھی شان ہوگی جس طرح قرآن کا اتباع و اطاعت ہر مسلم پر فرض ہے اسی طرح اہل بیتؑ کی اطاعت بھی ہر ایک پر واجب و لازم ہے لہذا اب ان کی اطاعت اور ان کے مذہب و مسلک کی پابندی سے مفرای نہیں۔ مجبور ہے انسان کہ بس انھیں کا اتباع کرے کیونکہ کوئی مسلمان یہ نہیں پسند کرتا کہ کتاب خدا کو چھوڑ کر کسی اور کتاب کو کسی اور چیز کو اس کے بدلے میں اپنا دستور العمل بنائے۔ تو جب کتاب خدا کے بدلے میں کسی دوسری چیز کو اختیار کرنا مسلمان کے لیے ناممکن ہے تو کتاب خدا کے ہم پلہ وہم و زن جو ہستیاں ہیں ان سے روگردانی کر کے دوسرے اشخاص کی پیروی بھی اس کی نظر میں درست نہ ہوگی۔

جس نے اہلبیتؑ سے تمسک کیا

اس کا گمراہ ہونا

اس کے علاوہ سرور کائنات کا یہ ارشاد کہ :
 "إِنِّي تَارِكٌ فَيْكُمْ مَا إِن تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا كِتَابَ اللَّهِ وَعِزَّتِي"۔

"میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اُسے مضبوطی سے پکڑے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک کتاب خدا دوسرے

میری عزت"

اس کا صریحی مطلب یہ ہے کہ جس نے ان دونوں کو ایک ساتھ اختیار نہ کیا ، دونوں کی ایک ساتھ اطاعت نہ کی وہ گمراہ ہوگا۔ اس مطلب کی تائید اس حدیث ثقلین سے بھی ہوتی ہے جس کی طبرانی نے روایت کی ہے۔ جس میں

آنحضرتؐ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

”دیکھو ان دونوں سے آگے نہ بڑھ جانا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

اور نہ پیچھے رہ جانا ورنہ تب بھی ہلاک ہو جاؤ گے اور انھیں

کچھ سکھانا پڑھانا نہیں کیونکہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں۔“

ابن حجر مہراتے ہیں کہ سرور کائنات کا یہ کہنا کہ:

”تم ان سے آگے نہ بڑھنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور نہ ان سے

پیچھے رہ جانا ورنہ تب بھی ہلاک ہو جاؤ گے اور انھیں کچھ

سکھانا پڑھانا نہیں کہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں۔“

اس امر کی دلیل ہے کہ اہل بیت کے جو افراد مراتب عالیہ اور درجات دینیہ پر

فائز ہوئے انھیں اپنے ماسوا تمام لوگوں پر تفوق و برتری حاصل تھی۔

لے دیکھیے صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۹ باب وصیۃ النبیؐ پھر لو جیے ذرا علامہ ابن حجر سے کہ جب آپؐ قرار

فرماتے ہیں۔ اس کا اعتراف ہے آپؐ کو تو پھر اشعریؒ کو اہلبیتؑ پر کیوں مقدم کیا گیا اہلبیتؑ کو

چھوڑ کر اصول میں اشعریؒ کا مسلک کیوں اختیار کیا گیا۔ فروع دین میں فقہا اربعہ ابو حنیفہ

مالک، شافعی، حنبلی کو اہل بیتؑ پر کیوں ترجیح دی گئی ہے؟ حدیث میں عمران بن حطانؓ

جیسے خوارج کیوں مقدم رکھے گئے۔ تفسیر میں مقاتل بن سلیمان جو فرقہ مرجئیہ سے تھے،

جمایت خد کا قائل تھا کیوں اہل بیتؑ پر مقدم سمجھا گیا۔ دیگر علوم میں غیروں کو

اہل بیتؑ کے مقابلہ میں کیوں ترجیح دی گئی۔ رسولؐ کی جانشینی و نیابت میں برادر رسولؐ

دلی پیغمبر جس کے متعلق رسولؐ فرما چکے تھے کہ ”اوائے قرض میری جانب سے

علیؑ ہی کر سکتے ہیں۔“ کیوں پیچھے کر دیئے گئے۔ ان کو چھوڑ کر دوسرے کیوں حلیف بنا

لیے گئے۔ کس درجہ سے قابل ترجیح سمجھے گئے جن لوگوں نے دینی معاملات (باقی اگلے صفحہ پر)

اہلبیتؑ کی مثال سفینہ نوحؑ اور بابِ حطہ کی ہے اور وہ اختلاف فی الدین سے بچانے والے ہیں

نیز ایک اور بات جو ہر مسلم کو قہراً اہلبیتؑ کا پیرو بناتی ہے اور مجبور کرتی ہے کہ دینی معاملات میں بس ان ہی کی پیروی کی جائے۔ سرور کائناتؐ کی یہ شہور حدیث ہے :

”آگاہ ہوا اے لوگو! تم میں میرے اہلبیتؑ کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے نوحؑ کا سفینہ۔ کہ جو شخص اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے گریز کیا وہ ہلاک ہو گیا“
نیز آنحضرتؐ کا یہ ارشاد :

”تمہارے درمیان میرے اہلبیتؑ کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے بنی اسرائیل کے لیے بابِ حطہ کہ جو شخص اس میں داخل ہوا وہ بخش دیا گیا“

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) امور شریعت میں اہل بیتؑ سے روگردانی کی اور ان کے مخالفین کے نقش قدم پر چلے۔ انھوں نے حدیثِ ثقلین اور اس جیسی دیگر حدیثوں پر جن میں اتباعِ اہل بیتؑ کا حکم دیا گیا ہے کہاں اور کیونکر عمل کیا اور وہ یہ دعویٰ کیونکر کر سکتے ہیں کہ ہم اہل بیتؑ سے تمسک کرنے والے ہیں سفینہ اہل بیتؑ پر ہیں۔ ان کے بابِ حطہ میں داخل ہیں۔

۱۔ امام حاکم نے مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۵۱ پر سلسلہ اسناد جناب ابوذر سے روایت کی ہے۔

۲۔ طبرانی نے اوسط میں ابوسعید سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔

نیز علامہ نبھانی کی کتاب اربعین کے صفحہ ۲۱۶ پر بھی موجود

نیز آنحضرتؐ کا یہ قول کہ :

”ستارے زمین کے باشندوں کے لیے غرقابی سے امان ہیں اور میرے اہلبیتؑ میری امت کے لیے دینی معلومات میں اختلاف کے وقت امان ہیں پس اگر میرے اہلبیتؑ کی مخالفت کوئی گروہ عرب کرے گا (یعنی احکام الہی میں) تو وہ ایک دوسرے سے مختلف ہو کر ابلیس کی جماعت بن جائے گا۔“

اہل بیتؑ سے کون مراد ہیں ؟

ملاحظہ فرمائیے۔ ان روایات کے بعد کیا گنجائش باقی رہتی ہے اور اہل بیتؑ کی پیروی کرنے اور ان کی مخالفت سے باز رہنے کے سوا اور کیا چارہ کار رہتا ہے۔ رسولؐ نے اس حدیث میں جیسے صاف اور صریحی الفاظ میں اس امر کو واضح فرمایا ہے میں تو نہیں جانتا کہ کسی اور زبان میں اس سے بھی زیادہ وضاحت ممکن ہے۔

یہاں اہلبیت سے مراد مجموعہ اہلبیت من حیث المجموع ہیں یعنی جملہ اہلبیتؑ سب کے سب علی سبیل الاستغراق مقصود ہیں۔ اس لیے کہ یہ منزلت صرف انہیں کے لیے ہے جو خدا کی حجت اور اس کی طرف سے درجہ امامت پر فائز ہیں۔ جیسا کہ عقل بھی کہتی ہے اور احادیث بھی بتاتی ہیں چنانچہ مہرسلین کے علمائے اعلام نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ صواعق محرقة

نے امام حاکم نے مستدرک جلد ۳ صفحہ ۴۹ پر ابن عباس سے روایت کی ہے اور روایت کرنے کے بعد لکھا ہے ”یہ حدیث صحیح ہے مگر شیخین نے درج نہیں کیا۔“

میں علامہ ابن حجر مکی تحریر فرماتے ہیں :

”اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ غالباً اہلبیتؑ جنہیں رسولؐ نے امان فرمایا ہے ان سے مراد علمائے اہلبیتؑ ہیں اس لیے کہ انہیں سے ہدایت حاصل کی جاسکتی ہے جیسے ستاروں سے لوگ ہدایت پاتے ہیں اور جو ہمارے درمیان سے اگر مہٹ جائیں تو رُستے زمین کے باشندوں کو آیاتِ الہی کا سامنا ہو جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔“

ابن حجر کہتے ہیں :

”کہ یہ اس وقت ہو گا جب جہدی تشریف لائیں گے جیسا کہ احادیث میں بھی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور انہیں کے زمانے میں دجال بھی قتل کیا جائے گا اور اس کے بعد پے درپے خدا کی نشانیاں ظہور میں آتی رہیں گی۔“

دوسرے مقام پر ابن حجر لکھتے ہیں :

”سرورِ کائناتؑ سے پوچھا گیا کہ اہل بیتؑ کے بعد لوگوں کی زندگی کیسے بسر ہوگی؟ آپؑ نے فرمایا۔ ان کی زندگی بس ایسی ہی ہوگی جیسے اس گدھے کی زندگی جس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ چکی ہو۔“

۱۔ ملاحظہ فرمائیے۔ صواعقِ محرقہ باب ۱۱ صفحہ ۹۱ پر ساتویں آیت کی تفسیر۔

۲۔ ملاحظہ فرمائیے۔ صواعقِ محرقہ صفحہ ۱۴۳۔ اب ہم علامہ ابن حجر سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ جب علمائے اہلبیت علیہم السلام کی یہ منزلت ہے تو آپ لوگ کدھر جائیں گے۔

اہلبیتؑ کو سفینہٴ نوحؑ اور باحطہ سے کیوں تشبیہ دی گئی

آپ اس سے بھی واقف ہوں گے کہ سرور کائنات نے اہلبیتؑ کو سفینہٴ نوحؑ سے جو تشبیہ دی ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ جس نے اہلبیتؑ کا مسلک اختیار کیا، اصول و فروع میں ائمہ اہلبیتؑ کی پیروی اور اتباع کیا وہ عذابِ جہنم سے محفوظ رہا اور جس نے ان سے گریز کیا اس کا حشر وہی ہوگا جو سفینہٴ نوحؑ سے گریز کرنے والے کا ہوا جو جان بچانے کے لیے پہاڑ پر چڑھ گیا تھا۔ بس فرق یہ ہوگا کہ سفینہٴ نوحؑ سے گریز کرنے والا تو پانی میں ڈوبا اور اہلبیتؑ سے کنارہ کشی کرنے والا جہنم کی آگ میں غرق ہوا۔

اور سرور کائنات نے اہلبیتؑ کو بابِ حطہ سے تشبیہ دی ہے تو اس میں وجہ تشبیہ یہ ہے کہ خداوندِ عالم نے مجملہ اور بہت سے مظاہر کے جہاں اس کے جاہ و جبروت، حکم و فرمان کے آگے بندوں کی عاجزی اور سرِ نیازِ ختم کرنے کا مظاہرہ ہوتا ہے اب حطہ کو بھی ایک مظہر قرار دیا تھا اور اسی وجہ سے اسے ذریعہٴ مغفرت بنایا تھا۔ اسی طرح خداوندِ عالم نے امتِ اسلام کے لیے اہل بیتِ پیغمبرؐ کے اتباع و اطاعت کو اپنے جاہ و جبروت کے آگے بندوں کی خاکساری و عاجزی اور اپنے احکام کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے مظاہر میں سے ایک مظہر قرار دیا۔ اسی وجہ سے اتباعِ اہلبیتؑ سببِ مغفرت ہے۔ ابن حجر نے اس پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ اس مضمون کی احادیث

لے مواہق محرق باب ۱۱ صفحہ ۹۱ تفسیر آیہ ہنتم

ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :

”آنحضرتؐ نے ان اہلبیتؑ کو سفینہ سے جو تشبیہ دی ہے تو وہ وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جو ان سے محبت رکھے گا اور ان کو معزز و محترم قرار دے گا اور ان کے علماء کی ہدایت سے مستفید ہوگا وہ مخالفت کی تاریکیوں سے نجات پائے گا اور جو ان سے تخلف کرے گا وہ کفرانِ نعمت کے سمندر میں غرق ہوا اور طغیان و سرکشی کے بیابانوں میں ہلاک ہوا۔“

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ :

”بابِ حطّ سے جو تشبیہ دی ہے تو اس میں وجہ تشبیہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے بابِ حطّ میں خاکساری و عاجزی کے ساتھ استغفار کرتے ہوئے داخل ہونے کو بنی اسرائیل کے لیے سببِ مغفرت قرار دیا تھا اور اسی طرح امتِ اسلام کے لیے اہلبیتؑ پیغمبرؐ کی مودّت و محبت کو ذریعہ بخشش قرار دیا ہے۔“

لے آپ ان کی یہ عبارت دیکھیے اور انصاف فرمائیے کہ علامہ ابن حجر نے پھر فروعِ دین و عقائدِ فقہ کے اصول و قواعد میں ائمہ طاہریں کی رہبری کیوں نہ قابلِ قبول سمجھی ان کے ارشادات پر کیوں نہیں عمل کیا ؟ کتاب و سنت ، علم الاخلاق ، سلوک و آداب میں ان سے استفادہ کیوں نہ کیا ؟ کس بنا پر ان سے روگردانی کی اور کفرانِ نعمت کے سمندر میں اپنے کو ڈبو دیا اور طغیان و سرکشی کے صحراؤں میں ہلاک ہوئے۔ انھوں نے ہم شیعوں کے متعلق جو تہمت تراشیاں کی ہیں اور برا بھلا کہا ہے خدا انھیں معاف کرے۔

غرضیکہ ان اہل بیت علیہم السلام کے اتباع و اطاعت کے واجب و لازم ہونے کے متعلق کثرت صحیح اور متواتر حدیثیں ہیں۔ خصوصاً بطریق اہلبیت طاہرین تو بے شمار متواتر حدیثیں مروی ہیں۔ اگر آپ کی سھکن کا خیال نہ ہوتا تو انھیں بھی شرح و بسط سے ذکر کرتے لیکن جو کچھ لکھ چکے ہیں وہی بہت کافی ہے۔

ش

jabir.abbas@yahoo.com

مکتوب نمبر ۵

مزید نصوص کی خواہش

آپ میری تھکن کا خیال نہ کیجیے، مزید تشریح فرمائیے۔ خوبی قسمت سے آپ سے استفادہ کا موقع ملا ہے میں بہر تن متوجہ ہوں، آپ کے حکماء استدلال نے دل میں فرحت اور طبیعت میں شگفتگی پیدا کر دی ہے۔

س

جواب مکتوب

نصوص کا مختصر سا تذکرہ

آپ کی اس توجہ اور انہماک کا شکریہ بہتر ہے تعمیل حکم میں کچھ اور روشنی ڈالتا ہوں۔

طبرانی نے معجم کبیر میں اور امام رافعی نے اپنے مسند میں بسلسلہ اسناد ابن عباس سے روایت کی ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا:

”وہ شخص جسے یہ پسند ہو کہ میرا جینا جائے اور میری موت مرے اور باغ عدن میں ساکن ہو وہ علیؑ کو میرے بعد اپنا حاکم بنائے اور میرے بعد میرے اہلبیتؑ کی پیروی کرے کیونکہ وہ میری عترت ہیں اور میری طینت سے پیدا ہوئے ہیں اور انہیں میرا فہم میرا علم عطا ہوا ہے۔ ہلاکت ہو اس کے لیے جو ان کے فضل و شرف کو جھٹلائے۔ اور ان کو مجھ سے جو قرابت ہے اس کا خیال نہ کرے۔ خدا ایسے لوگوں کو میری شفاعت نصیب نہ کرے“

مطیر بارودی، ابن جریر، ابن شاہین اور ابن مندہ ابی اسحاق کے واسطے سے زیاد بن مطرف سے روایت کرتے ہیں۔ زیاد کہتے ہیں کہ:

”میں نے خود رسول اللہؐ کو یہ کہتے سنا کہ جو شخص یہ چاہتا ہو

لے ٹھیک ان ہی الفاظ میں یہ حدیث کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۱۷ پر موجود ہے۔ منتخب کنز العمال میں بھی یہ حدیث باقی رکھی گئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے منتخب کنز العمال بر حاشیہ منہ احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۹۴ البتہ اس میں صرف اتنا ہے کہ انہیں میرا فہم دیا گیا ہے علم کا لفظ نہیں۔ غالباً یہ کاتب کی غلطی ہے۔ حافظ ابو نعیم نے بھی اس حدیث کی اپنے حلیہ میں روایت کی ہے اور ان سے علامہ معزز لہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد ثانی صفحہ ۴۴ طبع مصر پر نقل کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے بھی ایسی ہی حدیث ابو عبد اللہ سے اپنی مسند اور مناقب علیؑ دونوں کتابوں میں نقل ہے۔

کہ میرا جینا جیسے اور میری موت مرے اور اس جنت میں داخل ہو جس کا وعدہ مجھ سے میرے پروردگار نے کیا ہے یعنی جنتِ خلد وہ علیؑ کو اور علی کے بعد ان کی اولاد کو اپنا حاکم بنائے کیونکہ وہ ہرگز ہدایت کے دروازے سے تمھیں باہر کرنے والے نہیں اور نہ گمراہی کے دروازے میں پہنچانے والے ہیںؑ

اسی طرح زید بن ارقم سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ :

”جو شخص میرا جینا چاہتا ہو اور میری موت مرنا چاہتا ہو اور جنتِ خلد میں رہنا چاہتا ہو جس کا خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ علیؑ کو اپنا حاکم بنائے کیونکہ وہ ہدایت سے تمھیں باہر نہ کریں گے اور نہ گمراہی میں تمھیں لے جائیں گےؑ“

۱۔ کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۵۵ منتخب کنز العمال بر حاشیہ منہ احمد جلد ۵ صفحہ ۳۲ علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی محقق اس حدیث کو اپنی کتاب اصابہ میں زیادہ کے حالات میں لکھا ہے اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے سلسلہ رواۃ میں یحییٰ بن یعلیٰ محاربى ہے اور ضعیف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابن حجر عسقلانی کا یہ لکھنا بڑا ہی تعجب نیز ہے کیونکہ ابن یعلیٰ محاربى بالاتفاق ثقہ مانے گئے ہیں خود امام بخاری نے صحیح بخاری میں غزوہ حدیبیہ کے تذکرہ میں ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ امام مسلم نے کتاب الحدود میں ان سے روایت کی ہے۔ علامہ ذہبی نے ان کا ثقہ ہونا میزان الاعتدال میں بطور مسلمات ذکر کیا ہے۔ اور علاء قیسرانی وغیرہ نے انھیں ان لوگوں میں شمار کیا ہے جن سے مسلم و بخاری نے حدیثیں لی ہیں۔

۲۔ امام حاکم نے مستدرک جلد ۲ صفحہ ۱۲۸ پر اس حدیث کو لکھا ہے اور حدیث لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے مگر شیخین یعنی مسلم و بخاری نے درج نہیں کیا۔ طبرانی نے المعجم میں اور ابونعیم نے معجم فضائل صحابہ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۵۵۔ اور منتخب کنز العمال بر حاشیہ منہ احمد جلد ۵ صفحہ ۳۲ پر بھی موجود ہے۔

جناب عمار بن یاسرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا :
 ”میں ہر اس شخص کو جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی وصیت
 کرتا ہوں علیؑ کی ولایت کے متعلق جو انھیں دوست رکھے گا وہ
 مجھے دوست رکھے گا اور جو مجھے دوست رکھے گا وہ خدا کو دوست
 رکھے گا اور جو علیؑ سے محبت کرے گا وہ مجھ سے محبت کرے گا
 اور جو مجھ سے محبت کرے گا وہ خدا سے محبت کرے گا اور جو
 علیؑ سے بغض رکھے گا وہ مجھ سے بغض رکھے گا اور جو مجھ سے
 بغض رکھے گا وہ خدا سے بغض رکھے گا۔“

جناب عمار سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا :
 ”جو مجھ پر ایمان لایا اور جس نے میری تصدیق کی وہ علیؑ بن ابی طالبؓ
 کو دوست رکھے۔ ان کو دوست رکھنا مجھے دوست رکھنا ہے
 اور مجھے دوست رکھنا خدا کو دوست رکھنا ہے۔“
 ایک مرتبہ حضرت سرور کائناتؐ نے خطبہ فرمایا جس میں کہا :
 ”اے لوگو! فضل و شرف اور منزلت و ولایت خدا کے رسولؐ کی
 ذریت کے لیے ہے لہذا تم لوگ باطل میں نہ پڑ جاؤ۔“

۱۔ طبرانی نے کبیر میں ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ کنز العمال جلد ۶ ص ۱۵۴ پر بھی موجود ہے۔
 ۲۔ طبرانی نے اس حدیث کو کبیر میں درج کیا ہے۔ کنز العمال جلد ۶ ص ۱۵۵ پر بھی موجود ہے۔ منتخب
 کنز العمال میں بھی ہے۔

۳۔ ابوالشیخ نے ایک طولانی حدیث میں اسے نقل کیا ہے اور ان سے تفسیر ائمہ مودت کے ضمن میں
 ابن حجر نے مواہق محرقہ صفحہ ۱۰۵ پر نقل کیا ہے۔

آنحضرتؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ :

”میری امت کے ہادی ہر دور میں میرے اہلبیتؑ کے عادل افراد ہوں گے جو اس دین اسلام سے مگراہوں کی تحریف اہل باطل کی تہمت تراشی اور جاہلوں کی تاویل کا ازالہ کرتے رہیں گے۔ آگاہ ہو کہ تمہارے ائمہ خدا کے حضور میں تمہارے نمائندہ ہیں لہذا سوچ سمجھ لینا کہ کس اپنا نمائندہ بنا کر بھیجے گا؟“

یہ بھی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ :

”دیکھو ان سے آگے نہ بڑھنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور نہ پیچھے رہ جانا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور انہیں سکھانا پڑھانا انہیں کہ یہ تم سے خود زیادہ جانتے ہیں۔“

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ :

”میرے اہلبیتؑ کو ایسا سمجھو جیسا سر بدن کے لیے اور آنکھیں سر کے لیے ہیں اور سر آنکھوں ہی کے ذریعے راہ پاتا ہے۔“

لے ملائے اپنی سیرت میں یہ حدیث درج کی ہے جیسا کہ آیت وقفوا انہم مسئولون کی تفسیر میں ابن حجرؒ نے صولن محرقہ ص ۱۰ پر تحریر کیا ہے ۔

سے طبرانی نے حدیث ثقلین میں اسے لکھا ہے اور ان سے علامہ ابن حجرؒ نے آیت وقفوا انہم مسئولون کی تفسیر میں صولن محرقہ باب ۱۱ ص ۱۱ پر نقل کیا ہے ۔

سے ارباب سنن و امامیہ کی ایک جماعت نے جناب ابوذرؓ سے سلسلہ اسناد اس حدیث کی روایت کی ہے اور صبان نے اپنی کتاب اساف الراغبین میں اور شیخ یوسف نہانی نے شرح البیۃ ص ۲۱ میں نقل کیا ہے اور کبھی بہت سے ثقہ علما نے اسے لکھا ہے یہ حدیث نص صریح ہے کہ اہل اہلبیتؑ ہی کو اپنا امیر و حاکم سمجھا جائے انہیں کے ذریعہ حق تک ہدایت پائی جاسکتی ہے ۔

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

”ہم اہل بیت کی محبت کو اپنے اوپر لازم کر لو کیونکہ جو شخص خدا سے ملاتی ہو اور ہمیں دوست بھی رکھتا ہو خداوندِ عالم اسے ہماری شفاعت کی وجہ سے جنت میں داخل کرے گا۔ قسم ہے اس معبودِ برحق کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی بندے کو اس کا عمل اس وقت تک فائدہ نہ پہنچائے گا جب تک وہ ہمارے حقوق نہ پہنچاتا ہو“

یہ بھی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ:

”آلِ محمدؐ کی معرفت عذابِ جہنم سے رہائی اور ان کی محبت پلِ صراط سے گزر جانے کا پروانہ اور ان کی ولایت عذاب سے امان ہے۔“

لے طبرانی نے اس حدیث کو اوسط میں درج کیا اور علامہ سیوطی نے احیاء المیت میں علامہ نہمانی نے الاربعین الاربعین میں اور علامہ ابن حجر نے صواعقِ محرقہ میں اسے نقل کیا ہے۔ ذرا سزل کے اس جملہ کو اچھی طرح سوچیے کہ ”کسی بندے کو اس کا عمل اس وقت تک فائدہ نہ پہنچائے گا جب تک وہ ہمارے حقوق کو نہ پہنچاتا ہو۔“ اور خدا راجحے تبائیے کہ وہ حق ہے کون سا جسے خداوندِ عالم نے اعمال کی صحت کے لیے شرط قرار دیا کیا وہ حق نہیں ہے کہ حضراتِ اہل بیتؑ کی اتباع و پیروی کی جائے۔ ان کے احکام پر تسلیم خم کیا جائے اور ان کے ذریعہ خدا تک پہنچا جائے اور سوانہوت و غلافت کے وہ کون سا حق ہو سکتا ہے جس کے اثرات اتنے ہر گیر ہوں۔ لیکن ہمارا ساتھ تو ایسی قوم سے ہے جو تامل و فکر سے کام ہی نہیں لیتی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

لے شفاء قاضی عیاض ص ۱۴۳ ثانی مطبوعہ آستانہ ۱۳۳۸ھ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہاں معرفت سے مراد محض ان کے نام و ذات اور ان کے قراتِ اہل ان رسولؐ سے ہونے کو جان لینا (باقی اگلے صفحہ پر)

یہ بھی آپ نے فرمایا کہ :

”قیامت کے دن موقف حساب۔
یہاں تک کہ اس سے پوچھا جائے
گزاری۔ اپنے جسم کو کس کام میں لا۔
کیا اور کہاں سے حاصل کیا۔ نیز اس۔
متعلق سوال کیا جائے گا“

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ :

”اگر کوئی شخص رکن و مقام کے درمیان اپنے دونوں قدم جمائے
عمر بھر نماز پڑھتا رہے اور روزہ رکھتا رہے مگر آل محمدؐ سے وہ
بغض رکھتا ہو تو وہ جہنم ہی میں جائے گا“

گزشتہ صفحہ کا حاشیہ نہیں کیونکہ یہ تو ابولہب و ابوجہل بھی جلتے تھے بلکہ معرفت سے راوی ہے کہ بعد رسولؐ
انھیں ولی اللہ سمجھا جائے بنابر ارشاد پیغمبرؐ ”من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتة
جاہلیة“ جو شخص اپنے زمانے کے امام کی معرفت حاصل کیے بغیر مر گیا وہ جاہلیت کی موت مرا حضرت
اہلبیتؑ کی محبت و ولایت سے جس کا یہاں ذکر ہے وہ محبت و ولایت مراد ہے جو صاحبان حق ائمہ حق
کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ سچے اور حقیقی ائمہ کے ساتھ جو محبت و ولایت لازم و واجب ہے وہی محبت
اہل بیتؑ سے ہونا چاہیے۔

اے اگر حضرات اہل بیت خداوند عالم کی جانب سے اس منصب پر فائز نہ ہوتے جو مستوجب اطاعت و اتباع
ہے تو ان کی محبت کو اتنی اہمیت کبھی حاصل نہ ہوتی۔ اس حدیث کو طبرانی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے
اور ان سے علامہ سیوطی نے احیاء المیت میں اور نہہانی نے اپنی اربعین میں نیز ارد بھی مستند علمائے
اعلام نے نقل کیا ہے۔

۲۔ اس حدیث کو طبرانی اور امام حاکم نے روایت کیا ہے جیسا کہ علامہ نہہانی کی اربعین (باقی اگلے صفحہ پر)

محبت آل محمدؐ پر مرے گا وہ شہید مرے گا۔ دیکھو جو محبت
آل محمدؐ پر مرے گا وہ مغفور مرے گا۔ سارے گناہ اس کے بخش
دیے جائیں گے۔ دیکھو جو محبت آل محمدؐ پر مرے گا گویا وہ اپنے
تمام گناہوں سے توبہ کر کے مرا، دیکھو جو محبت آل محمدؐ پر مرا وہ
مومن اور کامل الایمان مرے گا۔ دیکھو جو محبت آل محمدؐ پر مرا

(فقیر حاشیہ ص ۹۹) اور علامہ سیوطی کی احیاء المیت میں مذکور ہے۔ یہ حدیث سابق والی حدیث "تم ہے
اس ذات برحق کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی بندے کو اس کا عمل اس وقت
تک فائدہ نہ پہنچائے گا کہ جب تک وہ ہمارے حقوق کو پہچانتا نہ ہو" کی نظیر ہے۔ انصاف فرمائیے کہ آل محمدؐ
سے دشمنی خدا و رسولؐ سے دشمنی نہ ہوتی تذا ان کے دشمن کے اعمال رائیگاں کیوں جاتے اور اگر یہ حضرات
جانشین و قائم مقام پیغمبرؐ نہ ہوتے تو یہ منزلت انہیں کیسے حاصل ہو سکتی تھی۔ امام حاکم اور ابن حبان
نے اپنی حدیث کی کتابوں میں (جیسا کہ علامہ نہانی کی الاربعین اور سیوطی کی احیاء المیت میں مذکور ہے)
ابوسعید سے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا "تم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان
ہے جو شخص بھی ہم اہل بیت سے بغض رکھے گا وہ جہنم میں جائے گا اور طبرانی نے (جیسا کہ نہانی
کی الاربعین اور سیوطی کی احیاء المیت میں مذکور ہے) امام حسنؑ سے روایت کی ہے۔ امام حسنؑ نے
معاویہ بن خدیج سے فرمایا "دیکھو خبردار ہم اہل بیت سے بغض نہ رکھنا کیونکہ حضرات
سرور کائناتؐ فرما چکے ہیں کہ جو شخص ہم سے بغض رکھے گا یا ہم سے حد کرے گا
قیامت کے دن حوض کوثر سے آتشیں کوڑوں کے ذریعہ بھگایا جائے گا" ایک مرتبہ آنحضرتؐ
نے خطبہ فرمایا۔ اے لوگو جس شخص نے ہم اہل بیت سے بغض رکھا خداوند عالم قیامت
کے دن اسے دین بہود پر محسوس کرے گا۔ طبرانی نے اس حدیث کی اوسط میں روایت کی ہے
جیسا کہ احیاء المیت اور الاربعین میں ہے۔

یہ بھی آپ نے فرمایا کہ :

”قیامت کے دن موقف حساب سے کسی شخص کے پیر نہیں ہٹیں گے یہاں تک کہ اس سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی عمر کن باتوں میں گزاری۔ اپنے جسم کو کس کام میں لائے۔ مال کو کن امور میں صرف کیا اور کہاں سے حاصل کیا۔ نیز اس سے ہم اہلبیتؑ کی محبت کے متعلق سوال کیا جائے گا“

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ :

”اگر کوئی شخص رکن و مقام کے درمیان اپنے دونوں قدم جمائے عمر بھر نماز پڑھتا رہے اور روزہ رکھتا رہے مگر آل محمدؑ سے وہ بغض رکھتا ہو تو وہ جہنم ہی میں جائے گا“

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) نہیں کیونکہ یہ تو ابولہب والوہل بھی جانتے تھے بلکہ معرفت سے مراد یہ ہے کہ بعد رسولؐ (اٹھیں ولی اللہ سمجھا جائے بنا برائے پیغمبرؐ) ”من مات ولم يعرف امام زمانہ مات میتة جاہلیة“ جو شخص اپنے زمانے کے امام کی معرفت حاصل کیے بغیر مر گیا وہ جاہلیت کی موت مرا حضرات اہلبیتؑ کی محبت و ولایت سے جس کا یہاں ذکر ہے وہ محبت و ولایت مراد ہے جو صاحبان حق ائمہ حق کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ سچے اور حقیقی ائمہ کے ساتھ جو محبت و ولایت لازم و واجب ہے وہی محبت اہل بیتؑ سے ہونا چاہیے۔

اے اگر حضرات اہل بیتؑ خداوند عالم کی جانب سے اس منصب پر نائز نہ ہوتے جو مستوجب اطاعت و اتباع ہے تو ان کی محبت کو اتنی اہمیت کبھی حاصل نہ ہوتی۔ اس حدیث کو طبرانی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے اور ان سے علامہ بیوطی نے احیاء المیت میں اور نہائی نے اپنی اربعین میں نیز اور بھی مستند علمائے اعلام نے نقل کیا ہے۔

اے اس حدیث کو طبرانی اور امام حاکم نے روایت کیا ہے جیسا کہ علامہ نہائی کی اربعین (باقی اگلے صفحہ پر)

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

”جو شخص محبت آل محمدؐ پر مرے گا وہ شہید مرے گا۔ دیکھو جو محبت آل محمدؐ پر مرے گا وہ مغفور مرے گا۔ سارے گناہ اس کے بخش دیے جائیں گے۔ دیکھو جو محبت آل محمدؐ پر مرے گا گویا وہ اپنے تمام گناہوں سے توبہ کر کے مرا، دیکھو جو محبت آل محمدؐ پر مرا وہ مومن اور کامل الایمان مرے گا۔ دیکھو جو محبت آل محمدؐ پر مرا

(لغیہ حاشیہ ص ۹۷) اور علامہ سیوطی کی احیاء المیت میں مذکور ہے۔ یہ حدیث سابقہ والی حدیث ”قسم ہے اس ذاتِ برحق کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی بندے کو اس کا عمل اس وقت تک فائدہ نہ پہنچائے گا کہ جب تک وہ ہمارے حقوق کو پہچانتا نہ ہو“ کی نظیر ہے۔ انصاف فرمائیے کہ آل محمدؐ سے دشمنی خدا و رسولؐ سے دشمنی نہ ہوتی تو ان کے دشمن کے اعمال رائیگاں کیوں جاتے اور اگر یہ حضرات جانشین و قائم مقام پیغمبرؐ نہ ہوتے تو یہ منزلت انہیں کیسے حاصل ہو سکتی تھی۔ امام حاکم اور ابن حبان نے اپنی حدیث کی کتابوں میں (جیسا کہ علامہ نہانی کی اربعین اور سیوطی کی احیاء المیت میں مذکور ہے) ابوسعیدؓ سے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو شخص بھی ہم اہل بیت سے بغض رکھے گا وہ جہنم میں جائے گا اور طبرانی نے (جیسا کہ نہانی کی اربعین اور سیوطی کی احیاء المیت میں مذکور ہے) امام حسنؑ سے روایت کی ہے۔ امام حسنؑ نے معاویہ بن خدیج سے فرمایا۔ ”دیکھو خیر دار ہم اہل بیت سے بغض نہ رکھنا کیونکہ حضرت سرور کائناتؐ فرما چکے ہیں کہ جو شخص ہم سے بغض رکھے گا یا ہم سے حد کرے گا قیامت کے دن حوض کوثر سے آتشیں کوڑوں کے ذریعہ بھگایا جائے گا۔“ ایک مرتبہ آخرت نے خطبہ فرمایا۔ اے لوگو جس شخص نے ہم المیت سے بغض رکھا خداوند عالم قیامت کے دن اسے دین بہود پر مشور کرے گا۔ طبرانی نے اس حدیث کی اوسط میں روایت کی ہے جیسا کہ احیاء المیت اور اربعین میں ہے۔

ملک الموت اے جنت کی بشارت دیں گے۔ پھر منکر و نکیر جنت کی خوشخبری دیں گے۔ دیکھو جو محبت اہل بیتؑ پر مرا جنت میں یوں سنوار کر لے جایا جائے گا جیسے دلہن اپنے خاوند کے گھر لے جاتی جاتی ہے۔ دیکھو جو محبت اہل بیتؑ پر مرا اس کے لیے قبر میں دو دروازے جنت کے کھول دیے جائیں گے۔ دیکھو جو محبت اہل بیتؑ پر مرا اس کی قبر کو اللہ زیارت گاہ ملائکہ رحمت بنا دے گا۔ دیکھو جو محبت آل محمدؑ پر مرا وہ سنت و جماعت پر مے گا۔ دیکھو جو بغض آل محمدؑ پر مرا وہ قیامت کے دن یوں آئے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان یہ لکھا ہوگا کہ ”یہ رحمت خدا سے یابوس ہے۔“

غرض کہ آخر خطبہ تک آپؐ نے اسی کی توضیح فرمائی ہے۔ یہ خطبہ حضرتؑ کا خطبہ عصما کے نام سے مشہور ہے اور تمام محققین علماء اہلسنت نے اپنی کتابوں میں اس خطبہ کو درج کیا ہے۔ اس خطبہ میں آنحضرتؑ نے بہتوں کی تمناؤں پر پانی چھیر دیا تھا ان احادیث کے کلی مضامین متواتر ہیں خصوصاً بطریق اہلبیتؑ تو اور زیادہ آنحضرتؑ نے آل محمدؑ کے اس قدر فضائل جو بیان کیے۔ ان کی محبت کی اتنی تاکید جو کی۔ ان کی ولایت کو بکرات و مرآت اٹھتے بیٹھتے بیان جو کیا وہ کیا صرف اس وجہ سے کہ یہ حضرات آپؐ کے عزیز و قرابت دار تھے؟ اس بنا پر تو رسولؐ کی شان عوام کی شان سے بھی لپٹ ہو جاتی ہے بلکہ رسولؐ نے اتنا اہتمام صرف

لے امام ثعلبی نے اس حدیث کو اپنی تفسیر کبیر میں آیہ مودت کی تفسیر میں جریر بن عبد اللہ بکلی سے روایت کیا ہے اور علامہ زنجشیری نے بطور مسلمات اس حدیث کو اپنی تفسیر میں درج کیا ہے۔

اس لیے کیا کہ یہ حضرات خدا کی مکمل محبت تھے، اس کی شریعت کے سرچشمہ تھے اور امرو
 نہی میں رسولؐ کے قائم مقام تھے اور رسولؐ کی ہدایت و تبلیغ سے اثر پذیر ہونے کا بہت
 ہی روشن اور واضح نمونہ تھے۔ لہذا جو ان سے اسی حیثیت سے کہ یہ محبت خدا ہیں،
 جانشین رسولؐ ہیں اور رسولؐ اسلام کا مکمل ترین نمونہ ہیں محبت کرے گا وہ خدا کی محبت
 بھی رکھنے والا ہے اور رسولؐ کی بھی۔ اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ خدا سے بھی
 بغض رکھنے والا ہے اور رسولؐ سے بھی۔ آنحضرتؐ فرما چکے ہیں کہ ہم سے بس وہی
 محبت رکھے گا جو مومن و پرہیزگار ہے اور وہی بغض رکھے گا جو منافق و بدبخت
 ہے۔ اسی وجہ سے فرزدق نے ان حضرات کی شان میں کہا ہے

من معشر حبیبہم دین وبغضہم کفر وقربہم منجی ومعتصم
 ان عدا اهل التقی کانوا اشمہم اوقیل من خیداہل الاضقیلم
 ”یہ امام زین العابدینؑ اس جماعت سے ہیں جن کی محبت دین اور
 جن کی دشمنی کفر ہے۔ اور جن سے نزدیکی ذریعہ نجات اور جائے
 پناہ ہے۔ اگر پرہیزگار لوگ شمار کیے جائیں تو یہ اہل بیتؑ ان کے
 امام و پیشوا ہوں گے یا اگر یہ سوال کیا جائے کہ بہترین اہل ارض
 کون ہے تو یہی جواب ملے گا کہ یہ اہل بیتؑ بنی ہیں۔“

اور امیر المومنین علیؑ سلام فرماتے ہیں کہ:

”میں اور میری پاکیزہ نسل اور میری نیکو کار عزت بچپن میں تمام
 لوگوں سے زیادہ حلیم اور بڑے ہو کر سب سے زیادہ علم والے ہیں
 اور ہمارے ذریعہ سے خدا جھوٹ کو زائل کرے گا۔ ہمارے ذریعہ

لے لانے اس حدیث کی روایت کی ہے ملاحظہ ہو صواعق محرقة باب ۱۱

سے خوشخوار بھیڑیوں کے دانت توڑے گا۔ ہمارے ذریعہ تمہیں رہائی
دلائے گا اور تمہاری گردنوں کی رسی جدا کرے گا۔ خدا ہم سے ابتدا

کرتا ہے اور ہم پر ختم^۱۔

لہذا ہم نے جو آل محمدؐ کو ان کے اغیار پر ترجیح دی اور مقدم سمجھا تو اس لیے کہ
خداوندِ عالم نے انہیں سب پر مقدم رکھا اور ہر ایک پر ترجیح دی یہاں تک کہ
نماز میں ان پر درود بھیجنا تمام بندوں پر واجب قرار دیا گیا اگر کوئی پوری نماز
پڑھ ڈالے اور ان پر درود نہ بھیجے تو اس کی نماز صحیح ہی نہیں ہو سکتی خواہ وہ کیسا
ہی صاحبِ فضل کیوں نہ ہو بلکہ ہر نماز گزار کے لیے ضروری ہے کہ اس طرح نماز
پڑھے کہ نماز میں ان پر درود بھیجے جس طرح کلمہ شہادتین کا ادا کرنا ضروری
ہے بغیر تشہد کے نماز نہیں اسی طرح بغیر درود کے صحیح نہیں۔ اہل بیتِ علیہم السلام
کی یہ وہ منزلت ہے یہ وہ درجہ و مرتبہ ہے جس کے سامنے تمام امت کی گردنیں
خم ہو گئیں اور آپ نے جن اماموں کا ذکر کیا ہے ان کی نگاہیں بھی اہل بیتؑ
کے علوئے مرتبت کے آگے خیرہ ہو گئیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں

یا اہل بیت رسول اللہ حبکم
کفاکم من عظیم الفضل انکم
فرض من اللہ فی القرآن انزلہ
من لم یصل علیکم لاحلاۃ لہ

”اے اہل بیتِ رسولؐ! خدا آپ لوگوں کی محبت خداوندِ عالم نے
اپنے نازل کردہ قرآن میں فرض بتائی ہے۔ آپ کی بزرگی و بلندی
فضل و شرف کے لیے بس یہی کافی ہے کہ جو نماز میں آپ پر درود

لے عبد الغنی بن سعید نے ایضاً الاشکال میں اس روایت کو درج کیا ہے۔ کنز العمال

جلد ۲ صفحہ ۲۹۲ پر بھی موجود ہے۔

نہ بھیجے اس کی نماز، نماز ہی نہیں !

یہ چند دلیلیں جو اہل بیت پیغمبر کی اطاعت و اتباع اور ان کے قدم
بر قدم چلنے کو واجب بتاتی ہیں احادیث نبویؐ سے پیش کر کے ختم کرتا ہوں یہی
آپ کے لیے کافی ہوں گے۔ قرآن مجید میں بے شمار محکم آیتیں ہیں ان کا بھی یہی
فیصلہ ہے کہ بس اہل بیتؑ ہی کی پیروی واجب و لازم ہے۔ آپ جو کہ خود صاحب
فہم و بصیرت ہیں اور ذکی و ذہین ہیں اس لیے میں اشارہ کیے دیتا ہوں آپ
کلام مجید کا مطالعہ فرمائیں آسانی سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔

ش

مکتوب نمبر ۶

ہماری تحریر پر اظہارِ پسندیدگی

آپ کا مکتوب گرامی پاکر شرفِ یاب ہوا۔ آپ کی قوتِ تحریرِ زورِ بیا
علمی تبحر اور محققانہ شان کا میں قائل ہو گیا۔ آپ نے تو کوئی گوشہ باقی نہیں رکھا
اور تحقیقات کے خزانے آنکھوں کے سامنے کر دیے۔

حیرت و دہشت کہ مذکورہ احادیث اور
جہہوں کی روش کو ایک کیونکر کیا جائے ؟

جب میں نے آپ کے استدلال پر غور و فکر کیا اور آپ کے ادلہ و براہین
پر گہری نگاہ کی تو میں عجیب تردد کے عالم میں پڑ گیا۔ میں آپ کے ادلہ پر نظر

کرتا ہوں تو انہیں بالکل ناقابل رد دیکھتا ہوں جتنے ثبوت آپ نے پیش کیے ہیں ان کو دیکھتا ہوں تو سوائتیم کرنے کے کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ جب ائمہ اہل بیتؑ کے متعلق سوچتا ہوں تو خدا و رسولؐ کے نزدیک ان کی وہ منزلت معلوم ہوتی ہے کہ سوا عاجزی و خاکساری سے سر جھکا دینے کے کوئی چارہ نہیں اور جب جمہور مسلمین اور سواد اعظم پر نظر کرتا ہوں تو ان کا طرز عمل ان ادلہ کے مفہوم کے بالکل برعکس ہے۔ ادلہ بتاتے ہیں کہ بس ان ہی کی پیروی واجب ہے اور جمہور ہر کس و ناکس کی پیروی کرنے پر تیار۔ لیکن اہل بیتؑ کی پیروی پر آمادہ نہیں۔ میں عجب کش مکش میں مبتلا ہوں گویا دو نفسوں کی کھینچا تانی میں پڑ گیا ہوں۔ ایک نفس کہتا ہے کہ ادلہ کی پیروی کی جائے اور دوسرا کہتا ہے کہ اکثریت اور سواد اعظم کی روش پر چلنا چاہیے۔ ایک نفس نے تو اپنے کو آپ کے حوالے کر دیا ہے اور آپ کے ہاتھ سے جانے والا نہیں لیکن دوسرا جو ہے وہ اپنے عناد کی وجہ سے آپ کے ہاتھ میں جانے پر تیار نہیں اور نافرمانی پر تیار ہوا ہے۔

کلام مجید سے ادلہ کی خواہش

آپ کتابِ خدا سے کچھ اور ایسی قطعی دلیلیں پیش کرنے جو یہ کسر نفس بھی قابو میں آجاتا۔ اور رائے عامہ کی متابعت کی دھن دماغ سے نکلتی۔

س

جوابِ مکتوب

کلام مجید سے دلائل

آپ بحمدہ ان لوگوں میں سے ہیں جو کلام مجید پر گہری نظر رکھتے ہیں اور

اس کے روزِ داسر از ظاہر و باطن سے واقف ہیں آپ خود غور فرمائیے کہ کیا اور کسی کے متعلق بھی ایسی واضح آیتیں نازل ہوئیں جیسی کہ اہل بیت طاہرینؑ کی شان میں نازل ہوئیں کیا کلامِ مجید کی محکم آیتوں نے سوا اہل بیتؑ کے کسی اور کی طہارت و پاکیزگی کا حکم لگایا۔

اہل بیتؑ کے لیے جیسی آیتِ تطہیر نازل ہوئی کیا دنیا بھر کے لوگوں میں سے کسی ایک کے لیے نازل ہوئی ہے؟

کیا قرآن مجید نے اہل بیتؑ کے علاوہ کسی اور کی محبت و مودت واجب ہونے کو بتایا ہے؟

کیا آیہ مباہلہ اہل بیتؑ کے علاوہ کسی اور کے متعلق لے کر جبریل نازل ہوئے؟

اے جیسا کہ آیتِ تطہیر ان سے ہر جن و گندگی دور ہونے کو بتاتی ہے۔

اے ہرگز نہیں۔ اہلبیتؑ کی یہ وہ فضیلت و شرف ہے جس میں ان کا کوئی شریک نہیں۔

اے ہرگز نہیں بلکہ صرف انھیں کے ساتھ یہ فضیلت مخصوص ہے۔ خداوند کریم نے بس انھیں کی محبت فرض

قرار دی ہے اور اس مخصوص فضیلت سے ان کو ہر کہ و مہر پر شرف بخشا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ دو

اے رسول! کہ تم سے اپنی رسالت کا کوئی اجر نہیں طلب کرتے سوا اپنے قریب داروں کی محبت کے اور جو

شخص نیکی حاصل کرے گا (یعنی ان سے محبت رکھے گا) ہم اس کے لیے اس کی خوبی میں اضافہ کریں گے۔

بے شک اللہ (محبت رکھنے والوں کو) بڑا بخشنے والا ہے (اور ان کی محبت کا بڑا قدر دان ہے) تفسیر

ثعلبی میں ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی سے آل محمدؑ کی دوستی مراد ہے اور علامہ زنجشیری صاحب

کشاف نے سدی سے پھر روایت کی ہے دیکھیے تفسیر کشاف جلد ۳ - صفحہ ۶۸

مطبوعہ مصر۔

اے آیہ مباہلہ بھی بس انھیں کے متعلق بالخصوص نازل ہوئی چنانچہ ارشاد خداوند عالم ہے کہ دو اے

رسول! کہ (اچھا میدان میں آؤ) ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔

کیا اہل بیتؑ کے علاوہ سورہ ہل اتی کسی اور کی شان میں قصیدہ مدحیہ بن کر نازل ہوا؟

کیا اہل بیتؑ ہی خدا کی وہ رسی نہیں جن کے متعلق خدا نے فرمایا ہے :

”واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا“

”تم سب خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور پراگندہ نہ ہو“

کیا اہل بیتؑ ہی وہ صادقین نہیں ہیں جن کے متعلق خدا نے فرمایا ہے :

میں پورا سورہ حل اتی اہل بیتؑ کی مدح اور ان کے دشمنوں کی مذمت میں نازل ہوا ہے ۔

میں امام ثعلبی نے اپنی تفسیر میں بسلاً اسناد ابان بن تغلب سے انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے

روایت کی ہے امام جعفر صادق فرماتے تھے کہ ہم وہ خدا کی رسی ہیں جن کے متعلق خدا نے فرمایا ہے

کہ خدا کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو اور پراگندہ نہ ہو۔ ابن حجر مکی نے فصل اول باب الاصول

عزہ میں دو آیتیں اکٹھا کی ہیں جو اہل بیت کے متعلق نازل ہوئیں چنانچہ اس آیت کو ان آیات میں شمار

کیا ہے اور انھوں نے بھی ثعلبی سے نقل کر کے امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول ذکر کیا ہے ”رشتۃ العادئ“

میں امام شافعی کے یہ اشارہ مذکور ہیں سے

ولما رایت الناس قد ذہبت بہم مذاہلہم فی ابجرالغنی والجهل

رکبت علی اسم اللہ فی سفن النجا وھم اھل بیت المصطفیٰ خاتم الوسل

وامسکت حبل اللہ وھو ولا وھم کما قد امرنا بالتمسک بالحبل

جب میں نے دیکھا کہ اہل بیت کے بارے میں لوگوں کو ان کے مذہب گراہی و جہالت کے سمندر میں بے جا رہے

ہیں تو میں خدا کا نام لے کر سفینہ نجات پر سوار ہو گیا یعنی حضرت محمد مصطفیٰ خاتم المرسلین کے اہل بیت کے ساتھ

ہو گیا اور میں نے خدا کی رسی جو ان اہل بیتؑ کی محبت و اطاعت ہے مضبوطی سے پکڑ لی جیسا کہ ہمیں

حکم بھی دیا گیا ہے کہ خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو۔

”وكونوا مع الصادقين“

کیا اہل بیتؑ ہی وہ خدا کی راہ نہیں جس کے متعلق خدا نے فرمایا ہے:
”ان هذا صراطی مستقیماً فاتبعوه“

کیا اہل بیتؑ ہی خدا کا وہ واحد راستہ نہیں جس کے متعلق خدا نے امتِ اسلام کو حکم دیا:

”ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله“

اہل بیتؑ کو چھوڑ کر دوسری راہیں نہ اختیار کرو کہ اصل راستہ ہی سے جدا ہو جاؤ۔

کیا اہل بیتؑ ہی وہ اولی الامر نہیں جن کے متعلق خدا نے فرمایا ہے:
”يا ايها الذين امنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم“

”اے ایماندارو! اطاعت کرو خدا کی اور اس کے رسولؐ کی اور تم میں سے جو اولی الامر ہیں“

اے صادقین سے مراد یہاں حضرت رسولؐ خدا اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں جیسا کہ ہماری صحیح اور مؤثر حدیث بتاتی ہیں ہمارے علاوہ حضرات اہل سنت کے یہاں بھی حدیثیں موجود ہیں جو بتاتی ہیں کہ صادقین سے مراد یہی حضرات ہیں جیسا کہ حافظ ابو نعیم اور موفق ابن احمد نے روایت کی ہے اور ان سے ابن حجر نے صواعق محرّقہ باب ۱۱ صفحہ ۲ پر نقل کیا ہے۔

اے امام محمد باقر و جعفر صادق علیہم السلام فرماتے ہیں کہ صراط مستقیم سے مراد امام ہے اور لا تتبعوا السبل دوسری راہیں نہ اختیار کرو (سے مقصود یہ ہے کہ گمراہ کرنے والے اماموں کی پیروی نہ کرو کہ اصل راستہ (یعنی ہم سے) تم جدا ہو جاؤ۔

اے ثقہ الاسلام محمد بن یعقوب کلینی نے بحدّ صحیح بریدہ عجمی سے روایت کی ہے بریدہ کہنے ہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

کیا اہل بیتؑ ہی وہ صاحبانِ ذکر نہیں جن کے متعلق خدا نے فرمایا ہے:

”فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“

”اگر تم نہیں جانتے تو صاحبانِ ذکر سے پوچھو“

کیا اہل بیتؑ ہی وہ مومنین نہیں جن کے متعلق خدا کا ارشاد ہے:

”وَمَنْ يَشَأْ فَقَالَ الرَّسُولُ مَنْ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ“

”جو شخص ہدایت کا راستہ واضح ہو جانے کے بعد رسولؐ کی مخالفت

بقیہ حاشیہ (۱۹) کہ میں نے امام محمد باقرؑ سے قول خداوندِ عالم ”اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم“ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے جواب میں یہ آیت پڑھی۔

الم تر االى الذين اوتوا نصيباً من الكتاب يؤمنون بالجحمت والطاغوت

ويقولون للذين كفروا هؤلااء اهدى من الذين امنوا سبيلاً“

”کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جنہیں تھوڑا بہت کتاب کا علم ملا ہے وہ شیطان اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں اور کفر اختیار کرنے والوں کو کہتے ہیں کہ یہ ایمان لانے والوں سے زیادہ راہِ راست پر ہیں یہ گمراہی اور ضلالت کے اماں اور جہنم کی طرف لے جانے والوں کے متعلق کہتے ہیں کہ آلِ محمدؑ سے زیادہ راہِ ہدایت پانے والے ہیں“

”اولئك الذين لعنهم الله ومن يلعن الله فلعن تجدد له نصيباً“ یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور جس پر خدا لعنت کرے اس کا کسی کو مددگار نہ پادے۔“

اے امام ثقلیؑ نے اپنی تفسیر میں جنابِ جابرؓ سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ ہم ہی وہ اہلِ ذکر ہیں یہی جملہ ائمہ طہارینؑ سے منقول ہے علامہ بحرینی نے بیس زیادہ حدیثیں باب ۳۲ میں دُرج کی ہیں بس کا مضمون یہی ہے۔

کرے گا اور مومنین کا راستہ چھوڑ کر دوسری راہ چلے گا ہم اس کو
 اس کی روگردانی کا مرا چکھائیں گے۔
 کیا اہل بیتؑ ہی وہ ہادی نہیں جن کے متعلق مندرمایا ہے :
 ”انما انت منذر و لکل قوم ہاد“
 ”اے رسولؐ تم ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لیے ایک ہادیؑ ہے۔“
 اور کیا اہل بیتؑ ہی وہ لوگ نہیں جن پر خدا نے اپنی نعمتیں نازل کیں
 اور جن کے متعلق خداوند عالم نے سورہ فاتحہ میں ارشاد فرمایا ہے :
 ”اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم“

اے ابن مردویہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مشاققہ (مخالفت) رسولؐ سے مراد یہاں
 علیؑ کی شان میں اخلاف کرنا ہے اور من بعد ما تبین لہ الہدیٰ میں ہدیٰ کا جو لفظ
 ہے اس سے مراد شان امیر المومنینؑ ہے یعنی امیر المومنین کی شان و جلال و واضح ہونے کے بعد جو اس میں
 چون و چرا کرے۔ عباسی نے بھی اپنی تفسیر میں اسی معنوں کی حدیث درج کی ہے۔ امیر طاہرین سے
 بکثرت صحیح اور تواتر حدیثیں مروی ہیں جو بتاتی ہیں کہ سید مومنین سے مراد انھیں امیر طاہرین کا سنگ
 ثلثی نے اس آیت کی تفسیر میں جناب ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو
 رسولؐ نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھا کہ میں ڈرانے والا ہوں اور علیؑ ہادی ہیں اور اے علیؑ! تمھارے
 ہی ذریعے ہدایت پانے والے ہدایت پائیں گے۔ اسی معنوں کی متعدد حدیثیں مفسرین و محدثین
 نے جناب ابن عباس سے روایت کی ہیں۔ محمد بن مسلم سے مروی ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام
 سے اس آیت کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا ہر امام اپنے زمانے کا ہادی ہے اور امام محمد باقرؑ نے
 فرمایا ہے اس آیت کی تفسیر میں کہ منذر سے مراد رسولؐ اور ہادی سے مراد حضرت علیؑ ہیں پھر آپ
 نے فرمایا کہ ہم بخدا یہ بات اب تک ہم میں چلی آ رہی ہے۔

”خداوند ہمیں راہ راست کی ہدایت کر ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے
اپنی نعمتیں نازل فرمائیں“
اور دوسری جگہ فرمایا ہے :

”فَاُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ
وَالصّٰدِقِيْنَ وَالشّٰهِدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ“
”اور وہ مومنین بندے ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر خدا نے
اپنی نعمت نازل کی ہے“

کیا خداوند عالم نے انہیں کے لیے ولایت عامہ نہیں قرار دی اور رسولؐ کے
بعد ولایت کا انحصار انہیں میں نہیں کر دیا۔ پڑھیے یہ آیت :
”اِنَّمَا وَلِيْكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ
يَقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُوْنُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَٰكِعُوْنَ“
”اے لوگو! تمہارا ولی خدا ہے اور اس کا رسولؐ اور وہ لوگ جو
ایمان لائے جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں“

لے ثعلبی نے اپنی تفسیر میں بسلسلہ تفسیر سورہ فاتحہ ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ صراطِ مستقیم
سے مراد محمدؐ و آل محمدؐ کا راستہ ہے اور وکیع بن جبراح سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے
انہوں نے سفیان ثوری سے انہوں نے سدی سے انہوں نے اسباط و مجاہد سے اور انہوں
نے جناب ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اھدنا الصوٰط المستقیمہ کا مطلب
یہ ہے کہ تم کو اے معبود محمدؐ و آل محمدؐ کی محبت کی طرف ہماری رہنمائی کر۔

لے کوئی شبہ نہیں کہ ائمہ اہلبیت علیہم السلام سید و سردار ہیں جملہ صدیقین و شہداء و صالحین کے۔
لے تمام مفسرین کا اجماع و اتفاق ہے جیسا کہ علامہ قزوینی نے شرح تجرید میں اس کا اعتراف
کیا ہے (اور یہ علامہ قزوینی اشاعرہ کے ائمہ سے ہیں) کہ یہ آیت (باقی حاشیہ اگلے صفحہ)

اور کیا خدا نے مغفرت کو مختص نہیں کر دیا صرف ان لوگوں کے ساتھ جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور عمل صالح کریں اور ساتھ ساتھ ولایت آلِ محمدؐ کی طرف ہدایت یاب بھی ہوں جیسا کہ خود خداوند عالم نے فرمایا ہے:

”الَّذِي لَغُفَارِ لِمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَى“
 ”بے شک میں بخشنے والا ہوں اس کو جو توبہ کرے ایمان لائے
 اور عمل صالح کرے پھر ہدایت یاب بھی ہو۔“

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی جب آپ نے نماز میں بحالت رکوع انگوٹھی خیرات کی تھی۔ امام سنائی نے بھی اپنی صبح میں عبداللہ بن سلام سے روایت کی ہے کہ یہ آیت امیر المؤمنین علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی اسی طرح امام جعفر بن الصادق علیہ السلام نے بھی سورۃ المدہ کی تفسیر میں اس آیت کے امیر المؤمنینؑ کی شان میں نازل ہونے کی روایت کی ہے ثعلبی نے بھی اپنی تفسیر میں اس آیت کے امیر المؤمنینؑ کی شان میں نازل ہونے کی روایت کی ہے۔

لے ابن حجر نے صواعق محرقہ فصل اول باب ۱۱ میں لکھا ہے ان کی اصل عبارت کا ترجمہ یہ ہے: ”انھوں نے آیت میں اللہ تعالیٰ فرمایا ہے: بے شک میں بخشنے والا ہوں اس کو جو توبہ کرے ایمان لائے اور عمل صالح کرے اور ساتھ ساتھ ہدایت یاب بھی ہو۔“ ثابت نہائی کہتے ہیں کہ یعنی ولایت اہل بیت کی طرف ہدایت یاب ہو۔ امام محمد باقر و جعفر صادقؑ سے بھی یہی مضمون مروی ہے۔ اس کے بعد ابن حجر نے امام محمد باقرؑ کے اس قول کا بھی ذکر کیا ہے جو آپ نے عمارت بن یحییٰ سے فرمایا تھا کہ اے عمارت! کیا دیکھتے نہیں کہ خداوند عالم نے کیونکر شرط قرار دی ہے کہ انسان کو توبہ ایمان و عمل صالح اس وقت تک نفع بخش نہیں جب تک ہماری ولایت کی طرف راہ نہ پائے پھر آپ نے اپنی اسناد سے حضرت امیر المؤمنینؑ سے روایت فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص توبہ بھی کرے ایمان بھی لائے عمل صالح بھی کرے مگر ہماری ولایت کی طرف ہدایت یافتہ نہ ہو اور ہمارے حق کو پہچاننا نہ ہو تو کوئی چیز بھی اس کے لیے فائدہ بخش نہ ہو گی۔ حافظ ابو نعیم نے بھی عون ابن ابی جعفر سے انھوں نے اپنے (باقی اگلے صفحہ پر)

کیا انہیں کی ولایت وہ امانت نہیں جس کے متعلق خداوند عالم کا ارشاد ہے:

”إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا

وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا“

”ہم نے امانت کو آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ سب

نے اس کا بوجھ اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے خائف ہوئے اور

انسان نے اٹھایا اور وہ تو ظالم و جاہل ہے ہی“

کیا اہل بیت علیہم السلام ہی صلح و سلامتی نہیں جس میں داخل ہونے کا خداوند عالم نے حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد الہی ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السَّلَامِ كَافَّةً وَلَا

تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ“

”اے لوگو! سب کے سب سلامتی میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش

قدم پر نہ چلو“

(تفسیر گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) باپ سے انھوں نے حضرت علیؑ سے اسی مضمون کی روایت کی ہے۔ امام حاکم نے

امام محمد باقرؑ و جعفر صادقؑ ثابت بنائی انس بن مالک ان حضرات میں سے ہر شخص سے اس مضمون کی

حدیث روایت کی ہے۔

اسے دیکھیے اس آیت کے معنی جو تفسیر عیسیٰ اور تفسیر علی بن ابراہیم قمی میں بیان کیے گئے ہیں۔ نیز ابن

بابویہ نے امام محمد باقرؑ علیہ السلام و امام جعفر صادقؑ علیہ السلام سے روایت کی ہے اور علامہ

بحرہی نے اس آیت کی تفسیر میں کتاب غایۃ المرام باب ۱۱۵ میں حضرات اہلسنت کی حدیثیں

درج کی ہیں اسے بھی ملاحظہ فرمائیے۔

۱۲ بارہ صحیح حدیثیں (باقی اگلے صفحہ پر)

کیا اہل بیتؑ ہی وہ نعمتِ خداوندِ عالم نہیں جس کے متعلق ارشادِ الہی ہے:

”وَلَتَسْلُنَ يَوْمَئِذٍ عَنْ النَّعِيمِ“

”قیامت کے دن ضرور بالضرورت تم سے اس نعمت کا سوال کیا جائے گا“

کیا حضرت سرور کائنات کو اسی نعمت کے پہنچانے کا تاکیدِ حکم نہیں ہوا؟ اور اتنی سختی نہیں کی گئی جو دھمکی سے مشابہ تھی؟ جیسا کہ آیت کا انداز بتاتا ہے:

”يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِدُكَ مِنَ النَّاسِ“

”اے رسولؐ پہنچا دو اس چیز کو جو تم پر تمھارے پروردگار کی جانب سے نازل ہوئی اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا تم نے کارِ رسالت انجام ہی نہیں دیا۔ تم ڈرو نہیں خدا تمھیں لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔“

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اس آیت کے ولایتِ امیر المومنینؑ دائرہ ظاہرین کے بارے میں نازل ہونے کے متعلق لکھی ہیں اور باب ۲۲۳ میں لکھا ہے کہ اصفہانی اموی نے امیر المومنین سے متعدد طریق سے اس کی روایت کی ہے۔ اے علامہ بحرینی نے کتابِ غایت المرام باب اڑتالیس میں ۳ حدیثیں حضراتِ اہلسنت کے طریقوں سے لکھی ہیں جن سے مستفاد ہوتا ہے کہ نسیم سے مراد یہاں ولایتِ حضرت سرور کائنات اور امیر المومنینؑ اور ائمہ علیہم السلام ہے جس سے خداوندِ عالم نے بندوں کو سرفراز کیا اور باب ۴۹ میں شیعوں کی ۱۲ صحیح حدیثیں اسی مضمون کی درج کی ہیں۔

۲۔ ایک دو نہیں بکثرت محدثین جیسے امام واحدی وغیرہ نے اپنی کتاب (باقی اگلے صفحہ پر)

کیا اسی کے پہنچانے پر رسول اللہ غدیر کے دن مجبور نہیں کیے گئے؟ اور جب آپ پورا اہتمام کر کے اس فریضہ کو انجام دے چکے تو خداوند عالم کی جانب سے اسی دن یہ تہنیت نامہ نازل ہوا:

”الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی

ورضیت لکم الاسلام دیناً“

”آج کے دن ہم نے تمہارے دین کو مکمل کیا تم پر اپنی نعمتوں کو

تمام کیا اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا“

کیا آپ کو علم نہیں کہ اس دن جس نے ان کی ولایت سے علانیہ انکار کیا تھا اور رسول اللہ سے اس بارے میں الجھا تھا اور کہا تھا:

”خداوند اگر یہ سب کچھ حق ہے اور تیری جانب سے ہوا ہے تو مجھ

(بقیہ گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) اسباب نزول میں سورہ مائدہ کی اس آیت کے متعلق جناب ابوسعید خدری سے روایت کی ہے ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ یہ آیت یوم غدیر حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی اسی مضمون کی حدیث کو ثعلبی نے اپنی تفسیر میں دو سندوں سے درج کیا ہے اور علامہ جوینی شافعی نے اپنی کتاب فرائد میں متعدد طریقوں سے ابوسعید سے روایت کیا ہے اور ابونعیم نے بھی اسی مضمون کی حدیث اپنی کتاب نزول القرآن میں دو سندوں سے روایت کی ہے ایک ابورافع سے دوسرے عائشہ سے انھوں نے عطیہ سے اور غایۃ المرام میں ۹ حدیثیں بطریق اہلسنت اور ۸ حدیثیں بطریق شیعہ اسی مضمون کی درج ہیں۔ ملاحظہ ہو غایۃ المرام باب ۳۷، ۳۸۔

۱۔ امام محمد باقرؑ و جعفر صادقؑ سے صحیح حدیثیں اس آیت کی شان نزول میں وارد ہیں۔ ان میں صحت صحت اس امر کی تصریح موجود ہے اور حضرات اہل سنت نے چھ حدیثیں رسولؐ سے روایت کی ہیں جو اسی مضمون کی وضاحت کرتی ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

غایۃ المرام باب ۳۹ - ۴۲۔

پر آسمان سے پتھر برسا یا ہمیں دردناک عذاب پہنچا۔
اس وقت خداوند عالم نے اس پر ایک آسمانی پتھر پھینکا جیسا کہ اصحابِ نبیل کو سزا
دے چکا تھا اور اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی ہے:

”سَأَلْ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ لِّلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ“

”ایک مانگنے والے نے کافروں کے لیے ہو کر رہنے والے عذاب کو
مانگا جس عذاب کو دفع کرنے والا کوئی نہیں۔“

اور جلد ہی لوگوں سے ان حضرات کی ولایت کے متعلق پوچھ گچھ کی جائے گی جیسا
کہ آیہ:

”وَقَفَّوْهُمُ اَنْهُمْ مَسْتَوْلُونَ“

”پھر انہیں ان سے سوال کیا جائے گا۔“ کی تفسیر میں پیغمبرؐ کی صریحی احادیث

میں ملاحظہ ہو تفسیر ثعلبی علامہ بلخی کی کتاب نور الابصار ص ۳۲ سیرت الحبیبہ جلد ۲ مستدرک جلد ۲
صفحہ ۵۰۲۔

۱۔ ابن جریر مکی نے صواعقِ محرقہ میں اس آیت کو منجہ ان آیات کے درج کیا جو اہل بیت کے متعلق
نازل ہوئیں اور بہت کچھ وضاحت سے کام لیا ہے متعدد روایتیں درج کی ہیں دلیلی نے
ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسالت آگے نہ فرمایا، وقفوہم انہم مستولون عن
ولایتہ علی انہیں پھر ان سے علی کی ولایت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ ”واحدی اس آیت کی تفسیر
میں کہتے ہیں کہ ان سے ولایت علی و اہل بیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اس لیے کہ خداوند عالم نے
اپنے پیغمبرؐ کو حکم دیا کہ لوگوں کو بتا دو کہ ہم اپنی رسالت کا کوئی اجر نہیں طلب کرتے سوائے اس
کے کہ ہمارے نزدیک رشتہ داروں سے محبت کرو لہذا ان لوگوں سے سوال کیا جائے گا کہ پوری
پوری محبت اہل بیت سے ان لوگوں نے کی یا نہیں (ملاحظہ ہو صواعقِ محرقہ جلد ۱)۔

وارد ہوئی ہیں اور درحقیقت ان حضرات کی ولایت ہے بھی ایسی ہی اہمیت کی حامل کیونکہ ان کی ولایت ان چیزوں میں سے ہے جن کی تبلیغ کے لیے خداوند عالم نے انبیاء مبعوث کیے۔ انبیاء و اوصیاء کے ذریعے اپنی حجتیں قائم کیں جیسا کہ آیت:

”وَأَسْأَلُ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مَنْ رَسَلْنَا“

”ہمارے ان رسولوں سے پوچھو جنہیں ہم نے تم سے پیشتر بھیجا تھا۔“

کی تفسیر میں علما نے صراحت فرمائی ہے بلکہ ان کی ولایت تو وہ جہنم بالشان امر ہے جس کا خداوند عالم نے روز الست ارواح خلق سے عہد و پیمان لیا جیسا کہ:

”وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

وَأَشْهَدُهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمُ الَّتِي بَرَكْنَا بِكَم - قَالُوا بَلَىٰ

”اور اے رسول! وہ وقت بھی یاد دلاؤ جب تمہارے پروردگار

نے آدم کی اولاد سے یعنی پشتوں سے باہر نکال کر ان کی اولاد

سے خود ان کے مقابلے میں اقرار کرایا۔ پوچھا کہ کیا میں تمہارا

پروردگار نہیں ہوں۔ تو سب کے سب بولے۔ ہاں۔“

کی تفسیر بتاتی ہے۔ انہیں ذوات مقدسہ سے وسیلہ حاصل کر کے آدم نے وہ کلمات

سیکھے جن کے ذریعے ان کی توبہ قبول ہوئی۔

یہی وہ حضرات ہیں جن کی وجہ سے خداوند عالم نے امت سے اپنا عذاب دور رکھا۔

بے حلیۃ الاولیاء ابو نعیم امبہانی تفسیر ثعلبی تفسیر نیشاپوری۔

۵۷ فردوس الاخبار علامہ دہلوی باب ۴، صفحہ ۳۰۴۔

۵۸ تفسیر درمنثور جلد ۱ صفحہ ۶۱ کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۲۳ یتایع المودۃ صفحہ ۷۹۔

۵۹ صواعق محرقة باب ”تفسیر آیت“ وَمَا كُنَّا أَفْلَهُ لِيُعْذِبَهُمْ... الخ

یہ زمین والوں کے لیے جائے پناہ اور خدا تک پہنچنے کا ذریعہ وسیلہ ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن سے حد کیا گیا اور خداوند عالم نے ان کے بارے میں فرمایا :

”ام یحسدون الناس علی ما ائتمروا اللہ من فضله“

”یہ لوگ کیوں جل رہے ہیں ہمارے ان مخصوص لوگوں سے جن کے دامن میں ہم نے اپنے فضل سے نعمتیں بھردی ہیں“

یہی وہ علم میں راسخ حضرات ہیں جن کے متعلق خداوند عالم نے فرمایا :

والراسخون فی العلم یقولون آمنا“

”علم میں گڑھے ہوئے سمائے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے“

یہی وہ اعراف کے رجال ہیں جن کے متعلق خداوند عالم کا ارشاد ہے :

”وعلی الاعراف رجال یعرفون کلا بسماهم“

لے صواعق محرقہ باب آیت ۶ -

لے ثقہ الاسلام علامہ کلینی نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے ”ہم ہی وہ لوگ ہیں جن کی اطاعت خدا نے فرمائی۔ ہم ہی راسخین فی العلم ہیں، ہم ہی وہ لوگ ہیں جن سے حد کیا گیا۔“ جناب شیخ نے بھی تہذیب میں امام جعفر صادقؑ سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔

لے مینابیع المودہ صفحہ ۸۳ روح البیان جلد ۱ صفحہ ۷۲ ابن عباس سے مروی ہے کہ اعراف صراط سے ایک بلند جگہ ہے جس پر عباسؑ، حمزہؑ علیؑ، اور جعفرؑ والجنابین ہوں گے وہ اپنے دوستداروں کو ان کے روشن چہروں سے اور اپنے دشمنوں کو ان کے سیاہ چہروں سے پہچان لیں گے۔ امام ماکم نے لے لہذا اسناد حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ ہم بروز قیامت جنت و نار کے درمیان کھڑے ہوں گے جس نے ہماری مدد کی ہوگی اسے ہم پہچان کر جنت میں اور جس نے دشمن رکھا ہوگا اسے جہنم میں داخل کریں گے اسی مضمون کی وہ حدیث بھی تائید کرتی ہے جو دارقطنی نے روایت کی ہے۔ (لاحظہ ہو صواعق محرقہ ج ۱ ص ۱۰۰) (باقی اگلے صفحہ)

”اعراف پر ایسے مرد ہوں گے جو ہر شخص کو ہستی ہو یا جہنمی اس کی پیشانی سے پہچان لیں گے“

یہی وہ رجال صدق ہیں جن کے متعلق ارشاد ہوا:

”رجال صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہ فممنہم من قضیٰ نحبہ ومنہم من ینتظر و ما بدلوا تبدیلاً“

”ایمانداروں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ خدا سے انہوں نے جان نثاری کا جو عہد کیا تھا اسے پورا کر دکھایا۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جو مر کر اپنا وقت پورا کر گئے اور ان میں سے بعض حکم خدا کے منتظر بیٹھے ہیں اور ان لوگوں نے اپنی بات ذرا بھی نہیں بدلی۔“

(بقیہ صفحہ کا ماضی) حضرت علیؑ نے ان چھ آدمیوں سے جہنم حضرت عمرؓ نے اپنے بعد خلیفہ مقرر کرنے کے لیے صاحبان شوریٰ قرار دیا تھا ایک طولانی گفتگو میں کہا میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم میں میرے سوا کوئی بھی ایسا ہے جس کے بارے میں پیغمبرؐ نے فرمایا اے علیؑ تم بروز قیامت قیم نار جنت ہو گے لوگوں نے کہا نہیں آپ کے سوا اور کسی کے متعلق رسولؐ نے ایسا نہیں فرمایا۔ علامہ ابن حجر اس حدیث کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے جیسا کہ عنترہ نے امام رضاؑ سے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا اے علیؑ تم قسیم نار جنت ہو تم جنت سے کو گے یہ تیرے لیے ہے اور یہ میرے لیے۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مساک نے روایت کی ہے کہ ابو بکرؓ نے حضرت علیؑ سے کہا میں نے پیغمبرؐ کو ارشاد فرماتے سنا ہے ”بل صراط سے پس وہی گورے کا جسے علیؑ نے پروانہ راہداری دیا ہو۔“

لے علامہ ابن حجر نے صواعق محرقہ باب ۹ فصل ۵ میں تحریر کیا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ مبنی کوذ پر نشرین رکھتے تھے کہ کسی نے اس آیت کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا یہ آیت میرے اور میرے چچا حمزہ اور حجاز اور بھائی عبیدہ بن حارث کے متعلق (باقی اگلے صفحہ پر)

یہی وہ رجالِ تسبیح ہیں جن کے بارے میں خداوندِ عالم نے ارشاد فرمایا :
 ”یسبح له فيها بالغدو والأصال رجال لا تلهيهم
 تجارة ولا بيع عن ذكر الله وإقام الصلاة وإيتاء الزكاة
 يخافون يوماً تنقلب فيه القلوب والأبصار“
 ”ان گھروں میں خداوندِ عالم کی تسبیح کیا کرتے ہیں صبح وشام ایسے مرد
 جنہیں خرید و فروخت خدا کے ذکر اور نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا

(بقیہ گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) نازل ہوئی۔ عبیدہ تو بروز بدروا صل یمن ہوئے۔ چچا حمزہ اُمد میں شہید ہوئے
 رہ گیا میں سو میں اس بد بخت ترین مردم کا انتظار کر رہا ہوں جو میری ٹاڈھی کو میرے سر کے خون سے خنکابا کو
 کرے گا میرے حبیب محمد مصطفیٰؐ مجھے بتا گئے ہیں۔ امامِ مالک نے بھی اس مضمون کی حضرت علیؑ سے روایت کی ہے
 نے مہابد و یعقوب بن سفیان نے ابن عباس سے آیت ”وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا لَّانْفُسَهُمْ
 إِلَيْهَا وَتَرَكَوْا لَكَ فَنَاسًا“ اور جب وہ کسی تجارت یا کھیل تماشے کو دیکھ پاتے ہیں تو اس طرف
 دوڑ پڑتے ہیں اور تمہیں کھڑا چھوڑ جاتے ہیں، کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ وحیہ کا ثوم سامان تجارت کے
 جو کہ دن پلٹے اور مدینہ سے باہر آکر ٹھکے اور طبل بجایا تاکہ لوگوں کو ان کی آمد کی اطلاع ہو جائے
 طبل کی آواز سن کر سب کے سب دوڑ پڑے اور رسول اللہؐ کو منبر پر خطبہ پڑھتے چھوڑ دیا صرف
 حضرت علیؑ محسن و حسینؑ، الوزر و مقداد رہ گئے۔ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا خداوندِ عالم نے آج
 کے دن میری اس مسجد کی طرف نگاہ کی اگر یہ چند نفر نہ ہوتے تو پورا مدینہ آگ سے پھونک دیا جاتا
 اور ان لوگوں پر اسی طرح پتھر برسائے جاتے جیسا کہ قوم لوط پر برسائے گئے اور جو لوگ پیغمبرؐ
 کے پاس مسجد میں باقی رہ گئے ان کے بارے میں خداوندِ عالم نے یہ آیت نازل فرمائی
 ”وَسَبِّحْ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ“

کرنے سے غافل نہیں کرتی وہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن

میں دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔“

انھیں کا گھر وہ گھر تھا جس کا ذکر خداوند عالم نے ان شاندار الفاظ میں فرمایا:

”فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ“

”وہ قندیل ایسے گھروں میں روشن ہے جس کی نسبت خدا نے

حکم دیا ہے کہ ان کی تعظیم کی جائے اور ان میں اس کا نام لیا جائے

جن میں صبح و شام وہ لوگ اس کی تسبیح کیا کرتے ہیں۔“

خداوند عالم نے آیت نور میں انھیں کے مشکوٰۃ کو اپنے نور کی مثال قرار دیا ہے اور

اس کے تورین و آسمان میں بلند تر بنونے ہیں۔ وہ بڑی قوت و حکمت والا ہے

یہی سبقت کرتے والے یہی مقرران بارگاہ یہی صدیقین یہی شہداء و صالحین ہیں۔

لے ثعلبی نے اس آیت کی تفسیر میں ابن مالک و بریدہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر نے یہ فی بیوت الہم

کی تلاوت فرمائی تو حضرت ابو بکر نے کھڑے ہو کر علیؑ و فاطمہؑ کے گھر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یا

رسول اللہؐ یہ گھر بھی ان گھروں میں سے ہے؟ پیغمبر نے فرمایا ہاں بلکہ ان سے بہتر گھروں میں ہے۔

لے اشارہ ہے آیہ مثل نورہ کہ مشکوٰۃ... الخ کی طرف جس کے متعلق حسن بصری اور ابو الحسن

مغازلی شافعی سے روایت ہے کہ مشکوٰۃ سے مراد حضرت فاطمہؑ مصباح سے حسینؑ اور شجرہ مبارکہ سے حضرت

ابراہیم شرقی و غربی نہ ہونے سے حضرت فاطمہؑ کا یہودی و نصرانی نہ ہونا یکساں ذیبتہا سے ان کی کثرت علم

اور نور علیؑ نور سے ایک امام کے بعد دوسرا امام اور یہودی اللہ نورہ سے ان کی اولاد کی محبت مراد ہے

لے دلیلی ہے جناب عائشہؓ سے اور طبرانی ابن مردویہ نے جناب ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر

نے فرمایا سبقت کرنے والے تین ہوئے موسیٰؑ کی طرف سبقت کرنے والے۔ یوشع بن نون۔ عیسیٰؑ کی طرف

یاسین اور میری طرف علی بن ابی طالب۔ صواعق محرقہ باب ۹ فصل ۲

لے ابن بخاری نے جناب ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر نے ارشاد فرمایا (باقی اگلے صفحہ پر)

انہیں کے متعلق اور انہیں کے دوستوں کے بارے میں خداوند عالم نے ارشاد فرمایا:

”وَمَنْ خَلَقْنَا امَّةً يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ“

”اور ہماری مخلوقات میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دین حق کی ہدایت کرتے ہیں اور حق ہی حق، انصاف بھی کرتے ہیں۔“

انہیں کی جماعت اور دشمنوں کی جماعت کے متعلق ارشاد ہوا:

”لَا يَسْتَوِي اصْحَابُ النَّارِ وَاصْحَابُ الْجَنَّةِ - اصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ“

”جہنم والے اور جنت والے دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جنت والے ہی تو کامیاب و رستگار ہیں۔“

نیز انہیں حضرات کے دوستوں اور دشمنوں کے متعلق یہ بھی ارشاد ہوا:

(بقیہ گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) صدیق تین ہیں۔ حبیب بنار مومن آل یاسین۔ دوسرے حزقین مومن آل فرعون تیسرے علی بن ابی طالب اور یہ علی سب سے افضل ہیں۔

اے زاہدان نے حضرت علی سے روایت کی ہے کہ عنقریب اس امت کے بہتر فرقے ہوں گے ان میں سے بہتر جہنمی اور ایک جنتی۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں خداوند عالم نے فرمایا وَمَنْ خَلَقْنَا۔ اَلْجَنَّةَ اور یہ لوگ ہم ہیں اور ہمارے شیعہ ہیں۔ کتاب علامہ ابن مردودہ صفحہ ۲۷۶

اے شیخ طوسی نے اپنی امالی میں یہ اسناد صحیح امیر المومنین سے روایت کی ہے کہ پیغمبر نے اس آیت کی تلاوت فرما کر کہا اصحاب نار وہ ہیں جو علیؑ کی ولایت کو ناپسند کریں اور عہدِ قورطیں اور میرے بعد ان سے جنگ کریں جناب صدوق نے بھی حضرت علیؑ سے اسی مضمون کی روایت کی ہے اور علامہ الحسنی موفقی بن احمد نے جناب جابر سے روایت کی ہے کہ پیغمبر نے ارشاد فرمایا قسم بخدا یہ (علیؑ) اور ان کے شیعہ ہی قیامت کے دن رستگار ہیں۔

”ام نجعل الذین آمنوا وعملوا الصالحات کالمفسدین

فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار“

”کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل صالح کیا ان لوگوں جیسا

قرار دیں گے جو زمین میں فساد پھیلانے والے ہیں یا ہم نیکو کار و

پرہیزگار بندوں کو بدکاروں جیسا قرار دیں گے؟“

انھیں دونوں جماعتوں کے متعلق ارشاد خداوند عالم ہوا :

”ام حسب الذین اجتروا السیئات ان نجعلہم

کالذین آمنوا وعملوا الصالحات سواء محیاهم

ومماتہم ساء ما یحکمون“

”جو لوگ بُرے کام کیا کرتے ہیں کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو

ان لوگوں کے برابر کر دیں گے جو ایمان لائے اور اچھے کام بھی

کرتے رہے اور ان سب کا جینا مرنا ایک سا ہو گا یہ لوگ کیا

بُرے حکم لگاتے ہیں؟“

انھیں کے متعلق اور ان کے شیعوں کے متعلق خداوند عالم کا ارشاد ہے :

”ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک ہم

لے ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ آیت جناب علیؑ اور حمزہؓ اور عبیدہ بن الحارث کے حق میں نازل ہوئی

ہے لہٰذا اس آیت میں وہ لوگ کہ کرتے ہیں برا بھلا عقبہ اور شبیہ اور ولید ہیں اور وہ لوگ کہ

ایمان لائے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں وہ جناب علیؑ اور حمزہؓ اور عبیدہ ہیں۔

لے صواعق محرّۃ - باب ۹ فضل اول

خیر السیرہ

”بہ تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح کیا وہی بہترین
خلایق ہیں“

انہیں کے متعلق اور انہیں کے دشمنوں کے متعلق خداوند عالم نے ارشاد فرمایا:

”هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ فَالَّذِينَ
كَفَرُوا قُطِعَتْ لَهِمْ شِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يَصْبُ مِنْهُ نَدْمٌ
رُّوْسُهُمُ الْحَمِيمُ“

”یہ دونوں مومن و کافر دو فریق ہیں جو آپس میں اپنے پروردگار
کے بارے میں لڑتے ہیں پس جو لوگ کافر ہیں ان کے لیے
یہ آتشیں لباس قطع کیا جائے گا اور ان کے سروں پر کھولتا ہوا
پانی اڑایا جائے گا۔“

انہیں کے بارے میں اور انہیں کے دشمنوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

”اِنَّ مِّنْكَ اَنۡفِثَ مَوۡمِنًا كَمِنۡكَ اَنۡفِثَ لَآئِمۡتَوۡنَ“

اے امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری پارہ ۳ صفحہ ۱۶ میں بسلسلہ تفسیر سورہ حج بہ استاد
صحیحہ حضرت علی سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا میں سب سے پہلے خداوند عالم کے حضور
بروز قیامت اپنا جھگڑا پیش کر دوں گا۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ قیس نے کہا یہ آیت ان
لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے بدر کے روز جنگ کی وہ جناب حمزہ ،
اور علیؑ اور عبیدہ بن الحارث اور عتبہؓ شیبہ اور ولید ہیں امام بخاری نے اس صفحہ پر جناب
ابوزر سے روایت کی ہے جناب ابوزر قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہ آیت جناب حمزہ اور علیؑ
اور عبیدہ بن الحارث اور عتبہؓ شیبہ اور ولید کے حق میں نازل ہوئی۔

اما الذين آمنوا وعملوا الصالحات فلهم جنات
المأوى نزلا بما كانوا يعملون واما الذين فسقوا
فمما وُهبهم النار كلما ارادوا ان يخرجوا منها اعيدوا
فيها وقيل لهم ذوقوا عذاب النار الذي كنتم به
تكدبون^۱۔

”مجھلا وہ شخص جو ایمان والا ہو فاسق جیسا ہو سکتا ہے؟ دہرگز
نہیں، دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ پس وہ لوگ جو کہ ایمان لائے
اور عمل صالح کیا ان کے لیے جنات مأویٰ ہیں وہاں وہ فروکش
ہوں گے یہ حد ہے ان کے اعمال خیر کا اور جو لوگ کہ فاسق
ہیں ان کا ٹھکانا جہنم ہے جب وہ اس میں سے نکلنا چاہیں گے
دوبارہ اسی جہنم میں پلٹا دیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا
کہ اس آتش جہنم کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔“

انھیں حضرات کے متعلق اور ان لوگوں کے بارے میں جنھوں نے ان سے حاجیوں

۱۔ یہ آیت باتفاق مفسرین و محدثین حضرت امیر المومنینؑ اور ولید بن عتبہ بن ابی معیط کے متعلق نازل
ہوئی۔ امام واعدی نے کتاب اسباب النزول میں سعید بن جبیر سے انھوں نے جناب ابن عباس سے
روایت کی ہے کہ ولید بن عتبہ بن ابی معیط نے حضرت امیر المومنینؑ سے کہا میرا نیزہ تمھارے
نیزے سے کہیں زیادہ تیز اور میری زبان تمھاری زبان سے کہیں زیادہ چلتی ہوئی اور لشکر
میری وجہ سے کہیں زیادہ بھرا معلوم ہوتا ہے بہ نسبت تمھارے۔ اس پر حضرت علیؑ نے فرمایا
خاموش بھی رہ کہ تو فاسق کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اسی واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی افسس
کان مومنا کم من کان فاسقا۔ اس آیت میں مومن سے مراد حضرت علیؑ اور فاسق سے مراد
ولید بن عتبہ ہے۔

کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی آباد کاری کی بدولت فخر و مہابت کی تھی خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی۔

”اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارة المسجد الحرام لمن
امن باللہ والیوم الآخر وجاهد فی سبیل اللہ لا
یستون عند اللہ واللہ لایہدی القوم الظالمین“
”کیا تم لوگوں کو سقاچیوں کی سقائی اور خانہ کعبہ کی آبادی کو اس شخص
کے ہمسر بنا دیا ہے جو خدا اور روز آخرت پر ایمان لایا اور خدا
کی راہ میں جہاد کیا۔ خدا کے نزدیک تو یہ لوگ برابر نہیں اور
خداوند عالم ظالم لوگوں کی ہدایت نہیں کرتا۔“
انہیں حضرات کے ابتلا و آزمائش میں بعد گدی پورے اترنے اور شہداء و مصائب
سہنی خوشی جھیل جانے پر خداوند عالم نے ارشاد فرمایا :

یہ آیت حضرت علیؑ اور جناب عباسؓ اور طلحہ بن شیبہؓ کی شان میں نازل ہوئی۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ ان لوگوں
نے باہم فخر کیا طلحہ نے کہا تھا خانہ کعبہ کا میں متولی ہوں اس کی کنیاں میرے پاس رہتی ہیں۔ عباس نے
کہا میں زمزم کا متولی ہوں اور سقائی میرے ہاتھوں میں ہے۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ میری سچھی نہیں آتا
کہ تم دونوں کیا کہہ رہے ہو میں نے چھ بیٹے لوگوں سے پہلے نماز پڑھی ہے اور میں خدا کے راستہ
میں جہاد کرنے والا ہوں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ علامہ واہدی نے کتاب اسباب النزول میں یہ
روایت حسن بھری شعبی وغیرہ سے نقل کی ہے اور ابن سیرین و مرہ حمادانی سے منقول ہے کہ حضرت علیؑ
نے جناب عباسؓ سے کہا آپ ہجرت نہیں کرتے؟ آپ رسولؐ کے پاس نہ جائیے گا۔ جناب عباسؓ نے کہا
مجھے حاجیوں کی سقائی کا شرف پہلے ہی سے حاصل ہے کیا یہ ہجرت کے شرف سے بڑھا ہوا انہیں اس پر
یہ آیت نازل ہوئی۔

”ومن الناس من يشرى نفسه ابتغاء مرضاة الله والله رؤوف بالعباد“

”لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی کے لیے اپنی جان بیچ ڈالتے ہیں اور خدا اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔“
نیز یہ بھی ارشاد فرمایا:

”ان الله اشترى من المؤمنين أنفسهم وأموالهم بأن لهم الجنة يقاتلون في سبيل الله فيقتلوا ويقتلون وعداً عليه حقاً في التوراة والإنجيل والقرآن ومن أوفى بعهده من الله فاستبشروا ببيعكم

لے امام حاکم نے مستدرک جلد ۲ صفحہ ۱۷۱ پر جناب ابن عباس سے روایت کی ہے کہ قال شری علی
نفسه ولین ثوب النبی الحديث۔ جناب ابن عباس نے کہا کہ حضرت علیؑ نے اپنا نفس فروخت
کیا اور پیغمبرؐ کی چادر ادرھی۔ امام حاکم نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کے معیار و شرائط
پر بھی صحیح ہے لیکن ان دونوں نے لکھا نہیں۔ ذہبی ایسے متشدد بزرگ نے بھی تلخیص مستدرک
میں اس کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔ امام حاکم نے اسی صفحہ پر امام زین العابدینؑ سے یہ روایت بھی
کی ہے کہ پہلے وہ شخص جنھوں نے اپنے نفس کو خوشنودی خدا کے لیے بیچا وہ علی ابن ابی طالب ہیں
جب کہ وہ شب ہجرت پیغمبرؐ کے بستر پر سو رہے۔ پھر امام حاکم نے اس موقع پر حضرت علیؑ نے
جو اشار فرمائے تھے وہ اشار نقل کیے ہیں جن کا پہلا شعر یہ ہے

وقیت بنفسی خیر من وطأ الحمأ ومن طاف بالبيت العتيق وبالبحر
”میں نے جان پر کھیل کر اس بزرگ کی حفاظت کی جو ان تمام لوگوں میں جو سرزمین بھٹی پر چلے
اور جنھوں نے غامد کعبہ اور حجر اسود کا طواف کیا بہتر و افضل ہیں“

الذی بايعتم به و ذلك هو الفوز العظيم -
 التائبون العابدون الحامدون السائحون الراكعون
 الساجدون الامرون بالمعروف والناهون عن المنكر
 والحافظون لحدود الله وبشر المؤمنين :-
 ”اس میں تو شک نہیں کہ خدا نے مومنین سے ان کی جانیں اور
 ان کے مال اس بات پر خرید لیے ہیں کہ (ان کی قیمت)
 ان کے لیے بہشت ہے (اسی وجہ سے) یہ لوگ خدا کی راہ
 میں لڑتے ہیں تو (کفار کو) مارتے ہیں اور (خود بھی)
 مارے جاتے ہیں (یہ) پکا وعدہ ہے (جس کا پورا کرنا)
 خدا پر لازم ہے (اور ایسا پکا ہے کہ) تو ریت اور انجیل اور
 قرآن (سب) میں (لکھا ہوا) ہے اور اپنے عہد کا پورا کرنے
 والا خدا سے بڑھ کر اور کون ہے تو تم اپنی (خرید) فروخت
 سے جو تم نے خدا سے کی ہے خوشیاں مناؤ یہی تو بڑی کامیابی
 ہے (یہ لوگ) توبہ کرنے والے عبادت گزار (خدا کی) حمد و
 ثنا کرنے والے (اس کی راہ میں) سفر کرنے والے رکوع کرنے
 والے سجدہ کرنے والے نیک کام کا حکم کرنے والے اور بڑے
 کام سے روکنے والے اور خدا کی (مقرر کی ہوئی) حدود کے
 اوپر نگاہ رکھنے والے ہیں اور (اے رسول! ان) مومنین کو
 (بہشت کی) خوشخبری دے دو۔“

نیز ارشاد فرمایا:

”الدين ينفقون أموالهم بالليل والنهار سرا“

وعلائیة فلهما احدهم عند ربهم ولاخوف
عليهم ولا هم يحزنون^۱“

”جو لوگ کہ اپنے مالوں کو رات اور دن میں ظاہر بہ ظاہر اور
چھپا کر (راہ خدا میں) حشر کر رہے ہیں ان کے لیے ان کا صلہ
نہے ان کے پروردگار کے نزدیک ان کے لیے نہ کوئی خوف
ہے اور نہ وہ اندوہ گین ہوں گے۔“

انہیں نے صدق دل سے پیغمبرؐ کی سچائی کی تصدیق کی اور خداوند عالم نے ان
کی اس تصدیق کی ان الفاظ میں گواہی دی :
”والذی جاء بالصدق وصدق به اولئك هم
المتقون“

”اور یاد رکھو کہ جو رسولؐ سچی بات لے کر آئے ہیں اور جس نے

۱۔ جملہ محدثین و مفسرین نے بسلسلہ اسناد جناب ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت
حضرت عائشہؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ آپ کے پاس چار درہم تھے آپ نے ایک درہم
شب میں ایک دن میں ایک چھپا کر ایک ظاہر بظاہر راہ خدا میں صدقہ کیا تو یہ آیت نازل
ہوئی تفسیر وحیدی ص ۱۵۱ تفسیر معالم التنزیل ص ۳۵۵ تفسیر میناوی جلد ۱ ص ۱۲۵ تفسیر نیشاپوری ص ۲۷۸
تفسیر کبیر رازی جلد ۲ ص ۵۲۸ تفسیر روح المعانی جلد ۱ صفحہ ۴۹۵ وغیرہ۔

۲۔ الذی جاء بالصدق سے مراد پیغمبر صدق بہ سے مراد امیر المؤمنینؑ ہیں جیسا کہ امام محمدؒ
وحنفیہ صادق و موثق کاظم و امام رضاؑ اور عبد اللہ بن عباسؓ، ابن حنفیہؓ، عبد اللہ بن حسن زید شہید
وغیرہم نے تصریح کی ہے۔ خود امیر المؤمنینؑ اس آیت کے ذریعہ احتجاج فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت
میرے متعلق نازل ہوئی اور میں مراد ہوں۔ ابن مناذلی نے بھی اپنی مناقب میں مجاہد سے اس
مضمون کی روایت کی ہے اور حافظ ابن مردودہ اور حافظ ابو نعیم نے بھی۔

ان کی تصدیق کی یہی لوگ تو پرہیزگار ہیں۔“
پس یہی حضرات حضرت رسول خداؐ کی مخلص جماعت اور آپ کے مشرعی
رشتہ دار ہیں جنہیں خداوند عالم نے اپنی بہترین رعایت اور بلند ترین توجہ کے ساتھ
مخصوص فرمایا اور ارشاد فرمایا:

”وانذر عشیرتک الاقربین“

”دائے پیغمبرؐ اپنے نزدیکی رشتہ داروں کو خدا کا خوف دلاؤ۔“

یہی پیغمبر کے اولی الارحام ہیں اور اولی الارحام بعض بعض سے مقدم و اولیٰ ہیں
کتاب الہی میں یہی پیغمبر کے قریبی رشتہ دار ہیں اور قریبی رشتہ دار بھلائی کے
نیادہ حق دار ہوتے ہیں۔ یہی بروز قیامت پیغمبر کے درجے میں ہوں گے اور جنت
نعیم میں آپ کے ساتھ ساتھ ہوں گے جس پر دلیل خداوند عالم کا یہ قول ہے۔

”والذین آمنوا واتبعوهم ذریعتهم بایمان الحقنا

بصبر ذریعتهم وما التناہم من عملہم من شیء“

”جو لوگ کہ ایمان لائے اور ان کی ذریت نے بھی ایمان لا کر

اتباع کیا، تو ہم ان کی ذریت کو بھی انہیں سے منع کر دیں گے

اور ان کے اعمال میں سے رقی برابر کمی نہ کریں گے۔“

یہی وہ حق دار حضرات ہیں جن کے حق کی ادائیگی کا مشرآن نے ان الفاظ

لے امام حاکم نے مستدرک ج ۲ صفحہ ۴۶۸ پر سلسلہ تفسیر سورہ طور ابن عباس سے اس آیت کے متعلق روایت

کی ہے ابن عباس نے کہا کہ خداوند کریم مومن کی ذریت کو بھی جنت کے اسی درجے میں رکھے گا جس میں وہ

مومن ہو گا اگرچہ لمباظ اعمال کمتر ہو پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور کہا کہ وما التناہم

کا مطلب یہ ہے کہ وما نقتصناہم یعنی ہم کوئی کمی نہ کریں گے۔

میں حکم سنایا:

”وَأَتَى ذِي الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ“

”صاحبانِ قرابت کو ان کا حق دے دو“

یہی وہ صاحبانِ جنس ہیں کہ جب تک ان کو جنس نہ پہنچا دیا جائے انسان بری الذمہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ارشادِ الہی ہے:

”وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ خُمُسُهُ

وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ“

”سمجھ رکھو کہ تم جو کچھ مال غنیمت حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ خدا کا ہے اور رسولؐ کا اور رسول کے قرابت داروں کا۔“

یہی وہ صاحبانِ فی ہیں جن کے متعلق خداوندِ عالم نے ارشاد فرمایا:

”مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَ

لِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ“

خداوندِ عالم نے دیہات والوں سے جو مال بطورِ خالصہ بلا حرب و ضرب رسولؐ کو دلویا ہے وہ اللہ کے لیے ہے اور رسولؐ کے لیے اور صاحبانِ قرابت کے لیے اور یہی وہ اہل بیت ہیں جن سے آیہ انعامِ ربہ اللہ

لے مفسرین نے لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت نے جبریل سے پوچھا: قرابت والے

کون ہیں اور ان کا حق کیا ہے۔ جواب دیا فاطمہ کو ذک دے دیجیے کہ یہ انھیں کا حق ہے اور

جو کچھ ذک میں خدا و رسول کا حق ہے وہ بھی انھیں کے حوالے کر دیجیے پس رسولؐ خدا نے

جناب فاطمہؑ کو بلا کر وثیقہ لکھ کر ذک ان کے حوالے کر دیا۔ تفسیر درمثور جلد ۴ صفحہ ۱۷۱ وغیرہ۔

۲۔ تفسیر روح المعانی جلد ۳ صفحہ ۶۳، تفسیر نیشاپوری جلد ۱۰ صفحہ ۱۵ وغیرہ۔

ليذهب عنكم الرجس اهل بيت ويطهرکم تطهيرا میں
خطاب کیا گیا۔

یہی وہ آل یسین ہیں جن پر خداوند عالم نے سلام بھیجا اور ارشاد ہوا:
سلام علی آل یسین۔ یہی وہ آل محمد ہیں جن پر درود و سلام بھیجنا خداوند
عالم نے بندوں پر فرض قرار دیا اور ارشاد ہوا :

”ان الله وملائكته يصلون على النبي يا ايها الذين

امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما“

”تحقیق کہ خداوند عالم اور ملائکہ نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں“ اے

ایمان والو تم بھی درود و سلام بھیجا کرو۔“

لوگوں نے پیغمبرؐ سے پوچھا یا رسول اللہؐ ہم آپؐ پر سلام کیونکر کریں یہ تو ہمیں
معلوم ہے لیکن یہ ارشاد ہو کہ درود آپؐ کی آل پر کیونکر بھیجا جائے تو آپؐ نے ارشاد

لے علامہ ابن حجر نے مواضع محذوب ۱۱ میں بسلسلہ ان آیات کے جو اہل بیت کی شان میں نازل ہوئیں تیسری

آیت یہ بھی لکھی ہے اور لکھا ہے کہ مفسرین کی ایک جماعت نے جناب ابن عباس سے روایت کی ہے کہ

یہاں آیت میں مراد السلام علی آل محمدؐ ذال محمدؐ پر سلام ہو علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ کلمی نے بھی ایسا ہی کہا ہے

اور فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ پیغمبرؐ کے اہل بیتؑ پانچ چیزوں میں پیغمبرؐ کے برابر حصہ دار ہیں۔ سلام میں

خداوند عالم نے پیغمبرؐ سے کہا السلام علیک ایہا النبیؑ اور اہل بیت کے لیے کہا سلام علی آل یسین

دوسرے تشہد میں درود بھیجے جاتے ہیں تیسرے طہارت میں پیغمبرؐ سے فرمایا طہ اے طیب و طاهر اور اہل بیتؑ

کے لیے آیت تطہیر نازل ہوئی چوتھے صدقہ حرام ہونے میں پانچویں محبت میں رسول کے لیے فرمایا :

فا تتبعونی یحببکم اللہ اور اہل بیتؑ کے لیے ارشاد فرمایا : قل لا اسألكم

علیہ الا اجر الا المسودة فی القربی

فرمایا یوں کہا کرو:

”اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد“

لہذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان حضرات پر درود بھیجنا پیغمبر پر درود بھیجنے کا جزو ہے جب تک آپ کی آل کو بھی شامل کر کے درود نہ بھیجا جائے تب تک پیغمبر پر درود پورا نہ ہوگا اسی وجہ سے علماء و محققین نے اس آیت کو بھی ان آیات میں شمار کیا ہے جو اہل بیت کی شان میں نازل ہوئیں چنانچہ علامہ ابن حجر کی نے بھی صواعق محرقہ باب ۱۱ میں اس آیت کو مجملہ ان آیات کے شمار کیا ہے جو اہل بیت کی شان میں نازل ہوئیں۔ پس یہی منتخب و برگزیدہ بندگان الہی ہیں بحکم خدا بنیکوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔ یہی وارثان کتاب خدا ہیں جن کے بارے میں خداوند عالم نے فرمایا ہے:

”ثم أورشنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا

فمنهم ظالم لنفسه . ومنهم مقتصد ومنهم

سابق بالخیرات باذن الله . ذلك هو الفصل

الکبیر“

اے ثقہ الاسلام کلینی علیہ الرحمۃ نے پسند صحیح سالم سے روایت کی ہے سالم کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقرؑ سے اس آیت ثم أورشنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا آیت میں سابق بالخیرات (بنیکوں کی طرف سبقت کرنے والا) سے مراد امام اور مقتصد (میانہ رو) سے مراد امام کی معرفت رکھنے والا اور ظالم لنفسه (اپنے نفس پر ظلم کرنے والا) سے مقصود وہ ہے جو امام سے بے گانہ و نا آشنا ہو۔ اسی مضمون کی روایت کلینی نے امام جعفر صادقؑ امام موسیٰ کاظمؑ اور امام رضا علیہ السلام سے بھی کی ہے۔ علمائے اہلسنت میں حافظ ابن مردودہ نے اس حدیث کی روایت امیر المومنینؑ سے کی ہے۔

” پھر ہم نے اپنی کتاب کا وارث بنایا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں منتخب کیا ہے، پس لوگوں میں بعض تو ایسے ہیں جو اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں (اور یہ وہ لوگ ہیں جو امام کی معرفت نہیں رکھتے) اور بعض میانہ رو ہیں (یعنی دستداران ائمہ) اور بعض نیکیوں کی طرف بحکم خدا سبقت کرنے والے ہیں (یعنی امام) اور یہ بہت بڑا فضل ہے !

اہل بیت طاہرینؑ کی شان میں نازل شدہ اتنی ہی آیات بیان کرنے پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔

جناب ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ تنہا حضرت علیؑ کی شان میں تین سو آیتیں نازل ہوئیں اور ابن عباس کے علاوہ دوسرے لوگوں کا بیان ہے کہ ایک چوتھائی قرآن اہل بیت کے متعلق نازل ہوا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اہلیت اور قرآن ایک جڑ کی دو شاخیں ہیں جو کبھی جدا نہیں ہو سکتیں۔ ہم انہیں چند آیتوں پر بس کرتے ہیں۔ انہیں میں غور فرمائیے آپ پر حقیقت و امر واقع بخوبی واضح ہو جائے گا۔

ش

مکتوب نمبر ۷

جناب مولانا محترم! تسلیم
گرامی نامہ سبب عزت افزائی ہوا۔ سبحان اللہ آپ کے زور بیان قوت
تحریر کی داغ نہیں دی جاسکتی۔ آپ نے جتنی باتیں تحریر فرمائیں ان میں کسی کو مجال تکلم نہیں
جو کچھ آپ نے لکھا صحیح لکھا البتہ ایک کھٹک دل میں رہی جاتی ہے۔ اعتراض کرنے
والے کہہ سکتے ہیں کہ وہ لوگ جنہوں نے اہل بیتؑ کے متعلق ان آیات کے
نازل ہونے کی روایت کی ہے وہ شیعہ جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اور شیعوں
کی روایت کردہ حدیثیں حضرات اہل سنت کے لیے حجت نہیں۔ براہ کرم
اس اعتراض کا دغیبہ فرمائیے۔

س

جواب مکتوب

محترم تسلیم!

آپ نے جو اعتراض پیش کیا وہ درست نہیں۔ اعتراض کے دونوں ٹکڑے غلط ہیں۔ یہ بھی کہ جنہوں نے ان آیات کے شان نزول کے متعلق روایت کیا ہے وہ شیعہ تھے اور یہ بھی کہ شیعوں کی روایت کردہ حدیثیں حضرات اہل سنت کے لیے حجت نہیں۔ اعتراض کا پہلا حصہ تو یوں درست نہیں کہ ان آیات کے شان نزول کے متعلق صرف شیعوں ہی نے روایت نہیں کی بلکہ معتبر و موثق علماء اہل سنت نے بھی روایتیں کی ہیں۔ ان کی سنن اور مسانید اٹھا کر دیکھیے آپ کو نظر آئے گا کہ انھوں نے ان روایتوں کو شیعوں سے کہیں زیادہ طریقوں سے ذکر کیا ہے۔ اگر شیعہ علماء نے کسی آیت کے متعلق چار طریقوں سے روایت کی ہے کہ یہ آیت اہل بیتؑ کی شان میں نازل ہوئی تو حضرات اہل سنت نے دس طریقوں سے روایت کی ہے۔

رہ گیا اعتراض کا دوسرا ٹکڑا کہ شیعوں کی روایت کردہ حدیثیں اہل سنت کے لیے حجت نہیں تو یہ اور بھی غلط ہے جیسا کہ علماء اہل سنت کی کتب حدیث گواہ ہیں حضرات اہل سنت کے طرق و اسناد میں ایک دو نہیں بکثرت شیعہ راوی ملتے ہیں اور شیعہ بھی کوئی معمولی نہیں بلکہ نامی گرامی، جن کی شیعیت سے دنیا واقف ہے۔ وہ شیعہ جنہیں برا کہا جاتا ہے، مگر اہ سمجھا جاتا ہے، ارفضی کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ انہیں شیعوں کی روایتیں آپ کے صحاح ستہ میں بھی موجود ہیں اور ان کے علاوہ دیگر حدیث کی کتابوں میں بھی۔ خود امام بخاری کے شیوخ میں بہت سے ایسے شیعوں کے نام ملتے ہیں

جہیں رافضی مخالف وغیرہ کہا جاتا ہے مگر پھر بھی امام بخاری نے ان سے استفادہ کیا، ان سے روایتیں لیں۔ امام بخاری نے بھی ان کی روایت کردہ حدیثیں اپنی صحیح میں درج کی ہیں اور دیگر اصحاب صحاح نے بھی۔ ان تمام حقائق کے باوجود یہ کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ شیعوں کی روایت حضرات اہل سنت کے لیے حجت نہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اعتراض کرنے والوں کو حقیقت کا علم ہی نہیں۔ اگر معترضین اس حقیقت کو ذہن نشین کر لیں کہ شیعہ اہل بیتؑ کے پیروا نہیں کے اصولوں کے پابند اور ان کے اوصاف و محاسن کا پرتو ہیں تب اندازہ ہو کہ وہ کس قدر اعتماد و اعتبار کے لائق ہیں لیکن ناواقفیت نے ایک اشتباہ کی کیفیت میں مبتلا کر رکھا ہے کس قدر لائق ماتم ہے یہ امر کہ محمد بن یعقوب کلینی ایسے بزرگ جہیں دنیا ثقہ الاسلام کے لقب سے یاد کرتی ہے محمد بن علی بن بابویہ القمی جو مسلمانوں کے صدوق کہے جاتے ہیں، محمد بن حسن طوسی جہیں شیخ الاسلام کہا جاتا ہے محض شیعیت کے جرم میں معترضین کے نزدیک اعتبار کے قابل نہ سمجھے جائیں اور ان کی پاکیزہ صفات جو علوم آل محمدؐ کا خزانہ ہیں حقارت کی نظر سے دیکھی جائیں ایسے بزرگوں کے متعلق شک و شبہ سے کام لیا جائے جو جامع علوم و کمالات تھے۔ روئے زمین پر قطب ابدال کی حیثیت رکھتے تھے جنہوں نے خدا و رسولؐ کی اطاعت احکام الہی کی تبلیغ و اشاعت مسلمانوں کی خیر خواہی و رہبری میں اپنی عمریں تمام کر دیں۔

معمولی سے معمولی شخص واقف ہے کہ یہ مقدس حضرات جھوٹ کو کتنا بڑا گناہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنی ہزاروں کتابوں میں جھوٹوں پر لعنت کی ہے اور صراحت کی ہے کہ حدیث پیغمبرؐ میں جھوٹ بولنا ہلاکت و عذاب دائمی کا سبب ہے حدیث میں جھوٹ بولنا تو اتنا بڑا گناہ سمجھا ہے ان لوگوں نے کہ روزہ توڑ دینے

والی چیزوں میں قرار دیا ہے۔ اگر کوئی شخص ماہِ رمضان میں عمداً جھوٹی حدیث بیان کرے تو ان حضرات کا فتویٰ ہے کہ اس شخص کا روزہ باطل ہو گیا۔ اس پر روزہ کی قضا بھی لازم ہے اور کفارہ بھی دینا ضروری ہے۔ جس طرح دیگر مفطرات کا حکم ہے بعینہ جھوٹی حدیث بیان کرنے کا بھی۔ جب کذب کو وہ ایسا اعظم سمجھتے ہیں تو خدا لا انصاف سے فرمائیے کہ خود ایسے حضرات کے متعلق جو صالحین وابرار، عابد شب زندہ دار ہوں ایسا دہم و گمان بھی کیا جاسکتا ہے؟

اے اے! شیطانِ آلِ محمد اہل بیتؑ کے پیرو متہم سمجھے جائیں اور ان کی بیان کی ہوئی حدیثوں پر کذب و افترا کا شک و شبہ کیا جائے۔ ان کے اقوال ٹھکرا دینے کے قابل سمجھے جائیں اور خارجی ناصبی خدا کو مجسم ماننے والے افراد کی حدیثیں سر آنکھوں پر رکھی جائیں۔ وہ جو کچھ بیان کریں آمنا و صدقنا کہہ کر تسلیم کر لیا جائے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ سمجھی جائے۔ یہ تو کھلی ہوئی نا انصافی صریحی جفا پروری ہے خدا محفوظ رکھے۔

ش

مکتوبِ مبرہ

حضرت مولانا محترم! تسلیم! آپ کا تازہ مکتوب موصول ہوا۔ آپ کی تحریر اتنی متین، دلائل سے پُر اور حقائق سے لبریز تھی کہ میرے لیے چارہ کار ہی نہیں، سوا اس کے کہ جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے ایک ایک لفظ تسلیم کر لوں۔ البتہ جو آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرات اہل سنت نے بکثرت شیعہ راویوں سے روایتیں لی ہیں، اسے آپ نے بہت جمل رکھا۔ آپ کو ذرا تفصیل سے کام لینا چاہیے تھا۔ مناسب تھا کہ آپ ان شیعہ راویوں کے نام بھی تحریر فرماتے، نیز ان کی شیعیت کے متعلق حضرات اہل سنت کا اقرار بھی ذکر کرتے۔ امید ہے کہ آپ میرا مقصد سمجھ گئے ہوں گے۔

س

جوابِ مکتوب

محترمی سلام سنوں!
بہتر ہے میں مختصر اُحرفِ تہجی کی ترتیب سے ان شیعہ راویوں کے
اسمائے گرامی تحریر کرتا ہوں جن کی روایت کردہ حدیثیں آپ کے یہاں صحاح و
دیگر سنن و مسانید میں موجود ہیں۔

ل

ابان بن تغلب بن رباح قاری کوفی

علامہ ذہبی ان کے حالات میں لکھتے ہیں:
”ابان بن تغلب کوفہ کے رہنے والے تھے اور بڑے کٹر شیعہ ہیں لیکن
صدوق ہیں۔ ہمیں ان کی سچائی سے غرض ہے ان کی بدعت کا بار ان کے سر ہے
احمد بن حنبل، ابو حاتم اور ابن معین نے انھیں موثق قرار دیا ہے۔ ابن عدی
نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ بڑے غالی شیعہ تھے۔ ان سے امام مسلم اور
ابوداؤد و ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے حدیثیں روایت کی ہیں آپ کا انتقال
۱۴۱ھ میں ہوا۔“

ابراہیم بن یزید بن عمرو بن اسود بن عمرو نخعی کوفی

علامہ ابن قتیبہ نے معارف میں انھیں مشاہیر شیعہ میں شمار کیا ہے۔

ان کی حدیثیں صحیح بخاری، مسلم دونوں میں موجود ہیں۔ ان کی پیدائش ۹۵ھ اور انتقال ۱۹۵ھ یا ۱۹۶ھ میں حجاج کے مرنے کے چار مہینے کے بعد ہوا۔

احمد بن مفضل ابن کوئی حنفی

ان سے ابو زرعه و ابو حاتم نے روایت کی اور ان کی بیان کی ہوئی حدیث سے اپنے مسلک پر دلیل پیش کی ہے حالانکہ ابو زرعه و ابو حاتم نے ان کی شیعیت کی صراحت بھی کی ہے۔ علامہ ذہبی نے ابو حاتم کا یہ فقرہ احمد بن مفضل کے متعلق نقل کیا ہے کہ احمد بن مفضل رؤسائے شیعہ میں سے تھے اور صدوق تھے ان کی روایت کردہ حدیثیں سنن ابی داؤد، سنن نسائی، دونوں میں موجود ہیں۔

اسماعیل بن ابان

امام بخاری کے شیخ ہیں۔ بخاری و ترمذی دونوں نے ان کی حدیث سے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے جیسا کہ علامہ ذہبی نے تحریر کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے یہ بھی ان کے متعلق لکھا ہے کہ یحییٰ و احمد نے ان سے حدیثیں لی ہیں۔ اور بخاری نے انھیں صدوق کہا ہے۔ امام بخاری نے متعدد جگہ صحیح بخاری میں بلا واسطہ ان کی حدیثیں ذکر کی ہیں۔

اسماعیل بن خلیفہ ملائی کوئی

ان کی کنیت ابو اسرائیل ہے اور اسی کے ساتھ مشہور بھی ہیں۔ علامہ ذہبی نے ان کا تذکرہ میزان الاعتدال میں ان الفاظ میں کیا ہے کہ بڑے متعصب شیعہ اور ان لوگوں میں سے تھے جو عثمان کو کافر کہتے ہیں اور بھی بہت

کچھ ان کے متعلق لکھا ہے لیکن ان سب کے باوجود ترمذی نے اور دیگر اصحاب سنن نے ان سے روایت کی ہے۔ ابو حاتم نے ان کی حدیثوں کو حسن کہا ہے۔ ابو زرہ نے کہا ہے کہ صدوق ہیں اگرچہ خیالات غالباً نہ تھے امام احمد نے کہا ہے کہ ان کی حدیثیں درج کرنے کے قابل ہیں۔ ابن معین نے ثقہ کہا۔ فلاس نے کہا یہ جھوٹ بولنے والوں میں نہیں۔ ان کی حدیثیں صحیح ترمذی میں موجود ہیں۔ ابن قتیبہ نے معارف میں انہیں مشاہیر شیعہ میں شمار کیا ہے۔

اسماعیل بن زکریا خلفائی کوئی

ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ صدوق ہیں اور شیعہ ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن سے صحاح ستہ میں حدیثیں لی گئی ہیں۔ ان کی حدیث بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔ ۳۱۷ھ میں بغداد میں انتقال کیا۔

اسماعیل بن عباد بن عباس طالقانی

صاحب بن عباد کے نام سے مشہور ہیں ابو داؤد و ترمذی نے ان سے روایتیں لی ہیں۔ جیسا کہ امام ذہبی نے میزان میں صراحت کی ہے نیز یہ بھی لکھا ہے کہ بڑے بالکمال ادیب اور شیعہ تھے۔ ان کی شیعیت میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا اور شیعیت ہی کی وجہ سے سلطنت بویہ کی وزارت عظمیٰ پر فائز ہوئے۔ یہ پہلے وہ شخص ہیں جو صاحب کے لقب سے ملقب ہوئے اس لیے کہ یہ مؤید الدولہ بن بویہ کے جوانی کے زمانہ سے مصاحب رہے اور

موید الدولہ ہی نے ان کا نام صاحب رکھا اور برابر اسی نام سے پکارے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اسی نام سے مشہور ہو گئے اور ان کے بعد جو شخص وزارت کے درجہ پر آیا وہ بھی صاحب ہی کے نام سے پکارا گیا۔ یہ پہلے موید الدولہ کے وزیر رہے اس کے مرنے پر اس کے بھائی فخر الدولہ نے بھی انھیں وزارت عظمیٰ پر برقرار رکھا جب ان کا انتقال ہوا (۲۴ صفر ۳۸۵ھ میں ۹۵ برس کی عمر میں) تو شہر رے کے دروازے بند ہو گئے اور تمام لوگ ان کے مکان پر آکر جنازہ کا انتظار کرنے لگے خود بادشاہ فخر الدولہ اور وزراء دسواران فوج جنازہ میں ساتھ ساتھ تھے۔ یہ بڑے جلیل القدر عالم اور گرانقدر کتب و رسائل کے مصنف شخص تھے۔

اسماعیل بن عبد الرحمن بن ابی کریم مشہور مفتسر جو سدی کے نام سے شہرت رکھتے ہیں

علامہ ذہبی نے ان کے حالات میں لکھا ہے کہ متہم بالتشیع ہیں اور حسین بن واقد مروزی سے اس کی بھی روایت کی ہے کہ انھوں نے انھیں ابوبکر و عمر کو سب شتم کرتے سنا تھا مگر ان سب کے باوجود ثوری ابوبکر بن عباس وغیرہ نے ان سے حدیثیں لیں اور امام مسلم و ترمذی و ابو داؤد، ابن ماجہ، نسائی صاحبان صحاح نے ان کی حدیثیں اپنے مسلک کی تائید میں درج کی ہیں۔ امام احمد نے انھیں ثقہ، ابن عدی نے صدوق کہا ہے۔ یحییٰ بن سعید کا قول ہے کہ میں نے ہر ایک کو دیکھا کہ وہ سدی کو اچھا ہی کہتا ہے اور سبھی نے اس سے حدیثیں لی ہیں ۱۲۴ھ میں انتقال کیا ہے۔

اسماعیل بن موسیٰ فزاری کوئی

علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ابن عدی ان کے متعلق کہتے تھے کہ شیعیت میں بہت زیادہ غلو رکھنے کی وجہ سے لوگ انھیں ناپسند کرتے تھے اور عبدان بیان کرتے تھے کہ ہناد اور ابن شیبہ ہمارا اسماعیل کے پاس جانا پسند نہیں کرتے تھے اور کہا کرتے تھے تم لوگ اس فاسق کے پاس جا کر کیا کرتے ہو جو بزرگوں کو سب و شتم کیا کرتا ہے۔ ان سب کے باوجود ابن نمیر، ابو عروہ اور بہت سے لوگوں نے ان سے حدیث کا استفادہ کیا اور یہ اس طبقہ کے شیخ تھے جیسے ابو داؤد و ترمذی وغیرہ۔ ان سب حضرات نے ان سے حدیث لی اور اپنے اپنے صحیح میں درج کی۔ ابو حاتم نے انھیں صدوق کہا ہے۔ نسائی نے کہا ہے کہ کوئی مضائقہ نہیں ان سے حدیث لینے میں۔ ۲۴۵ھ میں انتقال کیا۔ بعض لوگ انھیں سدی کا نواسہ بتاتے ہیں۔

ت

تلب بن سلیمان کوئی

ابن معین نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ عثمان کو سب و شتم کیا کرتے تھے۔ بعض عثمانیوں نے سُن لیا۔ انھوں نے اسے تیر مارا جس سے ان کا پیر ٹوٹ گیا۔ ابو داؤد نے ان کے متعلق کہا کہ یہ رافضی ہیں۔ ابو بکر و عمر کو سب و شتم کیا کرتے تھے مگر ان سب کے باوجود احمد و ابن نمیر نے ان سے

تحقیق حدیث کی۔ امام احمد نے ان کے متعلق کہا کہ تلمیذ شیعہ ہیں مگر ان سے حدیث لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ صحیح ترمذی میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

ث

ثابت بن دینار

جو ابو حمزہ ثمالی کے نام سے مشہور ہیں ان کی شیعیت اظہر من الشمس ہے۔ ترمذی میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

ثوہر بن ابی فاخستہ

ام ہانی بنت ابی طالب کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ذہبی نے ان کے رافضی ہونے کی صراحت کی ہے۔ امام محمد باقرؑ کے عقیدت مندوں میں تھے ترمذی میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

ج

جابر بن یزید جعفی کوفی

علامہ ذہبی نے ان کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ علما رشیعہ میں سے تھے۔ نیز سفیان سے ان کا قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے جابر کو کہتے سنا۔ علم پیغمبرؐ سے علیؑ کی طرف منتقل ہوا اور علیؑ سے حسنؑ کی طرف۔ ایک امام سے دوسرے امام تک منتقل ہو کر امام جعفر صادقؑ تک پہنچا

یہ امام جعفر صادقؑ کے زمانہ میں تھے اور آپ نے بکثرت حدیثیں حاصل کیں چنانچہ خود جابرؓ کہا کرتے تھے کہ میرے پاس ستر ہزار حدیثیں امام محمد باقرؑ کی روایت میں ہیں۔ جابر جب امام محمد باقرؑ سے کوئی حدیث روایت کر کے بیان کرتے تو کہتے مجھ سے وصی الاوصیاء نے بیان کیا۔ علامہ ذہبی نے میزان میں زائدہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جابر رافضی ہیں۔ سب و شتم کیا کرتے ہیں ان سے امام ابو داؤد و ترمذی، نسائی نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ سفیان ثوری نے انھیں حدیث میں بہت محتاط کہا ہے۔ شعبہ نے صدوق قرار دیا ہے۔ وکیع نے ثقہ کہا ہے ۱۲۷ھ میں انتقال کیا۔

جریر بن عبد الحمید ضبی کوئی

علامہ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب معارف میں انھیں مشاہیر شیعہ میں شمار کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے بڑی حمد و ثناء کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ جریر اہل رے کے عالم اور صدوق ہیں اور ان کے اقوال سے کتابوں میں استدلال کیا جاتا ہے اور ان کے ثقہ ہونے پر جملہ محدثین کا اجماع و اتفاق ہے۔ ان کی حدیثیں صحیح بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہیں ۱۸۷ھ میں انتقال کیا۔

جعفر بن زیاد احمر کوئی

امام ابو داؤد نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ صدوق ہیں اور شیعہ ہیں۔ ابن عدی نے انھیں صالح اور شیعہ لکھا ہے۔ ابن معین نے ثقہ، امام احمد نے صالح الحدیث فرمایا ہے۔ صحیح ترمذی و سنن نسائی میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

۱۶۷ھ میں انتقال کیا۔

جعفر بن سلیمان صنعی بصری

علامہ ابن قتیبہ نے معارف صفحہ ۲۰۶ میں انھیں مشاہیر شیعہ میں لکھا ہے، ابن سعد نے ان کی شیعیت اور ثقہ ہونے کی تصریح کی ہے۔ ابن عدی ان کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ شیعہ ہیں۔ میں توقع کرتا ہوں کہ ان میں کوئی حرج نہیں اور ان کی حدیثیں قابل انکار نہیں اور میرے نزدیک اس قابل ہیں کہ ان کی حدیثیں قبول کی جائیں۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں انھیں زاہد علمائے شیعہ میں سے لکھا ہے، ان کی حدیثیں صحیح مسلم و نسائی میں موجود ہیں بشیخہ میں انتقال کیا۔

جمیع بن عمیرہ بن ثعلبہ کوئی تیمی

میزان الاعتدال میں ہے کہ ان کے متعلق ابو حاتم کا یہ فقرہ ہے کہ صالح الحدیث اور شرف الشیعہ سے ہیں۔ جامع ترمذی میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

۷

حارث بن حصیرہ کوئی

ابو حاتم رازی، ابو احمد زبیری، ابن عدی، یحییٰ بن معین، امام نسائی وغیرہ نے ان کی شیعیت کی تصریح بھی کی ہے اور ان کے ثقہ ہونے کا بھی اقرار کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے انھیں صدوق لکھا ہے۔ امام نسائی نے ان سے حدیثیں لی ہیں۔

حارث بن عبداللہ مہدانی

صحابی و حواری امیر المومنینؓ، ابن قتیبہ نے مشاہیر شیعہ میں پہلے ان کا ہی نام لکھا ہے۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ یہ کبار علماء تابعین سے تھے اور ابن حبان انہیں بہت غالی شیعہ کہا کرتے تھے۔ جمہور اہلسنت انہیں اسی شیعیت کی وجہ سے بہت دشمن رکھتے تھے مگر باوجود اس کے ان کے علم و فضل اور ثقہ ہونے سے کسی کو انکار نہیں۔ سنن ترمذی، نسائی، ابن ماجہ و ابوداؤد میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔ ۶۵ھ میں انتقال کیا۔

حبیب بن ابی ثابت اسدی

کوفہ کے رہنے والے اور تابعی ہیں۔ ابن قتیبہ نے معارف میں شہرستانی نے ملل و نخل میں انہیں مشاہیر شیعہ میں شمار کیا ہے۔ ان سے جملہ ارباب صحاح ستہ نے بلا تردد روایتیں لی ہیں۔ ۱۱۹ھ میں انتقال کیا۔

حسن بن حمی

علامہ ذہبی میران الاعتدال میں ان کے متعلق لکھتے ہیں یہ اہلہ علماء میں سے ہیں اور ان میں شیعیت کی بدعت موجود تھی۔ نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ ظالم حکام پر چند روج جائز جانتے تھے۔ عثمان پر ترس نہیں کھاتے تھے۔ ابن سعد نے طبقات جلد ۲ میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ثقہ ہیں۔ ان کی حدیثیں صحیح ہیں اور یہ شیعہ تھے۔ ابن قتیبہ نے بھی ان کی شیعیت کی تصریح کی ہے۔ صحیح مسلم اور دیگر سنن میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔ ۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۹ھ

میں انتقال کیا۔

حکم بن عتیبہ کوئی

ابن قتیبہ نے معارف میں انھیں مشاہیر شیعہ میں شمار کیا ہے صحیح بخاری
مسلم میں ان کی حدیثیں موجود ہیں ۱۵۱۷ میں انتقال کیا۔

حماد بن عیسیٰ

صاحب منتهی المقال وغیرہ نے انھیں علماء شیعہ میں سے لکھا ہے
اور ہر ایک نے انھیں ثقہ و معتمد سمجھا ہے۔ امام جعفر صادقؑ و امام موسیٰ کاظمؑ
کے اصحاب میں سے ہیں۔ مستدرکات ابوالکلیلی کے مصنف ہیں۔ ترمذی اور دیگر سنن
میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

حمران بن اعین

مشہور ترین صحابی امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ سنن ابی داؤد وغیرہ
میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

خ

خالد بن مخلد قسطلانی کوئی

امام بخاری کے شیخ الحدیث ہیں۔ علامہ ابن سعد نے طبقات جلد ۲ ص ۲۸۳ میں
اور امام ابوداؤد نے انھیں شیعہ اور صدوق لکھا ہے۔ امام بخاری و مسلم دونوں

نے ان کی حدیثیں اپنی صحیح میں درج کی ہیں اور بھی دیگر اصحاب سنن نے ان کی شیعیت سے واقف ہوتے ہوئے ان کی حدیثوں سے کام لیا ہے۔

ذ

زبید بن حارث بن عبد الکریم کوئی

علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں ان کے حالات میں لکھتے ہیں کہ یہ ثقات تابعین میں سے ہیں اور ان میں تشیع تھا۔ اس کے بعد ذہبی نے بہت سے علماء و محدثین کے اقوال ان کے ثقہ ہونے کے متعلق نقل کیے ہیں۔ ان کی حدیثیں صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں موجود ہیں۔ ۱۲۴ھ میں انتقال کیا۔

زید بن الجباب کوئی تمیمی

ابن قتیبہ نے معارف میں انہیں مشاہیر شیعہ میں ذکر کیا ہے اور علامہ ذہبی نے انہیں عابد، ثقہ اور صدوق لکھا ہے اور ان کے ثقہ و صدوق ہونے کے متعلق دیگر بہت سے علماء کے اقوال نقل کیے ہیں۔ ان کی حدیثیں صحیح مسلم میں موجود ہیں۔

س

سالم بن ابی الجعد الشجعی کوئی

ابن سعد نے طبقات جلد ۴ ص ۲۰۳ میں ابن قتیبہ نے معارف ص ۱۵۶

علامہ شہرستانی نے ملل و نخل جلد ۲ ص ۲۷ میں انھیں مشاہیر شیعہ میں شمار کیا ہے علامہ ذہبی نے انھیں ثقافت تابعین میں لکھا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم دونوں میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

سالم بن ابی حفصہ عجللی کوئی

علامہ شہرستانی نے ملل و نخل میں انھیں مشاہیر شیعہ میں شمار کیا ہے علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اور علامہ ابن سعد نے طبقات جلد ۲ ص ۲۳۴ میں ان کی شدت تشیع کی کیفیت ذکر کی ہے۔ ان کی حدیثیں جامع ترمذی میں موجود ہیں۔ ۱۳۷ھ میں انتقال کیا۔

سعد بن طریف الاسکاف حنظلی کوئی

علامہ ذہبی نے علماء محدثین کے اقوال ان کے تشیع کے متعلق درج کیے ہیں۔ ان کی حدیثیں صحیح ترمذی میں موجود ہیں۔

سعد بن اشوع

علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ کوفہ کے قاضی تھے اور مشہور صدوق ہیں۔ امام نسائی نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ ان میں کوئی خرابی نہ تھی۔ جوزجانی نے کہا ہے کہ یہ بڑے غالی اور شیعیت میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ صحیح بخاری و مسلم دونوں میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

سعید بن خثیم

یحییٰ بن معین سے ان کے متعلق پوچھا گیا کہ سعید بن خثیم شیعہ ہیں آپ ان کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ انھوں نے کہا شیعہ ہوں گے مگر میں ثقہ جامع ترمذی و سنن نسائی ہیں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

سلمہ بن الفضل الابرش

رے کے قاضی تھے۔ ان کی شیعیت کی علمائے صراحت کی ہے مگر ارباب صحاح نے ان سے حدیثیں لی ہیں۔ چنانچہ جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

سلمہ بن کہیل بن حصین حضرمی

علامہ ابن قتیبہ نے معارف ص ۲۰۶ میں، علامہ شہرستانی نے ملل و نخل جلد ۲ ص ۲۷ میں ان کو مشاہیر شیعہ میں لکھا ہے۔ جملہ ارباب صحاح ستہ نے ان کی حدیثوں سے کام لیا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ان کی حدیثیں موجود ہیں ۱۲۱۱ھ میں انتقال کیا۔

سیمان بن صدخر اعمیٰ کوفی

شیعیان عراق کے بزرگ ترین فرد اور مرجع مومنین بزرگ تھے انتقام خون حسینؑ لینے والوں کے راس و رئیس اور قائد بھی تھے۔ جملہ ارباب سیر و تاریخ نے ان کے علم و فضل زہد و ورع عبادت کا فراخ دل سے تذکرہ کیا ہے

جنگ صفین میں امیر المومنین کے ہمراہ تھے۔ دشمنان اہل بیت کو گمراہ سمجھتے تھے ان کی حدیثیں صحیح مسلم و صحیح بخاری دونوں میں موجود ہیں۔

سیمان بن طرخان تیمی بصری

ابن قتیبہ نے اپنی کتاب معارف میں انھیں مشاہیر شیعہ میں ذکر کیا ہے، ان کی حدیثوں سے ارباب صحاح نے بھی کام لیا ہے اور دیگر محدثین نے بھی صحیح بخاری و مسلم دونوں میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔ ۱۲۳ھ میں انتقال کیا۔

سیمان بن قمر بن معاذ ضبی کوفی

علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کے متعلق ابن حبان کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ بڑے غالی رافضی تھے اور ابن عدی نے ان کے متعلق یہ کہا ہے کہ ان کی حدیثیں عمدہ ہیں۔ صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

سیمان بن مہران کاہلی کوفی مشہور بہ اعمش

یہ بزرگان شیعہ سے ایک جلیل القدر فرد اور کبار محدثین میں نامور بزرگ ہیں بہت سے محققین علماء اہل سنت مثلاً ابن قتیبہ نے اپنی معارف میں اور علامہ شہرستانی نے اپنی ملل و نحل میں اور دیگر حضرات نے ان کے شیعہ ہونے کی صراحت کی ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں جو زبانی کا یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ باشندگان کوفہ میں سے ایک جماعت ایسی تھی کہ لوگ ان کے عقائد و مذہب کو ناپسند سمجھتے تھے۔ مگر وہی حضرات محدثین کوفہ کے راس و رئیس تھے

مثلاً ابواسحاق منصور زبید یامی اور اعمش اور انھیں جیسے دیگر حضرات کو ان کے سچے ہونے کی وجہ سے ان کی حدیثوں کو لوگوں نے سر آنکھوں پر رکھا جوڑانی کا یہ فقرہ جس قدر رکیک اور ان کے نقشب کا منظر ہے پوشیدہ نہیں۔ نامی لوگوں نے ان بزرگوں کے مذہب و عقائد کو جو پسند نہیں کیا تو محض اس جرم کی وجہ سے کہ یہ حضرات اہل بیتؑ کی محبت دل میں رکھ کر ان کے دامن سے متمسک ہو کر اجر رسالت پیغمبرؐ ادا کرتے تھے۔ نامی افراد نے ان کی حدیثوں کو سر آنکھوں پر جو رکھا تو محض اس وجہ سے نہیں کہ یہ حضرات سچے تھے بلکہ اس لیے کہ بغیر ان کی طرف رجوع کیے ہوئے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اگر ایسے حضرات کی حدیثیں یہ نامی لوگ ٹھکرا دیتے تو پیغمبرؐ کی ساری حدیثیں ہوا ہو جاتیں۔ سنن و آثار پیغمبرؐ کا پتہ بھی نہیں چلتا۔ جیسا کہ خود علامہ ذہبی نے ابان بن تغلب کے تذکرہ کے سلسلہ میں اعتراف کیا ہے۔

اعمش کے چند عجیب و غریب نوادر ہیں جو ان کی جلالت قدر کو ظاہر کرتے ہیں چنانچہ علامہ ابن خلکان ان کے حالات میں یہ واقعہ لکھتے ہیں کہ خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے ان کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ عثمان کے فضائل اور علیؑ کی برائیاں مجھے لکھ بھیجو۔ اعمش نے ہشام کا خط لے کر بکری کے منہ میں دے دیا اور وہ اس خط کو چبا گئی اور قاصد سے کہا جا کر ہشام سے کہہ دینا کہ تمھارے خط کا یہی جواب ہے۔ قاصد نے کہا کہ ہشام نے قسم کھائی تھی کہ اگر میں تمھارا جواب لے کر نہ گیا تو مجھے قتل کر ڈالے گا۔ قاصد نے اعمش کے اعزہ و احباب سے بھی سفارش کرائی۔ جب سب نے اصرار کیا تو انھوں نے جواب میں لکھا۔

”اگر دنیا بھر کے لوگوں کے فضائل عثمان کو حاصل ہو جائیں اور

دنیا بھر کے لوگوں کی برائیاں علیؑ میں اکٹھا ہو جائیں تو تمہیں کیا تم اپنے
آپ کو دیکھا کرو؟

علامہ ابن عبد البر نے ان کا ایک واقعہ یہ نقل کیا ہے کہ فضل بن موسیٰ بیان کرتے
تھے کہ امام ابو حنیفہ کے ہمراہ اعمش کی عیادت کو گیا ابو حنیفہ نے کہا اے ابو محمد
(اعمش) اگر تمہارے بارِ خاطر نہ ہوتا تو میں جتنی بار تمہاری عیادت کو آتا ہوں اس
سے زیادہ آتا۔ اعمش نے کہا کہ خدا کی قسم جب تم اپنے گھر میں ہوتے ہو تو بھی میرے
لیے بارگراں ہوتے ہو جب میرے پاس ہو گئے تو میرا کیا حال ہو گا؟

ایک اور ان کا واقعہ شریک بن عبد اللہ قاضی کی زبانی ہے۔ شریک
کہتے ہیں کہ میں اعمش کے مرض الموت میں ان کے پاس حاضر تھا کہ اتنے میں ابن
شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ اور امام ابو حنیفہ ان کی عیادت کو آئے۔ لوگوں نے ان
کی مزاج پرسی کی انھوں نے انتہائی کمزوری و نقاہت کا ذکر کیا۔ اپنی خطاؤں پر
اپنی ہل سانی ظاہر کی اور کچھ آب دیدہ سے ہو گئے۔ امام ابو حنیفہ مڑے اور انھوں
نے فرمایا۔ اے ابو محمد! خدا سے ڈریے اور اپنے اوپر ترس کھائیے آپ حضرت علیؑ
کے متعلق ایسی حدیثیں بیان کرتے تھے اگر آپ ان سے توبہ کر لیتے تو آپ کے لیے
اچھا ہوتا۔ اعمش نے کہا۔ تم میرے ایسے شخص کے لیے ایسی بات کہتے ہو اور خوب
سخت و سست سنایا۔ مختصر یہ کہ اعمش بڑے ثقہ و معتمد عالم و فاضل بزرگ
تھے ان کے صدق و عدالت تقویٰ و پرہیزگاری پر سب کا اتفاق ہے۔ جملہ ارباب
صالح سنہ وغیرہ نے ان کی روایت کردہ حدیثوں سے کام لیا ہے۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم سب ہی میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔
۱۶۱ھ میں پیدا ہوئے ۱۴۸ھ میں انتقال کیا۔

ش

قاضی شریک بن عبداللہ بن سنان بن انس نخعی کوفی

ابن قتیبہ نے معارف میں انھیں مشاہیر شیعہ میں ذکر کیا ہے۔ میزان الاعتدال علامہ ذہبی میں بہ ذیل حالات شریک مذکور ہے۔ عبداللہ بن ادریس خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ شریک شیعہ ہیں۔ اسی میزان میں یہ بھی ہے کہ ابو داؤد و رباعی روایت کرتے ہیں کہ ہم نے شریک کو کہتے سنا کہ :

” علی خیر البشر فمن ابی فقد کفر “
 ” علیؑ تمام خلافت میں سب سے بہتر ہیں جس نے اس کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا۔ “

مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؑ بعد رسول اللہؐ سب سے بہتر ہیں۔ شریک منجملہ ان حضرات کے ہیں جنہوں نے امیر المومنینؑ کے نص خلافت کی حدیث روایت کی ہیں چنانچہ میزان الاعتدال میں ایک مرفوع حدیث ابو ہریرہ سے ہے۔

” لكل نبی وصی و وارث وان علیاً وصیی و وارثی “
 ” ارشاد فرمایا پیغمبرؐ نے کہ ہر نبی کا وصی و وارث ہو ا کرتا

ہے اور علیؑ میرے وصی و وارث ہیں “
 یہ شریک امیر المومنینؑ کے فضائل و مناقب کی نشر و اشاعت میں بڑے مستند و سرگرم اور آپ کے فضائل و مناقب بیان کر کے بنو امیہ کو خوب زچ کیا کرتے تھے۔

مورخ ابن خلکان نے اپنی کتاب وفيات الاعیان میں بسلسلہ حالات شریک کتاب درة الغواص سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ :

” ایک اموی شخص شریک کی صحبت میں اٹھا بیٹھا کرتا تھا ایک

مرتبہ شریک نے حضرت علیؑ کے فضائل بیان کیے۔ اس پر

اموی نے کہا: ”نعم الرجل علی“ ”اچھے شخص تھے

علیؑ“ اس پر شریک کو غصہ آگیا اور بگڑ کر کہنے لگے کہ کیا

علیؑ کے لیے بس یہی کہہ دینا کافی ہے؟ ”نعم الرجل“

”اچھے شخص تھے“ اس سے زیادہ کچھ اور نہیں کہنے کو؟“

شریک کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد کسی کو بھی اس میں ذرہ برابر شک و

شبه نہیں رہے گا کہ یہ دو سندارانِ اہلبیتؑ میں سے تھے اور علماء اہلبیتؑ

سے بکثرت حدیثیں انھوں نے روایت کی ہیں۔ عبداللہ بن مبارک ان کے

متعلق کہا کرتے تھے کہ یہ سفیان سے زیادہ حدیث کے عالم ہیں اور دشمنانِ

علیؑ کے سخت ترین دشمن تھے اور انھیں بہت برا کہا کرتے۔ ایک مرتبہ عبدالسلام

بن حرب نے شریک سے پوچھا کہ اپنے ایک بھائی کی عیادت کو چلتے ہو؟

پوچھا۔ کون؟۔ عبدالسلام نے کہا مالک بن مغول۔ شریک نے

کہا جو شخص علیؑ و عمار کو عیب لگائے وہ میرا بھائی نہیں۔

ایک مرتبہ شریک کے سامنے معاویہ کا تذکرہ ہوا۔ لوگوں نے کہا معاویہ

بڑے حلیم تھے۔ شریک نے کہا۔ جو شخص حق سے اعراض کرے اور علیؑ سے

جنگ کرے وہ حلیم ہرگز نہیں۔ انھیں شریک نے ہی یہ حدیث پیغمبرؐ روایت

کی ہے :

”اذا رأيتم معاوية علي منبري فاقتلوه“

”جب تم میرے منبر پر معاویہ کو دیکھنا قتل کر ڈالنا“
 مختصر یہ کہ ان کا شیعہ ہونا اظہر من الشمس ہے مگر باوجود اس کے علامہ ذہبی نے
 انہیں حافظ و صدوق اور یکے ازائمہ کہا ہے اور ابن معین کا ان کے متعلق
 یہ فقرہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ شریک صدوق و ثقہ تھے۔ اور ان کے حالات
 کے خاتمہ پر لکھا ہے کہ یہ منجملہ خزینہ دارانِ علم تھے۔ ان سے اسحاق ارزق
 نے نو ہزار حدیثیں حاصل کیں۔ امام مسلم اور دیگر ارباب صحاح نے بھی ان کی
 حدیثوں سے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے اور اپنے صحاح میں ان کی روایتیں
 لی ہیں۔ خراسان یا بخارا میں ۱۷۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۷ھ میں انتقال کیا۔

شعبہ بن حجاج عتکی

محققین اہل سنت مثلاً ابن قتیبہ نے معارف میں شہرستانی نے
 ملل و نخل میں انہیں مشاہیر شیعہ میں شمار کیا ہے ان کی حدیثیں صحیح بخاری
 صحیح مسلم و دیگر صحاح میں موجود ہیں ۱۸۳ھ میں پیدا ہوئے ۲۱۶ھ میں
 انتقال ہوا۔

ص

صعصعہ بن صوحان بن حجر بن حارث عبدی

ابن قتیبہ نے (معارف ص ۲۰۶) میں انہیں مشاہیر شیعہ میں شمار کیا
 ہے۔ علامہ ابن سعد طبقات جلد ۶ ص ۱۵۴ میں ان کے متعلق لکھتے ہیں:
 ”یہ کوفہ کے اصحاب خط سے مقرر تھے اور حضرت علیؑ کے

صحابی تھے۔ یہ صعصعہ اور ان کے بھائی زید اور سیحان جنگ
جبل میں حضرت علی کے ساتھ تھے۔ سیحان کے ہاتھ میں پہلے
شکر کا علم تھا، وہ قتل ہو گئے تو صعصعہ نے علم ہاتھوں میں
لے لیا۔ صعصعہ نے حضرت علیؑ اور عبداللہ ابن عباس سے
حدیثیں روایت کی ہیں۔ یہ بڑے معتمد و موثق شخص تھے۔ مگر
ان کی حدیثیں کم ہیں۔“

علامہ ابن عبدالبرؒ ”استیعاب“ میں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ
عہد پیغمبر میں اسلام لائے مگر صغیر سنی کی وجہ سے پیغمبرؐ کی زیارت نہ کر سکے اور
منجہ سردارانِ قوم تھے۔ بڑے فصیح و بلیغ مقرر، زیرک و دانا، دیانت دار،
عالم و فاضل انسان تھے۔ حضرت علیؑ کے صحابیوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔
یحییٰ ابن معین ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ صعصعہ، زید اور سیحان فرزندان
صوحان سب کے سب خطیب تھے۔ زید و سیحان جنگ جبل میں شہید ہوئے
عہد خلافت حضرت عمرؓ میں ایک مشکل قضیہ درپیش ہوا حضرت عمرؓ نے لوگوں
سے دریافت کیا۔ صعصعہ جو کم سن نوجوان تھے اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک پُر مغز
مدلل تقریر کی جس میں تمام شک و شبہ دور کر دیا اور جو صحیح جواب تھا اسے
بیان کیا۔ سب نے ان کے قول کو تسلیم کیا اور انھیں کی رائے اختیار کی۔ غرض کہ
بنی صوحان سردارانِ عرب اور مرکز فضل و حسب تھے۔

علامہ ابن قتیبہؒ نے بھی اپنی کتاب معارف صفحہ ۱۳۸ میں شہرہ آفاق
معززین و شرفا اور صاحبین سلطان کے سلسلہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ زید بن
صوحان کے فضائل میں پیغمبرؐ کی ایک حدیث بھی درج کی ہے۔
علامہ عسقلانیؒ اصابعہ مسمیٰ ثالث میں صعصعہ بن صوحان کا ذکر کرتے

ہوئے لکھتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عثمان اور حضرت علیؑ سے روایتیں کیں حضرت علیؑ کی معیت میں جنگ صفین میں شریک ہوئے۔ بڑے فصیح و بلیغ خطیب تھے معاویہ کے ساتھ ان کے بڑے معرکے ہوئے ہیں۔ شعبی ان کے متعلق کہا کرتے کہ میں نے ان سے خطب کی تعلیم حاصل کی۔

علائیؑ نے حالاتِ زیاد میں ذکر کیا ہے کہ مغیرہ نے حکم معاویہ انھیں کوفہ سے جلا وطن کر کے جزیرہ یا بحرین کی طرف بھیج دیا۔ بعض کہتے ہیں جزیرہ ابن کافان میں بھیجے گئے اور وہیں انتقال کیا۔ جس طرح جناب ابو ذرؓ نے ربذہ میں جلا وطن ہو کر انتقال کیا۔

علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں انھیں ثقہ معروف مشہور و معروف موثق لکھا ہے نیز ان کے ثقہ ہونے کے متعلق علامہ ابن سعد اور نسائی کے اقوال ذکر کیے ہیں۔ ان کی حدیثیں سنن نسائی میں موجود ہیں۔

ظ

ظالم بن عمرو بن سفیان ابوالاسود دؤلی

ان کا شیعہ و مخلص اہل بیتؑ ہونا دنیا جانتی ہے ملاحظہ ہو اسباب جلد ۲ صفحہ ۲۴۱۔ جملہ ارباب صحاح ستہ نے ان کی حدیثیں سر آنکھوں پر لی ہیں۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم سبھی میں موجود ہیں۔ پچانوے برس کی عمر میں ۹۹ھ میں شہر بصرہ میں انتقال کیا۔ یہ وہی ابوالاسود دؤلی ہیں جنہوں نے امیر المومنینؑ سے تعلیم حاصل کر کے علم نحو کی بنیاد رکھی اور دنیا کے عربیت میں موجد علم نحو کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

ع

ابو الطفیل عامر بن وائلہ بن عبد اللہ بن عمرو اللبثی

غزوہ اُحد کے سال پیدا ہوئے۔ علامہ ابن قتیبہ نے معارف میں انھیں
اول درجہ کے غالی شیعوں میں شمار کیا ہے نیز ذکر کیا ہے کہ مختار کے
علمدار بشکر اور مختار کے آخری وقت تک رفیق تھے۔

علامہ ابن عبد البر، استیعاب میں ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ کوثر
میں وارد ہوئے اور حضرت علیؑ کے ساتھ ہر معرکہ میں شریک رہے۔ جب
حضرت علیؑ شہید ہو گئے تو یہ مکہ چلے گئے۔ بڑے عالم و فاضل زبیرک و دانا
فیصیح و بلیغ، حاضر جواب تھے۔ حضرت علیؑ کے پیرو خاص تھے۔ بعد موت
امیر المومنینؑ یہ ابو طفیل ایک مرتبہ معاویہ کے پاس پہنچے، معاویہ نے پوچھا
تم اپنے دوست ابو الحسن (علیؑ) کی وفات پر کتنے رنجیدہ ہو؟ انھوں
نے کہا اتنا ہی جتنا مادر موسیٰؑ، موسیٰؑ کے انتقال پر رنجیدہ تھیں خداوند
میری اس کوتاہی کو معاف کرنا (یعنی امیر المومنینؑ سزاوار تھے کہ ان کا غم اس
سے بھی زیادہ کیا جائے)

معاویہ نے ان سے پوچھا۔ عثمان کا محاصرہ کرنے والوں میں تم بھی
تھے؟ انھوں نے کہا۔ محاصرہ کرنے والوں میں نہیں تھا البتہ میں ان
کے قریب ضرور موجود تھا۔ معاویہ نے پوچھا۔ تم نے ان کی مدد کیوں نہ
کی؟ ابو طفیل نے پوچھا۔ اور تم؟ تم نے کیوں مدد سے جان چرائی؟
تم تو شام میں تھے اور شام داغے سب کے سب بکھڑے تابع تھے۔

معاویہ نے کہا: میرا خون عثمان کا انتقام لینا کیا ان کی مدد نہ تھی؟
 ابو طفیل نے کہا: تمھاری مثال تو ایسی ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:
 ”میری موت کے بعد مجھ پر ٹسوے پہاتے ہو اور میری زندگی میں
 تم نے ذرہ برابر میری مدد نہ کی۔“
 صحیح مسلم میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

عباد بن یعقوب الاسدی

دارقطنی نے شیعہ اور صدوق لکھا ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ
 یہ رفض کے مبلغ تھے۔ ابن خزیمہ ان کے متعلق کہا کرتے کہ ہم سے حدیث
 بیان کی عباد بن یعقوب نے جو روایت میں ثقہ اور مذہب میں متہم (یعنی
 شیعہ) تھے۔

انھیں عباد نے روایت کی ہے کہ ابن مسعود مشہور صحابی پیغمبرِ آیت
 ”وَكُفِيَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ“ کو یوں پڑھا کرتے تھے ”وَكُفِيَ اللَّهُ
 الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ بِعَلَى“ نیز یہ حدیث بھی کہ ”اِذَا رَأَيْتُمْ مَعَاوَةَ
 عَلَى مَنْبَرٍ فَاَقْتُلُوهُ“

”جب معاویہ کو میرے منبر پر دیکھنا تو قتل کر ڈالنا“
 یہ عباد کہا کرتے تھے کہ جو شخص نمازیں دشمنانِ آلِ محمد پر تیرا نہ بھیجا
 کرے گا وہ انھیں کے ساتھ محشور ہوگا۔ یہ بھی انھیں کا قول ہے کہ
 خداوندِ عالم اس سے کہیں زیادہ انصاف کرنے والا ہے کہ وہ طلحہ و زبیر
 کو جنت میں داخل کرے جنہوں نے علیؑ کی بیعت کرنے کے بعد
 پھر ان سے جنگ کی۔

صالح جزرۃ کا بیان ہے کہ عباد عثمان کو سب و شتم کیا کرتے تھے۔ ان سب باتوں کے باوجود بخاری، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔ ۲۵۰ھ میں انتقال کیا۔

ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن داؤد ہمدانی کو فی

علامہ ابن قتیبہ نے انھیں مشاہیر شیعہ میں لکھا ہے۔ صحیح بخاری میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

عبد اللہ بن شداد

ابن سعد اپنی طبقات جلد ۶ ص ۸۶ پر ان کے متعلق لکھتے ہیں: بڑے ثقہ، فقیہ، کثیر الحدیث اور شیعہ تھے۔ ان کی حدیثیں کل صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

عبد اللہ بن عمر مشہور بہ مشکدانہ

امام مسلم و ابو داؤد بغوی وغیرہ کے استاد ہیں۔ ابن حاتم نے انھیں صدوق اور شیعہ لکھا ہے۔ صالح بن محمد بن جزرہ نے ان کے متعلق کہا کہ بڑے غالی شیعہ تھے۔ ان کی حدیثیں صحیح مسلم، سنن ابی داؤد میں موجود ہیں۔

عبد اللہ بن لہیعہ قاضی و عالم مصر

ابن قتیبہ نے انھیں شیعہ لکھا ہے۔ ابن عدی نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ شیعہ میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ ابویعلیٰ نے عبد اللہ بن لہیعہ سے روایت

کی ہے اور انھوں نے بسلسلہ اسناد عبداللہ بن عمر سے کہ رسالت مآبؐ نے مرض موت میں فرمایا: میرے بھائی کو بلا دو۔ لوگوں نے ابو بکرؓ کو بلا دیا۔ آنحضرتؐ نے منہ پھیر لیا۔ پھر فرمایا کہ میرے بھائی کو بلاؤ۔ لوگوں نے اب کی عثمانؓ کو بلا دیا اس مرتبہ بھی آپؐ نے منہ پھیر لیا۔ پھر علیؓ بلائے گئے۔ آپؐ نے انھیں اپنی چادر میں لے لیا اور ان پر جھک گئے۔ جب علیؓ چادر سے باہر آئے تو لوگوں نے پوچھا۔ رسولؐ سے کیا باتیں کیں۔ علیؓ نے بتایا کہ آنحضرتؐ نے مجھے ایک ہزار باب علم کے تعلیم کیے کہ ہر باب سے ایک ہزار باب منکشف ہوتے ہیں۔

ان کی حدیثیں جامع ترمذی، سنن ابی داؤد وغیرہ میں موجود ہیں۔
سلسلہ میں انتقال کیا۔

عبداللہ بن میمون قداح صحابی امام جعفر صادق

ترمذی نے ان کی حدیثوں سے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے۔
جامع ترمذی میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

ابو محمد عبدالرحمن بن صالح ازدی

ابن عدی نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ "احتراق بالتشیع"
شیعیت میں بھٹن گئے تھے۔ صالح جزرہ نے کہا ہے کہ یہ عثمان کو بُرا کہتے تھے۔ امام ابو داؤد نے ذکر کیا ہے کہ عبدالرحمن نے صحابہ کی مذمت میں ایک کتاب لکھی تھی۔ بڑے بڑے آدمی تھے۔ ان سب کے باوجود عباس ووری امام لہوی و نسائی نے ان سے حدیثیں روایت کیں۔ سنن نسائی میں ان کی

حدیثیں موجود ہیں۔ علامہ ذہبی نے ابن معین کے منقول لکھا ہے کہ وہ انھیں ثقہ کہا کرتے تھے۔

عبدالرزاق بن ہمام بن نافع حمیری

یہ اکابر و عمائد شیعہ اور سلف صالحین سے تھے۔ ابن قتیبہ نے معارف میں انھیں مشاہیر شیعہ میں لکھا ہے مؤرخ ابن اثیر نے تاریخ کامل جلد ۶ صفحہ ۱۳۲ میں ۲۱۱ھ کے حوادث کے سلسلہ میں ان کی وفات کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں :

”اسی ۲۱۱ھ کے آخر میں عبدالرزاق بن ہمام نے وفات پائی

یہ امام احمد کے اساتذہ میں سے تھے اور شیعہ تھے“

ملا متقی صاحب کنز العمال نے حدیث ۵۹۹۴ کے سلسلہ میں ان کا ذکر کیا اور ان کی شیعیت کی صراحت کی ہے (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۹۱)

علامہ ذہبی میزان میں ان کے متعلق لکھتے ہیں :

”عبدالرزاق بن نافع کیے از علمائے اعلام و ثقات تھے بہت

سی کتابیں لکھیں۔ جامع کبیر تصنیف کی۔ یہ خزانہ علوم تھے۔

علم کی تحصیل کے لیے لوگ دور دراز سے سفر کر کے ان کے

پاس آتے مثلاً امام احمد و اسحاق، یحییٰ، ذہلی، رمادی وغیرہ

جملہ حفاظ حدیث و ائمہ علم نے ان کی حدیثوں سے اپنے

مسک پر استدلال کیا ہے۔ طرابلسی سے منقول ہے۔ وہ

کہتے ہیں کہ ابن معین بیان کرتے تھے کہ میں نے عبدالرزاق

کی زبان سے ایسی باتیں سنیں جن سے مجھے ان کے شیعہ ہونے کا

یقین ہو گیا۔ میں نے عبدالرزاق سے پوچھا کہ تمہارے اساتذہ جن سے تم نے پڑھا ہے وہ کونساں کے سب سے تھے معمر، مالک، ابن جریج، سفیان، اوزاعی وغیرہ پھر تم شیعہ کیسے ہو گئے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جعفر بن سلیمان ہمارے یہاں آئے تھے ہم نے انہیں عالم و فاضل اور بڑا نیک سیرت پایا انہیں سے متاثر ہو کر میں نے یہ مذہب اختیار کیا۔“

عبدالرزاق کی اس گفتگو سے نکلتا ہے کہ وہ جعفر ضبعی کی وجہ سے شیعہ ہوئے مگر لطف یہ ہے کہ محمد بن ابی بکر مقدحی کا خیال یہ ہے کہ خود جعفر ضبعی عبدالرزاق کی وجہ سے شیعہ ہوئے۔ محمد بن ابی بکر، عبدالرزاق پر بددعا کرتے تھے کہ جعفر ضبعی ایسے لوگوں کو اس نے شیعہ کر دیا۔

ابن معین جن کا قول ہم نے اوپر ذکر کیا باوجودیکہ عبدالرزاق کی شیعیت سے بخوبی آگاہ تھے لیکن انہوں نے بہت زیادہ ان کی حدیثوں سے استفادہ کیا۔ احمد بن حنبلہ بیان کرتے تھے کہ ابن معین سے کسی نے کہا کہ امام احمد تو کہتے ہیں کہ عبید اللہ بن موسیٰ عبدالرزاق کی حدیثوں کو ان کی شیعیت کی وجہ سے مردود سمجھتے تھے تو ابن معین نے کہا خدا کی قسم عبدالرزاق، عبید اللہ بن موسیٰ سے سو درجہ اونچے ہیں اور میں نے عبید اللہ بن موسیٰ کی حدیثوں سے کسی گنا زیادہ حدیثیں عبدالرزاق سے سنی ہیں (میزان الاعتدال)

ابوصالح محمد بن اسماعیل ضراری کا بیان ہے کہ ہم لوگ شہر صنعا میں عبدالرزاق کے پاس تھیں علم حدیث میں منہمک تھے کہ ہمیں خبر ملی کہ امام احمد اور ابن معین نے عبدالرزاق کی حدیثوں کو شیعہ ہونے کی وجہ سے مردود قرار دے دیا ہے ہمیں اس خبر سے بڑا صدمہ ہوا کہ ساری محنت اکارت گئی

پھر ہم حاجیوں کے ہمراہ مکہ آئے وہاں ابن معین سے ملاقات ہوئی ہم نے ان سے دریافت کیا انھوں نے کہا۔ اگر عبدالرزاق مرند بھی ہو جائیں تو (وہ اتنے ثقہ ہیں کہ) ہم ان کی حدیثوں کو متروک نہیں قرار دے سکتے (میزان الاعتدال تذکرہ عبدالرزاق)

ابن عدی 'عبدالرزاق کے متعلق لکھتے ہیں کہ انھوں نے فضائل (الہبیت) میں ایسی حدیثیں بیان کی ہیں جس کی تائید کسی دوسرے نے نہیں کی۔ اور

ابن عدی کا یہ کہنا سوا ان کے تعصب کے اور کیا سمجھا جائے عبدالرزاق نے فضائل الہبیت کی جو حدیثیں روایت کی ہیں انصاف پسند علماء اہل سنت نے اس کی تائید بھی کی ہے اور اسے صحیح حدیثوں میں شمار کیا ہے ہاں خارجی و ناموسی دشمنان الہبیت نے البتہ مخالفت کی ہے۔ منجملہ ان حدیثوں کے ایک وہ حدیث ہے جو احمد بن ازہر جو با نقاق حجت ہیں نے روایت کی ہے کہ مجھ سے عبدالرزاق نے بیان کیا ان سے مرنے والے ان سے زہری نے ان سے عبید اللہ نے ان سے ابن عباس نے کہ پیغمبر نے حضرت علیؓ کی طرف نگاہ اٹھا کر کہا تم دنیا میں بھی سردار ہو اور آخرت میں بھی جس نے تمہیں دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے تم سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔ تمہیں دوست رکھنے والا خدا کو دوست رکھنے والا اور تمہیں دشمن رکھنے والا خدا کو دشمن رکھنے والا اور عذاب جہنم ہے تمہارے دشمن کے لیے۔ امام حاکم مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۲۸ پر اس حدیث کو درج کر کے لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کے معیار پر بھی صحیح ہے مگر ان دونوں نے اپنی صحیحین میں درج نہیں کیا دوسری حدیث ہے جو عبدالرزاق نے بسند اسناد ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جناب سیدہ نے رسالت مآبؐ سے عرض کی بابا جان آپ نے مجھے غریب و نادار شخص سے بیابا آنحضرتؐ نے فرمایا کیا تم اس سے خوش نہیں ہو کہ خداوند کریم نے باشندگان زمین کی طرف (باقی اگلے صفحہ پر)

اہل بیتؑ کے دشمنوں کے معاصیے میں منکر حدیثیں بیان کی ہیں۔ لوگوں نے انہیں شیعہ لکھا ہے۔

مختصر یہ کہ باوجود عبدالرزاق کے کھلم کھلا شیعہ ہونے کے علما اہل سنت نے انتہائی جلیل القدر عالم محدث اور بے حد ثقہ و معتبر سمجھا ہے، امام احمدؒ سے کسی نے پوچھا عبدالرزاق سے بڑھ کر بھی آپ کو بہتر حدیث والا ملا؟ انہوں نے جواب دیا۔ نہیں ان سے بہتر کوئی نہیں۔

علامہ قیسرانی اپنی کتاب جمع بین رجال الصیغین میں سلسلہ حالات عبدالرزاق امام احمدؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ جب لوگ پیغمبرؐ کی کسی حدیث میں اختلاف کریں تو عبدالرزاق جو کہیں وہ صحیح ہے۔ ان کی جلالت قدر کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ علامہ ابن خلسکان عبدالرزاق کے پاس (ملاحظہ ہو وفيات الاعیان) ان سے اپنے زمانہ کے ائمہ اسلام نے حدیثیں روایت کیں جیسے سفیان بن عیینہ، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین وغیرہ ان کی حدیثیں جملہ صحاح سنہ میں موجود ہیں۔ ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۱ھ میں انتقال کیا۔ امام جعفر صادقؑ سے امام محمد تقیؑ تک کا زمانہ پایا۔

(بقیہ گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) نظر کی ان میں سے صرف دو شخصوں کو منتخب کیا ایک کو بخاری باب بنایا دوسرے کو بخاری اشوہر۔ اس حدیث کو امام حاکم نے سلسلہ اسناد ابو ہریرہؓ سے بھی روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۲۹

اے دشمنان اہل بیتؑ کے متعلق عبدالرزاق کی بیان کردہ حدیثیں معاویہ اور ان کے پیروؤں ہی کے نزدیک منکر ہو سکتی ہیں مثلاً یہ حدیث جو عبدالرزاق نے سلسلہ اسناد مرفوعاً روایت کی کہ اذا ایتیم معاویۃ علی منبری فاقتلوا "جب معاویہ کو میرے منبر پر دیکھنا قتل کر دینا"

عبدالملک بن اعین

یہ زرارہ، حمران و بحیر و عبدالرحمن وغیرہ کے بھائی ہیں۔ یہ سب کے سب بزرگانِ شیعہ سے ہیں اور انھوں نے خدمتِ شریعت کر کے بڑے درجے حاصل کیے۔ ان بھائیوں نے اولاد بھی بڑی صالح و مبارک پائی۔ باپ کی طرح بیٹوں نے بھی مذہبِ حق کی ترویج و اشاعت میں بڑا حصہ لیا۔ عبدالملک کے متعلق علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں ابو وائل و غیرہ کا بیان ہے کہ ابو حاتم نے انھیں صالح الحدیث کہا ہے دوسروں نے صدوق اور رافضی کہا۔

ابن قیسرانی، کتاب جمع بین الرجال الصیحین میں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عبدالملک بن اعین حمران کوئی کے بھائی ہیں اور شیعہ تھے۔ بخاری و مسلم میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

عصرِ امام جعفر صادقؑ میں انتقال کیا۔ امام نے ان کے لیے دعا کی اور یہ بھی روایت میں ملتا ہے کہ امام نے اپنے اصحاب کے ساتھ ان کی قبر کی زیارت کی۔

عبداللہ بن عباسی کوئی

امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں۔ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب معارف ص ۱۱۱ میں اصحابِ حدیث میں ان کا ذکر اور ان کی شیعیت کی تصریح کی ہے پھر شاہیر شیعہ کے ضمن میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو معارف ص ۱۱۱) علامہ ابن سعد نے طبقات جلد ۶ ص ۱۲ پر ان کے حالات لکھے ہیں

اور ان کے شیعہ ہونے کی صراحت کی ہے۔ ابن اشیر نے تاریخ کامل میں بسلسلہ واقعات ۲۱۳ھ ان کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عبید اللہ بن موسیٰ عسبی نقیبہ۔ یہ شیعہ تھے اور امام بخاری کے شیخ ہیں۔ ان کی صحیح میں علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کے متعلق لکھا ہے۔ عبید اللہ بن موسیٰ بخاری کے شیخ ہیں اور فی نفسہ ثقہ ہیں لیکن یہ شیعہ اور مذہب اہلسنت سے منحرف تھے۔ ابو حاتم و ابن معین نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ احمد بن عبد اللہ عجل ان کے متعلق کہتے ہیں کہ عبید اللہ بن موسیٰ بڑے عالم قرآن و صاحب معرفت تھے میں نے انھیں کبھی سر بلند کیے ہوئے یا ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ انھیں علامہ ذہبی نے مطرب بن میمون کے حالات کے ضمن میں بھی عبید اللہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ثقہ اور شیعہ تھے۔ ابن معین عبید اللہ بن موسیٰ اور عبدالرزاق سے حدیث کا استفادہ کرتے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ دونوں شیعہ مسلک کے ہیں ان کی حدیثیں صحیح بخاری و مسلم اور سبھی صحاح میں موجود ہیں۔

ابو یقطان عثمان بن عمیر ثقفی کو فی بجلی

سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

عدی بن ثابت کو فی

ابن معین نے انھیں غالی شیعہ لکھا ہے۔ دارقطنی ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ غالی رافضی ہیں اور ثقہ ہیں۔ علامہ ذہبی ان کے حالات میں لکھتے ہیں کہ یہ شیعوں کے عالم صادق ان کے قاضی اور ان کی مسجد کے امام ہیں۔ اگر انھیں جیسے دوسرے شیعہ بھی ہوا کریں

تو شیعوں کی برائیاں بہت کم ہو جائیں۔ وار قطنی، احمد بن حنبل، احمد عجل، احمد شنائی سبھی انھیں ثقہ جانتے تھے۔ ان کی حدیثیں صحیح مسلم و بخاری میں موجود ہیں۔

عطیہ بن سعد بن جنادہ عونی

بڑی شہور شخصیت کے بزرگ ہیں علامہ ذہبی، سالم مرادی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عطیہ شیعہ تھے۔

ابن قتیبہ نے عطیہ بن سعد کے پوتے حین بن حسن ابن عطیہ کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے کہ یہ عطیہ حجاج کے زمانہ میں فقیہ تھے اور شیعہ تھے۔ پھر بسلسلہ تذکرہ مشاہیر شیعہ بھی ان کا تذکرہ کیا ہے۔

علامہ ابن سعد نے ان کے جو حالات لکھے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شیعیت میں کتنے راسخ و ثابت قدم بزرگ تھے۔ ان کے باپ سعد بن جنادہ امیر المومنین کے اصحاب میں سے تھے۔ امیر المومنین کوفہ میں تھے۔ سعد حضرت کی خدمت میں آئے۔ عرض کیا: امیر المومنین! میرے یہاں فرزند پیدا ہوا ہے اس کا نام رکھ دیجیے۔

آپ نے فرمایا: یہ عطیہ خداوندی ہے۔ چنانچہ عطیہ نام رکھ دیا گیا۔ ابن سعد یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

”عطیہ نے ابن اشعث کی ہمراہی میں حجاج پر خروج کیا جب ابن اشعث کو شکست ہوئی تو عطیہ فارس بھاگ گئے۔ حجاج نے فارس کے حاکم محمد بن قاسم ثقفی کو لکھا کہ عطیہ کو بلا کر کہو کہ علیؑ پر تبرّا کریں ورنہ تم انھیں چار سو کوڑے مارو۔ سر اور ڈاڑھی مونڈ ڈالو۔ محمد بن قاسم نے بلا کر حجاج کا یہ خط سنایا

انھوں نے انکار کیا تو اس نے انھیں چار سو کوڑے مارے اور سر اور ڈاڑھی مونڈ ڈالی۔ جب قتیبہ والی خراسان ہوا تو عطیہ اس کے پاس پہنچے اور برابر خراسان ہی میں رہے۔ پھر جب عمر بن ہبیرہ عراق کا گورنر ہوا تو انھوں نے عمر کو خط لکھا اور عراق آنے کی اجازت مانگی۔ اس کی اجازت پر یہ کوفہ آئے اور برابر کوفہ میں رہے۔ یہاں تک کہ ۱۱۱ھ میں وہیں انتقال کیا۔ یہ بڑے ثقہ بزرگ ہیں اور ان کی حدیثیں

بڑی پاکیزہ ہیں (طبقات ابن سعد جلد ۶ ص ۲۱۲)۔

عطیہ نے بڑی پاکیزہ نسل پائی۔ ان کی اولاد سب کے سب شیعہ تھے اور بڑے عالم و فاضل صاحب عز و شرف اور ممتاز شخصیتوں کے مالک جیسے حسین بن حسن بن عطیہ و محمد بن سعد بن محمد بن حسن بن عطیہ وغیرہ۔ عطیہ کی حدیثیں سنن ابی داؤد و ترمذی میں موجود ہیں۔

علامہ ابن صالح تیمی کو فی

میزان الاعتدال میں سلسلہ حالات علامہ ابو حاتم کا یہ قول مذکور ہے کہ یہ خالص شیعوں میں سے تھے۔ امام ابو داؤد و ترمذی نے ان کی حدیثوں سے اپنے ملک پر استدلال کیا ہے۔ ابن معین نے ثقہ کہا ہے ابو حاتم و ابو زرہ نے ان میں کوئی خرابی نہیں سمجھی۔

ان کی حدیثیں سنن ابی داؤد و جامع ترمذی میں موجود ہیں۔ یہ شاعر بھی تھے۔ امیر المومنینؑ کی مدح میں بڑے معرکہ کے قصیدے اور حضرت سید الشہدار کے مرثیے لکھے ہیں۔

علقمہ بن قیس بن عبد اللہ نخعی

یہ مخصوص محبان اہل بیتؑ سے تھے۔ علامہ شہرستانی نے ملل و نخل میں انھیں مشاہیر شیعہ کے زمرہ میں لکھا ہے۔ یہ علقمہ کبار محدثین میں سے تھے۔ یہ اور ان کے بھائی اُبی امیر المومنینؑ کے صحابی ہیں۔ جنگ صفین میں حضرت کے ہمراہ تھے۔ اُبی جنہیں کثرت عبادت کی وجہ سے "اُبی الصلاة" نماز والے اُبی کہا جاتا تھا۔ جنگ صفین میں شہید ہوئے علقمہ نے بھی بڑے کارنامے نمایاں انجام دیے۔ دشمنوں کو خوب تہ تیغ کیا۔ ان کی ٹانگ زخمی ہو گئی۔ یہ مدت العمر معاویہ کے سرگرم مخالف رہے۔

علقمہ کی عدالت و جلالت قدر حضرات اہل سنت کے نزدیک باوجود ان کی شیعیت کے مسلم الثبوت حیثیت رکھتی ہے۔ ارباب صحاح ستہ نے ان کی حدیثوں سے احتجاج کیا ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔ ۲۷۰ھ میں کوفہ میں انتقال کیا۔

علی بن بدیمہ

علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کے متعلق لکھا ہے۔ امام احمد بن حنبل انھیں صالح الحدیث اور جلیل القدر شیعہ بیان کرتے تھے۔ ابن معین نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ اصحاب سنن نے ان سے روایت کی ہے۔

ابو الحسن علی بن جعد جوہری بغدادی

امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں۔ ابن قتیبہ نے معارف میں انھیں

مشاہیر شیعہ میں لکھا ہے۔ میزان الاعتدال میں ان کے حالات میں ہے کہ ساٹھ برس تک ان کا وطیرہ یہ رہا ہے کہ ایک دن روزہ سے رہتے دوسرے دن بحالتِ افطار۔ قیسرانی نے کتاب جمع بین رجال الصیحین میں ان کا ذکر کیا ہے بخاری نے اپنی صحیح میں ان سے بارہ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۹۶ برس کی عمر میں ۲۳۰ھ میں انتقال کیا۔

علی بن زید بن عبد اللہ تمیمی بصری

احمد عجمی نے انھیں شیعہ اور رافضی لکھا ہے مگر باوجود ان کے شیعہ رافضی ہونے کے علماء تابعین نے ان سے استفادہ کیا یہ بصرہ کے فقہاء ہیں سے فقہ اور ایسے جلیل القدر و علم و فضل میں ممتاز کہ جب حسن بصری کا انتقال ہوا بصرہ والوں نے ان سے کہا کہ آپ حسن بصری کی جگہ پر تشریف فرما ہوں۔ اس زمانہ میں بصرہ کے اندر کوئی کوئی شیعہ ہوا کرتا۔ قیسرانی نے اپنی کتاب جمع بین رجال الصیحین میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ۱۳۱ھ میں انتقال کیا۔

علی بن صالح

حسن بن صالح کے بھائی ہیں جن کے حالات میں ہم قدسے ان کا ذکر کر چکے ہیں۔ صحیح مسلم میں ان کی حدیثیں موجود ہیں ۱۸۶ھ میں انتقال کیا۔

ابو یحییٰ علی بن غراب فزاری کوئی

ابن حبان نے انھیں شیعہ لکھا ہے۔ ابن معین و دارقطنی نے انھیں ثقہ

قرار دیا ہے۔ ابو حاتم نے ان کی حدیثوں میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔ ابو زرہ نے کہا ہے کہ میرے نزدیک صدوق ہیں۔

امام احمد کا ارشاد ہے کہ میں تو انہیں صدیق ہی سمجھتا ہوں۔ اصحاب سنن نے ان کی حدیثیں درج کی ہیں۔ ہارون رشید کے زمانہ میں ۱۸۴ھ میں انتقال کیا۔

ابو الحسن علی بن قادم خزاعی کو فی

یہ بہت سے محدثین کے شیخ ہیں۔ ابن سعد نے طبقات جلد ۶ ص ۲۷ پر ان کا تذکرہ کیا اور لکھا ہے کہ بڑے شیعہ تھے۔ سنن ابی داؤد و جامع ترمذی میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

علی بن منذر طرابلسی

ترمذی و نسائی اور دیگر محدثین کے شیخ ہیں۔ علامہ ذہبی نے عالم نسائی کا قول نقل کیا ہے کہ علی ابن منذر خالص شیعہ اور ثقہ ہیں۔ ابن حاتم نے انہیں صدوق و ثقہ لکھا ہے۔ امام نسائی گواہی دیتے ہیں کہ علی بن منذر خالص شیعہ تھے۔ پھر ان کی حدیثوں کی روایت قابل اعتنا نہیں اور شیعہ راویوں سے محدثین اہل سنت نے روایت لی ہے کس حد تک لائق مائتم ذہنیت ہے۔ ۲۵۶ھ میں انتقال کیا۔

ابو الحسن علی بن ہاشم بن برید کو فی

امام احمد کے اساتذہ میں سے ہیں۔ امام ابو داؤد نے انہیں ٹھوس

شیعہ لکھا ہے۔ ابن حبان کا قول ہے کہ علی بن ہاشم غالی شیعہ تھے۔ جعفر بن ابان کہتے ہیں کہ میں نے ابن نمیر کو کہتے سنا۔ علی ابن ہاشم شیعیت میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔

بخاری فرماتے ہیں کہ علی بن ہاشم اور ان کے باپ دونوں اپنے مذہب میں بڑے غالی تھے اسی وجہ سے بخاری نے ان کی حدیثیں صحیح میں درج نہیں کیں لیکن باقی پانچ ارباب صحاح نے ان کی حدیثیں اپنی صحاح میں درج کی ہیں اور ان کی حدیثوں سے اپنے مسلک پر احتجاج کیا ہے۔

ابن معین وغیرہ نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ابو داؤد نے اثبات میں شمار کیا۔ ابو زرہ نے صدوق کہا۔ امام نسائی نے ان میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔ ۱۸۱ھ میں انتقال کیا۔

عمار بن زریق کوئی

سیمانی نے انھیں رافضی شمار کیا ہے اور باوجود ان کے رافضی ہونے کے صحیح مسلم و سنن ابی داؤد و سنن نسائی میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

عمار بن معاویہ

ان کی کسیت ابو معاویہ تھی۔ یہ جلیل القدر شیعہ تھے۔ محبت اہلبیت کے جرم میں انھیں بڑی اذیتیں دی گئیں بشیر بن مردان نے شیعیت کے جرم میں ان کے دونوں پیر کاٹ ڈالے۔ بہت سے محدثین کے استاد ہیں جنہوں نے ان سے حدیث کا استفادہ کیا اور ان کی حدیثوں سے اپنے مسلک پر استدلال کیا۔ امام احمد، ابن معین، ابو حاتم اور بہت سے لوگوں نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔

بھاری کو چھوڑ کر باقی سبھی ارباب صحاح نے ان کی حدیثیں اپنے صحاح میں درج کی ہیں۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کے متعلق تمام مذکورہ باتیں نقل کی ہیں اور ان کے شیعہ اور ثقہ ہونے کی صراحت کی ہے نیز یہ کہ ان کے متعلق کسی نے بھی لب کشائی نہیں کی اور ان کے ثقہ ہونے میں کلام کیا سوا عقیلی کے۔
۱۲۳ھ میں انتقال کیا۔

ابو اسحق عمرو بن عبد اللہ ہمدانی کو فی

ابن قتیبہ نے معارف میں، علامہ شہرستانی نے ملل و خل میں، ان کی شخصیت کی تفریح کی ہے۔ یہ بزرگ کوفہ کے انھیں جلیل القدر محدثین ہیں سے ہیں جن کے مسلک کو دشمنان اہل بیت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیونکہ انھوں نے جمہور کی روش کو چھوڑ کر اہل بیت کی اتباع و پیروی کو بہتر سمجھا اور ہر دینی مسئلہ میں۔ اہل بیت کی طرف رجوع کرنے میں انھوں نے نجات سمجھی۔ اسی وجہ سے توجہ زبانی کا یہ فقرہ ہے:

”کوفہ کے کچھ ایسے افراد تھے کہ باوجودیکہ لوگ ان کے عقائد و خیالات کو پسند نہیں کرتے تھے مگر فن حدیث میں وہ مرجع نام اور محدثین کوفہ کے راس و رئیس تھے جیسے ابو اسحق منصور، زبیدی، اعمش وغیرہ لوگوں نے ان افراد کی سچائی و دیانتداری کی وجہ سے ان کی بیان کردہ حدیثوں کو سر آنکھوں پر رکھا اور جو حدیثیں ان لوگوں نے مرسل بیان کیں ان میں توقف کیا۔“

ابو اسحاق کی مرسل بیان کی ہوئی حدیثوں میں ناصبی ذہنیت والوں نے

توقف جو کیا انہیں میں سے ایک حدیث یہ ہے :

”قال رسول الله على كشجرة انا اصلها وعلي
فرعها والحسن والحسين شمرها والشعبة
ورقها“

”علیؑ کی مثال درخت جیسی ہے۔ میں اس درخت کی جڑ
ہوں، علیؑ اس کی شاخ ہیں حسن و حسین اس کے پھل
ہیں اور شعبہ اس درخت کے پتے ہیں“

ان کی حدیثوں سے جملہ ارباب صحاح نے احتجاج کیا ہے۔ بخاری و مسلم
اور دیگر کتب صحاح سبھی میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

ابو سہل عوف ابن ابی جمیلہ البصری

ابن قتیبہ نے معارف میں انہیں مشاہیر شیعہ میں شمار کیا ہے۔ علامہ ذہبی
میرزاں الاعتدال میں ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ”كان يقال له عوف المدين“
انہیں لوگ سچائی والے عوف کہتے ہیں جعفر بن سلیمان انہیں شیعہ اور بنی ہاشم
انہیں رافضی بیان کرتے ہیں۔ ان کی حدیثیں صحیح بخاری صحیح مسلم میں بھی ہیں اور دیگر
کتب صحاح میں بھی۔

ف

فضل بن دکین

کنیت آپ کی ابو نعیم تھی یہ بخاری کے شیوخ میں سے ہیں محققین

اہلسنت مثلاً ابن قتیبہ وغیرہ نے انھیں شیعہ لکھا ہے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

”الفضل بن دکین ابو نعیم حافظ حجة الا

انہ یتشیع“

”فضل بن دکین جن کی کنیت ابو نعیم تھی یہ حدیث کے حافظ اور محبت میں مگر یہ کہ شیعہ تھے“

ان کی شیعیت میں کسی کو تامل کی گنجائش نہیں۔ ان سے جلد ار باب صحاح حجتان کرتے ہیں۔ ان کی حدیثیں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر صحاح سبھی میں موجود ہیں۔ ۲۱۰ھ زمانہ حکومت معتصم میں انتقال کیا۔

علامہ ابن سعد طبقات جلد ۲ صفحہ ۲۷۹ پر ان کے متعلق لکھتے ہیں۔

”وكان ثقة مأمونا كثير الحديث، حجة“

”یہ بھروسہ کے لائق ہر طرح قابل اطمینان بہت زیادہ حدیثوں

کے راوی اور محبت میں“

ابو عبد الرحمن فضیل بن مرزوق

علامہ ذہبی ان کے متعلق میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں کہ یہ مشہور و معروف شیعہ ہیں۔

سفیان بن عیینہ، ابن معین، ابن عدی وغیرہ جملہ ائمہ حدیث نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ایثم بن جمیل نے ان کے متعلق کہا ہے کہ فضیل بن مرزوق، بلحاظ زہد و فضل یکے از ائمہ ہدایت تھے۔ صحیح مسلم میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

فطر بن خلیفہ حناط کوئی

عبداللہ بن احمد نے اپنے والد امام احمد بن حنبل سے فطر کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا :

”ثقة صالح الحديث ، حدیثہ حدیث رجل کیس
إلا انه يتشيع“

”فطر ثقہ ہیں، صالح الحدیث ہیں۔ ان کی حدیثیں زیرک و

دانا لوگوں جیسی ہیں لیکن یہ کہ وہ شیعہ تھے“

ابن معین کا قول ہے کہ فطر بن خلیفہ ثقہ اور شیعہ ہیں۔ صحیح بخاری و سنن ابی
ہیں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔ ۲۵۳ھ میں انتقال کیا۔

م

ابو غسان مالک بن اسماعیل بن زبیر ابن درہم کوئی

امام بخاری کے شیخ ہیں۔ ابن سعد طبقات جلد ۶ ص ۲۸۲ پر ان کے
حالات کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں کہ :

”ابو غسان ثقہ اور صدوق اور بڑے شدید قسم کے شیعہ تھے“

علامہ ذہبی نے بھی ان کی عدالت و جلالتِ قدر پر روشنی ڈالی ہے اور
وضاحت کی ہے کہ انھوں نے مذہب تشیع اپنے استاد حسن صالح سے
حاصل کیا۔ اور ابن معین کہا کرتے کہ کوفہ میں ابو غسان جیسا سٹھوس آدمی
نہیں۔ ابو حاتم بھی ان کے متعلق یہی رائے رکھتے تھے۔ امام بخاری نے

بلا واسطہ ان سے متعدد حدیثیں روایت کی ہیں۔ بخاری و مسلم میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔ ۱۹ھ میں انتقال کیا۔

محمد بن حازم

جو ابو معاویہ صریح تمیمی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"یہ بڑے ثقہ، بھٹوس اور یکے از ائمہ اعلام تھے۔ میری دانست میں کسی نے بھی ان کے متعلق کوئی ایسی بات نہیں کہی جو ان کی شان کے منافی ہو۔"

امام حاکم فرماتے ہیں کہ ان کی حدیثوں سے بخاری و مسلم دونوں نے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ بڑے غالی شیعہ تھے۔ ان کی حدیثوں سے جبار باب صحاح ستہ نے احتجاج کیا ہے اور سبھی صحاح میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔ ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۵ھ میں انتقال کیا۔

محمد بن عبد اللہ بن عیسا پوری مشہور امام حاکم

یہ بزرگ حفاظ و محدثین کے امام اور سینکڑوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ تحصیل علم کی خاطر ملک ملک کے سفر کیے اور دو ہزار شیوخ حدیث سے احادیث کا استفادہ کیا۔ ان کے زمانہ کے مرجع انام علمائے اعلام جیسے صعلوکی امام ابن ذر اور دیگر جمیع ائمہ اعلام انھیں اپنے سے مقدم و بہتر سمجھتے تھے اور آپ کے علم و فضل کا لحاظ رکھتے تھے۔ معزز و محترم ہونے کے معترف اور بے شک شبہ امام سمجھتے تھے۔ ان کے بعد کے جتنے محدثین ہوئے وہ سب آپ کے

خوان علم کے زلہ خوار ہیں۔ بزرگ اکابر شیعہ اور شریعت مصطفوی کے حافظوں میں سے تھے۔ جیسا کہ علامہ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ میں صراحت موجود ہے نیز میزان الاعتدال میں بھی سلسلہ حالات امام موصوفتصریح ہے ۳۲۱ میں پیدا ہوئے اور ۳۳۵ھ میں انتقال کیا۔

محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع مدنی

ان کا پورا خاندان شیعہ تھا۔ ان کے خاندان والوں کی تصانیف دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حضرات شیعیت میں کتنے راسخ اور ثابت قدم تھے۔ محمد بن عبید اللہ کو ابن عدی نے کوفہ کے سربراہ اور وہ شیعوں میں شمار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو میزان الاعتدال علامہ ذہبی۔

ترمذی و دیگر اصحاب سنن نے ان کی حدیثیں اپنے صحاح میں درج کی ہیں۔ طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں سلسلہ اسناد محمد بن عبید اللہ سے اور انھوں نے اپنے باپ دادا کی وساطت سے حضرت پیغمبر خدا کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے ارشاد فرمایا:

”کہ سب سے پہلے ہم اور تم اور حسن و حسینؑ جنت میں جائیں گے
ہمارے پیچھے ہم لوگوں کی اولاد رہے گی اور ہم لوگوں کے شیعہ
ہمارے دائیں اور بائیں رہیں گے“

ابو عبد الرحمن محمد بن فضیل بن غزوان کوفی

ابن قتیبہ نے اپنی معارف میں انھیں مشاہیر شیعہ میں شمار کیا ہے۔ علامہ ابن سعد نے اپنی طبقات جلد ۲ صفحہ ۲ پر ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

”کہ یہ ثقہ، صدوق اور کثیر الحدیث ہیں۔ یہ شیعہ تھے۔ بعض

علمائے ان کی حدیثوں سے احتجاج نہیں کرتے۔“

علامہ ذہبی نے انھیں میزان میں کئی جگہوں پر صدوق اور شیعہ لکھا ہے۔
امام احمد نے ان کے متعلق فرمایا کہ ان کی حدیثیں پاکیزہ ہیں اور یہ شیعہ ہیں۔
امام ابو داؤد نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ بڑے سخت و شدید
شیعہ تھے۔ حدیث و معرفت والے ہیں اور حمزہ سے انھوں نے علم قرآن حاصل
کیا۔ ابن معین نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ امام احمد و نسائی نے ان کی حدیثوں
میں کوئی مضائقہ نہیں دیکھا۔ ان کی حدیثیں صحیح بخاری و مسلم اور دیگر صحاح میں
موجود ہیں۔

محمد بن مسلم بن طائفی

یہ امام جعفر صادقؑ کے سربراہ اور وہ اصحاب ہیں سے تھے شیخ الطائفہ
ابو جعفر طوسی نے اپنی کتاب رجال الشیعہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے جن بن حین
بن داؤد نے ثقہ لوگوں کے سلسلہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔

علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں بکثرت جلیل القدر محدثین المہنت
کے اقوال ان کے ثقہ ہونے کے متعلق نقل کیے ہیں۔ ان کی حدیثیں صحیح مسلم میں
موجود ہیں۔

محمد بن موسیٰ بن عبد اللہ الفطری المدنی

ابو حاتم نے ان کے شیعہ اور ترمذی نے ان کے ثقہ ہونے کی صراحت
کی ہے (میزان الاعتدال علامہ ذہبی) ان کی حدیثیں صحیح مسلم و دیگر سنن میں

موجود ہیں۔

معاویہ بن عمار دہنی بجلی کوئی

یہ بزرگ علمائے امامیہ کے نزدیک بھی بڑے معزز و محترم اور علمائے اہلسنت کے نزدیک بھی بڑے ثقہ، عظیم المرتبت اور جلیل القدر ہیں ان کے والد عمار حق پروری، حق کو شہی کا بہترین نمونہ تھے بشیعت کے جرم میں دشمنانِ آل محمد نے ان کے پیر قطع کر دیے تھے۔ بیٹا وہی قدم بہ قدم ہو جو باپ کے۔ معاویہ بھی اپنے باپ کی مکمل شبیہ تھے۔ امام جعفر صادقؑ اور موسیٰ کاظمؑ کی صحبت میں رہے اور آپ کے علوم کے حامل ہوئے۔ آپ کی حدیثیں صحیح مسلم میں موجود ہیں۔

معروف بن خربوذ کرخی

ذہبی نے میزان الاعتدال میں انہیں صدوق و شیعہ لکھا ہے۔ نیز یہ کہ بخاری و مسلم اور ابوداؤد نے ان کی حدیثیں اپنے صحاح میں درج کی ہیں۔ ابن خلکان نے فضیلت الاعیان میں امام علی رضا کے موالی میں انہیں ذکر کیا ہے صحیح مسلم میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔ سنہ ۱۰۰ھ میں بغداد میں انتقال فرمایا۔ ان کی قبر زیارت گاہ عوام و خواص ہے سری سقطی مشہور صوفی ان کے تلامذہ میں سے تھے۔

منصور بن المعتمر بن عبد اللہ بن ربیعہ کوئی

امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ کے اصحاب سے تھے۔ جیسا کہ صاحب



ہارون بن سعد عجلی کوئی

ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ فی نفسہ صدوق ہیں لیکن سخت قسم کے رافضی ہیں۔ ابن معین ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ بڑے غالی شیعہ تھے۔ صحیح مسلم میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

ابو علی ہاشم بن برید کوئی

ابن معین نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے اس اقرار کے ساتھ کہ وہ رافضی تھے امام احمد نے ان کی حدیثوں میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔ ان کی حدیثیں سنن ابی داؤد، سنن نسائی میں موجود ہیں۔ یہ ہاشم مشہور شیعہ گھرانے کے فرد تھے حبیبہ کہ علی بن ہاشم، کے حالات میں ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

بہیرہ بن برکیم حمیری

امیر المؤمنین کے صحابی ہیں۔ امام احمد ان کی حدیثوں میں کوئی مضائقہ نہیں تصور فرماتے۔ شہرستانی نے ملل و نخل میں انھیں مشاہیر شیعہ میں شمار کیا ہے ان کا شیعہ ہونا مسلمات سے ہے۔ سنن اربعہ میں ان کی حدیثیں موجود ہیں۔

ابو المقدام ہشام بن زیاد بصری

شہرستانی نے ملل و نخل میں انھیں مشاہیر شیعہ میں شمار کیا ہے۔ ان کی

حدیثیں صحیح ترمذی وغیرہ میں موجود ہیں۔

ابوالولید ہشام بن عمار بن نصیر بن میسرہ

انہیں ظفری دمشقی بھی کہتے ہیں۔ امام بخاری کے شیخ ہیں۔ ابن قتیبہ نے معارف میں انہیں مشاہیر شیعہ کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے ذہبی نے انہیں امام، خطیب، محدث، عالم، صدوق بہت زیادہ حدیثوں کا راوی لکھا ہے بخاری نے صحیح میں بہت سی حدیثیں ان سے بلا واسطہ روایت کی ہیں ۱۵۳ھ میں پیدا ہوئے ۲۴۵ھ میں انتقال کیا۔

ہشیم بن بشیر بن قاسم بن دینار سلمی واسطی

ابن قتیبہ نے معارف میں انہیں مشاہیر شیعہ میں شمار کیا ہے۔ امام احمد اور ان کے ہم عصر علما کے استاذ ہیں۔ ذہبی نے انہیں حفاظ اور یکے از علمائے اعلام لکھا ہے۔ ان کی حدیثیں صحیح بخاری و مسلم اور باقی سبھی صحاح میں موجود ہیں۔

و

وکیع بن جراح بن یثیع بن عدی

ان کی کنیت ابوسفیان تھی۔ ابن قتیبہ نے معارف میں انہیں مشاہیر شیعہ میں قرار دیا ہے۔

ابن مدینی نے بھی تہذیب میں ان کی شیعیت کی صراحت کی ہے مروان بن معاویہ ان کے شیعہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں کرتے۔ ان کی حدیثوں سے

انہیں جلاوطن کیوں کہ ان لوگوں نے ابن زبیر کی بیعت سے انکار کیا تھا۔
ابو عبد اللہ جدلی نے پہنچ کر ان حضرت کو رہا کیا۔

یہ سینکڑوں میں سے چند نام ہم نے درج کیے ہیں۔ یہ لوگ علوم
اسلام کے خزانہ دار ہیں ان سے آثارِ نبویؐ محفوظ ہوئے اور ان پر صحاح و سنن
و مسانید کا مدار رہا ہے۔

ہم نے آپ کی خواہش کے مطابق ان کے متعلق علمائے اہلسنت کی
توثیق اور ان سے احتجاج کو بھی ذکر کیا۔ اس سے آپ کی رائے میں ضرورتاً تبدیلی
ہوگی کہ اہل سنت رجالِ شیعہ سے احتجاج نہیں کرتے۔ اگر شیعوں کی حدیثیں
صرف ان کے تشیع کے جرم میں رد کر دی جائیں تو جیسا کہ ذہبی نے میزان میں
ابان بن تغلب کے ذکر میں کہا ہے۔ کُلُّ آثارِ نبوی ضائع و برباد ہو جائیں۔

ان کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں ایسے شیعہ ہیں جن سے اہل سنت
احتجاج کیا ہے اور وہ ان سے بھی سند کے اعتبار سے اور کثرتِ حدیث
سے زیادہ کشادہ دامن اور علم کے اعتبار سے زیادہ وسیع النظر تھے اور زمانے کے
لحاظ سے ان سے بھی مقدم تھے اور ان سے بھی زیادہ ان کے قدم تشیع میں راسخ تھے
اصحابِ رسولؐ میں بڑی تعداد رجالِ شیعہ کی ہے جنہیں ہم نے فضولِ ہمہ کے آخر میں بیان کیا ہے
تابعین میں ایسے حافظ و صدوق و ثقہ شیعہ ہیں جو محبتِ اہلبیتؑ کی قربانی پر بھینٹ چڑھتے
رہے۔ جنہیں جلاوطن کیا گیا۔ سزا دی گئی۔ قتل کیا گیا۔ سولیاں دی گئیں۔ اور جو
علوم و فنون کے موسس و موجد ہوئے۔ یہ صدوق و دیانت و ورع و تقویٰ، زہد و
عبادت و اخلاص کے روشن منارے تھے۔ اور ان سے دین الہی کو لامتناہی فائدے
پہنچے۔ اور ان کی خدمات کی برکتوں سے اسلام کا بحر بے کنار آج بھی موجزن ہے۔

منش

مکتوب نمبر ۹

تسلیم!

میں نے آپ ایسا تازہ دم سرخِ خاطر و زود فکر نہیں دیکھا اور نہ میرے کانوں نے آپ سے زیادہ صاحبِ بصیرت شخص کا ذکر سنا۔ آپ کی نرم گفتاری، شیریں بیانی قابلِ داد ہے۔ آپ کے کل مکاتیب میں آپ کی شیوا بیانی و امن دل کو کھینچتی ہے۔ آپ دل و دماغ، ہوش و حواس پر چھا جاتے ہیں۔ آپ کی مدلل و سنجیدہ تحریر نے گرد میں جھکا دیں اور ضلالت کو حق کے سامنے سرنگوں کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ سنی کے لیے کوئی مانع نہیں ہے کہ اپنے شیعہ بھائی سے احتجاج کرے جبکہ شیعہ معتبر ہو۔ لاریب اس موضوع میں آپ کی رائے حق و صدا پر مبنی ہے اور منکر کی رائے عناد و تنگ دلی ہے۔

ہم کل آیات الہی پر ایمان لائے اور ان اکثر آیات الہی پر بھی ایمان لائے جن میں سے اکثر کو آپ نے ذکر کیا ہے جو امیر المؤمنینؑ اور ائمہ اہل بیتؑ کے فضل و شرف پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ ہی جانے کہ اہل قبلہ نے ائمہ اہل بیتؑ سے کیوں بے اعتنائی کی؟ اور اصول و فروع میں ان کے مسلک سے دور رہے اور اختلافی مسائل میں ان کے پیرو نہ ہوئے۔ علمائے امت نے اہل بیتؑ کے افکار و خیالات سے بحث نہ کی بلکہ بجائے ان کی تقلید کے ان سے معارضہ کرتے رہے اور ان کی مخالفت کی پروا نہ کی اور سلف سے لے کر خلفت تک عوام امت، غیبر اہلبیتؑ کے استاذوں پر نظر آئے۔ لہذا کلام مجید کی آیتیں اور صحیح اور مسلم الثبوت حدیثیں اگر ائمہ اہلبیتؑ کی اطاعت و پیروی کے واجب و فرض ہونے کے متعلق نص صریح ہوتیں تو جہور اہل سنت کو پیروی اہلبیتؑ کے سوا چارہ کاری نہ ہوتا۔ اور ائمہ اہلبیتؑ کو چھوڑ کر وہ کسی کو اپنا مقتدا و پیشوا بنانا پسند ہی نہیں کرتے لیکن وہ آیات الہی اور احادیث پیغمبرؐ کو سمجھتے نہیں۔ وہ ان آیات اور ان احادیث کو جن میں اہل بیتؑ کے شرف و کمال کو بیان کیا گیا ہے صرف مدح و ثنا سمجھے اور یہ کہ ان سے محبت رکھنا اور ان کی عزت و تعظیم کرنا واجب ہے ان کے نزدیک ان آیات و احادیث کا ماحصل یہ ہے کہ اہل بیتؑ سے مودت و محبت و اخلاص واجب ہے اور ان کا احترام کرنا ضروری ہے۔ اگر آیات قرآن مجید و احادیث پیغمبرؐ میں تصریح ہوتی کہ بس ائمہ اہلبیتؑ ہی کی پیروی فرض ہے تو اہل قبلہ علمائے اہلبیتؑ سے انحراف نہ کرتے۔ اور نہ بجائے ان کے کسی دوسرے کی طرف رجوع کرتے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اگلے بزرگ زیادہ صحیح سمجھنے والے تھے اور کتاب الہی و احادیث پیغمبرؐ کا مطلب آج کل کے لوگوں سے بہتر سمجھتے تھے۔

جواب مکتوب

اس ناچیز سے آپ کے حسنِ ظن کا شکریہ۔ آپ کے لطفت و عنایات کے سامنے میرا دل جھکا جاتا ہے اور آپ کی مہربانی و حق جوئی کی مہیت مجھ پر مسلط ہے لیکن میں آپ سے یہ گزارش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ آپ اپنے مکتوب پر نظر ثانی کریں جس میں آپ نے لکھا ہے کہ اہل قبلہ نے اہل بیت سے عدول کیا۔ یہ لفظ زیادہ وسیع استعمال ہو گیا۔ اہل قبلہ تو شیعہ بھی ہیں انھوں نے ابتداء سے آج تک اصول و فروع کسی چیز میں اہل بیت کے مسلک سے انحراف نہیں کیا۔ شیعہ تو مسلک اہل بیت پر عمل واجب سمجھتے ہیں۔ اہل بیت سے عدول رؤسارملت نے کیا جب کہ نص کے ہوتے ہوئے صاف صاف تصریح خلافت و امامت کے متعلق ہوتے ہوئے امیر المؤمنینؑ کو حق خلافت سے محروم کیا گیا اور اصول و فروع میں اہل بیتؑ کو چھوڑ کر دوسرے مرکز بنائے گئے اور کتاب و سنت کی مصالح کے لحاظ سے تاویلین کی گئیں۔ امامت ائمہ سے عدول کرنا ہی سبب ہوا کہ فروع میں بھی ان سے علیحدگی اختیار کی جائے۔

قطع نظر کیجیے ان نصوص وادلہ سے جن سے اہل بیتؑ سے تمسک کرنا واجب ثابت ہوتا ہے صرف اہلبیتؑ کے علم و عمل اور تقویٰ کو دیکھیے۔ امام اشعری اور ائمہ اربعہ کے مقابلہ میں ان کی کیا کمی پائی گئی کہ اطاعت و اتباع کے معاملہ میں اہل بیت پیچھے کر دیے گئے، اور یہ افراد قابل تریج سمجھے گئے۔ کون سا حکم انصاف ہے جو یہ فیصلہ کرے کہ اہل بیتؑ سے تمسک کرنے والے ان کی ہدایات پر چلنے والے گمراہ ہیں۔ اہل سنت کے لیے ایسا فیصلہ ناممکن معلوم ہوتا ہے۔

ش

مکتوب نمبر ۱۰

واقعہ یہ ہے کہ پیروانِ اہلبیتؑ کو از روئے عدل و انصاف گمراہ کہا ہی نہیں جاسکتا اور نہ ائمہ اہلبیتؑ دیگر ائمہ سے لائق پیروی و اقتداء ہونے میں کسی طرح کم تھے جس طرح ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید کر کے انسان بری الذمہ ہو سکتا ہے اسی طرح ائمہ اہلبیتؑ کی پیروی کر کے بھی۔

بلکہ یہاں تک کہا جاسکتا ہے کہ ائمہ اہلبیتؑ بہ نسبت ائمہ اربعہ وغیرہ کے اتباع و پیروی کے زیادہ سزاوار ہیں اس لیے کہ ائمہ اثنا عشر کا مسلک و مذہب اصول و فروع سب میں ایک ہے ان میں باہم کوئی اختلاف نہیں سب کی نگاہ ایک ہی مرکز پر مرکوز ہوئی اور اسی پر سب کے سب متفق رہے برخلاف ائمہ اربعہ وغیرہ کے کہ ان کا باہمی اختلاف دنیا جانتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ بارہ شخص غور و فکر کے ایک نتیجہ پر پہنچیں ایک رائے قائم کریں اور اکیلا شخص دوسری

رائے قائم کرے تو اس بارہ کے متفقہ فتویٰ کے مقابلہ میں اس ایک اور اکیلے کا فتویٰ کوئی وزن نہ رکھے گا۔

اس میں تو کسی منصف مزاج کو عذر نہ ہونا چاہیے۔
 ہاں ایک بات ہے: ناصبی خیال کے لوگ آپ لوگوں کے مذہب کو مذہب
 اہلبیتؑ ماننے میں تامل کرتے ہیں۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ
 آگے چل کر اس پر روشنی ڈالیں کہ مذہبِ نسیح مذہبِ اہلبیتؑ ہی ہے انھیں
 حضرات سے ماخوذ ہے فی الحال میری گزارش ہے کہ آپ لوگ حضرت علیؑ کی امانت
 و خلافت پر جن نصوص کے مدعی ہیں وہ نصوص صاف صاف ذکر فرمائیں۔
 س

باب دوم

امامت عامہ یعنی خلافت پیغمبرؐ

جواب مکتوب

اگر سرور کائناتؐ کے حالاتِ زندگی کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے۔ دولتِ اسلامیہ کی بنیاد قائم کرنے، احکام مقرر کرنے، اصول و قواعد بنانے، دستور مرتب کرنے، سلطنت کے انتظام و انصرام عرضِ جملہ حالات میں ہر پہلو سے آپؐ کی سیرت کا جائزہ لیا جائے تو حضرت امیر المؤمنینؑ رسالت مآب کے ہر معاملہ میں بوجہ بٹانے والے، دشمنوں کے مقابلہ میں پشتِ پناہ آپؐ کے علوم کا گنجینہ، آپؐ کے علم و حکمت کے وارث، آپؐ کی زندگی میں آپؐ کے ولیعهد اور آپؐ کے بعد آپؐ کے جانشین، اور آپؐ کے تمام امور کے مالک و مختار نظر آئیں گے۔

اول یوم بعثت سے پیغمبرؐ کی رحلت کے وقت تک سفر میں، حضر میں

اٹھتے بیٹھتے، آپ کے افعال، آپ کے اقوال کی چھان بین کی جائے تو حضرت علیؑ کی خلافت کے متعلق کبھرت صاف و تصریح حد تو اتر تک پہنچے ہوئے واضح نصوص ملیں گے۔ اسخضرتؑ نے ہر عمل پر اپنی رفتار و گفتار کو دار اور ہر ممکن ذریعہ سے اپنی جانشینی کے مسئلہ کی وضاحت کر دی تاکہ کسی کے لیے تامل کی گنجائش نہ رہ جائے

دعوتِ عشیرہ کے موقع پر پیغمبرؐ کا

خلافت امیر المومنینؑ پر رض منرمانا

پہلا واقعہ دعوتِ ذوالعشیرہ ہی کا ہے لیجیے جو اسلام کے ظاہر ہونے کے قبل مکہ میں پیش آیا جب آیہ ”وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ“ نازل ہوا اور رسولؐ مامور ہوئے کہ خاص خاص رشتہ داروں کو بلا کر دعوتِ اسلام دیں۔ تو حضرت سرور کائناتؐ نے تمام بنی ہاشم کو جو کم و بیش چالیس نفرتھے جس میں آپؐ کے چچا ابوطالب، حمزہ، عباس اور ابولہب بھی تھے اپنے چچا ابوطالب کے گھر میں دعوت دی۔ دعوت کے بعد آپؐ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ تمام کتب احادیث و سیر و تواریخ میں موجود ہے۔ اسی خطبہ میں آپؐ نے فرمایا:

”یا بنی عبدالمطلب إني والله ما أعلم شاباً
في العرب جاء قومَه بأفضل مما جئتم
به، جئتم بخير الدنيا والآخرة، وقد
أمرني الله أن أدعوكم إليه، فأيكم يؤازرني
على امری هذا، على أن يكون أخى و
وصى وخليفتی منكم؟ فأحجم القوم عنها

عنیر علی۔ وکان اصغرهم۔ اذ قام فقال:
 انا یا نبی اللہ اکون وزیرک علیہ، فأخذ
 رسول اللہ بدرقبتہ، وقال: ان هذا اخي
 ووصيي وخليفتي فيکم، فاسمعوا له
 واطيعوا، فقام القوم یصنحون ویقولون
 لا بی طالب: فدامرک ان تسمع لابنک و
 تطیع... الخ

”فرزدان عبد المطلب! جتنی بہتر شے (یعنی اسلام) میں
 تمھارے پاس لے کر آیا ہوں میں تو نہیں جانتا کہ عرب کا کوئی
 نوجوان اس سے بہتر چیز اپنی قوم کے پاس لایا ہو۔ میں دنیا و
 آخرت دونوں کی بھلائی کے کر آیا ہوں اور خداوند عالم نے
 مجھے حکم دیا ہے کہ تمھیں اس کی طرف دعوت دوں۔ اب
 بناؤ تم میں کون ایسا ہے جو اس کام میں میرا بوجھ بٹائے تاکہ
 تمھارے درمیان میرا بھائی وصی اور خلیفہ ہو؟ تو علی کے سوا
 سب خاموش رہے۔ حضرت علیؑ جو اس وقت بہت ہی کم سن
 تھے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ! میں آپ کا
 بوجھ بٹاؤں گا۔ رسول اللہؐ نے آپ کی گردن پر ہاتھ رکھا
 اور پورے مجمع کو دکھا کر ارشاد فرمایا: کہ یہ میرا بھائی ہے
 میرا وصی ہے اور تم میں میرا جانشین ہے۔ اس کی بات
 سننا اور اس کی اطاعت کرنا۔ یہ سن کر لوگ منہ سے اٹھ
 کھڑے ہوئے اور ابو طالب سے کہنے لگے کہ یہ محمدؐ آپ کو حکم دے

رہے ہیں کہ آپ اپنے بیٹے کی بات سنیں اور ان کی اطاعت کریں۔“

پیغمبرؐ کی اس نص کا تذکرہ کن کن کتابوں میں موجود ہے

پیغمبرؐ کے اس خطبہ کو بعینہ انہی الفاظ میں اکثر علمائے کبار و اجلہ محدثین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے جیسے ابن اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ابو نعیم اور امام بیہقی نے اپنے سنن اور دلائل دونوں میں ثعلبی اور طبری نے اپنی اپنی عظیم الشان تفسیروں میں سورہ شعراء کی تفسیر کے ذیل میں نیز علامہ طبری نے اپنی تاریخ طبری کی دوسری جلد صفحہ ۲۱۴ میں بھی مختلف طریقوں سے اس کو لکھا ہے اور علامہ ابن اثیر جزیری نے تاریخ کامل کی دوسری جلد صفحہ ۲۲ میں بطور مسلمات ذکر کیا ہے۔

مورخ ابو الفداء نے اپنی تاریخ کی پہلی جلد ص ۱۱۶ میں سب سے پہلے اسلام لانے والے کے ذکر میں درج کیا ہے۔ امام ابو جعفر اسکافی معتزلی نے اپنی کتاب نقض عثمانیہ میں اس حدیث کی صحت کی صراحت کرتے ہوئے لکھا ہے (شرح نہج البلاغہ جلد ۳ ص ۲۶۳) علامہ حلبی نے آنحضرت اور اصحاب کے دار ارقم میں روپوش ہونے کے واقعہ کے ضمن میں بیان کیا ہے (میرٹ حلبیہ ج ۲ ص ۱۸۱) ان کے علاوہ تھوڑے بہت لفظی تغیر کے ساتھ مگر مفہوم و معنی

لے ملاحظہ فرمائیے صفحہ ۲۸۱ جلد اول سیرت حلبیہ۔ ابن تیمیہ نے اس حدیث کو جھٹلانے اور غلط ثابت کرنے کی جو کوششیں کی ہیں۔ اپنی مشہور عصبت کی وجہ سے (باقی اگلے صفحہ پر)

کے لحاظ سے بالکل ایک ہی مضمون بہتیرے اعیان اہل سنت اور ائمہ احادیث نے اپنی اپنی کتابوں میں اس واقعہ کو تحریر کیا ہے جیسے علامہ طحاوی اور ضیاء المقدسی نے مختارہ، سعید بن منصور نے سنن میں تحریر کیا ہے۔

سب سے قطع نظر امام احمد نے اپنی مسند جلد اول صفحہ ۱۵۹ پر حضرت علی سے روایت کی ہے۔ پھر اسی جلد کے صفحہ ۲۳۱ پر ابن عباس سے بڑی عظیم الشان حدیث اس مضمون کی روایت کی ہے جس میں حضرت علیؑ کی دس ایسی خصوصیتیں مذکور ہیں جن کی وجہ سے حضرت علیؑ اپنے تمام ماسوائے ممتاز نظر آتے ہیں۔ اس حلیل الشان حدیث کو امام نسائی نے بھی اپنی کتاب خصائص صفحہ ۶۰ پر ابن عباس سے روایت کر کے لکھا ہے اور امام حاکم نے صحیح مستدرک

(تقیہ پچھلے صفحہ کا حاشیہ) وہ درخور اعتنا نہیں اس حدیث کو مصر کے سرٹسٹ ادیب محمد حسین بیگل نے بھی لکھا ہے ملاحظہ فرمائیے ان کے رسالہ سیاست شمارہ نمبر ۲۷۵ صفحہ ۵ پر عمود ثانی جو ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوا۔ انھوں نے کافی تفصیل سے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور شمارہ نمبر ۲۷۸ صفحہ ۶ پر عمود رابع میں انھوں نے اس حدیث کو صحیح مسلم، مسند امام احمد اور عبد اللہ ابن احمد کی زیادات مسند اور ابن حجر مہشی کی جمع الفوائد، ابن قتیبہ کی عیون الاخبار، احمد بن عبد ربہ قرطبی کی عقد الفرید، علامہ جاحظ کے رسالہ بنی ہاشم، امام ثعلبی کی تفسیر مذکورہ بالا تمام کتب سے نقل کیا ہے۔ مزید برآں جرجس انگریزی نے اپنی کتاب مقالہ فی الاسلام میں بھی اس حدیث کو درج کیا ہے جس کا اردو ترجمان کے محمد نے عربی میں ترجمہ کیا ہے جس نے اپنا نام اشتم عربی رکھا ہے۔ اس حدیث کی ہمہ گیر شہرت کی وجہ سے مستند مورخین فرنگ نے فرینسیسی، جرمنی، انگریزی تاریخوں میں اس کو ذکر کیا ہے اور ٹامس کارلائل نے اپنی کتاب ابطل میں محقر کر کے لکھا ہے

جلد ۳ صفحہ ۱۳۲ پر اور علامہ ذہبی نے تلخیص متدرک میں اس حدیث کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے نقل کیا ہے

کنز العمال جلد ۶ ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں بھی یہ واقعہ بہت تفصیل سے موجود ہے۔ منتخب کنز العمال کو دیکھیے جو مسند احمد بن حنبل کے حاشیہ پر طبع ہوا ہے۔ حاشیہ مسند جلد ۵ صفحہ ۴۱ تا صفحہ ۴۲ پر اس واقعہ کا ذکر موجود ہے اور پوری تفصیل کے ساتھ۔

میرے خیال میں یہی ایک واقعہ جسے تمام علماء محدثین و مورخین بالاتفاق اپنی کتابوں میں لکھتے آئے ہیں حضرت علی کی امامت و خلافت کا بین ثبوت اور صریحی دلیل ہے۔ کسی دوسری دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔

ش

اے ملاحظہ فرمائیے کنز العمال صفحہ ۲۹۲ حدیث نمبر ۶۰۰۸ جو ابن جریر سے منقول ہے صفحہ ۳۹۶ پر حدیث ۶۰۴۵ جو امام احمد کی مسند نیز ضیاء مقدسی کی مختارہ طحاوی و ابن جریر کی صحیح سے منقول ہے صفحہ ۴۹ پر حدیث ۶۰۵۶ جو ابن اسحاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردودہ اور ابونعیم نیز بیہقی کی شعب الایمان اور دلائل سے منقول ہے صفحہ ۴۱ پر حدیث ۶۱۰۲ جو ابن مردودہ سے منقول ہے صفحہ ۴۸ پر حدیث ۶۱۵۵ جو امام احمد کی مسند اور ابن جریر اور ضیاء مقدسی کی مختارہ سے منقول ہے۔ کنز العمال میں یہ حدیث اور بھی مقامات پر مذکور ہے۔ شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۲۵۵ پر یہ طولانی حدیث بہت تفصیل سے مذکور ہے۔

مکتوب نمبر ۱۱

حدیث مذکورہ بالا کی سند میں تردد

تسلیم زاکیات !

آپ کا مخالف اس حدیث کی سند کو معتبر نہیں سمجھتا نہ کسی طرح اس حدیث کو صحیح سمجھنے پر تیار ہے کیونکہ شیخین یعنی بخاری و مسلم نے اس حدیث کو نہیں لکھا۔ نیز شیخین کے علاوہ دیگر اصحاب صحاح نے بھی نہیں لکھا میرا تو خیال ہے کہ یہ حدیث معتبر و معتمد راویان اہل سنت سے مروی ہی نہیں ہوئی اور غالباً آپ بھی بطریق اہل سنت اسے صحیح نہ سمجھتے ہوں گے۔

س

جوابِ مکتوب

نص کا ثبوت

اگر میرے نزدیک اس حدیث کی صحت خود بطریق الہدنت ثابت نہ ہوتی تو میں اس محل پر اس کا ذکر ہی نہیں کرتا۔ مزید برآں اس حدیث کی صحت تو ایسی اظہار من الشمس ہے کہ ابن جریر اور امام ابو جعفر اسکانی نے اس حدیث کو بطور مسلمات ذکر کیا ہے۔ اور کبار محققین اہل سنت نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث کی صحت کا مختصراً آپ اسی سے اندازہ کر لیجیے کہ اصحاب صحاح جن ثقہ اور معتبر راویوں کی روایتوں سے استدلال کرتے ہیں اور آنکھ بند کر کے بڑی خوشی سے جن کی روایتوں کو لے لیتے ہیں انھیں معتبر وثقہ راویوں کے طریقوں سے اس حدیث کی صحت ثابت ہے۔ اس حدیث کی روایت انھیں معتبر و موثق اشخاص نے کی ہے جن کی روایت کردہ حدیثیں صحاح میں موجود ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۹۶ پر حدیث ۶۰۴۵ جہاں آپ کو معلوم ہوگا کہ ابن حبریر نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ حاشیہ مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۷۳ پر منتخب کنز العمال میں بھی آپ کو معلوم ہوگا کہ ابن جریر نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابو جعفر اسکانی نے تو اس حدیث کو بڑی پختگی کے ساتھ صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ان کی کتاب فقہ عثمانیہ شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۶۳

مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۱۱۱ ملاحظہ کیجیے۔ انھوں نے اس حدیث کو اسود بن عامر سے انھوں نے شریک سے انھوں نے اعش سے انھوں نے مہال سے انھوں نے عباد بن عبد اللہ اسدی سے انھوں نے حضرت علیؑ سے مرفوعاً روایت کر کے لکھا ہے۔ اس سلسلہ اسناد کے کل کے کل راوی مخالف

۱۔ امام بخاری و مسلم دونوں نے اس کی حدیث سے احتجاج کیا ہے۔ شعبہ نے امام بخاری و امام مسلم دونوں کی صحبت میں اسود سے روایت کر کے حدیث بیان کرتے ہوئے سنا اور عبد العزیز بن ابی سلمہ نے امام بخاری کو ان سے روایت کرتے ہوئے اور زہیر بن معاویہ اور حماد بن سلمہ نے امام مسلم کو ان سے روایت کرتے ہوئے سنا۔ صحیح بخاری میں محمد بن حاتم بزید کی ان سے روایت کی ہوئی حدیث موجود ہے اور صحیح مسلم میں ہارون بن عبد اللہ اور ناقد اور ابن ابی شیبہ اور ابو زہیر کی ان سے روایت کردہ حدیثیں موجود ہیں۔

۲۔ امام مسلم نے ان حدیثوں سے اپنے صحیح مسلم میں احتجاج کیا ہے جیسا کہ ہم نے ص ۱۳۴ پر ان کے تذکرہ کے ضمن میں وضاحت کی ہے۔

۳۔ ان سے امام بخاری و مسلم دونوں نے اپنے اپنے صحیح میں احتجاج کیا ہے جیسا کہ ہم نے ص ۱۳۴ پر وضاحت کی ہے۔

۴۔ امام بخاری نے ان سے احتجاج کیا ہے ملاحظہ ہو ص ۱۶۶

۵۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے عباد بن عبد اللہ بن زہیر بن عوام قرشی اسدی۔ ان سے بخاری و مسلم دونوں نے اپنے اپنے صحیح میں احتجاج کیا ہے۔ انھوں نے ابو بکر کی دونوں صاحبزادیوں عائشہ اور اسماء سے حدیثیں سنیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں ان سے ابی ملیکہ اور محمد بن جعفر بن زہیر اور ہشام و عروہ کی روایت کردہ حدیثیں موجود ہیں۔

کے نزدیک حجتہ ہیں اور یہ تمام کے تمام رجال صحابہ ہیں۔ چنانچہ علامہ قیسرانی نے اپنی کتاب الجمع بین رجال الصحیحین میں ان کا ذکر کیا ہے۔ لہذا اس حدیث کو صحیح ماننے کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں۔ اس کے علاوہ یہ حدیث صرف اسی طریقہ و سلسلہ اسناد سے نہیں بلکہ اور بھی بے شمار طریقوں سے مروی ہے اور ہر طریقہ دوسرے طریقہ کا موید ہے۔

نص سے کیوں اعراض کیا؟

اور شیخین یعنی بخاری و مسلم نے اس لیے اس روایت کو اپنی کتاب میں جگہ نہیں دی کہ یہ روایت مسئلہ خلافت میں ان کی مہنوائی نہیں کرتی تھی ان کے منشائے خلافت تھی اسی وجہ سے انھوں نے اس حدیث نیز دیگر بہتیری ایسی حدیثوں سے جو امیر المومنینؓ کی خلافت پر صریح نص تھیں گریز کیا اور اپنی کتاب میں درج نہ کیا۔ وہ ڈرتے تھے کہ یہ شیعوں کے لیے اسلحہ کا کام دیں گی لہذا انھوں نے جان بوجھ کر اس کو پوشیدہ رکھا۔

بخاری و مسلم ہی نہیں بلکہ بہتیرے شیوخ اہل سنت کا دتیرہ یہی تھا۔ اس قسم کی ہر چیز کو وہ چھپانا ہی بہتر سمجھتے تھے۔ ان کا یہ کتمان کوئی اچھنبے کی بات نہیں بلکہ ان کی یہ پرانی اور مشہور عادت ہے چنانچہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں علماء سے نقل بھی کیا ہے، امام بخاری نے بھی اس مطلب میں ایک خاص باب قرار دیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری حصہ اول کے کتاب العلم میں انھوں نے یہ عنوان قائم کیا ہے :

”باب من خص بالعلم قومًا دون قوم“

”باب بیان میں اس کے جو ایک قوم کو مخصوص کر کے علم تعلیم کرے اور دوسرے کو نہیں“

امیر المومنینؑ کے متعلق امام بخاری کی روش اور آپ کے ساتھ نیز حبلہ اہل بیت کے ساتھ ان کے سلوک سے جو واقف ہے اور یہ جانتا ہے کہ ان کا قلم امیر المومنینؑ و اہل بیتؑ کی شان میں ارشادات و نصوص پیغمبرؐ کے بیان سے گریزاں رہتا ہے اور ان کے خصائص و فضائل بیان کرتے وقت ان کے روائت کی روشنائی خشک ہو جاتی ہے۔ اس لیے امام بخاری کی اس حدیث یا اس جیسی دیگر حدیثوں کے ذکر نہ کرنے پر تعجب نہ ہونا چاہیے۔

ش

مکتوب نمبر ۱۲ حدیث کی صحت کا اقرار

چونکہ دعوتِ شیعہ والی حدیثِ حدیثِ تواتر کو نہیں چہتی اس لیے اسے استدلال صحیح نہیں

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مخصوص قسم کی خلافت ثابت ہوئی ہے

آپ کے ارشاد کے بموجب میں نے مسند احمد بن حنبل جلد اول کے صفحہ ۱۱۱ پر اس حدیث کو دیکھا جن رجال سے یہ حدیث مروی ہے ان کی چھان بین کی۔ آپ کے کہنے کے مطابق وہ سب کے سب ثقات اہل سنت نکلے پھر میں نے اس حدیث کے دوسرے تمام طریق کو بغائر نظر مطالعہ کیا۔ بے شمار بے اندازہ طریقے نظر آئے۔ ہر طریقہ دوسرے طریقہ کا مؤید ہے۔ مجھے ماننا پڑا کہ یقیناً یہ

حدیث پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے۔ اس کے ثابت و مسلم ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

البتہ ایک بات ہے آپ لوگ اثباتِ امامت میں اس حدیثِ صحیح سے استدلال کرتے ہیں جو متواتر بھی ہو کیونکہ امامت آپ کے نزدیک اصولِ دین سے ہے اور یہ حدیث جو آپ نے پیش فرمائی ہے اس کے متعلق یہ کہنا غیر ممکن ہے کہ یہ تو اترا تک پہنچی ہوئی ہے اور جب حد تو اترا تک پہنچی ہوئی نہیں ہے۔ تو اس سے آپ لوگ استدلال بھی نہیں کر سکتے۔

یہ حدیث منسوخ ہو گئی تھی

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث صرف یہ بتاتی ہے کہ حضرت علیؑ رسولؐ کے جانشین تو تھے مگر خاص کر اہلبیتؑ پیغمبرؐ میں جانشین تھے۔ لہذا تمام مسلمانوں کا خلیفہ ہونا کہاں ثابت ہوتا ہے؟ اس حدیث سے خلافت عامہ کہاں ثابت ہوتی ہے؟

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہو گئی تھی اس لیے کہ آنحضرتؐ نے اس حدیث کے مفاد کی طرف کبھی توجہ نہ کی اسی وجہ سے صحابہ کو خلفاء ثلاثہ کی بیعت میں کوئی مانع نہ نظر آیا۔

س

جوابِ مکتوب

اس حدیث سے استدلال کرنے کی وجہ

حضراتِ اہلسنت امامت کے اثبات میں ہر حدیثِ صحیح سے استدلال

کرتے ہیں خواہ وہ متواتر ہو یا غیر متواتر۔ لہذا خود حضرات اہلسنت جس چیز کو حجت سمجھتے ہیں ہم اسی چیز کو ان پر بطور حجت پیش کرتے ہیں جس چیز کو وہ خود مانتے ہیں ہم اسی سے انہیں قائل کرتے ہیں۔

رہ گیا یہ کہ ہم جو اس حدیث سے امامت پر استدلال کرتے ہیں تو اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ یہ حدیث ہم لوگوں کے طریق سے صرف صحیح ہی نہیں بلکہ حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہے۔

مخصوص خلافت کا کوئی بھی قائل نہیں

یہ دعویٰ کرنا کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضرت علیؑ خاص کر اہلبیتؑ میں جانشین پیغمبرؐ تھے مہمل ہے کیونکہ جو شخص اہل بیتؑ رسولؐ میں حضرت علیؑ کو جانشین رسولؐ سمجھتا ہے وہ عامہ مسلمین میں بھی جانشین سمجھتا ہے اور جو عامہ مسلمین میں جانشین رسولؐ نہیں مانتا وہ اہل بیتؑ میں بھی نہیں مانتا۔ آج تک بس یہ دو ہی قسم کے لوگ نظر آئے۔ آپ نے یہ فرق کہاں سے پیدا کیا جس کا آج تک کوئی قائل نہیں۔ یہ تو عجیب قسم کا فیصلہ ہے جو اجماع مسلمین کے خلاف ہے۔

حدیث کا منسوخ ہونا ناممکن ہے

یہ کہنا کہ یہ حدیث منسوخ ہو چکی تھی یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس کا منسوخ ہونا عقلاً و شرعاً دونوں جہتوں سے محال ہے کیونکہ وقت آنے کے پہلے ہی کسی حکم کا منسوخ ہونا بدایتہً باطل ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث کو منسوخ کرنے والی آپ کے خیال کی بنا پر زیادہ سے زیادہ ایک چیز نکلتی ہے اور

وہ یہ کہ رسول اللہ نے مفادِ حدیث کی طرہ سے توجہ نہ کی، پھر اعادہ نہ کیا۔ مگر یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ رسولؐ نے مفادِ حدیث سے کبھی بے توجہی نہیں کی۔ بلکہ اس حدیث کے ارشاد فرمانے کے بعد بھی وضاحت کرتے رہے۔ کھلے لفظوں میں، بھرے مجمع میں، سفر میں، حضر میں، ہر موقع ہر محل پر صراحتاً اعلان فرماتے رہے۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آپ صرف دعوتِ عشیرہ ہی کے موقع پر حضرت علیؓ کو اپنا جانشین فرما کے رہ گئے پھر کبھی اس کی وضاحت نہیں کی تب بھی یہ کیسے معلوم کہ رسولؐ نے بعد میں مفادِ حدیث سے اعراض کیا آگے چل کر آپ کا خیال بدل گیا اپنے قول سے پٹ گیا۔

”ان يتبعون الا الظن وما تهوى الانفس“

”ولقد جاءهم من ربهم الهدى“

”وہ صرف گمان اور خواہشِ نفس کی پیروی کرتے ہیں“

حالانکہ ان کے پروردگار کی جانب سے ہدایت آچکی ہے۔

ش

مکتوب نمبر ۱۳

میں نے ان نصوص کے آستانے پر اپنی پیشانی جھکا دی۔ کچھ اور
مزید ثبوت۔ خدا آپ کا بھلا کرے۔

س

جوابِ مکتوب

حضرت علیؑ کی شانِ فضیلتیں جسمیں کی کوئی ایک بھی کسی دوسرے کو حاصل نہیں

اور جس آپؑ کی خلافت کی صراحت ہو رہی ہے

دعوتِ ذوالعشیرہ والی حدیث کے علاوہ یہ دوسری حدیث ملاحظہ
کیجیے جسے امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند کی پہلی جلد صفحہ ۳۳۰ پر امام نسائی نے

اپنی کتاب خصائص علویہ کے صفحہ ۶ پر، امام حاکم نے اپنے صحیح مستدرک کی تیسری جلد کے صفحہ ۱۲۲ پر، علامہ ذہبی نے اپنی تلخیص مستدرک میں اس حدیث کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے نیز دیگر ارباب حدیث نے ایسے طریقوں سے جن کی صحت پر اہل سنت کا اجماع و اتفاق ہے نقل کیا ہے۔

عمرو بن میمون سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ابن عباس کے پاس بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ان کے پاس ۹ سردارانِ قبائل آئے انھوں نے ابن عباس سے کہا کہ یا تو آپ ہمارے ساتھ اٹھ چلیے یا اپنے پاس کے بیٹھے ہوئے لوگوں کو ہٹا کر ہم سے تنہا یہیں گفتگو کیجیے۔

ابن عباس نے کہا۔ میں آپ لوگوں کے ساتھ خود ہی چلا چلتا ہوں۔ ابن عباس کی بیانی چشم اس وقت باقی تھی۔ ابن عباس نے ان سے کہا:

”کہیے کیا کہنا ہے؟“
گفتگو ہونے لگی۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ کیا گفتگو ہوئی۔ ابن عباس وہاں سے دامن جھٹکتے ہوئے آئے۔ کہنے لگے:

”وائے ہو۔ یہ لوگ ایسے شخص کے متعلق بدکلامی کرتے ہیں جس کی دس سے زیادہ ایسی فضیلتیں ہیں جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں۔ یہ لوگ بدکلامی کرتے ہیں ایسے شخص کے متعلق جس کے بارے میں رسولؐ نے فرمایا:

”لَا بُعْثَنَّ رَجُلًا يَخْزِيهِ اللَّهُ أَبَدًا، يَحِبُّ اللَّهُ وَرَسُولَهُ، وَيُحِبُّهُ اللَّهُ وَرَسُولَهُ، فَاسْتَشْرَفَ لَهَا مِنْ اسْتَشْرَفَ، فَقَالَ: أَيْنَ عَلِيٌّ؟ فَجَاءَ وَهُوَ أَرْمَدٌ لَا يَكَادُ أَنْ يَبْصُرَ، فَنفَتْ فِي عَيْنَيْهِ“

ثم هز الراية ثلاثاً ، فأعطاهما إياه ، فجاؤا
على بصفية بنت حيي ، قال ابن عباس : ثم بعث
رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ، ثلاثاً
بسورة التوبة ، فبعث علياً خلفه ، فأخذ هامته
وقال : لا يذهب بها إلا رجل هو مني وأنا منه
قال ابن عباس : وقال النبي صلى الله عليه وآله
وسلم ، لبني عمه : أيكم يوالي في الدنيا
والآخرة ، قال : وعلى جالس معه فأبوا ،
فقال علي : أنا أو اليك في الدنيا والآخرة ؟ قال :
انت وليي في الدنيا والآخرة ، قال فتركه ، ثم
قال : أيكم يوالي في الدنيا والآخرة ؟ فأبوا ،
وقال علي : أنا أو اليك في الدنيا والآخرة ، فقال
لعلي : انت وليي في الدنيا والآخرة ، قال ابن عباس :
وكان علي أول من آمن من الناس بعد خديجة ،
قال : وأخذ رسول الله صلى الله عليه وآله
آله وسلم ثوبه ، فوضعه على علي وفاطمة
وحسن وحسين ، وقال : انما يريد الله ليذهب
عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيراً ،
قال : وشرى علي نفسه فلبس ثوب النبي ، ثم
نام مكانه وكان المشركون يرمونه ، الى ان قال :
وخرج رسول الله في غزوة تبوك وخرج الناس معه ،

فقال له علي: أخرج معك؟ فقال صلى الله عليه وآله وسلم: لا، فيكي علي، فقال له رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: أما ترخني أن تكون مني بمنزله هارون من موسى، إلا أنه ليس بعدي نبي، انه لا ينبغي أن أذهب إلا وأنت خليفتي، وقال له رسول الله: أنت ولي كل مؤمن بعدي ومومنة، قال ابن عباس: وسد رسول الله الأبواب المسجد غير باب علي، فكان يدخل المسجد جنباً وهو طريقه ليس له طريق غيره، قال: وقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: من كنت مولاه، فإن مولاه علي، (الحديث) "میں ایسے شخص کو بھیجوں گا جسے خدا کبھی ناکام نہ کرے گا۔ وہ شخص خدا و رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسولؐ اسے دوست رکھتے ہیں۔ کس کس کے دل میں اس فضیلت کی تمنا پیدا نہ ہوئی مگر رسولؐ نے ہر ایک کی تمنا خاک میں ملا دی اور صبح ہوئی تو دریافت فرمایا کہ علی کہاں ہیں؟ حضرت علیؑ تشریف لائے حالانکہ وہ آشوب جہنم میں مبتلا تھے۔ دیکھ نہیں پاتے تھے۔ رسولؐ نے ان کی آنکھیں پھونکیں پھر تین مرتبہ علم کو حرکت دی اور حضرت علیؑ کے ہاتھوں میں سہما دیا۔ حضرت علیؑ جنگ فتح کر کے مرحب کو مار کر اور اس کی بہن صفیہ کو لے کر خدمت رسولؐ میں پہنچے۔ کھپسہ

رسول اللہ نے ایک بزرگ کو سورہ توبہ دے کر روانہ کیا۔ ان کے بعد پیچھے فوراً ہی حضرت علیؑ کو روانہ کیا اور حضرت علیؑ نے راستہ ہی میں ان سے سورہے لیا کیونکہ رسولؐ کا حکم تھا کہ یہ سورہ بس وہی شخص پہنچا سکتا ہے جو مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ اور رسولؐ نے اپنے رشتہ داروں قربت مندوں سے کہا کہ تم میں کون ایسا ہے جو دنیا و آخرت میں میرا ساتھ دے میرے کام آئے حضرت علیؑ نے کہا میں اس خدمت کو انجام دوں گا۔ میں دین و دنیا میں آپ کی خدمت کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے علیؑ! دین و دنیا دونوں میں تم ہی میرے ولی ہو۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ کو بٹھا کے پھر لوگوں سے اپنی بات دہرائی اور پوچھا کہ تم میں کون شخص ہے جو میرا مددگار ہو دنیا میں اور آخرت میں۔ سب نے انکار کیا صرف ایک حضرت علیؑ ہی تھے جنہوں نے کہا کہ میں آپ کی مدد و نصرت کروں گا دین و دنیا دونوں میں یا رسول اللہؐ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ علیؑ تم ہی میرے ولی ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ علیؑ ہی پہلے وہ شخص ہیں جو جناب خدیجہ کے بعد رسولؐ پر ایمان لائے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے اپنی ردا لی اور اسے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو اوڑھایا اور اس آیت کی تلاوت کی:

”انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت
ويطهركم تطهيرا“

”اے اہل بیت! خدا بس یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر برائی اور
گندگی کو اس طرح دور رکھے جیسا کہ دور رکھنا چاہیے۔“
ابن عباس کہتے ہیں: اور علیؑ ہی نے اپنی جان راہ خدا میں
فروخت کی اور رسول اللہ کی چادر اوڑھ کر رسولؐ کی جگہ
پر سو رہے۔ درآنحالیکہ مشرکین پتھر برسا رہے تھے۔

اسی سلسلہ کلام میں ابن عباس کہتے ہیں: کہ پیغمبر جنگ تبوک
کے ارادے سے نکلے۔ لوگ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ حضرت
علیؑ نے پوچھا: یا رسول اللہ! میں ہرکاب رہوں گا؟ آپ
نے فرمایا: نہیں، تم نہیں رہو گے۔ اس پر حضرت علیؑ ابدیدہ
ہو گئے تو آپ نے فرمایا: کہ یا علی! تم اسے پسند نہیں کرتے
کہ تم میرے لیے ویسے ہی ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون
تھے۔ البتہ میرے بعد نبوت کا سلسلہ بند ہے۔ جنگ میں
میرا جانا بس اسی صورت سے ممکن ہے کہ میں تمہیں اپنا قائم
مقام چھوڑ کے جاؤں۔

نیز حضرت سرور کائناتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: کہ
اے علیؑ! میرے بعد تم ہر مومن و مومنہ کے ولی ہو۔
ابن عباس کہتے ہیں: کہ رسول اللہؐ نے مسجد کی طرف
سب کے دروازے بند کرا دیے بس صرف علیؑ کا دروازہ
کھلا رکھا اور حضرت علیؑ جنب کی حالت میں بھی مسجد

سے گزر کر جاتے تھے۔ وہی ایک راستہ تھا دوسرا کوئی راستہ ہی نہ تھا۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: میں جن کا مولا ہوں علی اس کے مولا ہیں۔“

اس حدیث میں من کنت مولاه کو امام حاکم نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اگرچہ شیخین بخاری و مسلم نے اس سنج سے ذکر نہیں کیا۔

علامہ ذہبی نے بھی تخیض مستدرک میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اور نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اس حدیث سے ثبوت خلافت امیر المومنینؑ

اس عظیم الشان حدیث میں امیر المومنینؑ کے ولیعہد رسولؐ اور بعد رعلت سرور کائنات خلیفہ وجانشین ہونے کے بعد جو قطعی دلائل اور روشن براہین ہیں وہ آپ کی نگاہوں سے مخفی نہ ہوں گے۔ ملاحظہ فرماتے ہیں آپ انداز پیغمبرؐ کا کہ حضرت علیؑ کو دنیا و آخرت میں اپنا ولی قرار دیتے ہیں۔ اپنے تمام رشتے داروں، قرابت داروں میں بس علیؑ ہی کو اس اہم منصب کے لیے منتخب فرماتے ہیں۔ دوسرے موقع پر حضرت علیؑ کو وہ منزلت و خصوصیت عطا فرماتے ہیں جو جناب ہارون کو جناب موسیٰ سے تھی جتنے مراتب و خصوصیات جناب ہارون کو جناب موسیٰ سے حاصل تھے۔ وہ سب کے سب حضرت علیؑ کو محبت فرمائے جاتے ہیں سوائے درجہ نبوت کے۔ نبوت کو مستثنیٰ کرنا دلیل ہے کہ نبوت کو چھوڑ کر جتنے خصوصیات

جناب ہارون کو حاصل تھے وہ ایک ایک کر کے حضرت علیؑ کی ذات میں مجتمع تھے۔

آپ اس سے بھی بے خبر نہ ہوں گے کہ جناب ہارون کو منجملہ دیگر خصوصیات کے سب سے بڑی خصوصیت جو جناب موسیٰ سے تھی وہ یہ کہ جناب ہارون جناب موسیٰ کے وزیر تھے۔ آپ کے قوتِ بازو تھے۔ آپ کے شریکِ معاملہ تھے اور آپ کی عنایت میں آپ کے قائم مقام، جانشین و خلیفہ ہوا کرتے اور جس طرح جناب موسیٰ کی اطاعت تمام امتِ موسیٰ پر فرض تھی اسی طرح جناب ہارون کی اطاعت بھی تمام امت پر واجب و لازم تھی اس کے ثبوت میں یہ آیات ملاحظہ فرمائیے :

خداوند عالم نے جناب موسیٰ کی دعا کلامِ مجید میں نقل فرمائی۔ جناب موسیٰ نے دعا کی تھی :

”واحجل لي وزيراً من اهل هارون اخي اشد“

”بہ اُزری و اشرکہ فی امری“

”معبود میرے گھر والوں میں سے ہارون کو میرا وزیر بنا۔

ان سے میری کمر مضبوط کر اور انھیں میرے کارِ نبوت میں

شریک بنا“

دوسرے موقع پر جناب موسیٰ کا قول خداوند عالم نے قرآن میں نقل کیا ہے :

”اخلفني في قومي واصلم ولا تتبع سبيل

الفسدين“

”اے ہارون تم میری امت میں میرے جانشین رہو ،

بھلائی ہی پیش نظر رہے اور فساد کرنے والوں کی پیروی نہ کرنا۔“

تیسری جگہ ارشادِ خداوند عالم ہے :

”قَدْ اَوْتَيْتَ سُوْلَكَ يَا مُوسٰی“

”اے موسیٰ! تجھاری التجائیں منظور کی گئیں۔“

بلکہ اس طرح جناب ہارون جناب موسیٰ کے وزیر تھے، قوسٹ بازو تھے، شریک کار رسالت تھے، خلیفہ و جانشین تھے اسی طرح امیر المؤمنین بھی ارشادِ پیغمبرؐ کی بنا پر پیغمبرؐ کے وزیر تھے، امت میں پیغمبرؐ کے جانشین تھے، کار رسالت میں شریک تھے (زیادہ سے زیادہ یہ کہ سب باتیں سبیل نبوت نہ تھیں بلکہ بلحاظ خلافت حاصل تھیں) اور تمام امت سے افضل تھے اور آنحضرتؐ کی حیات و موت دونوں حالتوں میں بہ نسبت تمام امت کے آپؐ سے زیادہ خصوصیت رکھنے والے تھے اور جس طرح جناب موسیٰ کی امت پر جناب ہارون کی اطاعت فرض تھی اسی طرح تمام امت اسلامیہ پر حضرت علیؑ کی اطاعت بھی لازم تھی۔

ہر سننے والا حدیث منزلت کو سن کر یہی سمجھتا ہے اور سننے کے بعد اس کے ذہن میں یہی باتیں آتی ہیں اور انھیں باتوں کے مقصود ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں ہوتا۔ خود رسول اللہؐ نے بھی اچھی طرح وضاحت فرمادی اور کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رکھی۔ آپؐ کا یہ فرمانا کہ :

”اِنَّهٗ لَا يَنْبَغِي اَنْ اُذْهَبَ اِلَّا وَاَنْتَ خَلِیْفَتِی“

”میرا قدم باہر نکالنا مناسب نہیں جب تک تمھیں اپنی

جگہ پر قائم مقام نہ چھوڑ جاؤں“

صریحی نص ہے کہ حضرت علیؑ ہی خلیفہ رسول تھے۔ بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر روشن و صاحت ہے اس امر کی کہ اگر آنحضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ بنائے بغیر چلے جاتے تو نامناسب فعل کے مرتکب ہوتے۔

رسولؐ کا یہ ارشاد کہ میرے لیے یہ مناسب ہی نہیں کہ بغیر تمہیں اپنا خلیفہ بنائے ہوئے چلا جاؤں یہ بتاتا ہے کہ رسول اللہؐ مامور تھے۔ آپ کو حکم دیا تھا خداوند عالم نے کہ علیؑ کو اپنا خلیفہ بنا جانا جیسا کہ آیہ بلغ کی تفسیر دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے :

”یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من

ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ“

”اے رسولؐ! پہنچا دو تم اس حکم کو جو تم پر نازل کیا

گیا۔ اگر تم نے نہیں پہنچایا تو گویا تم نے کار رسالت

انجام ہی نہیں دیا۔“

آیت کے ٹکڑوں کو خوب اچھی طرح دیکھیے یا ایہا الرسول بلغ

کے بعد یہ دوسرا ٹکڑا وان لم قیامت کا ٹکڑا ہے۔ آیت کے اس

ٹکڑے کو حدیث رسولؐ کے اس جملہ کے ساتھ لاینبغی ان اذہب

إلا وانت خلیفتی سے ملائیے تو معلوم ہو گا کہ یہ دونوں فقرے ایک

ہی مطلب کی ترجمانی کرتے ہیں۔ آیت بھی یہی کہتی ہے کہ اگر علیؑ کو خلیفہ

نہیں بنایا تو گویا کار رسالت ہی انجام نہیں دیا اور رسولؐ بھی اقرار کرتے

ہیں کہ میرا بغیر تمہیں خلیفہ بنائے ہوئے جانا مناسب ہی نہیں۔

ابن عباس کی اس حدیث میں رسولؐ کا یہ فقرہ بھی بھولیے گا

نہیں کہ : اے علیؑ تم میرے بعد ہر مومن کے ولی ہو۔ یہ نص صریحی

ہے کہ رسولؐ کے بعد امت کے مالک و مختار آپ ہی تھے۔ آپ ہی رسولؐ کے مقرر کردہ حاکم و امیر تھے۔ اور امت اسلام میں رسولؐ کے قائم مقام تھے جیسا کہ کمیتؓ نے کہا ہے :

وَنَعْمَ وَلِي الْأُمْرِ بَعْدَ وَلِيِّهِ
وَمُنْتَجِعُ التَّقْوَى وَنَعْمَ الْمَوْدِبُ
”رسولؐ کے بعد آپ بہترین مالک و مختار امور تھے اور
تقویٰ اور بہترین ادب سکھانے والے تھے۔“

ش

مکتوب نمبر ۱۴

حدیث منزلت صحیح بھی ہے اور مشہور بھی لیکن مدقق آمدی کو (جو اصول میں استاذ الاساتذہ تھے) اس حدیث کے اسناد میں شک ہے اور وہ اس کے طرق میں شک و شبہ کرتے ہیں۔ آپ کے مخالفین آمدی کی رائے کو درست سمجھیں تو آپ انہیں کیونکر قائل کریں گے؟

س جوابِ مکتوب

حدیث منزلت صحیح ترین حدیث ہے

آمدی یہ شک کر کے خود اپنے نفس پر ظلم کے مرتکب ہوئے کیونکہ حدیث منزلت تمام احادیث سے صحیح تر اور تمام روایات سے زیادہ پایہ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے۔

اس کی صحت پر دلائل بھی موجود ہیں

سوائے آمدی کے آج تک اس کے اسناد میں کسی کو شک نہ ہوا۔ نہ اس کے ثابت و مسلم الثبوت ہونے میں کسی کو لب کشائی کی جرأت ہوئی علامہ جی جیے معصب تک نے تلخیص مستدرک میں اس کی صحت کی صراحت کی ہے۔ اور ابن حجر ایسے دشمن تشیع شخص نے صواعق محرقة کے ص ۲۹ پر اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس کی صحت کے متعلق ان ائمہ حدیث کے اقوال درج کیے ہیں جو فن حدیث میں حضرات اہل سنت کے بلجاو ماویٰ سمجھے جاتے ہیں۔ اور یہ حدیث ایسی ہی ثابت و ناقابل انکار نہ ہوتی تو امام بخاری ایسا شخص کبھی اپنی صحیح بخاری میں ذکر نہ کرتا۔

وہ علمائے اہل سنت جنہوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے

امام بخاری کی تو یہ حالت ہے کہ امیر المومنینؑ یا اہلبیتؑ کے فضائل و خصائص کسی حدیث میں دیکھ لیتے ہیں تو اس کو یوں اڑا جاتے ہیں جیسے رسولؐ نے فرمایا ہی نہ ہو۔ تو جب امام بخاری تک مجبور ہو گئے اور صحیح بخاری میں درج کر کے رہے تو اب اس کے متعلق شک و شبہ کرنا زبردستی ہے۔

لے آپ اس سے پہلے ص ۱۹۲ پر ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ علامہ ذہبی نے خود اس حدیث

کی صحت کی تفریح کی ہے۔

۲ صواعق محرقة ص ۲۹

معاویہ جو دشمنانِ امیر المومنینؑ اور آپ سے بغاوت کرنے والوں کے سرغنہ تھے جنہوں نے امیر المومنینؑ سے جنگ کی۔ بالائے منبر آپ کو گالیاں دیں۔ لوگوں کو سب و شتم کرنے پر مجبور کیا لیکن باوجود اتنی بدترین عداوت کے وہ بھی اس حدیثِ منزلت سے انکار نہ کر سکے اور نہ سعد بن ابی وقاص کو جھٹلانے کی انھیں ہمت ہوئی۔

چنانچہ صحیح مسلم میں یہ روایت موجود ہے کہ :

”جب سعد بن ابی وقاص معاویہ کے پاس آئے اور معاویہ نے ان سے فرمائش کی کہ منبر پر جا کر امیر المومنینؑ پر لعنت کریں۔ اور انھوں نے انکار کیا تو معاویہ نے پوچھا کہ آخر وجہ انکار کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ رسولؐ نے علیؑ کے متعلق تین باتیں ایسی کہی ہیں کہ جب تک وہ باتیں یاد رہیں گی میں ہرگز انھیں سب و شتم نہیں کر سکتا۔ اگر ان تین باتوں سے ایک بات بھی مجھے نصیب ہوتی تو وہ سرخ اونٹوں کی قطار سے زیادہ میرے لیے محبوب ہوتی۔ میں نے خود رسولؐ اللہ کو علیؑ سے کہتے سنا ہے جب کہ آپ کسی غزوہ میں تشریف لے جا رہے تھے اور حضرت علیؑ کو اپنی جگہ چھوڑے جا رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی منزلت ہے جو موسیٰ سے ہارون کو تھی۔ سوائے اس کے کہ بابِ نبوت

لے صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۲۴ باب فضائل علی

میرے بعد بتدہ ہے۔“

معاویہ کے لیے ہیبت آسان تھا کہ جھٹلا دیتے سعد کو کہہ دیتے کہ نہیں ، رسولؐ نے ایسا فرمایا ہی نہیں ہے۔ لیکن یہ حدیث ان کے نزدیک بھی اس قدر ثابت و مسلم تھی کہ اس کے متعلق چون و چرا کی گنجائش ہی نہیں پائی۔ انھوں نے بہتری اسی میں دیکھی کہ خاموش ہو جائیں۔ سعد کو مجبور نہ کریں۔

اس سے بڑھ کر مزے کی بات سناؤں آپ کو۔ معاویہ نے خود اس حدیث منزلت کی روایت کی ہے۔ ابن حجر صواعق محرقة میں تحریر فرماتے ہیں:

”امام احمد بن حنبل نے روایت کی ہے کہ کسی شخص نے معاویہ سے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ معاویہ نے کہا کہ اسے علیؑ سے پوچھو۔ اس شخص نے کہا: آپ کا جواب مجھے علیؑ کے جواب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ معاویہ نے جھڑک کر کہا کہ یہ بدترین بات تمھارے منہ سے سن رہا ہوں۔ تم اس شخص سے کراہت ظاہر کر رہے ہو جسے رسول اللہؐ نے علم یوں بھرایا ہے جس طرح طائر اپنے بچے کو دانہ بھراتا ہے۔ اور جس کے متعلق

اے امام حاکم نے بھی اس حدیث کو مستدرک ج ۲ صفحہ ۱۰۷ پر درج کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کے شرائط کے معیار پر بھی صحیح ہے اور علامہ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں اس حدیث کو درج کیا ہے اور اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کے معیار پر صحیح ہے۔

اے صواعق محرقة باب ۱۱ صفحہ ۱۰۷

یہ ارشاد فرمایا کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت حاصل ہے جو
موسیٰ سے ہارون کو تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد نبوت
کا سلسلہ ختم ہے۔ اور حضرت عمر کو جب کسی معاملہ میں پچیدگی
درپیش آتی تھی تو انہیں کی طرف رجوع کرتے تھے الخ

مختصر یہ کہ حدیث منزلت اتنی ثابت و مسلم ہے جس کے ثبوت میں
کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ تمام مسلمان خواہ وہ کسی فرقہ یا جماعت
سے تعلق رکھتے ہوں اس حدیث کی صحت پر اجماع و اتفاق کیے بیٹھے ہیں۔
اس حدیث منزلت کو صاحب الجمع بین الصحاح السنۃ نے باب
مناقب علیؑ میں اور صاحب الجمع بین الصحیحین نے باب فضائل اور غزوہ تبوک
کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے۔

صحیح بخاری میں غزوہ تبوکؑ کے سلسلہ میں موجود ہے۔

صحیح مسلم میں فضائل علیؑ کے ضمن میں مذکور ہے۔

سنن ابن ماجہ میں اصحاب بنی ہاشم کے فضائل کے ضمن میں موجود ہے۔

اے علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ معاویہ نے اس شخص سے یہ
بھی کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ خدا تمہارے پیروں کو استوار نہ کرے اور اس شخص کا نام دفتر
سے کاٹ دیا اور بھی بہت سی باتیں علامہ ابن حجر نے صواعق محرقة ص ۱۸ پر نقل کی
میں جس سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ احمد بن حنبل کے علاوہ محدثین کی ایک اچھی خاصی جماعت
نے سلسلہ اسناد معاویہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ امام احمد ہی تنہا معاویہ
سے روایت کرنے والے نہیں۔

جلد ۳ ص ۵۸ ۳ جلد ۲ صفحہ ۳۲۳

۱۰ جلد اول ص ۲۸۔ جلد ۳ ص ۱۰۱ کے علاوہ اور بھی مقامات پر امام مذکور نے اس حدیث کو
ذکر کیا ہے جیسا کہ چھان بین کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

مسند رک امام حاکم میں باب فضائل کے تحت موجود ہے۔
 اور امام احمد نے اپنی مسند میں سعد کی روایت سے بکثرت طریق سے
 روایت کی ہے نیز اسی سند میں امام موصوف نے مندرجہ ذیل حضرات میں
 سے ہر ہر بزرگ کی حدیث میں ذکر کیا ہے۔
 ابن عباسؓ ، اسماء بنت عمیسؓ ، ابو سعید خدریؓ ، معاویہ ابن
 ابی سفیانؓ اور دیگر صحابہ کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے۔
 طبرانی نے اسماء بنت عمیسؓ ، ام سلمہؓ ، جیش بن جنادہؓ ، ابن عمرؓ ،
 ابن عباسؓ ، جابر بن سمہؓ ، زید بن ارقمؓ ، برابر بن عازبؓ اور علی بن ابی طالبؓ
 وغیرہم سے ہر ہر شخص کی حدیث میں روایت کی ہے۔
 بزار نے اپنی مسند رک میں روایت کی ہے۔

۱۔ مسند احمد جلد اول ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۹، ۱۵۲، ۱۵۵

۲۔ مسند ج ۱ ص ۲۳۱

۳۔ مسند ج ۶ ص ۳۶۹، ۳۳۸

۴۔ مسند ج ۳ ص ۳۲

۵۔ مبیہا کہ ہم نے اس کتاب کے شروع میں صواعق محرقة باب ۱۱ ص ۱۱۱ سے نقل کیا ہے
 ۶۔ صواعق محرقة باب ۹ ص ۸۲ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں سلسلہ حالات امیر المومنین نقل کیا ہے
 کہ طبرانی نے اس حدیث کو ان تمام اشخاص سے نقل کیا ہے سیوطی نے ایک نام اسماء بنت
 عمیس اور زیادہ کر کے لکھا ہے۔

۷۔ تاریخ الخلفاء ص ۶۵ حالات امیر المومنین۔

۸۔ کنز العمال جلد ۶ ص ۱۵۲ کی حدیث ۲۵۰۴۔

ترمذی نے اپنی صحیح میں ابوسعید خدری کی حدیث میں لکھا۔
ابن عبد البر نے استیعاب میں بسلسلہ حالات امیر المومنینؑ اس
حدیث کو ذکر کیا ہے اور ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں خود ان کے الفاظ ہیں :
”وهو من أثبت الآثار وأصحها، رواه عن

السنی سعد بن ابی وقاص“

”یہ حدیث تمام احادیث پیغمبرؐ میں سب سے زیادہ ثابت
وسلم اور ہر ایک سے صحیح تر ہے، اس حدیث کو سعد بن
ابی وقاص نے پیغمبرؐ سے روایت کیا ہے“

پھر فرماتے ہیں کہ :
”سعد کی حدیث بکثرت طریقوں سے مروی ہے جسے ابن
ابی عثیمہ وغیرہ نے لکھا ہے“
آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں :

”اس حدیث کی روایت ابن عباس نے کی ہے، ابوسعید
خدری نے کی ہے، ام سلمہ نے کی ہے، اسماء بنت عمیس
نے کی ہے، جابر بن عبد اللہ نے کی۔ ان کے علاوہ ایک
پوری جماعت اصحاب ہے جس نے اس حدیث کی روایت
کی ہے۔ جن کے ذکر میں طول ہو گا۔“

علماء محدثین اور اہل سیر و اخبار نے جس جس نے غزوہ تبوک کا ذکر
کیا ہے انھوں نے اس حدیث کو بھی ضرور لکھا ہے اور جس جس نے حضرت
علیؑ کے حالات و سوانح مرتب کیے ہیں خواہ وہ کسی فرقہ و جماعت کے ہوں
مستقدمین و متاخرین سب نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔

اور مناقب اہل بیتؑ و فضائل صحابہ میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں سبھی میں یہ حدیث موجود ہے۔ مختصر یہ کہ حدیث منزلت وہ حدیث ہے کہ غلف و سلف سب کے نزدیک ثابت و محقق ہے کسی نے اس کی صحت میں شک نہیں کیا۔

آمدی کے شک کرنے کی وجہ

لہذا جب اس کی اہمیت کی حالت یہ ہے تو آمدی کو اس کے اسناد میں شک ہو تو ہوا کرے ان کے شک سے کیا ہوتا ہے۔ علم حدیث میں انھیں دخل ہی کیا حاصل تھا؟ طرق و اسناد کے متعلق ان کا حکم لگانا تو بالکل ایسا ہی ہے جیسے عوام کا حکم لگانا۔ جنھیں کسی بات کے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ بات یہ ہے کہ جیسا آپ نے کہا کہ اصول میں انھیں تبحر حاصل تھا تو اسی تبحر نے انھیں اس دلدل میں پھنسا یا انھوں نے دیکھا کہ مقتضائے اصول یہ حدیث نص صریح ہے۔ امیر المومنین کی خلافت پر اصول کے بموجب حضرت علیؑ کو خلیفہ ماننے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہتا۔ مفر کی صورت نہیں۔ لہذا راہ فراریوں نکالی جائے کہ اس حدیث کے اسناد ہی مشکوک قرار دے دیے جائیں کہ اس طرح شاید اس حدیث کے نہ ماننے اور حضرت علیؑ کو خلیفہ رسول نہ تسلیم کرنے کی سبیل پیدا ہو۔

ش

مکتوب نمبر ۱۵

سندِ حدیث کی صحت کا اقرار

اس حدیثِ منزلت کے ثبوت میں جو کچھ آپ نے فرمایا بالکل صحیح ذکر کیا ہے اس کے مسلم الثبوت ہونے میں مطلقاً شک و شبہ کی گنجائش نہیں آمدی نے اس حدیث میں ایسی ٹھوکر کھائی جس سے ان کا بھرم کھل گیا۔ معلوم ہو گیا کہ انھیں علمِ حدیث سے دور کا بھی لگاؤ نہیں تھا۔ میں نے ان کے قول کو ذکر کر کے ناحق آپ کو ان کے رد کی زحمت دی۔ معافی کا خواہاں ہوں۔

عموم حدیثِ منزلت میں شک

مجھے خیال ہوتا ہے کہ آمدی کے علاوہ آپ کے دیگر مخالفین اس حدیث

کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث منزلت میں عموم نہیں بلکہ یہ اپنے مورد کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی رسولؐ کا حضرت علیؑ کو اپنا جانشین اور اپنی وفات کے بعد تمام مسلمانوں میں اپنا خلیفہ بنانا مقصود نہیں تھا بلکہ صرف غزوہ تبوک کے موقع پر مدینہ سے جتنے دن آپؐ غائب رہے اتنے دن ہی آپؐ کو جانشین بنانا مقصود تھا۔ جیسا کہ سیاق حدیث سے پتہ چلتا ہے۔ اس لیے کہ یہ حدیث آپؐ نے اس موقع پر فرمائی ہے۔ جب آپؐ عازم سفر ہوئے اور حضرت علیؑ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر جانے لگے اور اس پر حضرت علیؑ نے عرض کیا ”یا رسول اللہؐ آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟“

تو رسولؐ نے کہا :

”کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو موسیٰ سے ہارون کو تھی؟ سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“

اس حدیث کے حجت ہونے میں شک

گویا رسولؐ یہ کہنا چاہتے تھے کہ جس طرح کوہ طور پر جانے کے وقت جناب ہارون جناب موسیٰ کے جانشین تھے اسی طرح غزوہ تبوک پر جانے کے وقت تم میرے جانشین ہو۔ لہذا مقصود پیغمبرؐ کا یہ نکلا کہ میں جتنے دن غزوہ تبوک میں مشغول رہوں تم مسلمانوں میں میرے جانشین ہو جس طرح جناب موسیٰ کی غیبت اور مناجات کے دنوں میں جناب ہارون جانشین موسیٰ تھے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو اگر عام مان بھی

لیا جائے تب بھی یہ حدیث حجت نہیں کیونکہ یہ حدیث مخصوص ہے اور وہ عام جن کی تخصیص کر دی جائے وہ باقی میں حجت نہیں ہو سکتا۔

س

جوابِ مکتوب

عرب کے اہل زبان عموم حدیث کے قائل ہیں

مخالفین کا یہ کہنا کہ حدیث منزلت میں عموم نہیں پایا جاتا۔ اسے ہم اہل زبان اور عرب والوں کے عرف کے فیصلہ پر چھوڑتے ہیں۔ وہ جو کہیں وہی ہم بھی کہتے ہیں۔ آپ خود حجت عرب میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ آپ کی بات نہ رد کی جاسکتی ہے نہ آپ کے فیصلہ میں چون دچرا کی گنجائش ہے۔ آپ خود فرمائیں آپ کیا کہتے ہیں؟

آپ اپنی قوم (عرب) کے متعلق فرمائیے کیا انھیں بھی اس کے عموم میں شک ہوا؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ ناممکن ہے کہ آپ جیسا ماہر زبان اسم جنس مضاف کے عموم اور اپنے تمام مصداقین کو شامل ہونے میں شک کرے۔ اگر آپ مجھ سے فرمائیں کہ ”منحتکم انصافی“ میں نے تمہیں انصاف بخشا، تو کیا آپ کا یہ انصاف بعض امور سے متعلق ہوگا اور بعض امور سے نہیں۔ ایک معاملہ میں میرے ساتھ انصاف کیجیے گا اور دوسرے معاملہ میں ناانصافی فرمائیے گا؟ یا انصاف عام اور اپنے تمام مصداقین کو شامل ہوگا۔ خدا نہ کرے کہ آپ اسے عام ہونے کے علاوہ اور کچھ سمجھیں اور سوائے استغراق کے کچھ سمجھ میں آئے۔ فرض کیجیے کہ

خلیفۃ المسلمین اگر اپنے حاکم و افسر سے کہیں کہ میں نے لوگوں پر اپنی جگہ تمہیں بادشاہ بنایا مجھے جو منزلت حاصل ہوئی ہے وہ تمہاری منزلت قرار دی یا رعایا میں جو منصب میرا ہے وہ تمہارا منصب مقرر کیا، یا میں نے اپنا ملک تمہارے حوالہ کیا تو کیا یہ سُنکر عموم کے علاوہ اور کوئی چیز سمجھ میں آئے گی اور اگر دعویٰ کرنے والا تخصیص کا دعویٰ کرے یہ کہے کہ صرف بعض حالات و معاملات میں اقتدار و اختیار دیا گیا ہے بعض میں نہیں تو کیا وہ شخص مخالف اور نافرمان نہ سمجھا جائے گا۔ اور اگر وہ اپنے کسی وزیر سے فرمائیں کہ میرے زمانہ سلطنت میں تمہاری وہی منزلت رہے گی جو عمر کی منزلت تھی ابو بکر کے زمانہ میں یحییٰ اس کے کہ تم صحابی نہیں ہو تو یہ فقرہ بلحاظ عرف بعض منازل و مراتب کے ساتھ مخصوص ہو گا یا عام سمجھا جائے گا۔ میرا تو یہی خیال ہے کہ آپ عام ہی سمجھیں گے اور مجھے تو یقین ہے کہ آپ بھی اس حدیث میں عموم ہی کے قائل ہوں گے جس طرح مذکورہ بالا مثالوں میں عرف و لغت کے قاعدہ پر سوائے عموم ماننے کے کوئی دوسری صورت نہیں۔

خصوصاً استثنائے نبوت کے بعد تو اور بھی عموم اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کیونکہ جب رسول نے صرف نبوت کو مستثنیٰ کیا تو ثابت ہوا کہ سوائے درجہ نبوت کے اور جتنے منازل تھے جناب ہارون کے وہ سب حضرت علی کو حاصل ہوئے کوئی ایک نہیں چھوٹا۔ ورنہ رسول صرف نبوت ہی کو مستثنیٰ نہ فرماتے بلکہ جہاں نبوت کو مستثنیٰ کیا وہاں دوسری باتوں کا بھی استثناء فرماتے۔ آپ خود عرب میں عربوں میں رہتے ہیں آپ خود سوچیے عربوں سے پوچھیے کہ انکا کیا فیصلہ ہے اس کے متعلق؟

اسکا ثبوت کہ حدیث کسی مورد کے ساتھ مخصوص نہیں

مخالف کا یہ کہنا کہ یہ حدیث مورد کے ساتھ مخصوص ہے دودھوں سے

غلط ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ حدیث فی نفسہ عام ہے جیسا اوپر میں بیان کر چکا ہوں لہذا اس کا مورد اگر اسے ہم خاص تسلیم بھی کر لیں اس کو عام ہونے سے مانع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مورد وارد کا مخصوص نہیں ہوا کرتا جیسا کہ طے شدہ مسئلہ ہے۔

دیکھیے اگر آپ کسی جنب شخص کو آیت الکرسی چھوٹے ہوئے دیکھیں۔ اور آپ اس سے کہیں کہ محدث (جس میں جنب غیر جنب سب شامل ہیں) کو آیات قرآن چھونا جائز نہیں تو آپ کا یہ ارشاد مورد کے ساتھ مخصوص ہوگا یا آپ کا یہ کہنا عام ہوگا اور تمام آیات قرآن اور ہر محدث کو شامل ہوگا خواہ وہ محدث جنب ہو یا غیر جنب۔ آیت الکرسی کو چھوئے یا دیگر آیات کو۔ میں تو خیال نہیں کرتا کہ کوئی شخص بھی یہ کہے گا کہ یہ حکم صرف جنب کے ساتھ مختص ہے۔ ہر محدث کو شامل نہیں اور صرف آیت الکرسی ہی چھونے کی ممانعت ہے دیگر آیات کی نہیں۔ اگر معالج مریض کو کھجور کھاتے ہوئے دیکھے اور اسے میٹھا کھانے کو منع کرے تو کیا طبیب کی میٹھے سے ممانعت صرف عام میں مورد کے ساتھ مخصوص سمجھی جائے گی۔ صرف کھجور سے ممانعت سمجھی جائے گی یا یہ ممانعت عام ہوگی۔ اور ہر میٹھے کو شامل ہوگی؟

میرا تو خیال یہ ہے کہ کوئی بھی اس کا قائل نہ ملے گا جو یہ کہے کہ یہ ممانعت مخصوص ہے مورد کے ساتھ، صرف کھجور سے مریض کو روکا گیا ہے یہ تو وہ ہی کہے گا جسے اصول سے کوئی لگاؤ نہ ہو۔ زبان کے قواعد سے بالکل بے بہرہ ہو۔ فہم عربی سے دور ہو اور ہم لوگوں کی دنیا سے اجنبی ہو۔ لہذا جس طرح ان مثالوں میں مورد کے خاص ہونے کی وجہ سے حکم خاص نہیں اسی طرح

حدیث منزلت کا مورد اگرچہ خاص ہے یعنی آپ نے غزوہ تبوک میں جاتے وقت فرمایا، لیکن حکم عام ہی ہے۔ حدیث منزلت اور ان مثالوں میں کوئی فرق نہیں۔

اس قول کی تردید کہ یہ حدیث حجت نہیں

دوسری وجہ بطلان یہ ہے کہ یہ کہنا ہی غلط ہے کہ حدیث کا مورد خاص ہے کیونکہ رسولؐ نے صرف غزوہ تبوک ہی کے موقع پر حضرت علیؑ کو مدیہ میں اپنا جانشین بناتے ہوئے نہیں فرمایا کہ تمہیں مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو موسیٰ سے ہارون کو تھی تاکہ مخالف کا یہ کہنا صحیح ہو کہ صرف غزوہ تبوک ہی کے موقع پر حضرت علیؑ کو منزلت ہارونی حاصل ہوئی اور آپ رسولؐ کے جانشین ہوئے بلکہ آپ نے اس حدیث کو بار بار مختلف مواقع پر ارشاد فرمایا ہے چنانچہ ہمارے یہاں ان کے ظاہرین سے بکثرت صحیح اور متوازن احادیث مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولؐ نے اور دوسرے مواقع پر بھی اس حدیث کو فرمایا ہے۔ تحقیق کے جوہر ہماری کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں۔ حضرات اہلسنت کے سنن بھی اس کے مؤید و شاہد ہیں جیسا کہ ان کی تلاش و جستجو سے معلوم ہو سکتا ہے لہذا معترض کا یہ کہنا کہ سیاق حدیث دلیل ہے صرف اس کے غزوہ تبوک کے ساتھ مختص ہونے کی۔ بالکل ہی غلط اور ناقابل اعتنا ہے۔ رہ گیا یہ کہنا کہ وہ عام جس کی تخصیص کر دی جائے وہ باقی میں حجت نہیں۔ بالکل نمل لغو اور صریحی طور پر باطل ہے۔ اور خاص کر اس حدیث کے متعلق جو ہماری آپ کی موضوع بحث ہے ایسا خیال تو محض زبردستی ہے

ش

مکتوب نمبر ۱۶

حدیث منزلت و مقامات

آپ نے یہ تو فرمایا کہ رسول اللہ نے صرف غزوہ تبوک ہی نہیں بلکہ اور بھی متعدد مواقع پر یہ حدیث ارشاد فرمائی لیکن آپ نے ان متعدد مواقع کی تصریح نہیں کی۔

بڑی عنایت ہوگی ان موارد کی بھی تفصیل فرمائیے۔ غزوہ تبوک کے علاوہ اور کب آنحضرتؐ نے ایسا ارشاد فرمایا۔

س

جوابِ مکتوب

منجملہ مقاماتِ حدیثِ منزلت ملاقاتِ اُمّ سلیم ہے

ان مواقع میں سے ایک وہ موقع ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمّ سلیمؓ سے فرمایا تھا۔ اُمّ سلیم سب سے پہلے اسلام لانے والوں

میں یہ لہمان بن خالد انصاری کی بیٹی اور حرام بن لہمان کی بہن تھیں۔ ان کے باپ اور بھائی دونوں رسول اللہ کی حمایت میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ یہ بڑی صاحبِ فضیلت اور زیرک و دانا خاتون تھیں۔ رسول اللہ سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں اور ان سے انس بن عباس، زید بن ثابت، ابوسلمہ بن عبدالرحمن اور دوسرے لوگوں نے حدیثیں روایت کی ہیں اور سابقین میں ان کا شمار ہے۔ اسلام کی طرف دعوت دینے والوں میں سے ایک یہ بھی تھیں۔ زمانہ جاہلیت میں مالک بن نضر کی زوجیت میں تھیں۔ مالک سے انس بن مالک پیدا ہوئے۔ جب اسلام آیا تو انھوں نے سبقت کی۔ اسلام قبول کیا اور اپنے شوہر سے بھی کہا لیکن اس نے اسلام لانے سے انکار کیا تو انھوں نے قطعِ تعلق کر لیا۔ شوہر غضبناک ہو کر شام کی طرف چلا گیا اور وہیں بحالتِ کفر مر گیا انھوں نے اپنے بیٹے انس کو جب کہ وہ صرف دس سال کے تھے رسول اللہ کی خدمت گزاری پر مائل کیا رسولؐ نے بھی ان کے خیال سے قبول کیا۔ اسی وجہ سے انس کہا کرتے تھے کہ خدا جزائے خیر دے میری والدہ کو انھوں نے میری اچھی سرپرستی کی انھیں کے ہاتھوں پر ابوطالحہ (باقی اگلے صفحہ پر)

ہیں سے تھیں۔ اور بڑی زیرک و دانا خاتون تھیں۔ سابقیت اسلام خلیوں و خیر خواہی اور شائد میں ثابت قدمی کی وجہ سے ان کی رسولؐ کے نزدیک بڑی منزلت تھی۔ آنحضرتؐ ان کی ملاقات کو جاتے ان کے گھر میں بیٹھ کر ان سے گفتگو کرتے۔ آپؐ نے ایک دن ان سے ارشاد فرمایا:

”اے امّ سلیم اعلیٰؑ کا گوشت میرے گوشت سے ہے، ان کا خون میرے خون سے ہے اور انھیں وہی منزلت حاصل ہے جو موسیٰؑ سے ہارون کو تھی۔“

یہ بالکل ظاہر ہے کہ رسول اللہؐ نے یہ حدیث کسی خاص جذبہ کے ماتحت نہیں فرمائی بلکہ برستہ طور پر سلسلہ کلام میں یہ جملے زبان مبارک سے ادا ہوئے جس سے مقصود صرف یہ تھا کہ میرے ولیعہد اور میرے جانشین

(نقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۲) انصاری اسلام لائے ابوظلم نے جب کہ اسلام نہ لائے تھے ان سے شادی کی خواہش کی انھوں نے مسلمان ہونے کی شرط لگائی۔ ابوظلم نے اسلام قبول کیا اور ان کا اسلام لانا ہی جہر ہوا۔ یہ امّ سلیم آنحضرتؐ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئی تھیں جنگ اُحد میں ان کے ہاتھیں خنجر تھا کہ جو مشرک ان کے پاس آئے اس سے ہلاک کر دیں۔ تاریخ اسلام میں تمام عورتوں سے زیادہ اسلام کی خدمت گزار حامی و محافظ مشکلات میں ثابت قدم بیچ خاتون تھیں انھیں کو بس یہ شرف حاصل تھا کہ رسولؐ ان سے ملنے ان کے گھر جاتے۔ یہ معظمہ اہل بیت کی معرفت رکھنے والی اور ان کے حقوق کو پہچاننے والی خاتون تھیں۔

امّ سلیم کی یہ حدیث کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۴ میں موجود ہے۔ بلکہ منتخب کنز العمال میں بھی مذکور ہے۔ چنانچہ مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۳۱ کے حاشیہ کی آخری سطر ملاحظہ ہو۔ بعینہ انھیں الفاظ میں یہ حدیث موجود ہے۔

کی منزلت سے لوگ آگاہ ہو جائیں۔ اتمام حجت ہو جائے۔ احکام الہی کے پہنچانے میں تاخیر نہ ہو۔ لہذا اس حدیث کو صرف غزوہ تبوک کے موقع سے مخصوص کر دینا، حضرت علیؑ کو صرف غزوہ تبوک کے موقع پر جانشین رسولؐ تسلیم کرنا صریحی ظلم ہے۔ اسی جیسی حدیث دختر جناب حمزہ کے فقہیہ میں بھی آنحضرتؐ نے ارشاد فرمائی۔ جبکہ حضرت امیر المومنینؑ جناب جعفر اور زید میں اختلاف پیدا ہوا۔ تو آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا :

”اے علیؑ تم کو مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو موسیٰؑ سے ہارون کو تھی۔“

اسی طرح یہ حدیث اس دن آنحضرتؐ نے ارشاد فرمائی جبکہ ابو بکر و عمر اور ابو عبیدہ بن الجراح رسولؐ کی خدمت میں بیٹھے تھے اور رسولؐ حضرت علیؑ پر تکیہ کیے تھے۔ آنحضرتؐ نے اپنا ہاتھ حضرت علیؑ کے کاڑھے پر رکھا اور ارشاد فرمایا :

”اے علیؑ تم مومنین میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہو اور سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ہو اور تم کو مجھ سے وہی نسبت حاصل ہے جو موسیٰؑ سے ہارون کو تھی۔“

پہلی مواخات جو ہجرت کے قبل مکہ میں صرف مہاجرین کے درمیان رسولؐ نے قائم کی تھی۔ اس دن بھی رسولؐ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی۔

لے خصائص علویہ امام نسائی صفحہ ۱۹

لے حسن بن بدراحک نے باب کینیت میں اور شیرازی نے باب الانقاب میں لکھا ہے۔ ابن بخار نے بھی ذکر کیا ہے اور کنز العمال جلد ۶ کے ایک ہی صفحہ ۳۹۵ پر دو

مذکورہ موجود ہے۔ حدیث ۴۰۲۹ و ۴۰۳۲۔

نیز دوسری موافات جو مدینہ میں ہجرت کے پانچ مہینہ بعد رسولؐ نے
انصار و ہاجرین کے درمیان قائم کی دونوں موقوفوں پر آپؐ نے حضرت علیؑ کو
اپنے لیے منتخب کیا اور اپنا بھائی بنا کر سب پر فوقیت بخشی اور ارشاد فرمایا کہ
”أنت مني بمنزلة هارون من موسى، ألا
أنه لاني بعدي“

”تم میرے لیے ایسے ہو جیسے ہارون کے لیے موسیٰ تھے ہوئے
اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا“

واقعہ موافات کے متعلق بطریق ائمہ طاہرینؑ ایک دو نہیں متواتر
حدیثیں ہیں۔ ائمہ طاہرین کے علاوہ غیروں کی روایتوں کو دیکھنا ہو تو پہلی موافات
کے متعلق صرف ایک زید بن ابی اوفیٰ ہی کی حدیث کو لے لیجیے جسے امام احمد بن

لے علامہ ابن عبد البر نے استیعاب میں سلسلہ حالات امیر المومنینؑ لکھا ہے کہ رسولؐ نے ہاجرین
میں موافات قرار دی پھر دوبارہ ہاجرین و انصار میں موافات فرمائی اور دونوں موقوفوں
پر امیر المومنینؑ سے فرمایا کہ تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ
رسولؐ نے اپنے اور علیؑ کے درمیان موافات فرمائی۔ پوری تفصیل کتب سیر و اخبار
میں موجود ہے۔ سیرۃ حلبیہ جلد دوم ص ۱۱۱ پر موافات اولیٰ کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے
اور موافات ثانیہ کی تفصیل بھی اسی سیرۃ حلبیہ ج ۲ کے ص ۱۲ پر موجود ہے۔ آپؐ
کو نظر یہ آئے گا کہ رسول اللہؐ نے دونوں موقوفوں پر علیؑ کو اپنا بھائی بنا کر سب پر
فضیلت عطا کی۔ سیرۃ دحلانیہ میں بھی موافات اولیٰ و ثانیہ کی تفصیل دی ہے
جو سیرۃ حلبیہ میں ہے۔ انھوں نے تصریح کی ہے کہ دوسری موافات ہجرت کے
پانچ ماہ بعد ہوئی۔

حنبل نے کتاب مناقب علیؑ میں، ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں بغویؒ و طبرانی نے اپنی معجم میں، بارودی نے اپنی کتاب معرفۃ میں اور ابن عدی وغیرہ نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

حدیث بہت طولانی ہے اور پوری کیفیت موافقات پر مشتمل ہے آخر کی عبارت یہ ہے کہ :

”فقال علي: يا رسول الله لقد ذهب روجي، وانقطع ظهري، حين رأيتك فعلت بأصحابك ما فعلت غييري، فإن كان هذا من سخط علي فلا العتبى والكرامة، فقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: والذي بعثني بالحق ما أخرجتك إلا لنفسي، وأنت مني بمنزلة هارون من موسى غير أنه لا نبي بعدي، وأنت أخي ووارثي، فقال: وما رث منك؟ قال: ما ورث الأنبياء من قبلي كتاب ربهم وسنة نبيلهم، وأنت معي في قصري في الجنة مع فاطمة ابنتي، وأنت أخي“

اے امام احمد و ابن عساکر سے بجزرت معتبر و موثق علماء نے نقل کیا ہے منجد ان کے علامہ متقی ہندی بھی ہیں۔ انھوں نے کنز العمال میں دو جگہ یہ حدیث درج کی ہے ایک کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۲ پر پھر جلد ۶ صفحہ ۲۹ پر باب مناقب علی میں امام احمد سے نقل کر کے لکھا ہے۔

اے ان تمام ائمہ اہل سنت سے ایک جماعت ثقات نے یہ حدیث نقل کی ہے منجد ان کے ایک علامہ متقی ہیں۔ ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۴۸۱ حدیث ۹۱۹

ورفیقی، ثم تلا صلى الله عليه وآله وسلم،
 اخواناً على سرر متقابلين، المنتخبين في الله
 ينظرون بعضهم الى بعض“

”امیر المؤمنینؑ نے رسول اللہؐ سے کہا: یا رسول اللہؐ میری توجہ ان
 نکل گئی، مگر شکستہ ہو گئی۔ یہ دیکھ کر کہ آپؐ نے اصحاب میں تو
 مواخات قائم کی، ایک کو دوسرے کا بھائی بنایا مگر مجھے چھوڑ
 دیا۔ مجھے کسی کا بھائی نہ بنایا۔ اگر یہ کسی ناراضگی و خفگی کی وجہ سے
 ہے تو آپؐ مالک و مختار ہیں۔ آپؐ ہی عفو فرمائیں گے اور آپؐ
 ہی عزت بخشیں گے۔ رسولؐ نے فرمایا: قسم ہے اس معبود کی جس
 نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں نے تمہیں خاص اپنے لیے
 اٹھا رکھا ہے۔ تم میرے لیے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون
 تھے سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔ تم میرے بھائی
 ہو، میرے وارث ہو۔ امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا
 کہ میں آپؐ کا کس چیز کا وارث ہوں گا؟ آپؐ نے فرمایا: کہ اسی
 چیز کے جس کے انبیاء وارث ہوئے یعنی کتاب خدا، سنت نبیؐ۔
 اور تم میرے ساتھ جنت میں میرے قصر میں رہو گے میری پارہ بکر
 فاطمہؑ کے ساتھ۔ تم میرے بھائی ہو، میرے رفیق کار ہو۔ پھر آپؐ
 نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اخواناً على سرر متقابلين“

اور دوسرے مواخات کے سلسلہ میں صرف اسی ایک حدیث کو لے لیجیے جو طبرانی
 نے اپنی معجم کبیر میں ابن عباس سے روایت کی ہے:
 ”رسول اللہؐ نے امیر المؤمنینؑ سے فرمایا کہ کیا تم ناراض ہو گئے کہ

میں نے مہاجرین و انصار کے درمیان تو مواخات کی اور تم کو ان میں سے کسی کا بھائی نہ بنایا۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت حاصل ہے جو موسیٰؑ سے ہارونؑ کو تھی؟

اے ملاحظہ ہو کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد بن حنبل جلد ۵ طبع پیغمبر کے اس فقرہ میں کہ "کیا تم مجھ سے ناراض ہو گئے؟" جو پیار و محبت، دلدہی اور پدرانہ شفقت و ناز برداری مترشح ہے وہ مخفی نہیں۔ اگر آپ فرمائیں کہ جب پہلی مرتبہ رسولؐ علیؑ کو اپنے لیے مخصوص کر چکے تھے تو دوسری مواخات کے موقع پر تمام اصحاب میں مواخات کرنے اور علیؑ کو کسی کا بھائی نہ بنانے سے علیؑ کو تردد اور شک و شبہ نہ کرنا چاہیے تھا۔ اس مرتبہ ان کو مطمئن رہنا چاہیے تھا کہ جس طرح رسولؐ نے پہلی مرتبہ مجھ اپنے لیے مخصوص کر رکھا اس مرتبہ بھی رسولؐ کا ایسا ہی ارادہ ہے۔ آخر حضرت علیؑ کو شبہ کیوں ہوا؟ اور آپ نے دوسری مواخات کو بھی پہلی مواخات پر قیاس کیوں نہ کیا۔ تو میں عرض کر دوں گا، دوسری مواخات کو پہلی مواخات پر قیاس کیا ہی نہ جاسکتا تھا اس لیے کہ پہلی مواخات خاص کر مہاجرین کے درمیان ہوئی تھی برخلاف دوسری مواخات کے کہ وہ مہاجرین و انصار کے درمیان ہوئی تھی۔ دوسری مواخات میں مہاجر کا بھائی انصاری کو بنایا گیا تھا اور انصاری کا بھائی مہاجر کو۔ اس مرتبہ چونکہ پیغمبرؐ اور علیؑ دونوں کے دونوں مہاجر تھے لہذا قیاس یہ کہتا ہے کہ اب کی مرتبہ دونوں بھائی بھائی نہ ہوں گے۔ لہذا حضرت علیؑ نے دوسرے لوگوں کو دیکھتے ہوئے قیاس کیا کہ اب کی مرتبہ میرا بھائی کوئی انصاری ہی ہوگا جس طرح ہر مہاجر کا بھائی انصاری مقرر کیا گیا ہے۔ اور جب رسولؐ نے کسی انصاری کو علیؑ کا بھائی نہ بنایا تو علیؑ کو اضطراب ہوا، مگر خدا و رسولؐ دونوں اس مرتبہ بھی حضرت علیؑ کو ہر ایک پر فضیلت ہی دینا چاہتے تھے اور قیاس کے برخلاف اس مرتبہ بھی رسولؐ نے اپنا بھائی علیؑ ہی کو بنایا۔

اسی طرح وہ حدیثیں ہیں جو آنحضرتؐ نے اس دن ارشاد فرمائیں۔ جب آپؐ نے سب کے دروازے بند کرا دیے اور حضرت علیؑ کے دروازے کو مسجد کی طرف کھلا رکھا صرف ایک جابر بن عبد اللہ کی حدیث کا ذکر کر دینا کافی ہو گا۔ جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا کہ:

”اے علیؑ مسجد میں ہتھارے لیے وہی جائز ہے جو میرے لیے اور تم میرے لیے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰؑ کے لیے ہارونؑ تھے۔“

اور حذیفہ بن السید غفاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ اس دن خطبہ فرمانے کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ:

”کچھ لوگ دل میں غم و غصہ لیے ہوئے ہیں کہ میں نے علیؑ کو مسجد میں رکھا۔ دوسروں کو باہر کر دیا۔ خدا کی قسم میں نے نہ تو اپنے جی سے علیؑ کو مسجد میں رکھا نہ دوسروں کو باہر کیا بلکہ خداوند عالم نے ایسا کیا ہے۔ خداوند کریم نے جناب موسیٰؑ اور ان کے بھائی پر وحی فرمائی کہ تم دونوں اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ قرار دو اور اس میں نماز قائم کرو۔“

اسی سلسلہ بیان میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ:

”علیؑ کو مجھ سے وہی نسبت حاصل ہے جو موسیٰؑ سے ہارونؑ کو تھی

علیؑ میرے بھائی ہیں۔ کسی کے لیے جائز نہیں کہ مسجد میں عورت کے ساتھ اکٹھا ہو سوا علیؑ کے۔“

اسی طرح کے اور بہت سے بے شمار موارد ہیں کہاں تک ذکر کیے جائیں انھیں چند مذکورہ بالا موارد سے یہ خیال اچھی طرح باطل ہو جاتا ہے کہ رسولؐ نے صرف غزوہ تبوک ہی کے موقع پر اُنت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ فرمایا۔ جب اس حدیث کے اتنے موارد موجود ہیں اتنے مواقع پر رسولؐ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تو یہ کیونکر لائق توجہ ہو سکتا ہے۔ اور کیا وزن باقی رہ جاتا ہے اس قول میں۔

رسولؐ اللہ کی سیرت کے مطالعہ کرنے والے کو نظر آئے گا کہ رسولؐ حضرت علیؑ اور جناب ہارون کی فرقہ دین (آسمان کے دو ستارے) سے تصویر کشی فرماتے۔ فرقہ دین سے دونوں کی مثال دیتے جس طرح فرقہ دین برابر کے ستارے ہیں اسی طرح علیؑ و ہارونؑ ایک جیسے ہیں کہی کو دوسرے پر امتیاز نہیں حاصل ہے۔ یہ بھی منجملہ ان قرآن کے ہے جو عموم منزلت پر دلالت کرتے ہیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اگر قرآن سے قطع نظر کر بھی لی جائے تب بھی الفاظ حدیث سے عموم ہی متبادر ہو رہا ہے۔ سوا عموم کے کچھ اور ذہن میں آتا ہی نہیں جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔

والسلام
ش

مکتوب نمبر ۱

ہم آپ کے اس جملہ کا کہ رسول اللہؐ علی و ہارون کو فرقہ دین
(دوستارے ہیں جو ایک ساتھ رہتے ہیں) سے تشبیہ دیتے تھے مطلب
نہیں سمجھے۔

س

جواب مکتوب

رسول اللہؐ کی سیرت کا مطالعہ فرمائیے تو آپ کو نظر آئے گا کہ پیغمبرؐ
جناب ہارون اور امیر المومنینؑ کو آسمان کے فرقہ دین اور دونوں آنکھوں سے
شال دیا کرتے تھے۔ دونوں اپنی اپنی امت میں ایک جیسے تھے۔ کسی کو کسی پر

امتیاز نہیں حاصل تھا۔

یوم شبر و شبیر و مبشر

ملاحظہ فرمائیے کہ رسول اللہؐ نے علیؑ کے جگر گوشوں کے نام ہارون کے فرزندوں کے نام جیسے رکھے۔ حسنؑ و حسینؑ و محسنؑ اور ارشاد فرمایا کہ: ”میں نے یہ نام فرزندان ہارون شبر و شبیر و مبشر کے نام پر رکھے۔“

رسول اللہؐ کا مقصد یہ تھا کہ دونوں ہارونوں میں مشابہت گہری ہو جائے اور وجہ مشابہت تمام حالات و منازل میں عام ہو کے رہے۔

یوم مواخات

محض اس وجہ سے رسولؐ نے علیؑ کو اپنا بھائی بنایا اور دوسروں پر ترجیح دی۔ غرض یہ تھی کہ دونوں کو اپنے اپنے بھائی کے نزدیک جو منزلت حاصل ہے وہ بالکل ایک رہے۔ دونوں کی منزلوں میں مشابہت پوری پوری ہو جائے اور یہ تمنا بھی تھی کہ دونوں کے درمیان کوئی بھی وجہ فرق نہ رہے۔ رسولؐ نے اپنے اصحاب میں دو مرتبہ بھائی چارہ قائم کیا پہلی مرتبہ ابو بکر و عمر بھائی بھائی ہوئے۔ عثمان و عبدالرحمن بن عوف بھائی بھائی مقرر کیے گئے دوسری مرتبہ میں ابو بکر و خارجہ بن زید میں بھائی چارہ ہوا۔ عمرو و عتبہ بن مالک میں بھائی چارہ ہوا۔ لیکن امیر المومنین و دونوں مرتبہ رسولؐ کے بھائی بنے۔ اس مسئلہ میں تو اتنے محکم نصوص صیح طریقوں سے ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، زید بن ارقمؓ، زید بن ابی اوفیؓ، انس بن مالکؓ، حذیفہ بن یمانؓ، محمد مج بن

یزید، عمر بن خطاب، برار بن عازب، علی بن ابی طالب سے وارد ہیں۔
کہ سب کو لکھنا مشکل ہے۔

پیغمبرؐ نے امیر المومنینؑ سے فرمایا:
”أنت أخي في الدنيا والآخرة“
”تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو گے۔“
ابھی اوپر آپؐ یہ حدیث ملاحظہ فرما چکے ہیں:
”تد أخذ برقة علي وقال: إن هذا
أخي ووصيي وخليفتي فيكم فاسمعوا له
واطيعوا“
”پیغمبرؐ نے علیؑ کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: یہ میرا بھائی ہے
میرا وصی ہے۔ تم میں میرا جانشین ہے۔ اس کی بات سننا،
اس کی اطاعت کرنا۔“

ایک دن پیغمبرؐ اصحاب کے پاس تشریف لائے۔ آنحضرتؐ کے چہرے
کارنگ کھلا ہوا تھا۔ عبدالرحمن بن عوف نے اس خوشی کی وجہ پوچھی
آپؐ نے فرمایا:

”بشارة أتتني من ربي في أخي وابن عمي وابنتي“

اے امام حاکم نے مستدرک ج ۳ ص ۱۴۷ پر دو صحیح طریقوں سے جو شیخین بخاری و
مسلم کے معیار پر صحیح ہے درج کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے تلخیص مستدرک میں اس
کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے۔ علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ
صفحہ ۷۳ پر ترمذی سے نقل کیا ہے۔ اہل سیر و اخبار میں سے جس نے واقعات و روایات کا
ذکر کیا ہے ہر ایک نے بطور مسلمات ذکر کیا ہے۔

بِأَنَّ اللَّهَ ذَوَّجَ عَلِيًّا مِّنْ فَاطِمَةَ ۝

”میرے پروردگار کی جانب سے میرے بھائی میرے چچا کے بیٹے اور میری جگہ پارہ فاطمہ کے متعلق خوشخبری آئی ہے کہ خود خداوند عالم نے علیؑ کا عقد فاطمہ سے کر دیا۔“
جب جناب سیدہ امیر المومنینؑ کے گھر آئیں تو آنحضرتؐ نے ام ایمن سے کہا کہ میرے بھائی کو بلاؤ۔

ام ایمن نے کہا کہ: علیؑ آپ کے بھائی بھی ہیں اور آپ ان سے اپنی بیٹی بھی بیاہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: ”اے ام ایمن ایسا ہی ہے۔“
ام ایمن، امیر المومنینؑ کو بلا لائیں۔

نہ جانے کتنی مرتبہ آنحضرتؐ نے امیر المومنینؑ کے بھائی ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ :

”یہ علیؑ میرے بھائی ہیں۔ میرے چچا کے بیٹے ہیں، میرے داماد ہیں، میرے بچوں کے باپ ہیں۔“

اے ابوبکر خوارزمی نے اس کی روایت کی ہے۔ ملاحظہ ہو صواعق محرقہ ص ۱۳۱

اے مستدرک ج ۳ ص ۱۵۹ علامہ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں اس حدیث کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے۔ علامہ ابن حجر نے صواعق باب ۱۱ میں نقل کیا ہے۔ ان کے علاوہ جس جس نے جناب سیدہ کی شادی کا تذکرہ کیا ہے ہر ایک نے اس حدیث کو بھی ضرور ذکر کیا ہے۔
سے شیرازی نے کتاب الالقاب میں اس کی روایت کی ہے۔ ابن خبار نے ابن عمر سے اس کی روایت کی ہے اور علامہ متقی ہندی نے کنز العمال نیز منتخب کنز العمال بر حاشیہ سند احمد جلد ۵ ص ۳۲ پر نقل کیا ہے۔

ایک مرتبہ امیر المومنین علیہ السلام سے دورانِ گفتگو فرمایا:

”اَنْتَ اَخِي وَصَاحِبِي“

”تم میرے بھائی ہو میرے ساتھی ہو“

دوسری مرتبہ دورانِ گفتگو فرمایا:

”اَنْتَ اَخِي وَصَاحِبِي وَرَفِيقِي فِي الْجَنَّةِ“

”تم میرے بھائی ہو میرے ساتھی ہو اور جنت میں میرے رفیق ہو“

ایک معاملہ میں جناب جعفر وزید اور امیر المومنینؑ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا تو آپ نے امیر المومنینؑ سے خطاب کر کے فرمایا:

”وَاَمَّا اَنْتَ يَا عَلِي فَاَخِي وَاَبُو وَلَدِي وَ
مَنْحِي وَاِلَيَّ“

”لیکن تم اے علیؑ میرے بھائی ہو، میرے بچوں کے باپ ہو، مجھ سے ہو اور مجھ تک ہو“

ایک دن آپ نے امیر المومنینؑ سے فرمایا کہ:

”تم میرے بھائی ہو، میرے وزیر ہو، تم ہی میرے

لئے ابن عبدالبر نے استیعاب میں سلسلہ حالات امیر المومنین بلسلہ اسناد ابن عباس اس حدیث کی روایت کی ہے۔

لئے خطیب نے اس حدیث کی روایت کی ہے کنز العمال جلد ۶ ص ۲۱۵ پر نمبر ۶۱۰۵ یہی حدیث ہے۔

لئے امام حاکم نے مستدرک جلد ۳ ص ۲۱۵ پر یہ حدیث نقل کی جو امام مسلم کی شرائط صحت پر صحیح ہے

دین ادا کرو گے۔ میرے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرو گے،
مجھے فارغ الذمہ کرو گے۔“

جب آنحضرتؐ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپؐ نے لوگوں
سے کہا کہ میرے بھائی کو بلاؤ۔

لوگوں نے امیر المومنینؑ کو بلایا۔ آپؐ نے امیر المومنینؑ سے فرمایا:
”میرے قریب آؤ۔“

امیر المومنینؑ قریب ہوئے۔ رسولؐ کا سر زانو پر رکھے رہے اور رسولؐ آپؐ
سے گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ آنحضرتؐ کی روح نے جسم سے مفارقت
کی اور آنحضرتؐ کا کچھ کتاب دین بھی امیر المومنینؑ پر گرا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جنت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے:
”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ عَلِيُّ أَخُو
رَسُولِ اللَّهِ“

”کوئی معبود نہیں سوا اللہ کے محمد خدا کے رسولؐ ہیں
اور علیؑ رسولؐ کے بھائی ہیں۔“

لے طبرانی نے معجم کبیر میں ابن عمرؓ سے اس حدیث کی روایت کی ہے اور علامہ متقی ہندی نے
کنز العمال نیز منتخب کنز العمال میں اسے نقل کیا ہے ملاحظہ ہو ماہنامہ اشیاہ منہاج احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۴
۳۵ طبقات ابن سعد ج ۲ قسم ثانی اور کنز العمال جلد ۴ ص ۵۵

۳۵ طبرانی نے اس حدیث کو اوسط میں خطیب نے کتاب المتفق والمفترق میں لکھا ہے
اور علامہ متقی ہندی نے کنز العمال و منتخب کنز العمال میں نقل کیا ہے ملاحظہ ہو ماہنامہ
منہاج احمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۵

شبِ ہجرت جب امیر المومنینؑ بسترِ رسولؐ پر آرام فرما رہے تھے خداوندِ عالم نے جبریل و میکائیل پر وحی نازل فرمائی کہ میں نے تمہیں بھائی بنایا ہے اور تم میں سے ایک کی عمر دوسرے سے زیادہ طولانی کی ہے تم میں سے کون اپنی زندگی دوسرے کو دینے پر آمادہ ہے۔ دونوں نے عذر کیا، زندگی دینا گوارا نہ کیا۔ تو خداوندِ عالم نے وحی فرمائی کہ تم دونوں علی جیسے کیوں نہیں ہو جاتے۔ دیکھو میں نے علیؑ و محمدؐ کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا اور علیؑ بسترِ رسولؐ پر سو کر اپنی جان فدا کر رہے ہیں اور اپنی زندگی ہلاکت میں ڈال کر رسولؐ کی زندگی کی حفاظت کر رہے ہیں۔ تم دونوں زمین پر جاؤ اور علیؑ کو ان کے دشمنوں سے بچاؤ۔

دونوں ملک اترے۔ جبریل سر ہانے، میکائیل پائنتی کھڑے ہوئے جبریل کہتے جاتے کہ:

”مبارک ہو، مبارک ہو، کون آپ کا مثیل ہو سکے گا۔ اے علیؑ ابن ابی طالب۔ اللہ آپ کے سبب ملائکہ پر فخر و مباہات کر رہا ہے۔“

اور اسی موقع پر خداوندِ عالم نے یہ آیت نازل فرمائی کہ:

”لوگوں میں کچھ ایسے بھی بندے ہیں جو اپنے نفس کو راہِ خدا میں بیچ ڈالتے ہیں“

۱۔ اصحابِ سنن نے اپنے اپنے مآخذ میں اس حدیث کو درج کیا ہے نیز امام فخر الدین رازی نے اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو تفسیر کبیر ج ۲ صفحہ ۱۶۹ تفسیر سورہ بقرہ نیز ملاحظہ ہو اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۵

امیر المومنینؑ فرمایا کرتے :

”میں خدا کا بندہ ہوں ، میں رسولؐ کا بھائی ہوں ۔ میں صدیق اکبر ہوں ۔ میرے علاوہ ایسا کہنے والا جھوٹا ہے۔“

امیر المومنینؑ نے فرمایا :

”قسم بخدا میں رسولؐ کا بھائی ہوں ، ان کا ولی ہوں ، فرزند عم ہوں ، ان کے علوم کا وارث ہوں ، مجھ سے زیادہ کون حقدار ہے اس کا۔“

شوری والے دن آپ نے عثمان و عبدالرحمن بن عوف ، سعد اور زبیر سے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ :

”میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جسے رسولؐ نے اپنا بھائی بنایا ہو اس دن جس دن مسلمانوں میں بھائی چارہ کیا تھا۔“

لوگوں نے کہا : نہیں ، آپ کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

۱۔ امام نائی نے خصائص علویہ میں امام حاکم نے مستدرک جلد ۳ ص ۱۱۱ کے شروع میں ابن ابی شیبہ و ابن عامر نے السنۃ میں درج کیا ہے اور علامہ منتقی مہدی نے کنز العمال و منتخب کنز العمال میں نقل کیا ہے ملاحظہ ہو منتخب کنز العمال بر حاشیہ منہاج بن حنبل جلد ۵ ص ۲۱۰
۲۔ ملاحظہ فرمائیے مستدرک ج ۳ ص ۱۱۲ علامہ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں اس حدیث کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے ۔

۳۔ علامہ ابن عبدالبر نے بسلسلہ حالات امیر المومنینؑ استیعاب میں اس حدیث کی روایت کی ہے اور بھی اکثر علمائے اعلام نے لکھا ہے ۔

جنگ بدر میں جب امیر المومنینؑ ولید کے مقابلے کو نکلے تو اس نے پوچھا: "کون ہو تم؟"

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

"میں خدا کا بندہ ہوں، اس کے رسولؐ کا بھائی ہوں۔"

امیر المومنینؑ نے ایک دن عمر بن خطاب سے ان کے زمانہ خلافت میں پوچھا کہ:

"یہ فرمائیے اگر بنی اسرائیل کی کوئی قوم آپ کے پاس آئے اور ان میں سے کوئی شخص آپ سے کہے کہ میں موسیٰ کے چچا کا فرزند ہوں تو کیا آپ اسے اس کے ساتھیوں پر کچھ ترجیح دیں گے؟" انھوں نے کہا: "ہاں،" امیر المومنینؑ نے فرمایا:

"تو نیسے میں خدا کی قسم! رسولؐ کا بھائی ہوں۔ ان کے چچا کا بیٹا ہوں۔"

حضرت عمرؓ نے ردا کا ندھ سے اتار کر بچھائی اور بولے:

"خدا کی قسم! آپ اس جگہ کے علاوہ اور کہیں نہیں بیٹھ سکتے جب تک ہم لوگ جدا نہ ہوں۔"

امیر المومنینؑ اس ردا پر تشریف فرما ہوئے اور اس وقت تک کہ لوگ متفرق ہوئے عمر سانسے بیٹھے رہے۔ یہ رسول اللہؐ کے بھائی اور فرزندِ علم ہونے کی علامت تھی۔

ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات جلد ۲، قسم اول ص ۱۱۱ تذکرہ غزوہ بدر ذکر کیا ہے۔

یہ دارقطنی نے اس کی روایت کی ہے ملاحظہ ہو صواعق محرقہ باب ۱۱ ص ۱۱

کی تعظیم تھی۔ سر جھکانا تھا۔

سَدِ ابواب

میرا قلم کہاں سے کہاں نہک گیا۔ ذکر اس کا تھا کہ رسولؐ نے تمام صحابہ کے دروازے بند کرا دیے اور حضرت علیؑ کا دروازہ مسجد کی طرف کھلا چھوڑ دیا۔ صحابہ کے دروازے اس لیے بند کرا دیے کہ مسجد کے اندر بحالت جنب جانا جائز نہیں۔ لیکن جس طرح ہارون کے لیے بحالت جنب ہوتے ہوئے بھی مسجد سے ہو کر گزرنا جائز تھا اسی طرح حضرت علیؑ کے لیے بھی رسولؐ نے جائز و مباح قرار دیا۔ لہذا یہ بھی ثبوت ہے کہ دونوں حضرات بالکل ایک جیسے تھے اور ہر حیثیت اور ہر حیثیت سے ایک دوسرے کے نظیر تھے پوری پوری شاہیت تھی دونوں بزرگواروں میں۔ ابن عباس فرماتے ہیں:

”رسول اللہؐ نے مسجد کی طرف کھلتے ہوئے سب کے دروازے

بند کرا دیے صرف حضرت علیؑ کا دروازہ کھلا رکھا۔ حضرت

علیؑ حالت جنب میں بھی مسجد سے ہو کر گزرتے۔ کیونکہ

وہی ایک راہ تھی کوئی دوسرا راستہ تھا ہی نہیں۔“

عمر بن خطاب سے ایک حدیث صحیح مروی ہے جو مسلم و بخاری کے

مسما پر بھی صحیح ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”رسولؐ نے علیؑ کو تین چیزیں ایسی مرحمت فرمائیں کہ اگر ان

اے یہ بہت طولا فی حدیث ہے جس میں امیر المومنین کی دس خصوصیات مذکور ہیں پوری

حدیث برصغیر ۱۹۳ تا صفحہ ۱۹۹ بیان کی جا چکی ہے۔

میں سے ایک بھی مجھے ملی ہوتی تو سُرُخ اونٹوں کی قطار سے بڑھ کر ہوتی۔ ایک یہ کہ علیؑ کی زوجہ فاطمہؑ ایسی دختر رسولؐ ہوئیں دوسرے مسجد میں رسولؐ کے ساتھ ان کی سکونت اور رسولؐ کے لیے جو امور مسجد میں جائز تھے ان کے لیے بھی مباح ہونا۔
تیسرے جنگِ خیبر میں علم ملنا۔

ایک دن سعد بن مالک نے ایک حدیث صحیح بیان کی جس میں امیر المومنینؑ کی بعض خصوصیات کا ذکر تھا اسی میں فرماتے ہیں کہ:
"رسول اللہؐ نے اپنی مسجد سے جہاں اور سب کو ہٹایا وہاں اپنے چچا عباس کو بھی۔ اس پر عباس نے کہا: کہ ہمیں تو آپ ہٹا رہے ہیں اور علیؑ کو رہنے دیتے ہیں؟ رسولؐ نے فرمایا: کہ میں نے اپنی طرف سے نہ سب کو ہٹایا نہ علیؑ کو رکھا۔ بلکہ خدا نے ایسا کیا ہے۔"

زید بن ارقم کہتے ہیں:

"چند اصحاب کے دروازے مسجد کی طرف کھلتے تھے۔ رسولؐ

۱۔ مستدرک جلد ۳ ص ۱۲۵ نیز ابو یعلیٰ نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے ملاحظہ ہو
صواعق محرقة فصل ۲ باب ۹ ص ۶ تقریباً انہیں الفاظ ومعنی میں امام احمد بن حنبل نے
عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مستدرک ج ۲ ص ۲ حضرت عمرؓ اور عبداللہ
بن عمرؓ دونوں میں سے ہر ایک سے کئی اشخاص نے مختلف اسناد سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔
۲۔ مستدرک ج ۳ ص ۱۱۶ یہ حدیث صحاح سنن سے ہے اور متعدد وثقات و اعلام اہلسنت
نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔

نے حکم دیا کہ تم سب اپنے اپنے دروازے بند کر دو۔ صرف علیؑ کا دروازہ کھلا رہے۔ لوگوں نے اس پر چہ میگوئیاں شروع کیں تو رسولؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

بعد حمد و ثنائے الہی کے ارشاد ہوا کہ یہ دروازے بند کر دوں اور علیؑ کا دروازہ کھلا رہنے دوں۔ اس پر کچھ لوگوں کو اعتراض ہے حالانکہ قسم بخدا میں نے اپنی طرف سے لوگوں کے دروازے بند نہیں کیے اور نہ اپنی خواہش سے علیؑ کا دروازہ کھلا رکھا۔ مجھے حکم دیا گیا میں نے حکم کی پابندی کی ہے۔“

طبرانی نے معجم کبیر میں ابن عباس سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ”رسول اللہؐ اس دن کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنی طرف سے تم لوگوں کو مسجد سے نہیں ہٹایا۔ نہ اپنے جی سے علیؑ کو باقی رکھا۔ بلکہ خود خداوند عالم نے ایسا کیا ہے۔ میں تو بندہ ہوں اور حکم کا تابع، جو مجھے حکم دیا گیا وہ میں نے کیا۔ میں تو وحی ہی کی پابندی کرتا ہوں ہے۔“

رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ ”اے علیؑ! سو امیرے اور تمھارے کسی اور کے لیے جائز نہیں کہ حالت جنابت میں مسجد میں رہے۔“

۱۔ مسند احمد بن حنبل ج ۴ صفحہ ۳۶۹ و کنز العمال بر حاشیہ منہ جلد ۵ صفحہ ۲۹

۲۔ منتخب کنز العمال بر حاشیہ منہ جلد ۵ صفحہ ۲۹

۳۔ ترمذی نے اس حدیث کو اپنے صحیح میں روایت کیا اور ان سے متفق ہندی نے (باقی اگلے صفحہ پر)

سعد بن ابی وقاص، برادر بن عازب، ابن عباس، ابن عمر،
 حذیفہ بن اسید غفاری ان میں سے ہر ایک سے مروی ہے کہ:
 ”رسول اللہؐ مسجد میں آئے اور ارشاد فرمایا: کہ خدا نے مجھ پر
 وحی نازل فرمائی ہے کہ میں طاہر مسجد بناؤں جس میں صر
 میں اور میرے بھائی علیؑ رہیں۔“

اس مکتوب میں گنجائش ہی نہیں کہ ہم بکثرت ان صریحی و ثبات نفوس
 کو درج کریں جو اس باب میں ابن عباس، ابوسعید خدری، زید بن ارقم،
 قبیلہ خثعم سے ایک صحابی پیغمبر، اسماء بنت عمیس، ام سلمہ، حذیفہ
 بن اسید، سعد بن ابی وقاص، برادر بن عازب، علی بن ابی طالب، عمر،
 عبداللہ بن عمر، ابوذر، ابوالطفیل، بریدہ اسلمی ابی رافع غلام رسول
 اللہ، اور جابر بن عبداللہ ایسے کبار صحابہ میں سے ہر ہر بزرگ سے مروی
 ہیں۔

رسول اللہؐ کی مشہور دعاؤں میں یہ ہے آپؐ نے دعا فرمائی تھی:
 ”میرے محبوب! میرے بھائی موسیٰ نے تجھ سے سوال کیا تھا

(بقیہ حاشیہ ص ۷۷۷) کنز العمال، منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند جلد ۵ صفحہ ۲۹ پر نقل کیا
 ہے۔ بزاز نے اس حدیث کو سعد سے روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو صواعق محرقہ باب
 فضل ۲ صفحہ ۷۳

لے ان سب سے روایت کر کے محمد خطیب، فقیہ شافعی معروف بہ ابن منازلی نے اپنی
 کتاب مناقب میں مختلف واسطوں سے لکھا ہے اور علامہ بلخی نے ینایع المودة باب
 میں نقل کیا ہے۔

میرے سینہ کو کشادہ کر دے اور میرے معاملہ کو سہل بنا دے
 زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور
 میرے اہل سے ہارون میرے بھائی کو میرا وزیر بنا۔ ان کے
 ذریعہ میری مکر کو مضبوط کر اور انھیں میرا شریک کار بنا،
 تو تو نے اے معبود! ان پر وحی نازل فرمائی کہ عنقریب
 میں تمھارے بھائی ہارون کے ذریعہ تمھارے بازوؤں کو
 قوی کر دوں گا اور تم دونوں کے لیے غلبہ قرار دوں گا
 اے معبود! میں تیرا بندہ اور تیرا رسول محمد ہوں میرے
 سینہ کو کشادہ کر میرے معاملہ کو آسان بنا اور میرے اہل
 سے علیؑ میرے بھائی کو میرا وزیر قرار دے۔
 اسی جیسی ایک حدیث بزار نے روایت کی ہے۔

”رسول اللہؐ نے علیؑ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ارشاد
 فرمایا کہ: موسیٰ نے خدا سے سوال کیا تھا کہ ہارون کی مدد
 معیت میں مسجد کو پاک بنائیں اور میں نے اپنے پروردگار
 سے سوال کیا ہے کہ تمھاری مدد اور تمھاری معیت میں
 مسجد کو پاکیزہ کروں۔ پھر آپ نے ابو بکر کو کہلا بھیجا کہ
 اپنا دروازہ بند کر دو۔ اس پر انھوں نے ”انا للہ وانا الیہ“

لے امام ابواسحاق ثلبی نے بسلسلہ تفسیر آیہ انما ولیکم جناب ابوذر غفاری
 سے اپنی تفسیر کبیر میں روایت کی ہے اور صاحب ینایع المودۃ نے مسند احمد
 سے نقل کیا ہے۔

راجعون“ پڑھا اور کہا سمعاً وطاعة - پھر عمر کو حکم دیا۔ پھر عباس کو ایسا ہی حکم فرمایا۔ پھر ارشاد فرمایا: کہ میں نے اپنے جی سے تم لوگوں کے دروازے بند نہیں کرائے اور علی کا دروازہ کھلا نہیں چھوڑا بلکہ خدا نے ایسا کیا ہے۔“
حضرت علیؑ کے جناب ہارون سے تمام حالات اور جمیع منازل میں پورے پورے مشابہ ہونے کے لیے غالباً اتنی حدیثیں جو ذکر کی گئیں کافی ہوں گی۔

ش

مکتوب نمبر ۱۸

خدا آپ کا بھلا کرے آپ کی دلیلیں کتنی واضح اور روشن ہیں بڑا
کرم ہو گا بقیہ نصوص بھی تحریر شدہ مائیں۔

س

جوابِ مکتوب

ابوداؤد و طیالسی کی روایت کو لیجیے (جیسا کہ استیعاب میں سلسلہ
حالاتِ امیر المومنین مذکور ہے) ابن عباس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:
”رسول نے امیر المومنینؑ سے فرمایا: کہ تم میرے بعد ہر مومن کے ولی ہو“

اے ابوداؤد و دیگر اہل سنت نے اس حدیث کو ابو عوانہ و ضاح بن عبداللہ یحیری (باقی اگلے صفحہ پر)

اسی جیسی ایک صحیح حدیث عمران بن حصین سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ:

”رسول اللہؐ نے ایک لشکر روانہ کیا اور امیر المومنینؑ کو افسر مقرر کیا۔ مال جنس جو ہاتھ آیا اس سے ایک کنیز امیر المومنینؑ نے اپنے لیے علیحدہ کر لی۔ لوگوں کو یہ بات کھلی اور چار شخصوں نے باہم طے کیا کہ رسول اللہؐ کی خدمت میں شکایت کی جائے۔ جب رسولؐ کی خدمت میں وہ پہنچے تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا: یا رسول اللہؐ! آپ علیؑ کو نہیں دیکھتے؟ انھوں نے ایسا ایسا کیا رسولؐ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ تب دوسرا کھڑا ہوا اس نے بھی ایسے ہی کلمات کہے۔ اس سے بھی رسولؐ نے منہ پھیر لیا تب تیسرا کھڑا ہوا اس نے بھی اپنے دوسرا شخصوں کی طرح شکایت کی۔ اس سے بھی رسولؐ نے منہ پھیر لیا تب چوتھا کھڑا ہوا اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سے انھوں نے ابوبلج یحییٰ بن سلیم فزاری سے انھوں نے عمر بن میمون اودی سے انھوں نے ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے اس سلسلہ اسناد کے کل رجال حجت ہیں مسلم اور بخاری دونوں نے اپنے صحیح میں ان رجال میں سے ہر ایک کو حجت سمجھا ہے اور ان سے مروی حدیثیں درج کی ہیں سوا یحییٰ بن سلیم کے کہ ان کی روایت ان دونوں نے نہیں لکھی لیکن جرح و تعدیل کے مجتہدین نے یحییٰ بن سلیم کی وثاقت کی تصریح کر دی ہے۔ یہ خدا کا بہت زیادہ ذکر کرنے والے بزرگ تھے۔ علامہ ذہبی نے ان کے حالات لکھتے ہوئے میزان الاعتدال میں ابن سینن نسائی دارقطنی۔ محمد بن سعد ابی حاتم وغیرہ کا یحییٰ بن سلیم کو ثقہ سمجھنا نقل کیا ہے۔

اگلے ساتھیوں کی طرح اس نے بھی شکایت کی تو اس وقت رسول اللہ ان سب کی طرف متوجہ ہوئے اور چہرے سے آثارِ غضب نمایاں تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: تم علیؑ کے متعلق چاہتے کیا ہو؟ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کے ولی ہیں۔“

ایسی ہی ایک روایت ابوہریرہ سے مروی ہے جس کی اصل عبارت منداحمد بن حنبل ج ۵ صفحہ ۳۵۶ پر موجود ہے۔

”بریدہ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے دو رسالے یمن کی جانب روانہ کیے ایک پر حضرت علیؑ کو افسر بنایا دوسرے پر خالد بن ولید کو اور ارشاد فرمایا کہ جب تم دونوں مل جاؤ تو دونوں کے افسر علی ہی ہوں گے۔ اور جب تک الگ رہو تو ہر ایک اپنے

سے بہت سے اصحاب سننے اس روایت کو درج کیا ہے۔ امام نسائی نے خصائص علیہ میں احمد بن حنبل نے بسلسلہ حدیث عثمان صفحہ ۴۳۸ جلد رابع مسند میں امام حاکم نے مستدرک ج ۳ صفحہ ۱۱ پر علامہ ذہبی نے تلخیص مستدرک میں بشرائط مسلم اس کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے ابن ابی شیبہ نے اس کی روایت کی ہے۔ ابن جریر نے اس کی روایت کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ علامہ متقی نے ان دونوں سے نقل کر کے کنز العمال جلد ۶ شروع صفحہ ۵۰۰ پر لکھا ہے نیز ترمذی نے بھی اس حدیث کی قوی اسناد سے روایت کی ہے جیسا کہ علامہ عسقلانی نے اصابہ میں بسلسلہ حالات امیر المؤمنین ذکر کیا ہے اور ان سے علامہ معمر بن ابی الحدید حنظلہ نے شرح نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۵۰ پر نقل کیا ہے نیز لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں ایک جگہ نہیں متعدد مقامات پر تحریر کیا ہے۔

اپنے دستہ کا افسر رہے گا۔ بریدہ کہتے ہیں کہ: اہل یمن کے بنی زبیدہ سے ہماری مڈبھیڑ ہوئی اور گھمسان کارن پڑا۔ آخر مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ ہم نے جنگ آزماؤں کو موت کے گھاٹ اتارا اور ان کی عورتوں، بچوں کو قید کر لیا۔ حضرت علیؑ نے انہیں قیدیوں میں سے ایک عورت کو اپنے لیے الگ کر لیا۔ بریدہ کہتے ہیں: کہ خالد نے ایک نامہ میرے ہاتھوں رسولؐ کی خدمت میں بھیجا۔ جس میں واقعہ کی رسولؐ کو خبر دی تھی۔ میں نے خدمت میں پہنچ کر وہ نامہ پیش کیا۔ خط جب پڑھا گیا تو غیظ و غضب کے آثار رسولؐ کے چہرے پر نمایاں ہوئے میں نے عرض کی: میں معافی کا خواستگار ہوں آپ نے مجھے ایک شخص کے ہمراہ بھیجا اور مجھے اس کی اطاعت کا حکم دیا

سے رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ پر کبھی کسی کو افسر نہیں مقرر کیا بلکہ حضرت علیؑ ہی ہمیشہ افسر رہا کیے۔ اور ہر معرکہ میں علم شکر آپ ہی کے ہاتھوں میں رہا بر خلافت غیروں کے ابو بکر و عمر اسامہ کی ماتحتی میں رکھے گئے۔ اس پر تمام موزنین متفق ہیں۔ نیز یہ دونوں بزرگوار غزوہ ذات السلاسل میں عمرو عاص کے ماتحت بنائے گئے ان دونوں حضرات کا اس غزوہ میں اپنے افسر عمرو عاص کے ساتھ ایک ہتھیار قتیبہ بھی ہے جسے امام حاکم نے مستدرک ج ۳ صفحہ ۳۴ پر لکھا ہے اور علامہ ذہبی نے اس کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے تلخیص مستدرک میں درج کیا ہے لیکن حضرت علیؑ نہ تو کسی کی ماتحتی میں رہے نہ محکوم بنے۔ بجز سرور کائنات کے۔ رسول کی نبشت سے وفات تک۔

میں نے اس کی مسرمانبرداری کی۔ رسولؐ نے فرمایا: خبردار
 علیؑ کے متعلق کچھ کہنا سننا نہیں۔ علیؑ مجھ سے ہیں اور میں
 علیؑ سے ہوں اور علیؑ میرے بعد تم لوگوں کے ولی ہیں۔“

اے یہ تو وہ روایت ہے جسے امام احمد نے مسند جلد ۵ کے صفحہ ۳۵۶ پر بطریق عبداللہ بن
 بریدہ لکھا ہے۔ دوسری جگہ مسند ج ۵ صفحہ ۳۲۶ پر سعید بن جبیر سے روایت کی ہے انھوں
 نے ابن عباس سے انھوں نے ابن بریدہ سے بریدہ کہتے ہیں کہ میں حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ
 یمن میں شریک تھا۔ حضرت علیؑ درشتی سے پیش آتے تھے میں جب واپس پلٹا تو رسولؐ کی
 خدمت میں اس کا ذکر کیا اور حضرت کی تنقید کی۔ میں نے دیکھا کہ رسولؐ کا چہرہ متغیر
 ہو گیا۔ رسولؐ نے پوچھا: اے بریدہ کیا میں تمام مومنین کی جانوں کا مالک نہیں؟ بریدہ
 نے کہا۔ بے شک یا رسول اللہؐ۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں علیؑ بھی اس کے
 مولا ہیں۔ امام حاکم نے مستدرک ج ۳ صفحہ ۱۰ پر اس حدیث کو لکھا ہے۔ ان کے علاوہ
 اور بھی بہت سے محدثین نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ یہ حدیث جو درج کی گئی
 ہمارے مقصود پر بین دلیل ہیں کیونکہ رسولؐ کا جملہ الست اولی بالمؤمنین من
 انفسہم کو مقدم فرمانا قرینہ غالب ہے کہ اس حدیث میں مولیٰ سے مراد اولیٰ ہے جیسا
 کہ بظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے اسی جیسی ایک حدیث اور ہے جسے بہت سے محدثین
 نے بیان کیا ہے منجملہ ان کے امام احمد نے مسند ج ۳ صفحہ ۲۸۳ پر عمرو بن شاس اسلمی
 سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ یہ حدیث میں شریک ہونے والوں میں سے تھے۔
 عمرو بن شاس کہتے ہیں کہ میں حضرت علیؑ کے ساتھ یمن گیا۔ سفر میں حضرت علیؑ
 درشتی سے پیش آئے میں دل میں بہت برہم ہوا جب رسولؐ کی خدمت میں واپس آیا
 تو میں نے مسجد میں ان کی شکایت کی۔ رسولؐ کو بھی اس کی خبر ہوئی (باقی اگلے صفحہ پر)

اور امام نسائی نے حضانہ علویہ میں یہ عبارت لکھی ہے :
 "اے بریدہ! مجھے علیؑ کا دشمن بنانے کی کوشش نہ کرو کیونکہ
 علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں اور وہ میرے بعد تم لوگوں
 کے ولی ہیں"

اور ابن جریر کی عبارت یہ ہے :
 "بریدہ کہتے ہیں کہ دفعتاً رسولؐ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنحضرتؐ
 نے فرمایا: کہ میں جس کا ولی ہوں علیؑ اس کے ولی ہیں۔
 یہ سن کر میرے دل میں جو کچھ بُرے خیالات امیرالمومنین
 کی طرف سے قائم ہو گئے تھے دُور ہو گئے اور میں نے طے
 کر لیا کہ آج سے پھر برائی کے ساتھ یاد نہ کروں گا۔"
 طبرانی نے اس حدیث کو ذرا تفصیل سے درج کیا ہے ان کی روایت میں ہے:
 "بریدہ جب یمن سے واپس آئے اور مسجد میں پہنچے تو رسولؐ کے
 حجرے کے دروازے پر ایک جماعت لوگوں کی موجود تھی لوگ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دوسرے دن صبح کو جب میں مسجد میں آیا تو رسول اللہ ﷺ حلقہ اصحاب میں تشریف فرما تھے
 میں سامنے آیا تو مجھے کوئی نگاہ سے دیکھنے لگے جب میں بیٹھ گیا تو فرمایا: اے عمرو تم نے مجھے بڑی
 تکلیف پہنچائی۔ میں نے عرض کی کہ میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ آپ کی تکلیف کا باعث ہوں۔ آپ نے
 فرمایا: کہ ہاں تم میری ایذا رسانی کے باعث ہوئے۔ یاد رکھو جس نے علیؑ کو اذیت پہنچائی اس نے
 مجھے اذیت دی۔

لے جیسا کہ علامہ متقی ہندی نے کنز العمال ج ۶ صفحہ ۳۹۸ پر نقل کیا ہے۔ نیز منتخب کنز العمال
 میں بھی نقل کیا۔

انہیں دیکھ کر ان کی طرف بڑھے۔ سلام و مزاج پرسی کرنے اور یمن کے حالات دریافت کرنے لگے کہ کیا خبر ہے کے آئے بریدہ نے کہا: اچھی ہی خبر ہے۔ خدا نے مسلمانوں کو فتح بخشی، لوگوں نے پوچھا کہ آنا کیسے ہوا، میں نے کہا کہ مال جس سے علیؑ نے ایک کنیز لے لی ہے۔ میں اسی کی رسولؐ کو خبر کرنے آیا ہوں لوگوں نے کہا سناؤ سناؤ رسولؐ کو تاکہ علیؑ رسولؐ کی نظروں سے گریں۔ آنحضرتؐ دروازے کے عقب سے لوگوں کی یہ گفتگو سن رہے تھے۔ آپ غیظ و غضب کی حالت میں برآمد ہوئے اور ارشاد فرمایا: کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ علیؑ کی بُرائی کرتے ہیں۔ جس نے علیؑ کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا جو علیؑ سے جدا ہوا وہ مجھ سے جدا ہوا۔ علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں۔ میری طینت سے علیؑ کی خلقت ہوئی اور میں جناب ابراہیمؑ کی طینت سے خلق ہوا اور میں جناب ابراہیمؑ سے بہتر ہوں۔“

اے چو کہ حضرت سرور کائناتؐ نے فرمایا تھا کہ علیؑ میری طینت سے مخلوق ہوئے اور آنحضرتؐ یہی طور پر علیؑ سے افضل ہیں تو اب آنحضرتؐ کے اس جملے کے میں ابراہیمؑ کی طینت سے خلق ہوا یہ وہم پیدا ہوتا تھا کہ ابراہیمؑ حضرت سرور کائناتؐ سے افضل ہیں اور یہ قطعی طور پر مخالف واقع ہے۔ آنحضرتؐ تو تمام انبیاء و مرسلین کے خاتم اور سب سے افضل و اشرف ہیں اس لیے آپؐ نے اس وہم کو دور کرنے کے لیے یہ منہ مایا کہ میں ابراہیمؑ سے افضل ہوں۔

”اے بریدہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ علیؑ کا حصہ اس کینز سے بہت زیادہ ہے جو انھوں نے لی ہے۔ اور میرے بعد وہی تم لوگوں کے ولی ہیں۔“

یہ حدیث ایسی عظیم الشان حدیث ہے جس کے متعلق شک کیا ہی نہیں جاسکتا۔ بریدہ سے بکثرت طرق سے مروی ہے اور جمیع طرق معتبر و مستند ہیں۔ اسی جیسی ایک اور عظیم الشان حدیث حاکم نے ابن عباس سے روایت کی ہے۔ جس میں امیر المومنینؑ کے دس مختص فضائل ذکر کیے ہیں :

”ابن عباس کہتے ہیں کہ رسولؐ نے علی سے فرمایا۔ تم میرے بعد ہر مومن کے ولی ہو۔“

لے ابن حجر نے اس حدیث کو ”ابن ابی شیبہ“ سے صواعق محرقة باب ۱۱ میں نقل کیا ہے لیکن جیسا جملے پر پہنچے اما علمت ان لعلی اکثر من اجاریہ ”کیا تم نہیں جانتے کہ علیؑ کا حصہ اس کینز سے زیادہ ہے“ ان کا قلم رک گیا اور ان کے نفس نے گوارا نہ کیا کہ جملہ پورا لکھیں انھوں نے الخی الخدر الحدیث کاہر عبارت ختم کر دی ہے۔ ابن حجر عسقلانی متعصب اشخاص سے اس قسم کی باتیں تعجب خیز نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم لوگوں کو عصیت سے محفوظ رکھا۔

۲ امام حاکم نے مستدرک ج ۳ ص ۱۳۲ کے شروع میں اس حدیث کو لکھا ہے۔ نیز علامہ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں اس حدیث کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے درج کیا ہے۔ امام نسائی نے خصائص علویہ ص ۱ پر لکھا ہے اور امام احمد نے مسند ج ۱ ص ۲۳۱ پر تحریر کیا ہے ہم پوری حدیث ص ۱۹۳ ۳ ص ۱۹۹ پر درج کر چکے ہیں۔

اسی طرح ایک اور حدیث ہے جس میں رسول اللہ کا یہ قول مذکور ہے کہ:
 ”اے علیؑ میں نے تمہارے بارے میں خداوند عالم سے پانچ چیزوں
 کا سوال کیا۔ چار تو خدا نے مرحمت فرمائیں اور ایک نہیں عطا
 فرمائی۔ جو باتیں خدا نے مرحمت فرمائیں ان میں سے ایک یہ
 ہے کہ تم میرے بعد مومنین کے ولی ہو“

اسی طرح وہ حدیث ہے جو ابن سکین سے وہب بن حمزہ نے روایت کی
 ہے (ملاحظہ ہو اصابہ تذکرہ وہب) وہب کہتے ہیں :

”میں نے ایک مرتبہ حضرت علیؑ کے ساتھ سفر کیا۔ سفر کے ایام
 میں حضرت علیؑ کی طرف سے درستی و سختی دیکھی تو میں نے
 دل میں تہیہ کیا کہ جب مدینہ پلٹوں گا تو رسولؐ سے
 اس کی شکایت کروں گا۔ جب واپس ہوا تو میں نے
 رسولؐ سے علیؑ کی شکایت کی۔ رسولؐ نے فرمایا: ایسی
 باتیں علیؑ کے متعلق کبھی نہ کہنا کیونکہ وہی میرے بعد تم لوگوں
 کے ولی ہیں۔“

طبرانی نے بھی معجم کبیر میں وہب سے یہ روایت نقل کی ہے مگر اس
 میں یہ عبارت ہے کہ :

”یہ بات علیؑ کے لیے نہ کہو وہ میرے بعد تمام لوگوں سے
 زیادہ تم پر اختیار رکھتے ہیں۔“

۱۔ یہ حدیث کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۹۶ پر موجود ہے نمبر حدیث ۱۰۲۸

۲۔ کنز العمال ج ۶ صفحہ ۱۵۵ حدیث ۲۵۸۹

ابن ابی عاصم نے امیر المومنینؑ سے مرفوعاً روایت کی ہے :
”رسولؐ نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں لوگوں پر ان سے زیادہ
اختیار و اقتدار نہیں رکھتا؟ لوگوں نے کہا بے شک -
آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ : میں جس جس کا ولی ہوں ،
علیؑ اس کے ولی ہیں لیے

امیر المومنینؑ کی ولایت کے متعلق ائمہ طاہرینؑ سے متواتر صحیح
حدیثیں منقول ہیں۔ اتنا جو لکھا گیا ہے یہی امید ہے کافی ہو سب سے بڑی
بات تو یہ ہے کہ آیت انما ولیکم اللہ بھی ہمارے قول کی تائید
کرتی ہے۔

ش

jabir.abbas@yahoo.com

مکتوب نمبر ۱۹

لفظ ولی، مددگار، دوست، محب، داماد، پیرو، حلیف،
ہمسایہ اور ہر اس شخص پر بولا جاتا ہے جو کسی کے معاملات کا نگران و مختار کل
ہو۔ یہ اتنے معنوں میں مشترک ہے لہذا آپ نے جتنی حدیثیں ذکر فرمائی ہیں
غالباً ان تمام حدیثوں میں مراد یہ ہے کہ علیؑ میرے بعد تمھارے مددگار ہیں
یا دوست ہیں یا محب ہیں۔

لہذا ان احادیث سے اور اس لفظ ولی سے آپؑ کی خلافت کہاں ثابت ہوتی ہے؟

س

جوابِ مکتوب

آپؑ نے لفظ ولی کے جتنے معانی درج کیے ہیں ان میں ایک یہ بھی

آپ نے تحریر فرمایا کہ جو کسی کے معاملات کانگراں و مختار کُل ہو اسے بھی ولی کہتے ہیں تو ان تمام احادیث میں لفظ ولی سے یہی معنی مراد ہیں اور لفظ ولی کے سننے سے یہی معنی متبادر الی الذہن بھی ہوتے ہیں جیسا ہم لوگوں کے اس قول میں ”ولی القاصر ابوہ وجده لأبیہ، شروعی أحد ہما ثم الحاکم الشرعی“

”شخص قاصر کا ولی اس کا باپ ہے پھر اس کا دادا اور

ان دونوں کے نہ ہونے پر ان کا وصی اور سب کی

غیر موجودگی میں حاکم شرعی“

تو یہاں لفظ ولی سے مراد یہی ہے کہ شخص قاصر کے یہی لوگ کانگراں و مختار ہیں اس کے معاملات میں انہی کو تصرف کا اختیار ہے۔

مذکورہ بالا احادیث میں ایسے واضح قرائن بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ نے لفظ ولی بول کر کانگراں و مختار ہی مراد لیا ہے جیسا کہ صاحبان عقل و ادراک سے مخفی نہیں کیونکہ رسولؐ کا فرمانا کہ :

”یہ علیؑ میرے بعد تم لوگوں کے ولی ہیں“

بین ثبوت ہے کہ یہاں لفظ ولی سے مقصود بس یہی معنی ہیں کوئی دوسرا نہیں کیونکہ ”وہو ولیکم بعدی“ یہی علیؑ میرے بعد تمھارے ولی ہیں اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ میرے بعد علیؑ کے سوا تمھارا اور

کوئی ولی نہیں۔ لہذا قطعی طور پر ان احادیث میں ولی سے یہی معنی سمجھنے پڑیں گے کسی اور معنی کی گنجائش ہی نہیں نکل سکتی۔ اس لیے کہ نصرت، محبت، دوستی وغیرہ یہ کسی فرد خاص میں تو منحصر نہیں۔ تمام مومنین و مومنات ایک دوسرے کے دوست اور محب ہیں۔ ہم جو معنی

مراد لیتے ہیں یعنی نگران و مختار کل اگر یہ مقصود نہ ہو اور آپ کے کہنے کی بنا پر دوست یا محب مقصود ہے تو پھر آخر رسولؐ اس شد و مد سے حضرت علیؑ کو دلی بنا کر ان کو کون سا امتیازی درجہ دینا چاہتے تھے یا کون سی فضیلت علیؑ کو مل جاتی ہے اگر لفظ ولی سے مراد مددگار، دوست اور محب ہی کے مقصود ہیں تو ان احادیث کے ذریعہ حضرت علیؑ کی ولایت کا اعلان کر کے کس ڈھکی چھپی ہوئی بات کو رسولؐ نمایاں کرنا چاہتے تھے؟ رسولؐ کی شان کہیں اہل وارفہ ہے اس سے کہ بالکل بدیہی اور ظاہری چیز کے واضح کرنے کے لیے اتنا اہتمام فرمائیں۔ آنحضرتؐ کی حکمت بالغہ، انداز عصمت، شان خانیقیت ان جہل خیالات و اوہام سے کہیں بزرگ و برتر ہے علاوہ اس کے کہ ان احادیث میں تصریح ہے کہ علیؑ بعد رسولؐ لوگوں کے ولی ہیں، بعد رسولؐ کی قید کو دیکھتے ہوئے کوئی چارہ کار ہی نہیں سوا اس کے کہ ولی کے معنی وہی لیے جائیں جو ہم لیتے ہیں یعنی نگران و مختار کل۔ ورنہ رسولؐ کا یہ قید لگانا جہل ہو جانا ہے۔

کیا حضرت علیؑ رسولؐ کی زندگی میں مسلمانوں کے محب و مددگار نہ تھے؟ کیا آپؐ کو کسی لمحہ بھی مسلمانوں کی نصرت سے منہ موڑتے ہوئے دیکھا گیا۔ حضرت علیؑ توجیب سے آغوش رسالت میں پل کر اور کنار تربیت پیغمبرؐ میں پرورش پا کر نکلے اس وقت سے رسولؐ کی رحلت کے وقت تک مسلمانوں کے ناصر رہے۔ مسلمانوں کے دوست و محب رہے۔ لہذا یہ کہنا کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے کہ رسولؐ کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد علیؑ مسلمانوں کے ناصر و مددگار ہیں، دوست اور محب ہیں۔

ہم جو لفظ ولی سے معنی سمجھتے ہیں اسی کے واقتاً مقصود مراد ہونے

پر منجملہ اور قرآن کے ایک وہی حدیث کافی ہے جو امام احمد بن حنبل نے مسند جلد ۵ صفحہ ۴۴ پر بطریق صحیح روایت کی ہے۔ بریدہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ :

میں حضرت علیؑ کے ساتھ یمن کی جنگ میں شریک تھا حضرت علیؑ کچھ سختی سے پیش آتے تھے۔ میں جب رسولؐ کی خدمت میں پہنچا تو اس کا ذکر کیا اور حضرت علیؑ کی کچھ تنقید کی میں نے دیکھا کہ رسولؐ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے بریدہ الست اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم کیا میں مومنین سے بڑھ کر ان پر اختیار نہیں رکھتا۔ میں نے کہا بے شک یا رسول اللہ۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یاد رکھو : "جن جس کا میں مولیٰ ہوں علیؑ اس کے مولیٰ ہیں۔"

اس حدیث کو امام حاکم نے مستدرک ج ۲ صفحہ ۱۲۰ پر درج کیا ہے اور امام مسلم کے نزدیک جو شرائط صحت ہیں ان کے لحاظ سے صحیح قرار دیا ہے۔ نیز علامہ ذہبی نے بھی تلخیص میں اسے درج کیا ہے اور بشرائط مسلم اس کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔

رسولؐ کا جملہ الست اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم کو مقدم کرنا پہلے یہ اقرار لے لینا کہ کیا میں تم سے زیادہ اولیٰ نہیں ہوں تین دلیل ہے کہ لفظ ولی سے مقصود وہی معنی ہیں جو ہم سمجھتے ہیں کوئی دوسرا نہیں۔

ان احادیث پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو خود بخود مجتہد مطلب واضح ہو جائے گا اور ہمارے قول میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے گا

ش

مکتوب نمبر ۲۰

واقعی آپ بڑی قوت استدلال کے مالک ہیں۔ کوئی نبرد آزما آپ کے مقابلہ میں میدان بحث میں جم نہیں سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تمام امارتیں اسی مطلب پر دلالت کرتی ہیں جو آپ نے بیان کیا اگر صحابہ (کے مسلک) کو صحیح سمجھنے کی مجبوری نہ ہوتی تو میں آپ کے فیصلہ پر تسلیم خم کر دیتا لیکن مجبوری یہ ہے کہ ہم صحابہ کے مسلک سے انحراف نہیں کر سکتے اور نہ ان کے سمجھے ہوئے معنی و مطلب کے علاوہ کوئی دوسرا معنی سمجھ سکتے ہیں لہذا خواہ مخواہ حدیث کو اس کے ظاہری معنی سے پھیرنا ہی پڑے گا۔ ظاہری معنی چھوڑ کر کوئی معنی مراد لینا ہی ہو گا تا کہ سلف صالحین کا دامن ہاتھ سے جانے نہ پائے اور ان کے جادہ سے اپنے قدم نہ ٹھیں۔ آپ نے سابق مکتوب میں جس آیت محکمہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کہ یہ بھی ہمارے قول کی موید ہے۔ آپ نے اس کی تصریح نہیں فرمائی براہ کرم لکھیے کہ وہ کون سی آیت ہے۔

میں

جوابِ مکتوب

وہ آیہ محکمہ کلام مجید کے سورہ مائدہ کی یہ آیت ہے :

”انما دلیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین
 یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وهم راکعون
 ومن یتولّٰ اللہ ورسولہ والذین آمنوا فین حزب
 اللہ هم الغالبون“

”بے شک تمہارا ولی خدا ہے اس کا رسول ہے اور وہ لوگ
 جو ایمان لائے اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں
 درآنحالیکہ وہ رکوع میں ہوتے ہیں۔ جو شخص خدا اور اس
 کے رسول اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اپنا ولی سمجھے گا
 تو یہ سمجھ رکھو کہ خدا کی جمیعت ہی غالب رہنے والی ہے۔“

اس آیت کے امیر المومنینؑ کی شان میں نازل ہونے کے متعلق ائمہ
 طاہرینؑ سے منواتر صحیح احادیث موجود ہیں۔ ائمہ طاہرینؑ سے قطع نظر دیگر
 طریقوں سے حقیقی روایتیں اس آیت کے سلسلہ میں پائی جاتی ہیں اور جو شان
 نزول آیت کے متعلق نص صریح ہیں ان میں ایک ابن اسلام ہی کی حدیث
 کو لے لیمے جو رسولؐ سے مرفوعاً مروی ہے ملاحظہ ہو صحیح نسائی یا کتاب الجمع
 بین الصحاح ستہ بسلسلہ تفسیر سورہ مائدہ اسی جیسی ایک حدیث ابن عباس
 سے مروی ہے اور ایک حدیث امیر المومنین سے۔ ابن عباس کی حدیث
 امام واحدی کی کتاب اسباب النزول میں بسلسلہ تفسیر آیت انہما موجود ہے

جسے کتاب متفق میں علامہ خطیب نے بھی درج کیا ہے۔ امیر المومنینؑ کی حدیث بسند ابن مردویہ اور سند ابوالشیخ میں موجود ہے کثر العمال جلد ۵ صفحہ ۴۰۵ پر بھی آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

علاوہ اس کے اس آیت کا امیر المومنینؑ کی شان میں نازل ہونا ایسا مسلم ہے جس سے انکاری نہیں کیا جاسکتا۔ تمام مفسرین اجماع کیے بیٹھے ہیں اور مفسرین کے اس اجماع کو سینکڑوں علمائے اعلام اہلسنت نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے منجملہ ان کے علامہ توشیحی نے بھی شرح تجرید کے بحث امامت میں اس اجماع کا ذکر کیا ہے۔

غایۃ المرام باب ۱۸ میں ۲۴ حدیثیں بطریق جمہور مذکور ہیں جو شان نزول کے متعلق ہماری موید ہیں۔ ایک تو اختصار ماحوظ ہے دوسرے یہ مسئلہ آفتاب سے بھی زیادہ واضح ہے ورنہ ہم وہ تمام صحیح احادیث اکٹھا کر دیتے جو اس آیت کے حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہونے کے متعلق مروی ہیں لیکن یہ تو وہ ناقابل انکار حقیقت ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔

پھر بھی ہم اس مکتوب کو جمہور کی حدیث سے خالی نہیں رکھنا چاہتے۔ صرف ایک امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم نیشاپوری ثعلبی کی تفسیر کا حوالہ دے دیتے ہیں۔

امام مذکور اپنی تفسیر میں اس آیت پر پہنچ کر بسلسلہ اسناد جناب ابوذر کی ایک حدیث درج فرماتے ہیں۔ جناب ابوذر فرماتے ہیں کہ:

"میں نے خود اپنے کانوں سے رسول اللہ کو کہتے سنا (اگر میں

غلط کہتا ہوں تو میرے دونوں کان بہرے ہو جائیں) اور میں

نے اپنی ان آنکھوں سے رسول کو دیکھا (ورنہ میری دونوں آنکھیں

کور ہو جائیں) رسولؐ فرماتے تھے کہ علیؑ نیکو کاروں کے قائد کا فرد
 کے قاتل ہیں۔ جو علیؑ کی مدد کرے گا وہ نصرت یافتہ ہوگا اور
 جو علیؑ کا ساتھ نہ دے گا اس کی مدد نہ کی جائے گی۔ میں نے
 ایک دن رسولؐ کے ساتھ نماز پڑھی ایک سائل نے مسجد میں
 آکر سوال کیا کسی نے کچھ نہ دیا۔ حضرت علیؑ حالت رکوع میں
 تھے۔ آپؑ نے اپنی انگلی کی طرف اشارہ کیا جس میں انگوٹھی
 پہنے ہوئے تھے۔ سائل بڑھا اور اس نے انگوٹھی اتار لی۔ اس
 پر رسول اللہؐ نے خدا کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعا مانگی۔ عرض کیا
 میرے معبود! میرے بھائی موسیٰ نے تجھ سے سوال کیا تھا
 (کہا تھا کہ اے میرے معبود! میرے سینہ کو کشادہ فرما میرے
 معاملہ کو سہل بنا، میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری
 بات سمجھ سکیں اور میرے اہل سے میرے بھائی ہارون کو
 میرا وزیر بنا۔ ان کے ذریعہ میری کمر مضبوط کر۔ اے میرا شریک
 قرار دے تاکہ ہم دونوں زیادہ تیری تسبیح کریں اور محبت زیادہ
 ذکر کریں تو ہماری حالت کو بخوبی دیکھنے والا ہے تو خداوند اوتنے
 ان پر وحی نازل فرمائی کہ تمہاری تمنائیں پوری کی گئیں) اے
 میرے معبود! میں تیرا بیٹا ہوں میرے سینہ کو بھی کشادہ فرما
 میرے معاملہ کو سہل کر اور میرے اہل سے علیؑ کو میرا وزیر بنا اس
 کے ذریعہ میری کمر مضبوط کر۔۔۔ جناب ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ
 خدا کی قسم رسولؐ کا کلام پورا بھی نہ ہوئے یا ایتھا کہ جبریلؑ من
 اس آیت انما کوئے کر نازل ہوئے جزایں نیست کہ تمہارا

حاکم و مختار خدا ہے اور اس کا رسولؐ اور وہ لوگ جو ایمان لائے جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں جو شخص خدا اور رسولؐ اور ایمان لانے والوں سے وابستہ ہوگا تو کوئی شبہ نہیں کہ خدا کی جمعیت ہی غلبہ پانے والی ہے۔“

آپؐ سے مخفی نہیں کہ اس جگہ ولی سے مراد ولی بالتصرف ہی ہے جیسے ہم لوگوں کے اس قول میں کہ فلاں ولی القاصر ہے، ولی سے مقصود اولیٰ بالتصرف ہے۔ اہل فقہ نے تصریح کر دی ہے کہ ہر وہ شخص جو کسی کے معاملات میں متصرف و مختار ہو وہ اس کا ولی ہے لہذا اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو مختارے امور کے مالک و مختار ہیں اور تم سے زیادہ مختارے امور میں تصرف کا حق رکھتے ہیں وہ خداوند عالم ہے اور اس کا رسولؐ اور علیؑ کیونکہ حضرت علیؑ ہی کی ذات بس ایک ایسی ذات ہے جس میں آیت کے مذکورہ بالا صفات مجتمع تھے۔ ایمان، نماز کو قائم کرنا اور سبالت رکوع زکوٰۃ دینا اور آپؐ ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

خداوند عالم نے اس آیت میں اپنے لیے، اپنے رسولؐ کے لیے اپنے ولی کے لیے ایک ہی ساتھ ولایت ثابت کی ہے ایک ہی ذیل میں جس طرح خود ولی ہے اسی طرح بغیر کسی فرق کے اپنے رسولؐ اور اپنے ولی کو بھی لوگوں کا ولی فرمایا۔ یہ ظاہر ہے کہ خداوند عالم کی ولایت عام ہے لہذا بنیؑ اور ولی کی ولایت جیسی عام ہونا چاہیے، وہ جن معنوں میں ولی ہے اور جس حیثیت کی ولایت اسے حاصل ہے ٹھیک انہیں معنوں میں اور اسی حیثیت سے امیر المومنینؑ کو بھی ولایت حاصل ہونی چاہیے۔ اور یہاں تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ولی سے نصیر یا محب وغیرہ مراد

لیا جائے ورنہ حصر کی کوئی وجہ باقی نہ رہے گی۔ جب ولی کے معنی مددگار یا دوست ہی کے لیے جائیں تو پھر اس کا انحصار صرف تین فردوں میں کیونکر صحیح ہوگا۔ کیا بس خدا اور رسولؐ اور علیؑ ہی مومنین کے دوست ہیں اور مددگار ہیں۔ دوسرا کوئی نہیں؟ حالانکہ خود خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ: مومنین ایک دوسرے کے اولیاء ہیں، دوست ہیں، مددگار ہیں میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ دنیا میں جتنی بدیہی چیزیں ہیں انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے یعنی ایہ مبارکہ میں ولی سے مراد اولیٰ بالتصرف ہونا نہ کہ محب دوست نصیر وغیرہ۔

نتی

jabir.abbas@yahoo.com

مکتوب نمبر ۲۱

آپ کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ لفظ 'الذین آمنوا' صحیح ہے اور امیر المومنینؑ شخص واحد ہیں لہذا جمع کا اطلاق مفرد پر کیونکر صحیح ہے ؟

س

جواب مکتوب

اہل عرب عموماً جمع بول کر معنہ درمرا دیا کرتے ہیں اس سے ایک خاص نکتہ ملحوظ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایسا کرتے ہیں :
اس کے ثبوت میں سورہ آل عمران کی یہ آیت پڑھیے :
”الَّذِينَ قَاتَلُوا النَّاسَ الَّذِينَ قَاتَلُوا النَّاسَ فَتَدْبِعُوا

لکم فاخشوہم فزادہم ایماناً و قالوا

حسبنا اللہ و نعم الوکیل “

”وہ لوگ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے

خلافت ایک کر لیا ہے، تم ڈرو ان سے مگر ان کے ایمان

میں اور اضافہ ہی ہوا، انھوں نے کہا کہ خدا ہمارے

لیے کافی ہے اور وہی بہترین وکیل ہے۔“

آیت میں ہے کہ لوگوں نے کہا۔ ناس کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حالانکہ

تمام مفسرین و محدثین و اہل اخبار کا اجماع ہے کہ کہنے والا فقط ایک تھا

نعیم بن مسعود اشجعی۔ خداوند عالم نے صرف ایک نعیم بن مسعود پر جو مفرد

ہے لفظ ناس کا اطلاق کیا ہے جو جماعت کے لیے بولا جاتا ہے۔ ایسا

کیوں کیا گیا۔ ان لوگوں کی عظمت و جلالت ظاہر کرنے کے لیے جنھوں نے

نعیم بن مسعود کی باتوں پر توجہ نہ کی اور اس کے ڈرانے سے ڈرے نہیں۔

واقعہ یہ تھا کہ ابوسفیان نے نعیم بن مسعود کو دس اونٹ اس شرط پر

دیے کہ مسلمانوں کو خوفزدہ کرے اور مشرکین سے خوف دلانے اور

اس نے ایسا ہی کیا تو نعیم نے اس دن جو باتیں کہی تھیں انھیں میں سے

یہ جملہ بھی تھا۔ لوگوں نے بھٹکائے خلافت ایک کر لیا ہے۔ تم ڈرو ان

سے، اس کے ڈرانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر مسلمان جنگ میں جانے سے

گھبرا گئے لیکن پیغمبرؐ، سواروں کو لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ اور صبح و

سالم واپس آئے۔ اس موقع پر یہ آیت ان ستر مسلمانوں کی مدح میں

نازل ہوئی جو رسولؐ کے ہمراہ گئے اور ڈرانے والے کے کہنے سے ڈرے نہیں

خداوند عالم نے یہاں مفرد (یعنی نعیم بن مسعود) پر ناس کا لفظ جو بولا

تو عجیب پاکیزہ نکتہ ہے اس میں۔ کیونکہ ان ستر کی تعریف جو رسولؐ کے ہمراہ گئے یہ کہہ کر کرنا کہ وہ لوگوں کے کہنے اور ڈرانے سے نہیں ڈرے کہیں بلغ تر ہے بر نسبت اس کے کہ اگر یہ کہا جاتا کہ وہ ایک شخص کے ڈرانے سے نہیں ڈرے (کیونکہ ایک شخص کا خوف دلانا اتنا خوف کا باعث نہیں ہوتا جتنا ایک جماعت کا ڈرانا خوف کا باعث ہوتا ہے)

اس جیسی بہت سی مثالیں آپ کو کلام مجید، احادیث پیغمبرؐ اور کلام عرب میں ملیں گی۔ کلام مجید ہی میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
إِذْ هُمْ قَوْمٌ اٰن يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ
أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ“

”اے لوگو! جو ایمان لائے خدا کے اس نعمت و احسان کو یاد کرو جب ایک قوم نے ارادہ کیا کہ تمہاری طرف بُرائی کا ہاتھ بڑھائے تو خداوند عالم نے اس کے ہاتھ کو تم سے روک دیا۔“

اس آیت میں قوم کا لفظ وارد ہوا ہے قوم نے بُرائی کا ہاتھ بڑھایا حالانکہ ہاتھ بڑھانے والا صرف ایک شخص تھا۔ قبیلہ محارب سے جس کا نام غورث تھا۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ بنی نضیر کا ایک شخص عمرو بن جماش تھا جس نے کسی قضیہ میں جس کا مفسر بن و محدثین و اہل اخبار نے بھی ذکر کیا ہے تلوار کھینچ لی تھی اور چاہتا تھا کہ رسولؐ کو قتل کر ڈالے، مگر خدا نے آپ کی حفاظت کی۔ ابن ہشام نے اپنی سیرۃ کی جلد ۲ میں اسے غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر لکھا ہے تو خداوند عالم نے اس

ایک ایسے شخص کے لیے جو مفر ہے لفظ قوم استعمال کیا جو جماعت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سے مقصود رسولؐ کی سلامتی میں جو نعمت الہی تھی اس کی عظمت و جلالت جتنا تھا۔

اس طرح یہ آئیہ مباہلہ میں خداوند عالم نے لفظ ابنار، نثار اور انفس کے الفاظ جو حقیقتاً عموم کے لیے ہیں حنین و فاطمہ و حضرت علی علیہم السلام کے لیے خاص کر استعمال کیے ہیں۔ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ الفاظ صرف انہی حضرات کے لیے استعمال ہوئے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ان کی عظمت شان و جلالت قدر کا اظہار مقصود تھا اور بھی بہت سے نظائر ہیں بے شمار و بے حساب۔ یہ چند مثالیں بطور دلیل نقل کر دی گئیں کہ جمع کا لفظ مفر پر بھی بول سکتے ہیں، جبکہ کوئی خاص غرض کوئی مخصوص نکتہ پیش نظر ہو۔

علامہ زمخشری کا نکتہ

علامہ طبری تفسیر مجمع البیان میں اس آیت کی تفسیر لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں امیر المؤمنینؑ کے لیے جمع کا لفظ استعمال کرنے میں قدرت کو نکتہ یہ ملحوظ تھا کہ آپؐ کی بزرگی ظاہر کرے عظمت و جلالت بیان کرے۔ اہل لغت بطور تعظیم جمع بول کر واحد مراد دیا کرتے ہیں اور یہ ان کی بہت مشہور عادت ہے۔ اس پر کسی دلیل کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔

علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں ایک دوسرا نکتہ ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں :

”اگر تم یہ کہو اس آیت کا حضرت علی کی شان میں نازل ہوا کیسے صحیح ہے حالانکہ لفظ جمع استعمال ہوا ہے تو میں کہوں گا کہ گو یہ آیت شخص واحد ہی کے متعلق ہے مگر لفظ جمع اس لیے لایا گیا تاکہ دوسروں کو بھی ان کے جیسا کرنے کی رغبت پیدا ہو۔ وہ بھی ایسی جزا پائیں جیسی علی کو ملی۔ ایک تو وجہ یہ تھی، دوسری وجہ یہ تھی کہ خداوند عالم مقصد کرنا چاہتا تھا کہ دیکھو مومنین کی خصلت ایسی ہونی چاہیے نیکی و احسان کرنے اور نادار و صاحبان احتیاج کی تلاش و جستجو میں اس درجہ آرزو مند ہونا چاہیے کہ اگر وہ نماز کی حالت میں بھی ہوں تو اسے نماز سے فراغت پر نہ اٹھا سکیں۔ بلکہ نماز ہی کی حالت میں بجا لائیں!“

ایک اور لطیف نکتہ

میرے ذہن میں ایک بہت ہی لطیف و باریک نکتہ آیا وہ یہ کہ خداوند عالم نے مفرد لفظ چھوڑ کے جمع کا لفظ جو استعمال فرمایا تو اکثر لوگوں پر اس کا بڑا فضل و کرم ہوا بڑی عنایت ہوئی خداوند عالم کی کیونکہ دشمنان علیؑ اور اعداء بنی ہاشم اور تمام منافقین اور حسد و کینہ رکھنے والے اس آیت کو بصیغہ مفرد منابر داشت کیسے کرتے وہ تو اس طع میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے کہ ممکن ہے کہ کسی دن نصیباً یاوری کرے اور رسول کی آنکھ بند ہونے کے بعد ہم حاکم بن جائیں جب ان کو یہ پتہ چل جائے کہ خداوند عالم نے حکومت بس تین ہی ذاتوں میں منحصر کر دی، خدا و رسولؐ اور علیؑ ہی بس

حاکم ہیں۔ تو وہ مایوس ہو کر نہ معلوم کیا کیا آفتیں برپا کرتے اور اسلام کو کن کن خطرات کا سامنا کرنا پڑتا۔ ان کے فتنہ و فساد ہی کے خوف سے آیت میں باوجود علیؑ کے شخص واحد ہونے کے جمع کا لفظ استعمال کیا گیا۔ پھر بعد میں رفتہ رفتہ مختلف پیرایہ میں متعدد مقامات پر تصریح ہوتی رہی اور ولایت امیر المومنینؑ بہت سے دلوں پر شاق تھی اس لیے فوراً ہی کھلم کھلا اعلان نہیں کر دیا گیا۔

اگر اس آیت میں مخصوص عبارت لا کر مفرد کا استعمال کر کے آپ کی ولایت کا اعلان کر دیا جاتا تو لوگ کانوں میں انگلیاں دے لیتے اور سرکشی پر اڑ جاتے۔ یہی اندازِ حکیمانہ قرآن مجید کی ان تمام آیات میں جاری و ساری ہے جو اہل بیتؑ کی شان میں نازل ہوئیں۔ ہم نے اپنی کتاب سبیل المومنین میں اس کی باقاعدہ توضیح کی ہے۔ محکم اوتہ وبراہین ذکر کیے ہیں۔

ش

مکتوب نمبر ۲۲

یہاں آیت دلالت کرتی ہے کہ ولی سے

دوست یا اسی جیسے معنی مراد ہیں

خدا آپ کا بھلا کرے۔ آپ نے میرے شکوک دور کر دیے۔
شبہات کے بادل چھٹ گئے۔ حقیقت نکھر گئی۔ البتہ ایک کھٹک
رہی جاتی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت اس موقع کی ہے جہاں
خداوند عالم نے کافرین کو دوست بنانے سے منع کیا ہے جیسا کہ قبل
بعد کی آیات سے پتہ چلتا ہے۔ لہذا سلسلہ آیت قریشہ ہے کہ اس
جگہ ولی سے مراد دوست یا محب یا مددگار کے ہیں۔ اس کا آپ کیا
جواب دیں گے؟

س

جوابِ مکتوب

سیاقِ آیت سے اس قسم کے معنی نہیں نکلتے

اس کا جواب یہ ہے کہ مطالعہ سے آسانی سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ آیت اپنے ماقبل کی ان آیتوں سے جن میں کفار کو دوست بنانے سے نہی کی گئی ہے کوئی تعلق نہیں رکھتی اس سلسلہ سے اسے کوئی واسطہ نہیں بلکہ یہ امیر المؤمنینؑ کی مدح و ثنا میں نازل ہوئی ہے کیونکہ اس میں مرتدین کو آپؐ کی شجاعت سے خون دلایا گیا ہے۔ آپؐ کے سطوت و غلبہ کی دھمکی دی گئی ہے اور منجملہ ان آیات کے ہے جن میں امیر المؤمنینؑ کے سزاوارا مامت و خلافت ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس لیے کہ اس آیت کے پہلے بالکل ہی متصل جو آیت ہے یعنی :

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ اللَّهُ وَاسْمَعِ عَلِيمٌ“

”اے ایمان والو جو شخص بھی تم میں سے اپنے دین سے پھرا (وہ یاد رکھے) کہ جلد ہی خدا ایک ایسی قوم کو لائے گا جسے خدا بھی محبوب رکھتا ہے اور وہ لوگ بھی خدا کو محبوب رکھتے ہیں

مومنین کے آگے منکسر مزاج و خاکسار ہیں۔ کافروں کے مقابلہ میں قوت و طاقت والے ہیں۔ خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں کرتے یہ خدا کا فضل و کرم ہے وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور خدا بہت وسیع عالم رکھنے والا ہے۔“

یہ آیت خاص کر امیر المومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی جس میں آپ اور آپ کے اصحاب کی ہیبت و شجاعت سے خوف دلایا گیا ہے جیسا کہ خود امیر المومنینؑ نے جنگ جمل میں اس کی صراحت کی ہے نیز امام محمد باقرؑ و جعفر صادقؑ نے بھی تفسیر فرمائی ہے۔ ثعلبی نے بھی اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور صاحب مجمع البیان نے جناب عمار، حذیفہ، ابن عباس ان تمام بزرگوں سے مروی روایات ذکر کی ہیں۔

مختصر یہ کہ ہم شیعوں کے یہاں اس آیت کا امیر المومنینؑ کی شان میں نازل ہونا اجماعی سلسلہ ہے اور ائمہ طاہرینؑ سے بکثرت صحیح اور حدیث نواز تک پہنچی ہوئی روایات بھی مروی ہیں لہذا اس بنا پر یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ پہلی آیت سے خداوند عالم نے پہلے ولایت امیر المومنینؑ کا اشارہ ذکر فرمایا۔ آپ کی امامت کا محمل نقول میں ذکر کیا اور اس کے بعد آیت انما نازل فرما کر سابقہ اجمال کی تفصیل فرمادی۔ اس اشارہ کو واضح کر دیا۔ لہذا یہ کہنا کیونکر صحیح ہے کہ یہ آیت انما ان آیتوں کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے جن میں کفار کو دوست بنانے کی نہی کی گئی ہے۔

سیاقِ آیتِ ادلہ کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا

علاوہ اس کے سرور کائنات نے اپنے اہل بیتؑ کو بمنزلہ قرآن قرار دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ:
"دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے"

لہذا اہل بیتؑ ہم پر کتاب الہی ہیں اور انہیں سے حقیقت و واقعیت کا پتہ چل سکتا ہے۔ کلام مجید اور اس کی آیتوں کے متعلق ان کے اقوال جتنے معتبر ہوں گے کسی اور کے نہیں۔ حضرات اہل بیتؑ نے برابر اسی آیت سے اپنی حقیقت پر استدلال کیا۔ اسی کو بطور حجت پیش کیا۔ انہوں نے دلی کی وہی تفسیر فرمائی ہے جو ہم نے بیان کیا لہذا ان حضرات کے اقوال کے سامنے سیاق کو کوئی وزن نہیں دیا جاسکتا۔ اور اگر سیاق کلام کو ہم تسلیم بھی کر لیں کہ وہ ان کی نصوص و تصریحات کے معارض ہے تو ایک تو نص کے مقابلہ میں ظاہر کا وزن ہی کیا دوسرے یہ کہ تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ سیاق کے مقابلہ میں ادلہ کو ترجیح حاصل ہے۔ دلیلوں کے مقابلے میں سیاق کی کوئی حقیقت نہیں اسی وجہ سے اگر کسی موقع پر سیاق اور دلیل کے درمیان تعارض پیدا ہو جاتا ہے تو سیاق کے مدلول پر عمل نہیں کیا جاتا بلکہ اسے چھوڑ کر دلیل کے حکم کی پابندی کی جاتی ہے اور اس کا راز یہ ہے کہ جس موقع پر سیاق اہمیت اور دلیل میں تعارض پیدا ہوتا ہے تو اس اہمیت کے اسی سیاق اور اسی سلسلہ کلام میں نازل ہونے کا وثوق نہیں ہوتا۔ یقینی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ آیت اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ کیونکہ اس سے کسی کو بھی انکار

نہیں ہے کہ کلام مجید جمع کرتے وقت آیتوں کی وہی ترتیب نہیں رکھی گئی جس ترتیب سے وہ نازل ہوئیں۔ کلام مجید کا مطالعہ کیجیے۔ آپ کو بہت سی آیتیں ملیں گی جو نظم آیات سے کوئی رابطہ نہیں رکھتیں۔ ان آیات میں کچھ بیان کیا گیا ہے اور اس کی ماقبل کی آیات کا سلسلہ بیان کچھ اور ہے جیسے آیہ تطہیر ہی کو لیجیے جس کا پنجتن پاک کی شان میں نازل ہونا ثابت و مسلم ہے مخصوص ہے بس انھیں حسہٗ نجار سے لیکن ذیل میں واقع ہوئی ہے تذکرہ ازواج پیغمبر کے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اس آیہ انسما سے ایسے معنی کا مراد و مقصود ہونا جو مفہوم سیاق کے مغائر ہے اس سے نہ تو کلام مجید کی شان اعجاز پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ اس کی بلاغت میں کوئی کمی پیدا ہوتی ہے چونکہ قطعی دلیلین موجود ہیں جو بتاتی ہیں کہ یہ انسما ولیکم اللہ سے مراد اولیٰ بالتصرف ہی ہے نہ کہ غیر۔ لہذا کوئی چارہ کار ہی نہیں سوائے اس کے کہ اس آیت کو سیاق کے مخالف مفہوم پر حمل کیا جائے اور ولی سے مراد اولیٰ بالتصرف لیا جائے نہ کہ دوست یا محب۔

منش

مکتوب نمبر ۲۳

مراد آیت میں تاویل ضروری ہے
تاکہ سلف پر آپؐ نہ آئے

اگر درمیان میں خلفائے راشدین کی خلافت نہ ہوتی جس کے صحیح ہونے پر ہم لوگ ایمان لائے بیٹھے ہیں تو ہماری بھی وہی رائے ہوتی جو آپؐ کی رائے ہے اور آیت کے معنی وہی سمجھتے جو آپؐ سمجھتے ہیں۔ لیکن ان بزرگواروں کی خلافت میں شک و شبہ کرنے کی گنجائش ہی نہیں لہذا بچنے کی صرف یہی صورت ہے کہ اس آیت کی ہم تاویل کر دیں۔ تاکہ ہم ان خلفاء کو بھی صحیح و درست سمجھیں اور ان لوگوں کو بھی جنہوں نے بیعت کر کے ان کو خلیفہ تسلیم کیا۔

س

جوابِ مکتوب

سلف کا احترام مستلزم نہیں کہ آیت کے معنی میں
تاویل کی جائے۔ تاویل ہو بھی کیا سکتی ہے

خلافت خلفائے راشدین ہی کے متعلق تو بحث ہے۔ اسی پر تو گفتگو ہو رہی ہے۔ لہذا اودلہ کے مقابلہ میں ان کی خلافت کو لانا کتنی مضحکہ خیز بات ہے۔

دوسرے یہ کہ ان خلفاء کو اور ان کی بیعت کرنے والوں کو صحت و درستی پر سمجھنے کے لیے یہ کب ضروری ہے کہ آپ اودلہ میں تاویل کرنے لگیں آپ ان کو معذور سمجھ سکتے ہیں۔ اگر ضرورت ہوئی تو ہم آئندہ اس پر روشنی ڈالیں گے۔

ہم نے جن نصوص کا ذکر کیا ہے یا دیگر نصوص جن کے ذکر کی کوئی نوبت نہیں آئی ہے جیسے نص غدیر یا نصوص وصیت۔ آپ ان کی تاویل کر بھی کیا سکتے ہیں؟ خصوصاً ان نصوص کو جب بے شمار ایسی احادیث بھی مؤید ہوں جو بجائے خود نصوص صریحہ سے کم وزن نہیں رکھتیں۔

نصوص صریحہ کو الگ رکھیے صرف انہیں احادیث پر اگر انصاف سے کام لیتے ہوئے غور کیجیے تو صرف انہیں احادیث ہی کو آپ قطعی دلیلیں اور متین ثبوت پائیں گے۔ جنہیں سوا تسلیم کرنے کے کوئی چارہ کار نظر نہ آئے گا آپ کو۔

ش

مکتوب نمبر ۲۲

آپ نے جن احادیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وہ بھی نصوص کی
موید ہیں آپ نے ان کی تفصیل نہیں فرمائی۔ براہ کرم اس کی بھی تشریح فرمائیں
س

جواب مکتوب

ان نصوص کی موید صرف چالیس حدیثیں ہم اس مقام پر ذکر
کرتے ہیں امید ہے کہ یہی آپ کے لیے کافی ہوں گی۔
① — سرور کائناتؐ نے حضرت علیؑ کی گردن پر ہاتھ رکھ کر
ارشاد فرمایا :

”هَذَا إِمَامُ الْبِرَّةِ، قَاتِلُ الْفَجْرَةِ“

منصور من نصر ، مخذول من
خذله

یہ علیؑ نیکو کاروں کے امام اور فاجروں کو
قتل کرنے والے ہیں جس نے ان کی مدد کی وہ
کامیاب ہوا اور جس نے ان کی مدد سے منہ
موڑا اس کی بھی مدد نہ کی جائے گی۔
یہ کہتے کہتے آپ کی آواز بلند ہو گئی۔

امام حاکم اس حدیث کو مستدرک ج ۲ صفحہ ۱۲۹ پر
جناب جابر سے مروی احادیث کے ذیل میں درج کرنے
کے بعد لکھتے ہیں :
"یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن بخاری و مسلم نے درج
نہیں کیا"

آنحضرتؐ نے فرمایا : — (۲)

"أوحى إلى نبي علي ثلاث : انه سيد
المسلمين وامام المتقين وقائد الغر
المجاهلين"

"علیؑ کے متعلق مجھے تین باتیں بذریعہ وحی بتائی

لے کنز العمال میں بھی یہ حدیث موجود ہے ملاحظہ ہو حدیث نمبر ۲۵۲۷ صفحہ ۱۵۳

جلد ۶ - نیز ثعلبی نے اپنی تفسیر کبیر میں سلسلہ تفسیر آیت ولایت جناب ابوذر
کی حدیثوں کے سلسلہ میں اس حدیث کو لکھا ہے۔

گئی ہیں علیؑ مسلمانوں کے سردار ہیں، متقین کے امام ہیں اور روشن جبین نمازیوں کے قائد ہیں۔
اس حدیث کو امام حاکم مستدرک ج ۳ صفحہ ۱۳۸ پر درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:
”یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن بخاری و مسلم نے ذکر نہیں کیا۔“

③ — ”علیؑ کے متعلق مجھے بذریعہ وحی بتایا گیا کہ وہ مسلمانوں کے سردار، متقین کے ولی اور روشن پیشانی والوں کے قائد ہیں۔“
اس حدیث کو ابن سبیر اور بہت سے ارباب سنن نے ذکر کیا ہے۔

④ — آنحضرتؐ نے علیؑ سے فرمایا:
”مرحبا بسید المسلمین، و امام المتقین“
”مرحبا اے مسلمانوں کے سردار اور متقین کے امام“
اس حدیث کو حلیۃ الاولیاء میں ابن نعیم نے درج کیا ہے۔

۱۔ بارودی ابن قانع، ابونعیم نے اس حدیث کو درج کیا ہے۔ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۱ پر بھی موجود ہے۔ حدیث ۲۶۲۸ ملاحظہ ہو۔

۲۔ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۷ حدیث ۲۶۲۳۔

۳۔ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ ج ۲ صفحہ ۴۵۰ پر اس حدیث کو نقل کیا ہے۔
کنز العمال میں بھی یہ حدیث موجود ہے ملاحظہ ہو حدیث ۲۶۲۷ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۷

⑤ — ”اول من یدخل من هذا الباب

امام المتقین ، وسید المسالین ویسوب
السدین وخاتم الوصیین وقائد الغر
المحجلین“

”پہلا وہ شخص جو اس دروازے سے داخل
ہوگا وہ متقین کا امام، مسلمانوں کا سردار
اور دین کا امیر اور وصیوں کا خاتم اور روشن
پیشانی والوں کا قائد ہے“

سب سے پہلے حضرت علیؑ آئے رسولؐ نے دیکھا۔ تو
آپؐ کا چہرہ کھل گیا۔ دوڑ کر علیؑ کو گلے سے لگا لیا اور
آپؐ کی پیشانی کا پسینہ پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے
جاتے تھے:

”تم میری طرف سے حقوق ادا کرو گے، تم میرا
پیام لوگوں تک پہنچاؤ گے اور میرے بعد جب
اختلافات پیدا ہوں گے تو تم ہی راہ حق
واضح کرو گے۔“

⑥ — ”إن الله عهد الیّ فی علیٰ أنه رایة

الهدی ، وإمام اولیائی ونور من الماعنی
دھو کلمۃ التّی ألزمها المتقین“

اے حلین الاولیاء ابو نعیم اسمعنائی وشرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۵۰م

”علیؑ کے متعلق مجھے خداوندِ عالم نے جتنا دیا ہے کہ وہ علمِ ہدایت ہیں، میرے دوستوں کے امام ہیں اور میری اطاعت کرنے والوں کے لیے نور ہیں علیؑ ہی وہ کلمہ ہیں جسے میں نے متقین کے لیے لازم کر دیا ہے“

آپ دیکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا حدیثیں حضرت علیؑ کی امامت کے متعلق کتنی صاف اور صریحی نصوص ہیں آپ کی اطاعت فرمانبرداری واجب و لازم ہونے کے روشن ثبوت ہیں۔

④ — ”ان هذا أول من آمن بي، وأول من

يصفاني يوم القيامة، وهذا الصديق الأكبر، وهذا فاروق هذه الأمة، يفرق بين الحق والباطل، وهذا يعسوب المؤمنين“

”یہ علیؑ پہلے وہ شخص ہیں جو مجھ پر ایمان لائے۔ قیامت کے دن سب سے پہلے یہی مجھ سے مصافحہ کریں گے۔ یہی صدیق اکبر ہیں، یہی اس امت کے فاروق ہیں جو حق کو باطل سے جدا کریں گے یہی مومنین کے سید و سردار ہیں“

لے حلیۃ الاولیاء ابنِ نسیم اصغہانی وشرح بیج البلاغۃ جلد ۲ صفحہ ۲۴۹

۲۷ معجم کبیر طبرانی سنن بیہقی کامل، ابن عدی وکنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۶ حدیث ۲۶۰۸

⑧ — ”یا معشر الانصار ألا أدلکم علی ما إن تمسکتُم بہ لن تضرلوا أبداً، هذا علی فأحبوه بحبی، وأکرموه بکرامتی، فإن جبرائیل أمرنی بالذی قلت لکم عن الله عز وجل“

”اے گروہ انصار میں تمہیں ایسی چیز نہ بتا دوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہو۔ دیکھو یہی علیؑ وہ ہیں تم مجھے جس طرح محبوب رکھتے ہو انہیں بھی محبوب رکھنا، میری جیسی عزت کرتے ہو ان کی بھی عزت کرنا یہ بات میں اپنے دل سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ امین وحی جبرائیلؑ خدا کی طرف سے یہ حکم لے کر آئے ہیں۔“

مے مہم کبیر طبرانی، کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۷ حدیث ۲۶۲۵ علامہ ابن ابی الحدید نے شرح بیج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۴۵۰ پر درج کیا ہے ملاحظہ فرمائیے کہ پیغمبرؐ نے ان کے گمراہ نہ ہونے کو مشروط کیا ہے علیؑ کے تمسک سے۔ جب تک علیؑ کا دامن پکڑے رہیں تب تک گمراہ نہ ہوں گے۔ اس کا سریکی مطلب یہ ہوا کہ جس نے علیؑ سے تمسک نہ کیا وہ ضرور گمراہ ہوگا۔ نیز یہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ پیغمبرؐ حکم دیتے ہیں کہ علیؑ کے ساتھ بعینہ ولیسی محبت کرو جیسی خود میرے ساتھ کرتے ہو اور ویسی ہی عزت کرو جیسی میری عزت کرتے ہو۔ یہ بات اس شخص کے لیے ہو سکتی ہے جو آپ کا ولیعہد ہو اور (باقی اگلے صفحہ پر)

⑨ — "أنا مدينة العلم، وعلي بابها، فمن أراد العلم فليأت الباب"
 "میں شہرِ علم ہوں، علیؑ اس کا دروازہ ہیں،
 جو شخص علم حاصل کرنا چاہے وہ دروازے
 سے آئے"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آپ کے بعد ممالک و مختار اور فرمانروا ہو۔ جب آپ آنحضرتؐ کے اس جملہ پر کہ "میں نے جو کچھ کہا ہے اس کا حکم جبریل خدا کے یہاں سے لے کر آئے تھے" خود غور فرمائیں گے تو حقیقت اچھی طرح منکشف ہو جائے گی۔

لے طبرانی نے کیر میں ابن عباس سے اس حدیث کی روایت کی ہے جیسا کہ سیوطی کی جامع صغیر صفحہ ۱۰۷ پر مذکور ہے اور امام حاکم نے مستدرک ج ۳ صفحہ ۲۲۷ پر باب مناقب علیؑ میں دو صحیح سندوں سے اس حدیث کی روایت کی ہے ایک عبداللہ بن عباس سے جو دو صحیح طریقوں سے ہے دوسری جابر بن عبداللہ انصاری سے۔ اس کے طریق کی صحت پر انھوں نے قطعی دلیلیں قائم کی ہیں۔ امام احمد بن محمد بن صدیق مغربی وارد قاہرہ نے تو ایک مستقل عظیم الشان کتاب خاص کر اس حدیث کی صحت ثابت کرنے کے لیے تحریر فرمائی ہے۔ کتاب کا نام فتح الملک العلی بھوت حدیث ثابت مدینۃ العلم علی ہے۔ یہ کتاب ۴۱۳۵ھ میں مطبع الاسلامیہ مصر میں طبع ہو چکی ہے۔ تشنگانِ علوم کو چاہیے کہ اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمائیں کہ علوم کثیرہ پر مشتمل ہے نامی حضرات اس مشہور و معروف حدیث کے متعلق جو ہر خاص و عام کے در زبان ہے ہر شہری و دیہاتی اس کو جانتا ہے جو کہ اس کرتے ہیں اس کا کوئی وزن نہیں۔ ہم نے ان کے اعتراضات کو غائر نظر سے دیکھا سوا برہم دستی اور کٹھ جتی کے (باقی اگلے صفحہ پر)

⑩ — "أنا دار الحكمة، وعلي بابها"
 "میں حکمت کا گھر ہوں، علیؑ اس کا دروازہ ہیں"
 لے

⑪ — "علي باب علمي، ومبين من بعدي لأمتي"
 ما ارسلت به، حبه ايمان، وبخضه
 نفاق"

"علیؑ میرے علم کا دروازہ ہیں اور میں جن چیزوں
 کو لے کر مبعوث ہوا، میرے بعد یہی ان چیزوں کو
 میری امت سے بیان کریں گے ان کی محبت ایمان
 اور ان کا بغض نفاق ہے" لے

(بقیہ ماثیہ صفحہ گزشتہ) ہیں اور کوئی بات نظر نہ آئی سوائے اس کے کہ انھوں نے رکیک
 اعتراضات کر کے تعصب کا مظاہرہ کیا ہے۔ ایک دلیل بھی تو ٹھکانے کی نہیں ذکر کی۔
 جیسا کہ حافظ صلاح الدین علائی نے علامہ ذہبی وغیرہ کے قول در بطلان حدیث انا
 مدنیۃ العلم کو نقل کرنے کے بعد تصریح کی ہے اور کہا ہے کہ انھوں نے ایک بات بھی
 درست نہیں پیش کی جو قیادح ہو اس حدیث کی صحت میں سوا دغیت کے دھوکے کے۔
 لے اس حدیث کو امام ترمذی نے اپنی جامع ترمذی میں درج کیا ہے نیز ابن جریر نے بھی
 لکھا ہے اور ترمذی وابن جریر بہتر علمائے اعلام نے نقل کیا ہے مثلاً علامہ متقی ہندی
 ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۰۴ نیز علامہ متقی لکھتے ہیں کہ ابن جریر نے کہا ہے کہ
 اس حدیث کے اسناد ہمارے یہاں صحیح ہیں اور ترمذی سے جلال الدین سیوطی نے
 جامع الجوامع صغیر کے حرف ہمزہ میں نقل کیا ہے ملاحظہ فرمائیے جامع صغیر جلد اول۔
 لے دلیلی نے جناب ابوذر سے اس کی روایت کی ہے جیسا کہ کنز العمال جلد ۶
 صفحہ ۱۵۶ پر ہے۔

” اَنْتَ تَبِينُ لَا مَقْتِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنْ — (۱۲)

بعدي“

”اے علیؑ میرے بعد جب میری امت اختلافات

میں مبتلا ہوگی تو تم ہی راہِ حق واضح کرو گے۔“

اس حدیث کو امام حاکم نے مستدرک ج ۳ صفحہ ۱۲۲ پر درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

”یہ حدیث مسلم و بخاری دونوں کے بنائے ہوئے

معیار پر صحیح ہے لیکن ان دونوں نے ذکر نہیں کیا۔“

ان احادیث پر غور کرنے کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہو

جاتی ہے کہ حضرت علیؑ کی رسول کے نزدیک وہی منزلت

تھی جو خود رسولؐ کی خدا کے نزدیک تھی۔ جو بات قدرت

نے رسولؐ کے متعلق فرمائی بعینہ وہی ہی بات رسولؐ نے

حضرت علیؑ کے متعلق۔ قدرت کا ارشاد ہوا:

”وَمَا أُنْزِلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لَتَبِين

لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَجْهَ

لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ“

”میں نے تم پر جو کتاب نازل کی وہ صرف اس

لیے کہ لوگ جس مسئلہ میں اختلاف کریں تم

راہِ حق واضح کر دو گے اور یہ کلام مجید وجہ

نے دہلی میں اس سے روایت کی ہے جیسا کہ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۶ پر مذکور ہے۔

- ہدایت اور رحمت ہے ایمان لانے والوں کے لیے؛
 اور رسولؐ نے حضرت علیؑ کے متعلق منرمایا :
 ”تم میری امت کے اختلافات میں مبتلا ہونے
 کے وقت راہِ حق واضح کرو گے“
- (۱۲) ابنِ سماک نے حضرت ابوبکر سے مرفوعاً روایت کی ہے:
 ”علی مینی بمنزلتی من ربی“
 ”علیؑ کو مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو مجھے
 خدا کی بارگاہ میں حاصل ہے“
- (۱۳) دارقطنی نے افراد میں ابنِ عباس سے مرفوعاً روایت کی ہے:
 ”علی ابن ابی طالب باب حطة، من دخل
 منه کان مومنًا، ومن خرج منه
 کان کافرًا“
- ”علیؑ بابِ حطہ ہیں، جو اس باب میں داخل ہوا
 وہ مومن ہے اور جو نکل گیا وہ کافر ہے“
- (۱۵) آنحضرتؐ نے حجِ آخری میں مقامِ عرفات پر منرمایا :
 ”علی مینی وأنا من علی، ولا یؤدی
 عینی إلا أنا أو علی“
 ”علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں۔ اور

نے صواعقِ محرقة باب ۱۱ صفحہ ۱۰۶

لے کنز العمال ج ۶ صفحہ ۱۵۳ حدیث ۲۵۲۸

کار رسالت کی ادائیگی یا تو میں کروں گا یا علیؑ
یہ قول معزز پیغامبرؐ کا جو قوت والا ہے خدا کے نزدیک
جسے منزلت حاصل ہے ۔

شیخ ابن ماجہ نے سنن ابن ماجہ صفحہ ۹۲ جلد اول باب فضائل الصحابہ میں اس کی روایت کی ہے۔ ترمذی اور نسائی نے اپنی صحیح میں نیز کثیر العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۳ حدیث ۲۵۳۰۔ امام احمد نے مسند جلد ۴ صفحہ ۱۶۴ پر حبشی بن جنادہ کی حدیث سے متغیر طریقوں سے اس حدیث کی روایت کی ہے اور سب کے سب طریقے صحیح ہیں مختصراً یہ سمجھ لیجیے کہ انھوں نے اس حدیث کو یحییٰ بن آدم سے انھوں نے اسرائیل بن یونس سے انھوں نے اپنے دادا ابو اسحاق سمیع سے انھوں نے حبشی سے روایت کیا ہے اور یہ کل کے کل بخاری و مسلم کے نزدیک حجت ہیں اور ان دونوں نے ان سب سے اپنے اپنے صحیح میں اسناد لال کیا ہے مسند احمد میں اس حدیث کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث آنحضرتؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمائی جس کے بعد آپ اس دار فانی میں بہت تھوڑے دنوں زندہ رہے۔ اس کے قبل آپ نے ابوبکر کو سورہ براءت کی دس آیتیں دے کر بھیجا تھا کہ وہ اہل مکہ کو جاکر پڑھ کر سنا دیں پھر آپ نے حضرت علیؑ کو بلا کر جیسا کہ امام احمد نے مسند جلد اول صفحہ ۱۵۱ پر روایت کی ہے اور فرمایا کہ جلد جاکر ابوبکر سے ملو جہاں بھی ان سے ملاقات ہو ان سے نوشتہ لے لو اور خود لے کر اہل مکہ کی طرف جاؤ اور پڑھ کر سناؤ۔ حضرت علیؑ مقام جعفر پران سے ملے اور ان سے وہ نوشتہ لے لیا اور حضرت ابوبکر رسولؐ کی خدمت میں پلٹ آئے اور اُکڑ کہا کہ یا رسول اللہؐ کیا میرے بارے میں کوئی آیت نازل ہوئی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ نہیں۔ لیکن جبریلؑ آئے اور (باقی اگلے صفحہ پر)

خدا را آپ ہی فرمائیں ان احادیث سے کون سی راہ فرار
 آپ نکال سکتے ہیں۔ ایسے صحیح احادیث اور صحیحی نصوص
 کے مقابل میں آپ کیا فرما سکیں گے۔ اگر آپ اس وقت
 کا تصور فرمائیں اور حکیم اسلام کی اس گہری حکمت کو سمجھیں
 کہ آپ ایسے موقع پر یعنی فریضہ حج بجا لاتے ہوئے مقام
 عرفات پر لاکھوں مسلمانوں کے ہجوم میں یہ اعلان فرماتے
 ہیں تو آپ پر حقیقت اچھی طرح روشن ہو جائے۔ رسول
 کے الفاظ دیکھیے کتنے مختصر ہیں لیکن یہ مختصر الفاظ کتنے
 جلیل القدر معانی و مطالب کو اپنے دامن میں لیے ہوئے
 ہیں چند الفاظ میں آپ نے مطالب کے دفتر سمود دیے :
 "لَا يُوَدِّي عَنِّي إِلَّا أَنَا أَوْ عَلِيٌّ"
 "میرے فرائض رسالت کی ادائیگی کسی سے ممکن
 نہیں سوا میرے یا علیؑ کے۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) انھوں نے کہا کہ تم اپنی طرف سے اپنے امور کی انجام دہی یا تو خود کرد
 یا وہ جو تم سے ہو اور دوسری حدیث میں ہے (جسے امام احمد نے مسند ج اول منہلاً
 پر امیر المومنینؑ سے روایت کیا ہے) کہ رسول اللہؐ نے جب حضرت علیؑ کو سورۃ براءت
 پہنچانے کے لیے روانہ کیا تو منہر مایا کہ اے علیؑ کوئی چارہ کار ہی نہیں سوا اس
 کے کہ میں جاؤں یا تم جاؤ۔ حضرت علیؑ نے کہا جب ایسا ہے تو میں جاؤں گا، تو
 آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اچھا روانہ ہو خدا تمھاری زبان کو ثابت رکھے گا اور تمھارے
 دل کو ہدایت بخشنے گا۔

اس جملہ کے بعد اب کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی سوا علیؑ کے کسی شخص کے لیے اس بات کی اہلیت اور صلاحیت ہی نہیں نکلتی کہ وہ کارِ رسالت سے کسی چیز کی ادائیگی کرے، فریضہ تبلیغ میں رسولؐ کا ہاتھ بٹا سکے اور ہو بھی کیسے سکتا ہے علیؑ کے سوا کسی اور میں گنجائش نکل بھی کیسے سکتی ہے اس لیے کہ نبی کے امور یا تو خود نبی سے انجام پاتے ہیں یا پھر اس کے وصی کے ذریعہ انجام پائیں گے۔ بنی کا قائم نبی کا جانشین اور ولی عہد ہی ہو سکتا ہے۔

”من اطاعني فقد اطاع الله“ ومن

عصاني فقد عصي الله، ومن اطاع
علياً فقد اطاعني، ومن عصي علياً
فقد عصاني“

”جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت
کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی
کی۔ جس نے علیؑ کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی
کی۔“

اس حدیث کو امام حاکم نے مستدرک ج ۲ صفحہ ۲۱۱ پر
درج کیا ہے اور علامہ ذہبی نے تاجیص مستدرک میں ذکر
کیا اور ان دونوں نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث بخاری و
مسلم دونوں کے معیار پر صحیح ہے۔

”يا علي من فارقني فقد فارق الله“

ومن فارقك فنقد فارقني " اے علی! جو مجھ سے برگشتہ ہوا وہ خدا سے برگشتہ ہوا اور جو تم سے برگشتہ ہوا وہ مجھ سے برگشتہ ہوا۔
اس حدیث کو امام حاکم مستدرک ج ۳ صفحہ ۱۲۴ پر درج کر کے لکھتے ہیں کہ:
"یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن بخاری و مسلم نے اسے ذکر نہیں کیا۔"

ام سلمہ کی حدیث میں ہے: — (۱۸)

"من سبّ علیاً فنقد سببہ"
"جس نے علی کو دشنام دی اس نے مجھے دشنام دی۔"
حاکم نے مستدرک ج ۳ صفحہ ۱۲۱ پر اسے درج کیا اور مسلم و بخاری دونوں کے معیار پر صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ ذہبی نے تلخیص مستدرک میں اس کی صحت کی صراحت کرتے ہوئے درج کیا ہے۔ نیز امام احمد نے ام سلمہ سے یہ حدیث مسند ج ۶ صفحہ ۳۲۳ پر اور نسائی نے خصائص علویہ ص ۱۱ پر نقل کیا ہے۔ نیز دیگر ائمہ علماء محدثین نے اس کی روایت کی ہے اسی جیسا رسول کا وہ قول بھی ہے جو عمر بن شامس کی حدیث میں منقول ہے:
"من آذى علیاً فنقد آذانی۔"

لے عمرو بن شامس کی حدیث ص ۲۴ کے حاشیہ پر گزر چکی ہے۔

”جس نے علیؑ کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی“
 (۱۹) — ”من أحب علياً فقد أحببني، ومن أبغض علياً فقد أبغضني“
 ”جس نے علیؑ کو محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب رکھا اور جس نے علیؑ سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔“

امام حاکم نے اس حدیث کو مستدرک ج ۳ صفحہ ۱۳۰ پر درج کیا اور بشر الطائیفین اسے صحیح قرار دیا ہے۔ نیز علامہ ذہبی نے تلمیض مستدرک میں مذکورہ بالا معیار پر اس کی صحت کا استرنا کرتے ہوئے درج کیا ہے۔ اسی جیسا خود حضرت علیؑ کا قول ہے آپ فرماتے تھے:
 ”قسم ہے اس ذات کی جس نے زمین سے دانہ کو روئیدہ کیا اور ہوا چلائی۔ رسولؐ مجھ سے قول و قرار فرما چکے ہیں کہ مجھے وہی دوست رکھے گا جو

میں صحیح مسلم کتاب ایمان صفحہ ۴۶ جلد اول ابن عبد البر نے استیعاب میں بسلسلہ حالات امیر المومنین اس حدیث کے مضمون کو صحابہ کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے ۱۸۲ پر بریدہ کی حدیث درج کی جا چکی ہے ملاحظہ فرمائیے آنحضرت کا یہ قول حد تواثر کو پہنچ چکا ہے ”اللہم وآل من والاہ وعاد من عاداہ“ جیسا کہ صاحب فتاویٰ حادیہ نے اپنے رسالہ موسوم بہ صلوة الفاخرہ فی الاحادیث المتواترہ میں اعتراف کیا ہے۔

مومن ہوگا، وہی دشمن رکھے گا جو منافق ہوگا۔“

— (۲۰) ”یا علی أنت سید فی الدنیا، وسید

فی الاخرۃ، حبیبک حبیبی، وحبیبی

حبیب اللہ، وعدوک عدوی، و

عدوی عدو اللہ، والویل لمن

أبغضک من بعدی“

”تم دنیا میں بھی سید و سردار ہو اور آخرت میں بھی“

تمہیں دوست رکھنے والا مجھے دوست رکھنے والا

ہے اور مجھے دوست رکھنے والا خدا کو دوست

رکھنے والا ہے، اور تمہارا دشمن میرا دشمن ہے

اور میرا دشمن خدا کا دشمن ہے۔ ہلاکت و تباہی

نصیب ہو اسے جو میرے بعد تم سے بغض رکھے۔“

اس حدیث کو امام حاکم نے مستدرک ج ۳ ص ۱۲۸ پر درج

کیا ہے اور بشرائط شیخین صحیح قرار دیا ہے۔

اے امام حاکم نے اس حدیث کو بطریق ازہر عبدالرزاق سے انھوں نے زہری سے انھوں

نے عبید اللہ بن عبد اللہ سے انھوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے یہ سب کے

سب اشخاص حجت ہیں اسی وجہ سے امام حاکم نے اس حدیث کو درج کرنے کے بعد

لکھا ہے کہ یہ حدیث مسلم و بخاری کے شرط پر بھی صحیح ہے امام حاکم فرماتے ہیں کہ

ابوالازہر باجماع اہلسنت ثقہ ہیں اور جب کوئی ثقہ کسی حدیث کے بیان کرنے میں

منفرد ہو تو وہ حدیث ان کے اصول کی بنا پر صحیح ہے اس کے بعد (باقی اگلے صفحہ پر)

(۲۱) — "یا علی طوبی لمن أحبک وصدق فیک"

دویدل لمن أبغضک وکذب فیک "

"اے علی! بشارت جنت ہو اسے جو تمہیں دوست

رکھے اور تمہارے معاملہ میں سچائی برتے اور ہلاکت

ہو اسے جو تمہیں دشمن رکھے اور تمہارے متعلق جھوٹ

بولے "

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۱) امام حاکم فرماتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ قرشی سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے احمد بن یحییٰ حلوانی سے سنا وہ کہتے تھے کہ جب ابوالازہر صنعا سے آئے اور اہل بغداد سے اس حدیث کا ذکر کیا تو یحییٰ بن مسین نے اس کا انکار کیا۔ جب ان کے نشست کا دن ہوا تو انہوں نے آخر صحبت میں کہا کہ وہ کذاب نیشاپوری کہاں ہے جو عبد الرزاق سے اس حدیث کو بیان کرتا ہے۔ یہ سن کر ابوالازہر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ وہ میں ہوں ان کے اٹھنے اور یہ کہنے پر یحییٰ بن مسین ہنس پڑے پھر ان کو اپنے قریب بلایا اور اپنے سے نزدیک کیا۔ پھر ابوالازہر سے پوچھا کہ عبد الرزاق نے تم سے یہ حدیث کیونکر بیان کی حالانکہ تمہارے سوا کسی اور سے انہوں نے یہ حدیث نہیں بیان کی۔ ابوالازہر بولے سب سے پہلے میں سنسلا میں پہنچا معلوم ہوا کہ عبد الرزاق موجود نہیں وہ ایک دور کے قریہ میں فروکش ہیں۔ میں ان کے پاس پہنچا میں بیمار بھی تھا۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے مجھ سے خراسان کی بابت دریافت کیا میں نے حالات بیان کیے ان سے حدیثیں لکھیں۔ پھر ان کے ساتھ صنعا واپس ہوا۔ جب میں رخصت ہونے لگا تو عبد الرزاق نے کہا کہ تمہارا حق مجھ پر واجب ہے۔ میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جس کو تمہارے سوا کسی اور نے (باقی اگلے صفحہ پر)

امام حاکم نے مستدرک ج ۲ صفحہ ۱۳۵ پر درج کیا ہے
اور درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :
" یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن بخاری و مسلم
نے درج نہیں کیا۔ "

②۲ — " من أراد أن يحيا حياقي، ويموت
ميتتي، ويسكن جنة الخلد التي

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مجھ سے نہیں سنایا کہ کراخوں نے قسم بخدا یہ حدیث بیان فرمائی۔
یسن کر بخاری ابن مبین نے ان کی تصدیق کی اور پھر معافی چاہی ہمدردت کی۔ علامہ
ذہبی نے تلخیص میں اس حدیث کے رداۃ کے ثقہ ہونے کا اعتراف کیا ہے اور
ابوالاثر ہر کے ثقہ ہونے کی خاص کمراسحت کی ہے اور پھر باوجود ان سب باتوں کے
انہوں نے اس حدیث کی صحت میں شک کیا مگر سوائے ہٹ دھرمی اور کٹھ ججی کے
کوئی ایسی بات نہیں پیش کی جو اس حدیث میں قادیح ہو۔ رہ گیا یہ کہ عبدالرزاق
اس حدیث کو کیوں چھپاتے تھے اس کی وجہ ظاہر ہے انہوں نے ظالمین کے سطوت
وقہر و غلبہ کے خوف سے ایسا کیا جیسا کہ سعید بن جبیر نے ان کی طرف دلچسپی اور کہا
کہ تم بڑے بے خوف و بے پروا معلوم ہوتے ہو۔ مالک کہتے ہیں کہ سعید کے اس جواب
سے مجھے بہت غصہ آیا اور میں نے ان کے اجاب سے شکایت کی انہوں نے
سعید کی طرف سے ہمدردت کی کہ وہ حجاج سے ڈرتے ہیں خوف سے کہہ نہیں سکتے
کہ حامل رایت علی بن ابی طالب اس حدیث کو امام حاکم نے مستدرک ج ۲ صفحہ ۱۳۵
پر درج کیا ہے پھر کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن شیخین
نے درج نہیں کیا۔

وعدني ربي ، فليتولّ علي ابن ابي طالب
فانه لن يخرجكم من هدى ، و
لن يدخلكم في ضلالة “

”جو شخص میری زندگی جیتا اور میری موت خزا اور
سدا بہار باغِ جنت میں جس کا خدا نے مجھ سے
وعدہ کیا ہے رہنا چاہتا ہو وہ علیؑ کو دوست رکھے
کیونکہ علیؑ تم کو راہِ ہدایت سے کبھی الگ نہ
کریں گے اور نہ گمراہی میں کبھی ڈالیں گے“

— (۲۳) ”أوصي من آمن بي وصدقني بولاية
علي ابن ابي طالب ، فمن تنولاه
تولاني ، ومن تولاني فقد تولي الله ،
ومن أحبه فقد أحبني ، ومن أبغضني
فقد أبغض الله ، ومن أبغضه فقد
أبغضني ، ومن أبغضني فقد أبغض
الله عز وجل “

”میں وصیت کرتا ہوں ہر اس شخص کو جو مجھ پر
ایمان لایا اور میری تصدیق کی کہ علیؑ کا تابع
فرمانِ رسے جس نے علیؑ کی اطاعت کی اس نے
میری اطاعت کی جس نے میری اطاعت کی
اس نے خدا کی اطاعت کی۔ اور جس نے علیؑ کو

لے دیکھیے یہی کتاب ص ۴۲ و ص ۴۵

دوست رکھا اس نے مجھ دوست رکھا اور جس
 نے مجھ دوست رکھا اس نے خدا کو دوست رکھا
 اور جس نے علیؑ سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض
 رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے خدا
 سے بغض رکھا۔“

— (۲۳) من سده ان يحيا حياتي ، ويموت
 معاتي ، ويسكن جنت عدن غرسها
 ربي ، فليقل علياً من بعدي ، وليوال
 وليه ، وليقتد بأهل بيتي من
 بعدي ، فإنهم عترتي ، خلقوا من
 طينتي ، ورزقوا مني وعلمي ، فويل
 للمكذبين بفضلهم من امتي ،
 القاطعين فيهم صلتی ، لا أنالهم
 الله شفاعتي “

”جسے یہ خوشگوار معلوم ہو کہ میری زندگی جیسے
 اور میری موت مرے اور باغ عدن میں ہے
 وہ میرے بعد علیؑ کو اپنا امیر سمجھے اور علیؑ کے بعد
 ان کے جانشین کی اطاعت کرے اور میرے بعد
 میرے اہل بیتؑ کی پیروی اختیار کرے کیونکہ

میں دیکھیے یہی کتاب ص ۷۷

میرے اہل بیتؑ میری عزت ہیں، میری طینت سے پیدا ہوئے ہیں، انھیں میرا ہی فہم و علم بخشا گیا، پس ہلاکت ہو میری امت کے ان لوگوں کے لیے جو میرے اہل بیت کے فضل و شرف کو جھٹلائیں اور میری قربت کا خیال نہ کریں۔ خدا ان کو میری شفاعت سے محروم رکھے۔“

(۲۵) — ”مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُحْيَا حَيَاتِي، وَيَمُوتَ مِيتَتِي، وَيَدْخُلَ الْجَنَّةَ الَّتِي وَعَدَنِي رَبِّي، وَهِيَ جَنَّةُ الْخُلْدِ، فَلْيَتَوَلَّ عَلِيًّا وَذُرِّيَّتَهُ مِنْ بَعْدِهِ، فَإِنَّهُمْ لَنْ يُخْرَجُوا كَمَنْ مِنْ بَابِ هُدًى، وَلَنْ يَدْخُلُوا كَمَنْ مِنْ بَابِ ضَلَالَةٍ“

”جسے یہ پسندیدہ ہو کہ میری زندگی جیے اور میری موت مرے اور اس جنت میں داخل ہو جس کا میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اور جنت خلد ہے پس وہ علیؑ اور علیؑ کے بعد ان کی ذریت کی اطاعت و فرمانبرداری کرے کیونکہ وہ تمہیں راہ راست سے کبھی علیحدہ نہ کریں گے اور نہ گمراہی میں کبھی ڈالیں گے۔“

— (۲۶) — يا عمار اذا رأيت علياً قد سلك
وادياً وسلك الناس وادياً غديره
فاسلك مع علي، ودع الناس،
فإنه لن يبدلك على ردى، ولن
يخرجك من هدى“

”اے عمار! جب تم علیؑ کو دیکھنا کہ وہ اور کسی
راستہ پر جا رہے ہیں اور لوگ کسی اور راستہ پر چل
رہے ہیں تو تم اسی راستہ کو اختیار کرنا جس پر
علیؑ ہیں۔ وہ تمہیں کبھی ہلاکت میں نہ ڈالیں گے
نہ راہ راست سے جدا کریں گے“

— (۲۷) — ”كفي وكف علي في العدل سواء“
”میرا ہاتھ اور علیؑ کا ہاتھ عدل میں برابر ہے“

— (۲۸) — ”يا فاطمة أما ترصنين ان الله
عز وجل، أطلع الى اهل الارض
فاختار رجلين، احدهما أبوك
والآخر بعلك“
”اے میری پارہ جگہ فاطمہؑ کیا تم اس سے خوش

اے دینی نے عمار و ابویوب سے اس کی روایت کی ہے۔ جیسا کہ کثر النعمال
جلد ۶ صفحہ ۱۵۶ پر مذکور ہے۔

لے کثر النعمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۳ حدیث ۲۵۳۹

نہیں ہو کہ خداوند عالم نے روئے زمین کے
باشندوں پر ایک نظر کی تو دو شخص منتخب کیے
ایک تمھارا باپ دوسرا تمھارا شوہر ہے۔“

— (۲۹) ”أَنَا الْمُنْذِرُ، وَعَلِيُّ الْهَادِ، وَبُكَ يَا عَلِيُّ“

بیہتدی المہتدون من بعدی“
”میں منذر ڈرانے والا ہوں اور علی“ ہادی
ہیں۔ اے علی“ تمھارے ہی ذریعہ میرے بعد
ہدایت پانے والے ہدایت پائیں گے۔“

— (۳۰) ”يَا عَلِيُّ، لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَجْنِبَ

فِي الْمَسْجِدِ غَيْرِي وَعَنْيُكَ“

”اے علی“! میرے اور تمھارے سوا کسی اور تیسرے
کے لیے جائز نہیں کہ وہ مسجد میں بحالت جنابت ہو۔“
اسی جیسی طبرانی کی حدیث ام سلمہ سے اور بزار سے
منقول ہے۔ انھوں نے سعد سے روایت کی ہے۔ سعد

لے متدرک ج ۲ صفحہ ۱۲۹ اور بھی بکثرت اصحاب سنن نے اس حدیث کی روایت
کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۲۷ دہلی نے ابن عباس کی حدیثوں میں اس کو لکھا ہے۔ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۰

پر بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث ۲۶۳۱

کے دیکھیے م ۱۴ وہاں ہم نے اس حدیث پر جو تفسیر لکھا ہے اسے ضرور ملاحظہ

فرمائیں اور اس موقع پر جو حدیثیں ذکر کی ہیں ان پر بھی غائر نگاہ ڈالیں۔

بکے ابن حجر نے صواعق محرقہ میں اس حدیث کو لکھا ہے ملاحظہ ہو صواعق محرقہ باب ۹

کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا :
 " لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَجْنُبَ فِي هَذَا
 الْمَسْجِدِ إِلَّا أَنَا وَعَلِيٌّ "
 " کسی شخص کے لیے بھی جائز نہیں کہ مسجد میں بجا
 جنابت ہو سوا میرے اور علیؑ کے ۔
 (۳۱) — " أَنَا وَهَذَا ، يَعْنِي عَلِيًّا حُجَّةً عَلَى
 أُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ "
 " میں اور یہ ، یعنی علیؑ قیامت کے دن میری امت
 پر حجت ہوں گے "۔
 خطیب نے انس کی حدیث سے اس کو نقل کیا ہے۔ قابل
 غور یہ ہے کہ امیر المومنینؑ بنی کی طرح کیونکر حجت تھے ۔
 آپ کا بعینہ بنی کی طرح حجت ہونا تو اسی وقت صحیح ہو سکتا
 ہے جبکہ آپ رسولؐ کے ولی عہد ہوں اور آپ کے بعد
 امور کے مالک و مختار ہوں ۔

(۳۲) — " مَكْتُوبٌ عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ : لَا إِلَهَ
 إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ، عَلَى أَخُو
 رَسُولِ اللَّهِ "

" جنت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے معبود
 حقیقی بس اللہ ہی ہے اور محمد مصطفیٰ خدا کے

رسول ہیں اور علیؑ رسولؑ کے بھائی ہیںؑ

(۲۳) — ”مکتوب علی ساق العرش؛ لا الہ
إلا اللہ محمد رسول اللہ، ایدتہ

بعلي، ونصرتہ بعلي“

”ساق العرش پر لکھا ہوا ہے: محبوب حقیقی بس اللہ
ہی ہے اور محمد مصطفیٰ خدا کے رسول ہیں جن کو علیؑ
کے ذریعہ تقویت بخشی اور علیؑ سے جن کی مدد کی۔“

(۲۴) — من أراد أن ينظر إلى نوح في عزمه
والی آدم في علمه، والی ابراهيم
في حلمه، والی موسى في فطنته،
والی عيسى في زهده فليتنظر إلى
علي بن أبي طالب“

”جو شخص یہ چاہے کہ نوحؑ کو ان کے محکم ارادہ
میں، آدمؑ کو ان کے علم میں، ابراہیمؑ کو ان کے
حلم میں، موسیٰؑ کو ان کی تیزی ذہانت میں، عیسیٰؑ

اے طبرانی نے اوسط میں، خطیب نے المتفق میں درج کیا ہے جیسا کہ کنز العمال
جلد ۶ صفحہ ۱۵۹ پر مذکور ہے ہم اسے صفحہ ۲۳۳ پر ذکر کر چکے ہیں اور ایک
مفید حاشیہ بھی تحریر کیا ہے۔

اے طبرانی نے کبیر میں اور ابن عساکر نے ابوالحرار سے مرفوعاً اس کی روایت کی ہے
ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۸۔

کو اُن کے زہد میں دیکھی وہ علیؑ کی طرف دیکھی“
اس حدیث کو بیہقی نے اپنے صبح میں اور امام احمد بن حنبل
نے سند میں درج کیا ہے۔

(۳۵) — ”یا علی ان فیک من عیسیٰ مثلاً
أبغضته الیہود حتی بہتوا أمہ
وأحبہ النصارى حتی أنزلوه بالمنزلة
التي لیس بہا“

”اے علیؑ! تم میں عیسیٰ سے مشابہت ہے۔
یہودیوں نے عیسیٰ کو دشمن رکھا اور دشمنی میں
اتنے بڑھے کہ ان کی ماں پر بہتان
باندھا اور نصاریٰ نے انھیں دوست رکھا اور
اتنا غلو کیا کہ اس منزل پر پہنچا دیا جس پر وہ

میں شرح نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ امام رازی نے بھی اپنی تفسیر کبیر صفحہ ۲۸۸ جلد ۲
میں اس حدیث کو بسلسلہ تفسیر آیہ مباہلہ درج کیا ہے اور موافق و مخالف دونوں کے
نزدیک بطور مسلمات ہوا لکھا ہے۔ ابن بطہ نے ابن عباس کی حدیث سے اس کی روایت
کی ہے جیسا کہ احمد بن محمد بن صدیق حسنی مغربی وارد قاہرہ کی کتاب فتح الملک بصحت
حدیث باب مدیۃ العلم علیؑ کے صفحہ ۲۴ پر مذکور ہے۔ منجملہ ان اشخاص کے خنجوں نے
اعتراف و اقرار کیا ہے کہ علیؑ تمام انبیاء کے اسرار کے جامع تھے محی الدین ابن عربی
ہیں جیسا کہ عارف شعرانی نے کتاب ایواقیت و الجواہر صفحہ ۷۲ بحث ۳۲
میں ابن عربی سے نقل کیا ہے۔

فائز نہیں یعنی خدا کا بیٹا کہہ دیا۔“

”السابق ثلاثة : السابق الى موسى ، (۳۶) —

يوشع بن نون ، والسابق الى عيسى ،
صاحب ياسين ، والسابق الى محمد ،

علي ابن ابي طالب “

”سابقین تین ہیں : ایک تو وہ جس نے موسیٰ“

کی طرف سبقت کی ، یعنی یوشع بن نون -

جو سب سے پہلے موسیٰ پر ایمان لائے - دوسرے

وہ جس نے عیسیٰ کی طرف سبقت کی یعنی صاحب

یاسین ، تیسرے میری طرف سبقت کرنے والا اور

وہ علی ابن ابی طالب ہیں۔“

”الصدیقون ثلاثة : حبيب النجار (۳۷) —

مومن آل ياسين ، قال : يا قوم اتبعوا

المرسلين ، وحزقيل ، مؤمن آل فرعون

قال : اتقتلون رجلاً أن يقول ربي

الله ، وعلي بن ابي طالب ، وهو افضلهم“

”صدیق تین ہیں : حبیب سنجار ، مومن آل یاسین ،

اے مستدرک ج ۳ صفحہ ۱۲۲

لکھ طبرانی وابن مردویہ نے ابن عباس سے اس حدیث کی روایت کی ہے اور دہلی

نے جناب عائشہ سے یہ حدیث بہت مشہور حدیثوں میں سے ہے۔

جنہوں نے کہا تھا کہ اے قوم والو مرسلین کی
اطاعت کرو، دوسرے حزقیل، مومن آل
فرعون، جنہوں نے کہا تھا کہ کیا تم کسی شخص
کو صرف یہ کہنے پر قتل کر ڈالو گے کہ میرا پروردگار
اللہ ہے اور تیسرے علی ابن ابی طالب،
اور وہ تینوں میں افضل ہیںؑ

(۳۸) — ”ان الأمة ستعذبك بعدي، وأنت
تعيش ملتي، وتقتل على سنتي،
من أحبك أحبني، ومن أبغضك
أبغضني، وإن هذه ستخضب من
هذا، يعني لحيته من رأسه“
”میری امت میرے بعد تم سے لے وفائی کرے گی
تم میرے ہی دین پر زندہ رہو گے اور میری ہی
سنت پر رہتے ہوئے قتل کیے جاؤ گے۔ جن نے
مختص محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب رکھا اور
جن نے تم سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا
اور (مختاری یہ ڈاڑھی) تمہارے اس سر

سے ابو نعیم و ابن عساکر نے ابویہی سے مرفوعاً اس حدیث کی روایت کی ہے اور
ابن بخار نے ابن عباس سے مرفوعاً اس کی روایت کی ہے ملاحظہ ہو حدیث
نمبر ۳۰، ۳۱، باب ۹ فصل ۲ صواعق محرقة صفحہ ۷۴، ۷۵

کے خون سے رنگین ہو گئی تھیں۔

اور امیر المومنینؑ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ :
 "رسولؐ نے مجھے آگاہی دی تھی کہ امتِ اسلام
 رسولؐ کے بعد مجھ سے بے وفائی کرے گی۔"

ابن عباس سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ :
 "رسولؐ نے امیر المومنین سے ارشاد فرمایا : کہ
 میرے بعد تمہیں بہت مشقتوں کا سامنا کرنا پڑے
 گا۔ حضرت علیؑ نے پوچھا : کہ میرا دین محفوظ رہے گا
 آپ نے فرمایا کہ ہاں تمہارا دین محفوظ رہے گا۔"

— (۲۹) — "ان منکم من یقاتل علی تأویل القرآن"

کما قتلت علی تنزیلہ ، فاستشرف
 لہا القوم و فیہم ابوبکر و عمر ، قال
 ابوبکر : انا هو ؟ قال : لا ، قال عمر :
 انا هو ؟ قال : لا ، ولکن خاصف

اے مستدرک جلد ۳ ص ۱۴۷ علامہ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں اس کی صحت کا
 اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے

اے یہ حدیث اور اس کے بعد والی حدیث ابن عباس ان دونوں حدیثوں کو امام حاکم نے
 مستدرک ج ۳ ص ۱۴۷ پر درج کیا ہے۔ نیز ان دونوں کو علامہ ذہبی نے بھی
 تلخیص مستدرک میں بیان کیا اور تصدیق کی ہے کہ دونوں حدیثیں بخاری و مسلم
 کے بسیار پر صیح ہیں۔

النعل یعنی علیاًؑ

”تم میں ایک شخص وہ بھی ہے جو قرآن کی تاویل کے متعلق اسی طرح قتال کرے گا جس طرح میں نے اس کی تنزیل کے متعلق قتال کیا ہے لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے۔ ان میں ابو بکر و عمر بھی تھے۔ ابو بکر نے پوچھا وہ شخص میں ہوں یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ عمر نے پوچھا: میں ہوں یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ لیکن وہ جوتیوں کاٹاٹختے والا۔ یعنی حضرت علیؑ۔ جو اس وقت آپ کی فعلین مبارک درست کر رہے تھے۔“

ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر ہم حضرت علیؑ کے پاس آئے اور یہ خوشخبری سنائی تو حضرت علیؑ اپنے کام میں اسی طرح مشغول رہے، گردن بھی نہ اٹھائی۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ پیغمبر سے پہلے ہی سن چکے تھے۔

لے امام حاکم نے اس حدیث پر مستدرک ج ۳ صفحہ ۱۲۲ پر زور دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث بشرائط شیخین صحیح ہے مگر ان دونوں نے اس کا ذکر نہیں کیا علامہ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں اس حدیث کو لکھا ہے اور اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث بشرائط شیخین صحیح ہے امام احمد نے منہ جلد ۳ ص ۸۷ و ۸۸ پر ابوسعید کی (باقی اگلے صفحہ پر)

اسی جیسی ایک حدیث ابوالیوب انصاری کی بھی ہے۔
 خلافتِ عمر کے باب میں جس میں وہ فرماتے ہیں کہ :
 ”رسولؐ نے حضرت علیؑ کو بیعت توڑنے والوں ،
 جاہِ اعتدال سے باہر نکل جانے والوں اور دین سے
 خارج ہونے والوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے “
 ایک حدیث جناب عمار سے منقول ہے جس میں یہ جملہ
 ہے :

”یا علی ستقاتلك الفئة الباغية ، و
 أنت على الحق ، فمن لم ينصرک
 يومئذ فلنيس مني“

”رسولؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ عنقریب تم باغی
 گروہ سے جنگ کرو گے اور تم حق پر ہو گے اس
 دن جو بھی تمھاری مدد نہ کرے گا وہ مجھ سے نہ
 ہوگا “

جناب ابوذر کی حدیث ہے جس میں یہ جملہ ہے :
 ”والذي نفسي بيده ، إن فيكم لرجلاً

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حدیث سے درج کیا ہے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں سعید بن منصور

نے اپنی سنن میں ابونعیم نے اپنے حلیۃ میں ابویعلیٰ نے اپنے سنن میں درج کیا ہے کنز العمال

جلد ۶ صفحہ ۱۵۵ پر بھی یہ حدیث موجود ہے ملاحظہ ہو حدیث نمبر ۲۵۸۵

اے امام حاکم نے اس حدیث کو دو طریقوں سے لکھا ہے مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۳۹ و ص ۱۴۱

يقاتل الناس من بعدي على تأويل
القرآن، كما قتلت المشركين على
تنزيله“

”آنحضرتؐ نے فرمایا: قسم اس ذات اقدس کی جس
کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں ایک
ایسا شخص بھی ہے جو میرے بعد لوگوں سے تاویل
قرآن میں قتال کرے گا جیسا کہ میں نے مشرکین سے
اس کی تنزیل پر قتال کیا ہے۔“

اور محمد بن عبد اللہ بن ابی رافع نے اپنے دادا سے روایت
کی ہے۔ ابو رافع کہتے ہیں کہ: آنحضرتؐ نے فرمایا:
”یا ابا رافع! سیکون بعدي فتوم
يقاتلون علياً، حق على الله جهادهم،
فمن لم يستطع جهادهم بيده
فبلسانه، فمن لم يستطع بلسانه
فبقلبه“

”اے ابو رافع! میرے بعد ایک جماعت ایسی
بھی ہوگی جو علیؑ سے جنگ کریگی۔ جو ان لوگوں
سے جہاد کرے اس کا خدا پر حق ہے جو شخص
ہاتھ سے جہاد نہ کر سکے وہ زبان سے کرے

اے دہلی نے اس کی روایت کی ہے جیسا کہ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۵ پر ہے۔

اور جو زبان سے نہ کر سکے وہ دل سے کر گئے۔
 اخضر انصاری کی حدیث ہے جس میں رسولؐ نے فرمایا:
 ”اَنَا أَقَاتِلُ عَلَى تَنْزِيلِ الْقُرْآنِ ، وَ
 عَلِيٌّ يَقَاتِلُ عَلَى تَأْوِيلِهِ“
 ”میں تنزیلِ قرآن کے متعلق قتال کرتا ہوں اور
 علیؑ تاویلِ قرآن کے متعلق قتال کریں گے۔“

۴۰ — ”يَا عَلِيَّ اخْصَمْكَ بِالنَّبُوءَةِ فَلَا نُبُوءَةَ

بَعْدِي ، وَتَخْصِمُ النَّاسَ بِسَبْعٍ ، أَنْتَ
 أَوَّلُهُمْ إِيْمَانًا بِاللَّهِ ، وَأَوْفَاهُمْ بِعَهْدِ
 اللَّهِ ، وَأَقْوَمُهُمْ بِأَمْرِ اللَّهِ ، وَأَقْسَمُهُمْ
 بِالسُّوْيَةِ ، وَأَعْدَلُهُمْ فِي الرِّعْيَةِ
 وَأَبْصَرُهُمْ بِالْقَضِيَةِ ، وَأَعْظَمُهُمْ

لے طبرانی نے کبیر میں اس کی روایت کی ہے جیسا کہ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۵ پر مذکور ہے۔
 ۴۱ یہ ابن ابی الاخضر ہیں ابن سکن نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان سے اس حدیث کی
 بطریق مارش بن حصیرۃ عن جابر الجعفی عن الامام الباقر عن ابیہ الامام زین العابدین
 عن الاخضر عن النبیؐ روایت کی ہے ابن سکن کہتے ہیں کہ اخضر صحابہ میں مشہور نہیں
 اور ان کی حدیث کے اسناد میں تامل و نظر ہے۔ یہ تمام باتیں عسقلانی نے حالات
 اخضر میں احباب کے اندر لکھی ہیں اور دارقطنی نے اسناد میں اس حدیث
 کو لکھا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کے تنہا راوی جابر جعفی ہیں اور
 دارقطنی ہیں۔

عند اللہ مزیة

”اے علیؑ! میں تم سے بہ سبب نبوت بڑھ گیا۔ میرے بعد باب نبوت بند ہے اور تم لوگوں سے سات چیزوں میں فوقیت رکھتے ہو، تم سب سے پہلے خدا پر ایمان لانے والے ہو، سب سے زیادہ خدا سے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرنے والے ہو، اور رعیت میں سب سے زیادہ انصاف یرتنے والے ہو اور ققیوں میں تم ہی سب سے زیادہ بالغ نظر ہو، بلحاظ فضل و شرف خدا کے نزدیک تم ہی سب سے عظیم تر ہوئے“

اور ابوسعید خدری سے مروی ہے۔ ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ: آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

”یا علیؑ لك سبع خصال لا یحاجك فیها أحد، أنت أول المؤمنین باللہ وأوفاهم بعہد اللہ وأقومهم بامر اللہ وأراؤنهم بالرعیة، واعلمهم بالقضیة، واعظمهم مزیة“

اے ابونعیم نے معاذ کی حدیث سے اس کی روایت کی ہے اور اس کے بعد والی حدیث یعنی حدیث ابوسعید کو حلیہ میں درج کیا ہے اور یہ دونوں حدیثیں کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۶ پر موجود ہیں۔

”اے علیؑ! تمہیں سات ایسی خصوصیات حاصل ہیں کہ کوئی شخص بھی ان میں سے کسی چیز میں تمہارے مقابلہ پر آمادہ نہ ہوگا۔ تم سب سے پہلے خدا پر ایمان لانے والے ہو، سب سے زیادہ خدا کے وعدے کو پورا کرنے والے ہو، سب سے زیادہ امور خداوندی کو درست کرنے والے ہو رعیت پر سب سے زیادہ جہربان، مقدمات میں سب سے زیادہ علم کے حامل اور خدا کے نزدیک بلحاظ فضل و شرف سب سے عظیم ہو۔“

کہاں تک لکھا جائے یہ چالیس حدیثیں درج کی گئی ہیں۔ ان جیسی بے حد و حساب حدیثیں سنن و صحاح میں موجود ہیں۔ سب کی سب اجتماعی طور پر ایک ہی مطلب پر دلالت کرتی ہیں ان سب کا ماحصل بس ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ بعد رسولؐ اس امت میں ثانی رسولؐ تھے۔ اس امت پر بعد رسولؐ انھیں وہی حکومت و اقتدار حاصل ہے جو خود رسولؐ کو اپنی زندگی میں حاصل تھا۔ یہ وہ حدیثیں ہیں جو معناً متواتر ہیں ایک ہی مقصود ہے سب کا اگرچہ لفظاً متواتر نہیں۔ الفاظ بدلے ہوئے ہیں یہی آپ کے لیے مکمل حجت ہوں گی۔

ش

مکتوب نمبر ۲۵

امیر المومنینؑ کے فضائل کا اعتراف

احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی شان میں جتنی آیتیں اور حدیثیں وارد ہوئی ہیں اتنی کسی اور صحابیؓ پیغمبرؐ کے متعلق نہیں ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کتاب الہی کی آیات جتنی حضرت علیؑ کے متعلق نازل ہوئیں اتنی کسی اور کے متعلق نہیں ہے۔ پھر دوسری مرتبہ فرمایا: حضرت علیؑ کی شان میں تین سو آیتیں نازل

۱۔ مستدرک صفحہ ۱۰۷

۲۔ ابن عساکر اور دیگر ارباب سنن نے اس کی روایت کی ہے۔

۳۔ ابن عساکر نے اس کی روایت کی ہے۔

ہوئیں۔ تیسری مرتبہ فرمایا:

جس جس مقام پر خداوند عالم نے یا ایہا الذین آمنوا فرمایا وہاں راس و رئیس حضرت علیؑ ہی ہیں۔ خداوند عالم نے اکثر و بیشتر مقامات پر اصحاب پیغمبرؐ پر عتاب فرمایا مگر حضرت علیؑ کا ذکر ہمیشہ اچھائی سے کیا۔ عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کو علم میں پوری پوری گہرائی حاصل تھی۔ آپ سب سے پہلے اسلام لائے۔ اور رسول اللہؐ کی دامادی کا شرف آپ ہی کو حاصل ہوا۔ احادیث سمجھنے کی مکمل صلاحیت آپ ہی میں تھی۔ میدان جنگ میں بہادری و شجاعت حاصل تھی۔ بذل و عطا میں نظیر نہیں رکھتے تھے۔

امام احمد بن حنبل سے علیؑ و معاویہؓ کے متعلق پوچھا گیا تو جواب دیا: ”کہ علیؑ کے بہت دشمن تھے۔ ان دشمنوں نے بڑی کوشش کی کہ علیؑ میں کوئی عیب نکل آئے لیکن ڈھونڈنے سے کبھی کوئی عیب نہ ملا تو مجبوراً وہ ایک ایسے شخص کی طرف مائل ہوئے جس نے علیؑ سے جنگ و جدال کیا تھا۔ انھوں نے علیؑ کی شان گھٹانے اور دنیا والوں کو دھوکے میں ڈالنے

لے طرانی اور ابن ابی حاتم اور دیگر اصحاب سنن نے اس حدیث کو لکھا ہے۔ ابن حجر مکی نے اسے اور اس حدیث کے قبل جو تین حدیثیں ہیں ان سب کو فضل ۳ باب ۹ صفحہ ۷۶ پر صواعق محرقة میں نقل کیا ہے۔

۱۷ ابن عیاش سے اہل اخبار و اصحاب سنن نے نقل کیا ہے صواعق محرقة میں بھی موجود ہے ۱۸ سلفی نے طیوریات میں اس کی روایت کی ہے۔ اور علامہ ابن حجر نے صواعق محرقة میں نقل کیا ہے

کے لیے یہ چال چلی کہ اس کی بے انتہا مدح سرایاں کیں۔ اس کی مدح میں خوب خوب مبالغے کیے۔

قاضی اسماعیل، امام نسائی اور ابو علی نیشاپوری وغیرہ نے کہا ہے کہ جس قدر صحیح اور عمدہ اسناد سے حضرت علی کی شان میں حدیثیں مروی ہیں کسی صحابی کے بارے میں نہیں۔

ان سب باتوں میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ ہم بھی سب مانتے ہیں۔ کلام یہ ہے کہ رسول خدا نے آپ کو اپنا خلیفہ کب بنایا؟ یہ احادیث و سنن جو آپ نے ذکر فرمائے بیشک صحیح ہیں اور ہماری معتبر کتابوں میں موجود ہیں لیکن یہ آپ کی خلافت و امامت پرصریحی نصوص تو نہیں۔ یہ تو آپ کے فضائل پر مشتمل ہیں۔ آپ کے فضائل و کمالات کی جامع ہیں۔

فضائل مستلزم خلافت نہیں

ہم خود کہتے ہیں کہ آپ کے فضائل بے حد و حساب ہیں دفتروں میں نہیں سما سکتے۔ ہم یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ امیر المومنین ان تمام فضائل و مناقب کے اہل تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ کے سزاوار تھے یہ بھی درست ہے کہ ان احادیث و سنن میں آپ کے مستحق خلافت ہونے کی طرف اشارے بھی موجود ہیں لیکن مستحق خلافت ہونے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ رسول نے آپ کو اپنا خلیفہ و جانشین بنایا۔

س

لے جیسا کہ ان حضرات نے شہور ہے اور علامہ ابن حجر نے صواعق محرقہ باب ۹ فصل ثانی صفحہ ۷۲ پر نقل کیا ہے۔

جوابِ مکتوب

امیر المؤمنینؑ کے فضائل سے آپ کی خلافت پر استدلال

آپ ایسے بافہم، صائب نظر، کلام کے محل و موقع سے واقف، مطالبہ معانی سے باخبر رسول خدا اور آپ کی حکمت بالغہ اور ثبوتِ خاتمہ کی معرفت رکھنے والے، آنحضرتؐ کی رفتار و گفتار کی قدر و منزلت جاننے والے جس کا ایمان ہو اس پر کہ رسولؐ کی ہر جنبش لب و زبان ترجمان وحی ہوتی تھی ایسے شخص سے ان سنن، احادیث کے معانی و مطالب پوشیدہ تو نہیں رہنے چاہئیں اور لوازم عقلی و عرفی مخفی تو نہیں ہوں گے ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ان حدیثوں کے فرمانے سے رسولؐ کا جو مقصد تھا جس مطلوب کو پیش نظر رکھ کر آپ نے یہ ارشادات فرمائے اسے آپ سمجھ ہی نہ سکے ہوں۔

آپ جو عرب کے نزدیک مسلم الثبوت حیثیت رکھتے ہیں اس سے بے خبر تو نہ ہوں گے کہ ان سنن و احادیث سے حضرت علیؑ کا وہ درجہ و مرتبہ ثابت ہوتا ہے جو سوا جائنثین پیغمبرؐ کسی کا ہو ہی نہیں سکتا۔ ممکن ہی نہیں کہ خدا یا اس کا رسولؐ یہ مدارج و مراتب اپنے خلیفہ و جائنثین کے علاوہ کسی اور کو بخش دیں اگر ہم تسلیم بھی کریں کہ ان احادیث میں حضرت علیؑ کو صاف صاف الفاظ میں خلیفہ و جائنثین نہیں فرمایا گیا تب بھی ان احادیث کا نتیجہ وہی نکلتا ہے۔

آنحضرتؐ کی ذاتِ گرامی بلند و برتر ہے اس سے کہ آپ مدارجِ رفیعہ بجز اپنے وصی و جانشین کے کسی اور کو مرحمت فرمائیں۔ علاوہ اس کے کہ اگر آپ ان تمام احادیث کو جو خاص کر حضرت علیؑ کی شان میں وارد ہوئیں گہری نظر سے دیکھیں اور انصاف کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ وہ سب کی سب سوا معدودے چند کے صریحی طور پر آپ کی امامت ثابت کرتی ہیں۔ یا تو صاف صاف ان میں اعلان ہے آپ کی امامت و خلافت کا جیسے وہ احادیث جو ہم گزشتہ مکتوبات کے جواب میں عرض کر چکے ہیں۔ یا اگر صراحتاً آپ کی امامت کا اعلان نہیں مگر لازماً نتیجہ کار ان احادیث کا آپ کی امامت ہی نکلتی ہے جیسے وہ حدیثیں جو مکتوب نمبر ۳ پر بیان ہوئیں اور جیسے رسولؐ کی یہ حدیث :

”علی مع القرآن، والقرآن مع علی، لن یفترقا حتی یردأ علی الحوض لے“
 ”علیؑ“ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے

اے امامِ حاکم نے مستدرک ج ۳ صفحہ ۲۴ پر یہ حدیث درج کی ہے اور علامہ ذہبی نے بھی تائید مستدرک میں اسی مذکورہ بالا صفحہ پر یہ حدیث لکھی ہے دونوں حضرات نے صحیح ہونے کی صراحت کی ہے یہ حدیث منجملہ احادیث مشہورہ ہے اور واقعہ بھی یہ ہے کہ حدیث ثقلین کو دیکھتے ہوئے علی و قرآن کے لازم و ملزوم ہونے سے کون انکار کر سکتا ہے ہم ابتدا میں صفحہ ۵۹ تا صفحہ ۶۶ حدیث ثقلین پر روشنی ڈال چکے ہیں۔

دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ روز قیامت حوض
کوثر پر میرے پاس پہنچیں۔“

اور :

”عَلِيٍّ مِّنِي بِمَنْزِلَةِ رَأْسِي مِّنْ بَدَنِي“
”علیٰ کو مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جیسا میرے سر کو
میرے بدن سے۔“

اور عبدالرحمن بن عوف کی حدیث میں آنحضرتؐ کا یہ ارشاد :
”وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتُقِيمَنَّ الصَّلَاةَ
وَلَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ ، أَوْ لَا بُعْثَنَ إِلَيْكُمْ رَجُلًا
مِّنِّي أَوْ كُنْفَسِي“

”قسم ہے اس ذات کی جن کے قبضہ قدرت میں میری
جان ہے۔ تم نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، ورنہ میں تمہاری
طرف ایسے شخص کو بھیجوں گا جو مجھ سے ہے یا میرے
جیسا ہے۔“

اے خطیب نے برابر بن عازب سے اور دہلی نے عبداللہ بن عباس سے اس
حدیث کی روایت کی ہے۔ علامہ ابن حجر نے بھی صواعق محرقہ ص ۵۷ پر یہ حدیث
درج کی ہے۔

اے کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۵۰۵ حضرت امیر المومنینؑ کے مثل نفس پیغمبر ہونے
کے لیے آیت مباہلہ روشن ترین ثبوت ہے۔ امام محمد بن رازی نے بھی تفسیر کبیر
جلد ۲ صفحہ ۴۸۸ پر اسی معنی و مفہوم کی وضاحت کی ہے۔

اس حدیث کے آخریں ہے کہ آپ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑا
اور منبر ملایا کہ :

”وہ شخص یہ ہے۔“

اس جیسی اور بے شمار حدیثیں ہیں۔

یہ وہ عظیم الشان فائدہ ہے جس کی طرف بحر حقائق کا ہر غواص متوجہ
ہوگا اور جذبات و میلانات سے بلند ہو کر ہر شخص ان احادیث سے یہی
مطلب اخذ کرے گا۔

ش

مکتوب نمبر ۲۶

صحابہ کے فضائل کی حدیثوں سے معارضہ

اگر فضائل ہی پر امامت و خلافت کی بنا ہے تو بہت سی حدیثیں خلفائے ثلاثہ نیز وہ ہجیرین و انصار جو اول اول ایمان لائے تھے ان کی شان میں بھی تو وارد ہوئی ہیں اگر ان روایات کو مقابلہ میں پیش کیا جائے تو آپ کیا فرمائیں گے؟

س

جواب مکتوب

دعوائے معارضہ کی رد

سابقین و ہجیرین و انصار کے فضل و شرف سے ہمیں انکار نہیں۔ بے شک ان کے بہت سے فضائل ہیں، بے حد و حساب کلام مجید

میں بہت سی آیتیں ان کی مدح میں نازل ہوئیں اور صحیح حدیثیں بھی بکثرت ہیں ہم نے ان تمام احادیث و آیات پر جو ان بزرگوں کی شان میں ملتی ہیں اچھی طرح غور و فکر کی مگر ہمیں تو کوئی ایسی چیز بھی نہ ملی جو ان نصوص کی معارض ہو سکتی جو حضرت علیؑ کی شان میں موجود ہیں اور نہ ان آیات و احادیث سے جہا جرین و انصار کی کوئی ایسی خصوصیت ثابت ہوئی جو حضرت علیؑ کی کسی خصوصیت کے معارض ہوتی۔ مقابلہ و معارضہ کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ بحث تو امامت و خلافت کی ہے۔ حضرت علیؑ کے متعلق بے شمار آیات و احادیث موجود ہیں جن سے آپ کا مستحق و ضرور امانت ہونا مترشح ہوتا ہے اور جہا جرین و انصار کے متعلق جو آیات و احادیث ہیں وہ ان کے فضل و شرف کو ضرور ظاہر کرتی ہیں مگر ان کے مستحق امامت و خلافت ہونے کا وہم و گمان بھی نہیں پیدا ہوتا۔

ہمارے مخالفین صحابہ کے فضائل میں کچھ ایسی حدیثیں ضرور روایت کرتے ہیں جن کا ہمارے یہاں کوئی وجود نہیں۔ فقط تن تنہا ہمارے مخالفین ہی اس کے راوی ہیں تو ایسی حدیثوں کو ہمارے مقابلہ میں پیش کرنا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ جس کی توقع کٹھ جھٹی اور ہٹ دھرمی کرنے والے ہی سے ہو سکتی ہے۔ ایسی روایتیں جو صرف مخالف کے نزدیک معتبر ہوں ہمارے یہاں ان کا کوئی وجود نہ ہو ہمارے نزدیک قابل اعتبار نہیں اور نہ ہم ان روایتوں کے ماننے پر تیار ہیں۔ آپ ہمیں دیکھیں کہ ہم اپنے مقصود کے ثابت کرنے کے لیے آپ کے جواب میں وہ حدیثیں پیش کرتے ہیں اور فقط انہیں حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جو آپ ہی کی کتابوں میں موجود ہیں آپ ہی کے طریقوں سے مروی ہیں۔ ایسی حدیثیں کبھی نہ پیش کی ہوں گی جو صرف

ہمارے یہاں پائی جاتی ہیں آپ کے یہاں نہیں۔ جیسے غدیر یا اس جیسی دیگر حدیثیں کہ ان کے بیان سے آپ کے یہاں کی کتابیں بھی بھری پڑی ہیں۔ علاوہ اس کے ہم نے اس پہلو کو بھی نہ چھوڑا، ہم نے ان حدیثوں کی بھی چھان بین کی جو ہاجرین و انصار کے فضائل پر مشتمل ہیں اور جسے فقط آپ ہی لوگوں نے درج کیا ہے۔ ہمارے یہاں ان کا وجود نہیں مگر باوجود تلاش و جستجو کے بھی کوئی ایسی حدیث نہ ملی جو ان احادیث کی معارض ہو سکتی جو امیر المومنینؑ کے متعلق وارد ہوئیں۔ معارض تو معارض ہیں کوئی حدیث بھی ایسی نہیں ملی جس سے ان حضرات کے استحقاقِ امامت و خلافت کا ذہن میں خطور تک پیدا ہوتا یہی وجہ ہے کہ آج تک آپ میں سے کسی شخص نے بھی غلطیِ ثلاثہ کی خلافت کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ان روایات سے کام نہیں لیا۔ ان روایات کی طرف کسی نے توجہ بھی نہ کی۔

ش

مکتوب نمبر ۲۷

حدیث غدیر کی بابت استفسار

آپ نے بار بار حدیث غدیر کا ذکر کیا۔ اگر حدیث غدیر بطریق اہلسنت مروی ہو تو تحریریں نہ مائیے ہم بھی ذرا غور کریں۔

س

جواب مکتوب

طبرانی نے اور ان کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی ایسے سلسلہ اسناد سے جس کی صحت پر محدثین کا اتفاق و اجماع ہے زید بن ارقم سے روایت لے اس حدیث کے صحیح ہونے کی اکثر علمائے اسلام نے تصریح کی ہے یہاں تک (باقی اگلے صفحہ پر)

کی ہے۔ زید بن ارقم کہتے ہیں کہ حضرت سرور کائناتؐ نے غدیر خم میں ارشاد فرمایا:

”أَيُّهَا النَّاسُ يَوْشَكَ أَنْ أَدْعِيَ فَأَجِيبْ، وَأَنْتُمْ مَسْئُولُونَ، وَأَنْتُمْ مَسْئُولُونَ، فَمَاذَا أَنْتُمْ قَاعِلُونَ؟ قَالُوا: نَشْهَدُ أَنَّكَ بَلَغْتَ وَجَاهِدْتَ وَبَصَحْتَ، فَجَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا، فَقَالَ: أَلَيْسَ تَشْهَدُونَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَنْ جَنَّتْهُ حَقٌّ، وَأَنْ نَارَهُ حَقٌّ، وَأَنْ الْمَوْتَ حَقٌّ، وَأَنْ الْبَعْثَ حَقٌّ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَأَنْ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا، وَأَنْ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ؟ قَالُوا: بَلَى نَشْهَدُ بِذَلِكَ، قَالَ: اللَّهُمَّ اشْهَدْ، ثُمَّ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ مُوَلَّيٌّ، وَأَنَا مُوَلَّى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنَا أَوْلَى بِهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، فَمَنْ كُنْتُ مُوَلَّاهُ فَهَذَا مُوَلَّاهُ - يَعْنِي عَلِيًّا - اللَّهُمَّ وَآلٍ مِنْ وَآلِهِ وَعَادٍ مِنْ عَادَاهُ الخ

”اے لوگو! قریب ہے کہ مجھے بلایا جائے اور مجھے جانا پڑے

(بقیہ ماضیہ صفحہ گزشتہ) کہ خود علامہ ابن حجر نے اس کی صحت کا اعتراف کیا ہے ملاحظہ ہو

صواعق محرقة باب اول فضل غامس صفحہ ۲۵۔

لے پہلے حضرت سرور کائناتؐ نے اپنی وفات کے دن قریب آنے کی (باقی اگلے صفحہ پر)

مجھ سے بھی سوال ہو گا اور تم سے بھی پوچھا جائے گا۔ تم بتاؤ
تم لوگ کیا کہنے والے ہو۔ سارے مجمع نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں
کہ آپ نے پوری تبلیغ فرمائی۔ ہمیں راہ راست پر لانے کے لیے
بے حد جدوجہد کی، ہماری خیر خواہی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی آپ

(نقیہ حاشیہ صفر گذشتہ) خبر سنائی۔ اس سے یہ نتیجہ مقصود تھی کہ وقت آگیا ہے کہ اپنے بعد کے لیے
خلیفہ متعین کر دیا جائے اب دیر کرنے کا محل نہیں کیونکہ اندیشہ ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ معاملہ
غلاント کو اچھی طرح استوار کرنے کے پہلے پیام مرگ آ پہنچے۔

اے چونکہ حضرت سرور کائنات کا اپنے مہجائی کو اپنا ولیعہد مقرر کرنا اہل نفاق و بغض و حسد
پر بہت گراں تھا آپ نے چاہا کہ قبل اعلان غلاント عذر معذرت کر دی جائے۔
غرض یہ تھی کہ ان کا دل نہ میلا ہو نیز ان کے شور و شغب اور چرچا پا ہو جانے کا اندیشہ
بھی تھا اس لیے آپ نے فرمایا کہ انی مسئول مجھ سے پوچھا جائے گا یہ جملہ اسی لیے
آپ نے فرمایا تھا کہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ پیغمبر مامور ہیں اور آپ سے پوچھا جائے گا کہ تم
نے میرے اس حکم کو اسنام دیا یا نہیں لہذا اس حکم کو ملتوی کرنے کی اب راہ ہی نہیں
امام واحدی نے اپنی کتاب اسباب النزول میں بسلسلہ اسناد ابو سعید خدری سے
روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آیت ببلغ یوم عندیو ختم نازل ہوئی حضرت علیؑ
کے بارے میں۔

اے غالباً آنحضرت نے واسمک مسئولون اور تم سے بھی پوچھا جائے گا فرما کر اشارہ فرمایا ہے اس
مطلب کی طرف جس کی دلیلی وغیرہ نے (جیسا کہ صواعق محرقہ میں ہے) ابو سعید سے روایت کی ہے
ابو سعید کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا قول باری تعالیٰ وقفوہم انہم مسئولون ٹھہراؤ
اتھیں ان سے پوچھا جائے گا میں مقصود یہ ہے کہ ان سے ولایت (باقی اگلے صفحہ پر)

کو خداوندِ عالم جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس کی گواہی نہیں دیتے کہ بس معبود حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور محمد خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور جنت حق ہے، جہنم حق ہے، موت کے بعد پھر زندہ ہونا حق ہے اور قیامت آکر رہے گی۔ کوئی شک و شبہ نہیں اس کے آنے میں اور یہ کہ خداوندِ عالم تمام قبروں سے مردوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا لوگوں نے کہا ہاں ہم گواہی دیتے ہیں اس کی آنحضرتؐ نے فرمایا

(بشیر ماثیہ صفحہ ۱۰۷) امیر المومنین والہدیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ امام واعدی فرماتے ہیں کہ انہم مسئلوں سے غرض تہدید ہے دھمکانا ہے ان لوگوں کو جو ولی و وصی پیغمبر کے مخالف ہیں اس خطبہ کو ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیے جو شخص بھی اس خطبہ کو گہری نظر سے دیکھے اور فکر و تامل سے کام لے اس پر یہ حقیقت اچھی طرح منکشف ہو جائے گی کہ ولایت امیر المومنین اصول دین سے ہے۔ یہاں کہ شیعوں کا مسلک ہے کیونکہ حضرت سرور کائنات پہلے پوچھتے ہیں کہ کیا تم گواہی نہیں دیتے کہ کوئی معبود نہیں سوائے معبود حقیقی کے اور محمد خدا کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں اور خدا قسبہ سے مردوں کو نکالے گا۔ ان امور کے اعتقاد کا سوال کرنے کے بعد ہی آپ نے ولایت کا تذکرہ فرمایا تاکہ ہر شخص سمجھ لے کہ اس کی بھی اہمیت ویسی ہی ہے جیسی مذکورہ بالا امور کی۔ جن کے قائل و معتقد ہونے کے متعلق پیغمبرؐ نے ابھی سوال کیا تھا۔ یہ بات ایسی واضح و ظاہر ہے کہ ہر وہ شخص جو اسلوب کلام اور مقصود کلام سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے سمجھ سکتا ہے۔

خداوند! تو بھی گواہ رہنا۔ پھر آپ نے فرمایا: اے لوگو! خداوند عالم میرا مولیٰ ہے اور میں تمام مومنین کا مولیٰ ہوں اور میں ان کی جانوں پر ان سے زیادہ قدرت و اختیار رکھتا ہوں۔ تو یاد رکھنا کہ جس جس کا میں مولیٰ و آقا ہوں۔ یہ یعنی علیؑ بھی اس کے مولیٰ و آقا ہیں۔ خداوند! تو دوست رکھ اے جو انھیں دوست رکھے اور دشمن رکھ اے جو انھیں دشمن رکھے پھر آپ نے فرمایا: اے لوگو! میں تم سے پہلے پہنچنے والا ہوں اور تم بھی حوض کوثر پر آنے والے ہو۔ وہ ایسا حوض ہے جس کی چوڑائی بھرئی سے صنماتک کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ ہے۔ اس میں چاندی کے اتنے پیالے ہیں جتنے آسمان پر ستارے جب تم حوض کوثر پر میرے پاس پہنچو گے تو میں اس وقت تم سے ثقلین کے متعلق پوچھوں گا کہ میرے بعد تم نے ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ ثقل اکبر کتاب الہی ہے جس کا ایک کنارہ خدا کے ہاتھوں میں ہے دوسرا تمھارے ہاتھوں میں لہذا مصنوعی سے پکڑے رہنا، گمراہ نہ ہونا نہ اس میں

لے رسول کا یہ فقرہ وانا ولی ثقلین قرینہ ہے کہ مولیٰ سے مراد اولیٰ ہے لہذا مطلب یہ ہوگا کہ خداوند عالم مجھ سے زیادہ قدرت و اختیار رکھتا ہے اور میں مومنین پر ان سے بڑھ کر قدرت و اختیار رکھتا ہوں اور میں جس جس کے فضل پر اس سے زیادہ اختیار رکھتا ہوں۔ علیؑ بھی اس پر اس سے زیادہ اختیار رکھتے ہیں۔

تغیر و تبدل کرنا، دوسرے میرے عترت و اہلبیت ہیں۔
ان کے متعلق خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں کبھی جدا نہ
ہوں گے یہاں تک کہ روز قیامت میرے پاس حوض کوثر
پر پہنچیں۔“

اور امام حاکم نے مستدرک کے باب مناقب علیؑ میں زید بن ارقم سے
ایک حدیث دو طریقوں سے درج کی ہے اور ان دونوں طریقوں کو مسلم و
بخاری کے شرائط و معیار پر صحیح قرار دیا ہے۔

امام بخاری و امام مسلم نے کسی روایت کی صحت کے لیے جو شرائط
قرار دیے وہ تمام شرائط اس حدیث میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ زید بن
ارقم فرماتے ہیں کہ:

”رسولؐ حجتہ الوداع سے فارغ ہو کر پیٹے تو مقام غدیر خم پر
اتر پڑے اور کجاووں کا منبر تیار فرما کر بالائے منبر تشریف
لے گئے اور ارشاد فرمایا: مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مجھے بلایا جا رہا
ہے اور میں جانے والا ہوں ہیں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑ
جاتا ہوں جن میں کا ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے۔“

یہ زید بن ارقم سے روایت کردہ حدیث کی اصل عبارت ہے جو طبرانی، ابن جریر
اور حکیم و امام ترمذی نے اپنی حدیث کی کتابوں میں لکھی ہے۔ علامہ ابن حجر نے بھی
اس حدیث کو طبرانی سے نقل کیا ہے اور اس کی صحت کو مسلمات میں قرار
دیا ہے ملاحظہ فرمائیے صواعق ص ۱۵۰

۲ صفحہ ۱۰۹ ج ۲

ایک کتابِ خدا دوسرے میری عزت۔ اب دیکھنا ہے کہ
میرے بعد تمہارا ان دونوں کے ساتھ کیسا سلوک رہتا ہے
یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر
میرے پاس پہنچیں۔“

پھر آپ نے فرمایا:

”ان الله عز وجل مولائي، وأنا مولیٰ كل مومن
ثم اخذ بيده عليؑ۔ فقال: من كنت مولاه
فهذا وليه، اللهم وال من والاه، وعاد
من عاداه۔“

”خداوندِ عالم میرا مولیٰ ہے اور میں ہر مومن کا مولیٰ ہوں۔
پھر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا:
جس جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے یہ مولیٰ ہیں۔ خداوند
تو دوست رکھے اس کو جو ان کو دوست رکھے اور دشمن
رکھے اس کو جو ان کو دشمن رکھے۔“

یہ پوری طولانی حدیث امامِ حاکم نے درج کی ہے اور علامہ ذہبی نے
مبھی تلخیص میں اس کو درج کیا ہے۔ اسی حدیث کو امامِ حاکم نے زید بن
ارقم کے حالاتؑ لکھتے ہوئے دوبارہ لکھا ہے اور اس کے صحیح ہونے کی
وضاحت بھی کر دی ہے۔ علامہ ذہبی باوجود اپنے تشدد کے انھوں نے
مبھی تلخیصِ مستدرک کے اسی باب میں اس کو درج کیا ہے اور اس کے

صحیح ہونے کی صراحت کی ہے۔

اور امام احمد نے زید بن ارقم سے روایت کر کے یہ حدیث لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

”ہم لوگ رسولؐ کے ساتھ ساتھ ایک وادی میں اترے۔ جسے وادی خم کہتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے نماز کا حکم دیا اور اسی دوپہر میں نماز ادا ہوئی۔ پھر آپؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا رسولؐ کے لیے ایک درخت پر کپڑا ڈال کر سایہ کر دیا گیا تھا خطبہ میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

”الستم قلعون اولستم تشهدون إني
أولى بكل مؤمن من نفسه؟ قالوا: بلى،
قال: فمن كنت مولاة فعلي مولاة، اللهم
وال من والاه، وعاد من عاداه۔“

”کیا تم نہیں جانتے، کیا تم نہیں گواہی دیتے کہ میں ہر مومن پر اس سے زیادہ تصرف و اقتدار رکھتا ہوں۔ لوگوں نے کہا بے شک۔ آپؐ نے فرمایا: تو جس کا میں مولیٰ ہوں علیؑ اس کے مولیٰ ہیں۔ خداوند! تو دوست رکھ اس کو جو علیؑ کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو ان کو دشمن رکھے۔“

امام نسائی زید بن ارقم سے روایت کرتے ہیں۔ زید بن ارقم فرماتے

ہیں کہ رسولؐ حج آخر سے فارغ ہو کر پلٹے اور مقام غدیر خم پر اترے، وہاں آپؐ نے کجاووں کا منبر تیار کرایا جس پر جا کر ارشاد فرمایا :

”کأني دعيت فأجبت ، وإني تارك فيكم الثقلين
أحد هما أكبر من الآخر ، كتاب الله وعترتي
أهل بيتي ، فانظروا كيف تحلفوني فيهما ، فاتهما
لن يفترقا حتى يردا على الحوض ، ثم قال :
ان الله مولائي ، وأنا ولي كل مؤمن ، ثم إنه
أخذ بيد علي ، فقال : من كنت وليه فهذا
ولييه ...“

”مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ میری طلبی ہے اور میں جانے
والا ہوں ، میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں
جن میں کا ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے ، ایک کتاب
خدا اور دوسرے میرے اہلبیت۔ اب دیکھنا ہے کہ تم ان
دونوں سے کیا طرز عمل اختیار کرتے ہو۔ یہ دونوں کبھی
جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس
میں نہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ خدا میرا مولا ہے اور میں
ہر مومن کا مولا ہوں۔ پھر آپؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ
پکڑ کر ارشاد فرمایا : جس کا میں ولی ہوں علیؑ اس کے

لے خصائص نسائی ص ۱۱۱ جس موقع پر امام نسائی نے پیغمبر کا یہ ارشاد لکھا ہے :

من كنت وليه فهذا وليه -

ولی ہیں۔ خداوند اتودوست رکھ اس کو جو ان کو دوست

رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو ان کو دشمن رکھے۔“

ابوالطفیل کہتے ہیں کہ میں نے زید سے پوچھا کہ آپ نے خود رسولؐ کو ایسا فرماتے ہوئے سنا؟ زید نے جواب دیا: مجمع میں جتنے لوگ موجود تھے سب رسولؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور اپنے کانوں سے آپ کے الفاظ سن رہے تھے۔

میں نے ابوالطفیل کا یہ سوال اس امت کے تقویٰ کو ظاہر کرتا ہے کہ باوجودیکہ امت اسلام غدیر کے دن امیر المؤمنینؑ کے متعلق پیغمبر کے ان ارشادات کی روایت کرتی ہے جہوں میں بیان کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے غدیر خم میں بالائے منبر علیؑ کو مولیٰ فرمایا مگر باوجود ان احادیث کی روایت کے جہوں میں نے علیؑ کے ہاتھوں میں زمام حکومت نہ بنائے دی اور دوسروں کو خلیفہ مقرر کر لیا اور گویا ابوالطفیل کو شک پیدا ہوا کہ امت اسلام ان احادیث کی جو روایت کرتی ہے تو واقعی یہ حدیثیں صحیح بھی ہیں یا یونہی وضع کر لی گئی ہیں اسی وجہ سے انھوں نے زید سے اس حدیث کو سن کر دریافت کیا کہ آیا آپ نے خود رسول اللہؐ سے یہ حدیث سنی ہے جیسے متحیر و متعجب حیران و گشتہ اور شک و شبہ میں مبتلا انسان جسے واقعیت و حقیقت کا پتہ چلانا دشوار ہوتا ہے سوال کرتا ہے اسی طرح ابوالطفیل نے سوال کیا تو زید نے جواب دیا کہ اس دم باوجود اس اثر و دام اور انہوہ خلافی کے مجمع میں کوئی متغیض بھی ایسا نہ تھا جس نے رسولؐ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہو اور اپنے کانوں سے یہ ارشاد فرماتے ہوئے نہ سنا ہو۔ زید کے جواب کو سننے کے بعد ابوالطفیل کو پتہ چلا کہ بات ٹھیک ہے اور ایسا ہی ہے جیسا کہ کثرت نے کہا ہے۔ کثرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

دیوم الدوح غدیر خم ابان لہ الخلافة لو اطعنا
(باقی اگلے صفحہ پر)

امام مسلم نے بھی اس حدیث کو باب فضائل امیر المؤمنینؑ میں زید بن ارقم سے متعدد طریقوں سے نقل کیا لیکن انھوں نے عبارت مختصر اور قطع و برید کر کے لکھی ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں (ابن گناہبیت کہ در شہر شما نیز کنند)

امام احمد نے برابر بن عازب کی حدیث دو طریقوں سے لکھی ہے۔
برابر بن عازبؓ کہتے ہیں کہ:

”ہم لوگ رسولؐ کے ہمراہ تھے۔ اشارہ راہ میں مقام غدیر خم پر ہم لوگ اترے۔ نماز جماعت کا اعلان ہوا درختوں پر چادر تان کر رسولؐ کے پیسے کیا گیا۔ آپؐ نے ظہر کی نماز پڑھی اور پھر حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر مجمع سے خطاب کیا:

”الستم تعلمون انی ادلی بالمؤمنین من انفسهم“
قالوا: بلی، قال: الستم تعلمون انی ادلی بکل مؤمن

(بقیہ ماثیہ معزز شریف)

غدیر خم کے میدان میں حضرت سرور کائناتؐ نے آپؐ کی خلافت کا اعلان کیا۔ کاش پیغمبرؐ کی بات مانی جاتی

ولکن الرجال تبایعوا فلما أُرْمِلها خطراً مبیعاً

لیکن لوگوں نے اس خلافت کو بذریعہ بیعت طے کیا۔ میں نے ایسی اہم بات پر سمیعت ہوتے نہیں دیکھا

ولم أُرْمِلْ ذلک الیوم یوماً ولم أُرْمِلْهُ حقاً احنیعاً

نہ تو غدیر کے جیسا اہم دن میں نے دیکھا اور نہ ایسا حق کبھی ضائع ہوتے دیکھا

لے صفحہ ۲۲۵ ج ۲

کے صفحہ ۱ ج ۲۸۱

من نفسه ، قالوا : بلی ، قال : فَاخْذْ بیدِ عَلِيٍّ

فَقَالَ : مَنْ كُنْتَ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ “

” کیا تم نہیں جانتے کہ میں مومنین کی جانوں پر ان سے زیادہ

قدرت و اختیار رکھتا ہوں۔ لوگوں نے کہا : بے شک ، آپ

نے پھر پوچھا : کیا تم نہیں جانتے کہ میں ہر مومن کی جان کا ان

سے زیادہ مالک ہوں ، لوگوں نے کہا : بے شک ، تو آپ

نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا جس جس کا میں مولیٰ ہوں

علیؑ اس کے مولیٰ ہیں۔ خداوند! تو دوست رکھ اس کو جو

ان کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو ان کو دشمن رکھے “

برابر بن عاذب کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت عمرؓ حضرت علیؑ کی ملاقات

کو آئے اور کہا :

” مبارک ہو آپ کو اے علیؑ ابن ابی طالب ، آپ ہر مومن و

مومنہ کے مولیٰ ہو گئے “

امام نسائی عائشہ بنت سعد سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ :

” میں نے اپنے باپ کو کہتے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے یوم جھفہ

رسولؐ سے سنا۔ رسولؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور

خطبہ ارشاد فرمایا جس میں بعد حمد و ثناء الہی کے ارشاد فرمایا :

” اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي وَلِيُّكُمْ قَالُوا : حَقِّقْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

ثُمَّ رَفَعَ بِيَدِ عَلِيٍّ ، فَقَالَ : هَذَا وَلِيِّي وَيُودِي عَنِّي

دینی، وَاَنَا مَوَالِیْ مِنْ الْاِیَّامِ وَمَعَادٍ مِنْ عَادَاہ“
 ”اے لوگو! میں مختار ولی ہوں، لوگوں نے کہا: بے شک
 یا رسول اللہ آپ سچ فرماتے ہیں۔ پھر آپ نے حضرت علیؑ
 کو اونچا کر کے فرمایا کہ یہ میرے ولی ہیں اور میرے مرنے
 کے بعد میرے دیوانہ اور میرے گے۔ جو ان کو دوست رکھے
 گا اس کا میں دوست ہوں اور جو ان کو دشمن رکھے گا۔
 اس کا میں دشمن ہوں“

انھیں سعد سے یہ حدیث بھی مروی ہے۔ سعد کہتے ہیں کہ :
 ”ہم رسولؐ کے ساتھ تھے جب آپ مقام غدیر خم پر پہنچے
 لوگوں کو کھڑا کیا۔ جو آگے بڑھ چکے تھے ان کو واپس بلایا۔
 جو پیچھے تھے ان کا انتظار کیا جب سب جمع ہو گئے تو آپ
 نے ارشاد فرمایا :

”ایہا الناس من ولیکم ؟ قالوا : اللہ ورسولہ“
 ثم اخذ بید علی فاقامہ ، ثم قال من کان
 اللہ ورسولہ ولیہ ، فہذا ولیہ ، اللہم والی من
 والیہ ، وعاد من عاداہ ۔“

”اے لوگو! مختار ولی کون ہے ؟ لوگوں نے کہا: کہ اللہ
 اور اس کا رسولؐ۔ یہ سنکر آپ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ
 پکڑ کر انھیں کھڑا کیا اور ارشاد فرمایا۔ اللہ و رسولؐ جس
 کے ولی ہیں یہ بھی اس کے ولی ہیں۔ خداوند! تو دوست

رکھ اس کو جو ان کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو ان
کو دشمن رکھے۔“

واقعہ غدیر کے متعلق بے حد و حساب حدیثیں موجود ہیں اور وہ سب
کی سب صریحی نصوص ہیں اس بارے میں کہ حضرت علیؑ آپ کے ولی عہد
تھے اور آپ کے بعد آپ کے جہل امور کے مالک و مختار بھی آپ ہی تھے
جیسا کہ فضل بن عباس ابن ابی لہب کا ایک شعر بھی ہے
وکان ولی العہد بعد محمد علی و فی کل المواہن صاحبہ
”رسولؐ کے ولی عہد علی ابن ابی طالب ہیں اور ہر مقام پر آپ کے
رفیق کار بھی۔“

ش

لے خصائص نائی صفحہ ۱۴ جس موقع پر امام نائی نے پیغمبرؐ کا یہ ارشاد لکھا ہے من
کنت ولیہ فہذا ولیہ ۔

مکتوب نمبر ۲۱

بالاتفاق تمام حضرات شیعہ مسئلہ خلافت میں جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں ان احادیث کا متواتر ہونا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ بس ان ہی حدیثوں سے کام لیتے ہیں جو حد نواز پر پہنچی ہوئی ہوں کیونکہ امامت حضرات شیعہ کے یہاں اصول دین سے ہے لہذا آپ اس حدیث غدیر سے کیوں استدلال فرما رہے ہیں؟ کیونکہ اگر یہ حدیث حضرات اہل سنت کے یہاں صحیح طریقوں سے ثابت و مسلم بھی ہے تو متواتر قطعاً نہیں۔

س

جوابِ مکتوب

حدیثِ غدیر کا تواتر اور اس کی غیر معمولی اہمیت

ہم جن وجوہ سے اس حدیث کو استدلال میں پیش کرتے ہیں وہ ۱۲ م پر تفصیلاً ہم بیان کر چکے ہیں براہ کرم ایک نظر پھر دیکھ جائیے۔

اس کے علاوہ حدیثِ غدیر کا متواتر ہونا تو ایسا یقینی امر ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ اس کے تواتر پر انسانی فطرت گواہ ہے فطرت کے اصول شاہد ہیں جس طرح دنیا کے اور بہت سے عظیم ترین تاریخی واقعے جو اپنے مخصوص حالات و کیفیات کی وجہ سے نسلاً بعد نسل تازہ رہے ہر زمانہ و ہر دور میں لوگوں کی زبان پر جن کا تذکرہ رہا اسی طرح بالکل واقعہ غدیرِ خم ہے جس میں بانی اسلام نے انتہائی اہتمام فرمایا جس کی اہمیت جتلانے کے لیے غیر معمولی ساز و سامان کیا۔ مختلف ملکوں، دور و دراز مقامات کے لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں دوپہر کا وقت، گرمی کی شدت، عرب کا بیابان چمکتی زمین جہاں ببول کے درختوں کے علاوہ کسی درخت کا سایہ بھی نہیں۔ ایسے مقام پر آپ منزل فرماتے ہیں۔ پیچھے آنے والوں کا انتظار فرماتے ہیں۔ آگے چلے جانے والوں کو اٹے پیروں والیں بلاتے ہیں جب سب اکٹھا ہو لیتے ہیں تو کجاووں کا منبر تیار کیا جاتا ہے۔ آپ بالائے منبر تشریف لے جاتے ہیں۔ مجمع میں بے چینی ہے۔ ایک اضطراب ہے سبب کھلتا نہیں کہ آخر یہ بے منزل کی منزل کیسی؟ یہ اتنی تیار کی کس

مقصد کے لیے؟ مگر راز کھلتا نہیں، سب کی آنکھیں رسول کے چہرے پر جمی ہوئی ہیں، سب کے کان آپ کی آواز پر لگے ہوئے، رسولؐ منبر پر پہنچ کر فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اس کے بعد سارے مجمع سے اپنے مالک و مختار ہونے کا اقرار لیتے ہیں۔ تمام مجمع سے آواز بلند ہوتی ہے۔ کہ بے شک آپ ہماری جانوں پر ہم سے زیادہ قدرت و اختیار رکھتے ہیں اس اقرار لینے کے بعد آپ حضرت علیؓ کو منبر پر اپنے برابر کھڑا کرتے ہیں۔ تمام مجمع کو دکھا کر فرماتے ہیں کہ جس جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے یہ مولیٰ ہیں۔ یہ سارا اہتمام اور اتنے عظیم الشان مجمع میں رسولؐ کے اس اعلان سے مقصود صرف یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ علیؓ کے جانشین ہونے سے واقف ہو جائیں اور اپنے مقام پر پہنچ کر ہر شخص دوسروں کو بھی اس کی خبر کر دے تاکہ وہ سپیدہٴ سحر کی طرح بحر و بر میں پھیل جائے۔ لہذا جو واقعہ اتنی اہمیت کا حامل ہو، جس میں اتنا اہتمام کیا جائے تو کیا اسے اخبار احاد میں شمار کیا جائے گا؟ ایسے واقعہ کے متعلق یہ بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایک دو آدمی اس کے راوی ہیں۔ اس واقعہ کی خبر تو یوں دنیا میں پھیلی ہوئی جیسے طلوع آفتاب کے وقت آفتاب کی کرنیں چپہ چپہ کو منور کر دیتی ہیں۔ خشکی و تری دونوں میں اُجالا پھیل جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث غدیرِ حشر شہِ عنایاتِ الہی ہے۔ نمونہ ہے اس کے لطف و کرم کا۔ کیونکہ اس حدیث کی خداوندِ عالم نے پیغمبرؐ پر وحی فرمائی۔ اس میں قرآن مجید سمو کر نازل فرمایا۔ وہ کلامِ مجید جس کی تلاوت صبح و شام اہل اسلام کرتے ہیں۔ جسے خلوت و جلوت میں اپنے اوراد و وظائف میں، نمازوں میں، منبروں پر، مناروں پر پڑھتے ہیں۔

”یا ایہا الرسول بلغ ما أنزل الیک من ربک
وإن لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک
من الناس“

”اے رسول! پہنچا دو اس چیز کو جو تم پر نازل کی گئی اور اگر
تم نے نہ پہنچایا تو گویا تم نے کار رسالت ہی انجام نہیں دیا
ڈرو نہیں۔ خدا تم کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔“

لے اس آیت کا بروز غدیر خم ولایت امیر المومنینؑ کے متعلق نازل ہونا شیعوں کا بچہ کچھ
جانتا ہے۔ اس باب میں جو روایتیں ائمہ طاہرینؑ سے مروی ہیں وہ متواتر کی حیثیت رکھتی
ہیں حضرات اہل سنت کی روایتوں سے اس کا ثبوت چاہتے ہیں تو ملاحظہ فرمائیے وہ حدیث
جو امام واحدی نے سورہ مائدہ کی اس تفسیر میں کتاب اسباب النزول صفحہ ۵۰ پر دو
معتبر طریقوں سے روایت کی ہے۔ علیہ جناب ابو سعید خدریؓ صحابہ پیغمبرؐ سے نقل ہیں کہ
یہ آیت یا ایہا الرسول بلغ بروز غدیر خم علی ابن ابی طالب کے متعلق نازل ہوئی
اسی معنوں کی حدیث حافظ ابو نعیم نے اپنی کتاب نزول القرآن میں دو سندوں سے
روایت کی ہے ایک ابو سعید سے دوسرے ابورافع سے نیز علامہ حموی شافعی نے
اپنی کتاب فرائد السطین میں متعدد طریق سے روایت کیا ہے۔ ابو اسحاق عیسیٰ نے بھی
اپنی تفسیر کبیر میں اس آیت کے متعلق اسی معنوں کی حدیث درج کی ہے۔ مزید برآں قابل
تذکرہ یہ امر کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے ہی نماز رائج ہو چکی تھی، رکوعہ فرض
ہو چکی تھی، روزے رکھے جا رہے تھے، ہر سال حج بھی کیا جاتا تھا۔ شریعت کے احکام
مدون ہو چکے تھے۔ اب سوائے پیغمبرؐ کی جانشینی کے اعلان کے کون سی بات ایسی باقی
بچ رہی تھی۔ جس کے لیے خداوند عالم کی تاکید اتنے شدید پیمانہ پر ہوئی (باقی اگلے صفحہ)

اور جب رسولؐ نے وہ پیغام پہنچا دیا۔ بھرے مجمع میں علیؑ کے امام اور اپنے بعد جانشین ہونے کا اعلان کر دیا۔ تو خداوند عالم نے آیت نازل فرمائی :

”الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً“
 ”آج کے دن ہم نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کیں اور دین اسلام کو تمہارا دین بننا پسند کیا۔“

جو شخص بھی ان آیات کا مطالعہ کرے، غور و فکر سے کام لے تو خداوند عالم کی ان عنایات و منت ہائے بے پایاں پر سر جھکا کر رہے گا۔ جبکہ توجہ الہی اس مسئلہ پر اس حد تک تھی تو تعجب نہیں ہے رسولؐ کے سامنے یہ مسئلہ انتہائی اہمیت کے ساتھ آیا ہو اس لیے کہ جب آنحضرتؐ

(بقیہ حاشیہ منقوشتہ) اور اتنے سخت و شدید الفاظ استعمال کیے گئے جو دھمکی سے مشابہ تھے ان لم تفعل فضا بلغت رسالتہ۔ اگر تم نے اسے رسولؐ کی بات لوگوں تک نہ پہنچائی تو تم نے کار رسالت انجام ہی نہ دیا۔ اور خلافت کے سوائے کون سی ایسی بات ہو سکتی ہے جس کے اٹھارے پیغمبر اتنے ہراساں تھے۔ فتنہ و فساد کا اندیشہ لاحق تھا قلب پیغمبرؐ کو اور اس کے بعد پیغمبر خداوند عالم کی حمایت و حفاظت کے محتاج تھے۔ اے ہمارے یہاں کی صحیح حدیثیں روز غدیر اس آیت کے نازل ہونے کے متعلق ائمہ طاہرینؑ کے اسناد سے متواتر ہیں اگرچہ ہماری نے زمانہ نزول یوم غدیر نکسا ہے مگر گھر دالے گھر کی بات سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔

کی وفات کا وقت قریب پہنچا اور آپ کو اندازہ ہو گیا کہ اب زندگی کے دن تھوڑے رہ گئے تو آنحضرتؐ نے حکم خدا طے کیا کہ حج اکبر کے موقع پر سبھرے جمع میں علیؑ کی ولایت و جانشینی کا اعلان کر دیا جائے۔ گو اس سے پہلے آپ ہر موقع و محل پر اعلان فرما چکے تھے۔ اول اول جب اعلان رسالت فرمایا تھا اسی وقت علیؑ کی جانشینی کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ اس کے بعد جب بھی موقع ملا اعلان فرماتے رہے جیسا کہ ہم گزشتہ اوراق میں بیان کر چکے ہیں لیکن ان اعلانات کو آپؐ نے کافی نہیں سمجھا۔ آپؐ نے منادی کرادی کہ ہم اس سال حج آخری کرنے والے ہیں۔

رسولؐ کے اس اعلان سے ظاہر ہے جو قدرتنا نتیجہ مرتب ہوا ہو گا۔ ہر ہر گوشہ سے مسلمان سمٹ کر آگئے کہ رسولؐ کے ساتھ اس عبادت میں شرکت کا ثواب حاصل کریں۔ رسولؐ ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کے ہمراہ مدینہ سے نکلے۔ جب عرفات کا دن آیا تو آپؐ نے تمام مسلمانوں سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا :

”علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں میرے امور یا تو

نے زہنی و ملان نے (باب حجۃ الوداع) میں لکھا ہے کہ حضرت کے ساتھ بیٹے سے ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمی نکلے۔ اس سے زیادہ تعداد بھی بستائی جاتی ہے۔ یہ شمار ان لوگوں کا ہے جو مدینہ سے حضرت کے ساتھ ہو گئے تھے اور ان کا شمار جنہوں نے حضرت کے ساتھ حج کیا اس سے بھی زیادہ ہے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حج سے لپٹے والوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی اور ان سب نے حدیث غدیر سنی۔

میں خود ادا کر سکتا ہوں یا علیؑ؟

اور جب آپ ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے ہمراہ حج کر کے پلٹے اور وادیِ خم میں پہنچے اور روح الامین آیہؑ ببلغ لے کر آپ کی خدمت میں نازل ہوئے، آپ وہاں اتر پڑے، منزل فرمائی، جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ آپہنچے اور جو آگے بڑھ گئے تھے وہ لوٹ آئے۔ جب سب اکٹھا ہوئے آپ نے نماز جماعت پڑھائی پھر بالائے منبر مبارک خطبہ ارشاد فرمایا اور صاف کھلے لفظوں میں حضرت علیؑ کی جانشینی و خلافت کا اعلان فرمایا۔ جس کی قدرے تفصیل آپؐ سن چکے ہیں اور آپ کے اس اعلان کو جمع کے تمام مسلمانوں نے بھی سنا جو ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھے اور مختلف مقامات کے رہنے والے تھے۔

لہذا خداوندِ عالم کا وہ طریقہ جو اس کی مخلوقات میں جاری و ساری ہے جس میں کبھی تغیر و تبدل نہیں ہوتا اس کا تقاضا یہ ہے کہ حدیث غدیر متواتر ہی ہو خواہ نقل میں کیسے ہی موانع ہوں۔ مزید برآں ائمہ طاہرینؑ نے بڑے حکیمانہ انداز سے اس کی نشر و اشاعت فرمائی۔

حدیث غدیر کے متواتر ہونے کا اندازہ آپ ایک اسی واقعہ سے کیجیے کہ جب امیر المومنینؑ نے اپنے زمانہ خلافت میں کوفہ کے میدانِ رحبہ میں لوگوں کو جمع کیا اور ارشاد فرمایا کہ:

”میں قسم دیتا ہوں کہ ہر وہ مسلمان جس نے یوم غدیرِ خم رسولؐ

لے ملاحظہ ہو م ۲۴ جہاں ہم نے یہ حدیث حوالہ کے ساتھ درج کی۔ اس حدیث پر جو تبصرہ ہم نے کیا ہے وہ خاص طور پر قابلِ غور ہے۔

کو بالائے منبر اعلان منہ مانتے سنا ہو کھڑا ہو جائے اور جو کچھ رسولؐ کو کہتے سنا ہو اس کی گواہی دے، لیکن وہی کھڑا ہو جس نے اپنی آنکھوں سے غدیر خم میں رسولؐ کو دیکھا اور اپنے کانوں سے رسولؐ کو کہتے سنا ہو۔"

حضرت کے اس قسم دینے پر ۳۰ صحابی اٹھ کھڑے ہوئے جن میں صرف ۱۲ تو وہ تھے جو غزوہ بدر میں بھی شریک رہ چکے تھے۔ ان سب نے گواہی دی کہ اس روز رسولؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا: "کہ کیا تم جانتے ہو کہ میں مومنین پر ان سے زیادہ قدرت و اختیار رکھتا ہوں؟ لوگوں نے کہا: بے شک یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا: میں جس جس کا مولیٰ ہوں، یہ علیؑ بھی اس کے مولیٰ ہیں۔ خداوند! تو دوست رکھ اس کو جو ان کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو ان کو دشمن رکھے۔"

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ۳۰ صحابیوں کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا عقلاً کس قدر ناممکن ہے لہذا صرف انہیں ۳۰ صحابیوں کی گواہی کو اگر لیا جائے تو اس حدیث کا متواتر ہونا قطعی و یقینی طور پر ثابت و مسلم ہے۔

پھر اس حدیث کو ان ۳۰ صحابیوں سے مجمع کے ان تمام لوگوں نے سنا جو میدانِ رجبہ میں اکٹھا ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنے اپنے مقام پر جا کر ہر شہر و ہر قریہ میں اسے بیان کیا۔ ہر شخص سے نقل کیا اور حدیث کی پوری پوری اشاعت ہوئی یہ بھی قابل غور ہے کہ رجبہ کا واقعہ زمانہ خلافت امیر المومنین میں پیش آیا۔

امیر المومنینؑ کی بیعت ۳۵ھ میں ہوئی اور واقعہ غدیر ۳۶ھ میں پیش آیا۔ ان دونوں کی درمیانی مدت کم سے کم پچیس برس ہوتی ہے۔ اور اسی پچیس برس میں عمواس کا طاعون بھی آیا اور بہت سی لڑائیاں اور فتوحات بھی خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں پیش آئیں۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس اتنی طولانی مدت میں جو ایک چوتھائی صدی کے برابر تھی جس میں نہ جانے کتنی لڑائیاں ہوئیں، کتنے فتنے و فساد اور تباہ کاریوں کا سامنا ہوا اور طاعون عمواس کی وبا پھیلی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ واقعہ غدیر میں شریک ہونے والوں کی کتنی بڑی تعداد ختم ہو چکی ہوگی، کتنے بوڑھے اور سن رسیدہ اشخاص اپنی موت مر چکے ہوں گے۔ کتنے نوجوان شوق جہاد میں میدان کارزار میں کام آئے ہوں گے۔ مرنے والوں کی بہ نسبت زندہ رہنے والوں کی کتنی مختصر تعداد ہوگی اور جو زندہ بھی رہے ہوں گے وہ ایک جگہ تو ہوں گے نہیں۔ متفرق مقامات پر منتشر ہوں گے۔ کوئی کہیں ہوگا کوئی کہیں (کیونکہ رجبہ میں تو وہی لوگ آئے ہوں گے جو امیر المومنینؑ کے ہمراہ عراق میں موجود تھے) باوجود ان سب باتوں کے امیر المومنینؑ کے کہنے پر ۳۰ صحابی اٹھ کھڑے ہوئے۔ جن میں صرف ۱۲ تو بدری تھے اور ان سب نے گواہی دی کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے رسولؐ کو منبر پر دیکھا اور اپنے کانوں سے رسولؐ کو یہ حدیث ارشاد فرماتے سنا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واقعہ غدیر کے شاہد صرف یہی تیس صحابی نہ رہے ہوں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی کچھ افراد اس جمع میں موجود ہوں، مگر وہ اپنے بغض و کینہ کی وجہ سے نہ اٹھے نہ گواہی دی جیسے انس بن مالکؓ نے حضرت امیر المومنینؑ نے انس سے فرمایا کیوں؟ تم بھی دیگر اصحاب پیغمبرؐ (باقی اگلے صفحہ پر)

وغیرہ جس کے نتیجہ میں وہ بد دعائے امیر المومنینؑ کا شکار ہوئے۔ غصیکہ باوجود ان سب باتوں کے ۳۰ صحابی اٹھ کھڑے ہوئے اور گواہی دی اگر امیر المومنین کو موقع ملتا کہ آپ اس محل پر رجبہ کے دن ہر بقید حیات مرد و زن، ہر صنف کے اصحاب کو اکٹھا کر سکتے۔ اور ان کو ویسی ہی قسم دیکر گواہی طلب کرتے جیسی آپ نے رجبہ میں قسم دے کر گواہی مانگی تھی تو نا معلوم ایسے کتنے تیس گواہی دینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے۔ یہ خیال تو رجبہ کے دن کے متعلق ہے جو واقعہ غدیر کے پچیس برس گزرنے کے بعد ہوا۔ اب ذرا سوچیے کہ اگر امیر المومنین کو ایسا موقع سرزمین حجاز پر ملتا اور واقعہ غدیر کو اتنی مدت نہ گزری ہوتی جتنی رجبہ

(بقیہ ماضیہ صفحہ گزشتہ) کی طرح بروز غدیر پیغمبرؐ کے ارشادات جو تم نے سنے ہیں کھڑے ہو کر کیوں نہیں اس کی گواہی دیتے؟ انھوں نے کہا حضورؐ میں بڑھا ہو گیا ہوں پوری طرح یاد بھی نہیں رہا۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا: اگر تم نے یہ جھوٹ بولا ہے تو خدا تمہیں ایسا سپید داغ لگا دے جس کو عمامہ بھی نہ چھپا سکے۔ اس ابھی اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ان کا چہرہ برس کی وجہ سے سپید ہو گیا۔ اس واقعہ کے بعد اس کہا کرتے تھے اصابتی دعوة العبد الصالحۃ نیک بندے (امیر المومنین) کی بد دعا مجھے لگ گئی۔ یہ پورا واقعہ ابن قتیبہ نے معارف صفحہ ۱۹۴ پر درج کیا ہے امام احمد نے منذ جلد ۱ صفحہ ۱۱۹ پر جو روایت درج کی ہے اس سے بھی اس واقعہ پر روشنی پڑتی ہے۔ اس روایت کے الفاظ ہیں: فقاموا بالاشلالة لم یقوموا، فأصابهم دعوتہ۔ امیر المومنینؑ کے فرمانے پر تمام صحابہ نے اٹھ کر گواہی دی۔ تین شخص نہ اٹھے وہ آپ کی بد دعا کا شکار ہوئے۔

کے دن تک گزر چکی تھی اور آپ اسی طرح قسم دے کر لوگوں سے گواہی طلب کرتے تو اس صورت میں کتنے لوگ اٹھ کھڑے ہوتے اور گواہی دیتے۔ آپ اسی پر اچھی طرح غور کریں تو اسی ایک واقعہ کو حدیث غدیر کے توازن کی قوی ترین دلیل پائیں گے۔ واقعہ رجبہ کے متعلق جو روایات کتب احادیث و سنن میں موجود ہیں انہیں بھی ذرا دیکھیے۔

چنانچہ امام احمد نے مسند جلد ۴ صفحہ ۳۷۰ پر زید بن ارقم کی حدیث ابو طفیل سے روایت کر کے لکھی ہے ابو طفیل فرماتے ہیں کہ امیر المومنین نے رجبہ میں لوگوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا :

”کہ ہر مرد مسلم کو جس نے رسولؐ کو غدیر خم میں ارشاد فرماتے سنا ہو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اٹھ کھڑا ہو۔“ آپ کے اس قسم دینے پر ۳۰ افراد اٹھ کھڑے ہوئے۔ امام احمد کہتے ہیں کہ ابونعیم کا بیان ہے کہ بہت سے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اس موقع پر چشم دید گواہی دی۔ جب رسولؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر خطاب کیا تھا کہ :

”کیا تم جانتے ہو کہ میں مومنین سے زیادہ ان کے نفوس پر قدرت و اختیار رکھتا ہوں؟ سب نے کہا: بیشک یا رسول اللہ، آنحضرتؐ نے فرمایا: تو جس جس کا میں مولیٰ ہوں علیؑ اس کے مولیٰ ہیں۔ خداوند! تو دوست رکھ اس کو جو علیؑ کو دوست رکھے۔ اور دشمن رکھ اس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے۔“

ابو طفیل کہتے ہیں کہ میں رجبہ سے نکلا اور میرے دل میں بڑا غلبان

تھا اگرچہ پورے مسلمان نے اس حدیث پر کیوں عمل نہیں کیا، میں زید بن ارقم کی خدمت میں پہنچا اور ان سے رجبہ کا واقعہ بیان کیا کہ حضرت علیؑ کو میں نے ایسا ایسا کہتے سنا۔ زید بن ارقم نے جواب میں کہا کہ:

”تم اسے غلط نہ سمجھنا میں نے خود بھی رسولؐ کو ایسا کہتے سنا

ہے۔“

میں کہتا ہوں کہ زید بن ارقم کی گواہی کو رجبہ میں امیر المومنینؑ کے بیان کے ساتھ ملا لیا جائے تو اس حدیث کے ۳۲ گواہ ہو جاتے ہیں۔ ایک امیر المومنینؑ دوسرے زید بن ارقم اور وہ ۳۰ صحابی جنہوں نے رجبہ میں گواہی دی تھی۔

امام احمد نے مسند جلد ۱ صفحہ ۱۱۹ پر حضرت علیؑ کی حدیث عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت کر کے لکھی ہے۔ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ:

”میں رجبہ میں اس موقع پر موجود تھا اور میں نے خود حضرت

علیؑ کو لوگوں کو قسم دیتے سنا۔ آپ فرما رہے تھے کہ میں

قسم دیتا ہوں ہر اس شخص کو جس نے غدیر خم میں رسولؐ کو:

”من كنت مولاه فهذا علي مولاه“ کہتے سنا

ہو اٹھ کھڑا ہو اور گواہی دے اور وہی شخص اٹھے جس

نے اپنی آنکھوں سے رسولؐ کو دیکھا ہو اور اپنے کانوں سے

کہتے سنا ہو۔“

عبد الرحمن کہتے ہیں کہ:

”بارہ بدری صحابی اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں آج تک وہ منظر

بھولا نہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم

نے رسولؐ کو غدیر خم میں کہتے سنا کہ کیا میں مومنین سے

زیادہ ان کے نفوس کا مالک و مختار نہیں اور میری ازواج کیا ان کی مایں نہیں؟ ہم سب نے کہا: بے شک یا رسول اللہ، تب آنحضرتؐ نے فرمایا: کہ جس جس کا میں مولیٰ ہوں علیؑ اس کے مولیٰ ہیں۔ خداوند! تو دوست رکھ اس کو جو علیؑ کو دوست رکھے اور دشمن رکھے اس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے۔“

اسی صفحہ کے آخر میں امام مذکور نے دوسرے طریقے سے اسی روایت کو لکھا ہے جس میں ہے کہ:

”آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خداوند! تو دوست رکھ اس کو جو ان کو دوست رکھے اور دشمن رکھے اس کو جو ان کو دشمن رکھے۔ اور مدد کر اس کی جو ان کی مدد کرے اور ذلیل و خوار کر اسے جو ان کی مدد نہ کرے۔“

عبدالرحمن کہتے ہیں کہ:

”سب اٹھ کھڑے ہوئے، تین آدمی باوجودیکہ وہ واقعہ غدیر خم میں موجود تھے لیکن گواہی دینے کے لیے نہ کھڑے ہوئے۔ امیر المومنینؑ نے ان کے لیے بد دعا فرمائی اور وہ سب آپ کی بد دعا کا شکار ہوئے۔“

اگر آپ حضرت علیؑ اور زید بن ارقم کو بھی ان بارہ بدری اصحاب کے ساتھ ملا لیں تو چودہ بدری اصحاب ہو جاتے ہیں۔ واقعہ حبہ کے متعلق جو حدیثیں اور روایات کتب احادیث و سنن میں موجود ہیں ان پر غور فرمائیے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس واقعہ میں امیر المومنینؑ کی کیا حکمت

کار فرما تھی۔ غرض دراصل یہی تھی کہ اس حدیث غدیر کی نشر و اشاعت ہمہ گیر ہو جائے جو ناواقف ہیں ان کو بھی معلوم ہو جائے۔

ایک ایسا ہی موقع حضرت مظلوم کربلا امام حسینؑ کو بھی عہد معاویہ میں پیش آیا۔ آپ نے بھی امیر المومنینؑ کی طرح اس محل پر حق کا اعلان کیا۔ حج کے موقع پر حجب عرفات میں لاکھوں مسلمان موجود تھے، آپ نے ایسا فیض و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا کہ کسی نے ایسا فصاحت و بلاغت میں ڈوبا ہوا کلام سنا ہی نہ ہوگا۔ اس خطبہ میں آپ نے واقعہ غدیر کا حق ادا کر دیا۔ امام مظلوم کی اس تقریر سے بھی حدیث غدیر کی شہرت اور نشر و اشاعت میں بڑا اثر ہوا۔

باقی نو ائمہ معصومینؑ کا بھی اس حدیث کی نشر و اشاعت میں بڑا حکیمانہ طرز عمل رہا۔ مختلف طریقوں سے انھوں نے اس حدیث کی نشر و اشاعت فرمائی چنانچہ وہ ہر سال ۱۸ ویں ذی الحجہ کو عید کا دن قرار دیتے رہے، اس دن مسرت و شادمانی کا اظہار فرماتے، خدا کی خوشنودی کے لیے نمازیں پڑھتے روزے رکھتے دعائیں کرتے اور زیادہ سے زیادہ نیکی واحسان فرماتے شکر گزاری میں اس نعمت کی جس سے خداوند عالم نے اس تاریخ میں اپنے بندوں کو نوازا تھا یعنی امیر المومنینؑ کی خلافت کا اعلان فرمایا تھا۔ آپ کو عہدہ امامت تفویض کیا تھا۔ یہ حضرات اس تاریخ میں بہ نسبت اور دنوں کے خصوصیت کے ساتھ صلہ رحم فرماتے۔ اپنے عیال کے لیے سامان راحت پیدا کرتے اپنے خویش و برادر کی ملاقات کو جاتے۔ اپنے ہمایوں کے ساتھ حسن سلوک فرماتے، اور انھیں سب باتوں کا اپنے دوستوں کو بھی حکم دیتے۔ اسی وجہ سے ہر سال کی ۱۸ ذی الحجہ شیعوں کے نزدیک عید کا

دن رہا۔ ہرزمانہ میں اور ہر شہر میں شیعہ اس دن مسجدوں میں عبادت کرتے ہیں۔ کلام مجید کی زیادہ تلاوت کرتے ہیں اور ماثور دعائیں پڑھتے ہیں خداوند عالم کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے آج کے دن امیر المومنین کو امام بنا کر دین کو کامل اور اپنی نعمت کو تمام کیا۔ پھر ایک دوسرے سے ملنے ملتے ہیں اظہار خوشی و مسرت کرتے ہیں۔ خدا کی خوشنودی کے لیے لوگوں کے ساتھ نیکی و احسان کرتے ہیں۔ اپنے رشتہ داروں، ہمسایوں کی خوشی کے اسباب فراہم کرتے ہیں۔

نیز اسی تاریخ میں ہر سال شیعہ مزار اقدس امیر المومنین کی زیارت کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ ہر خطہ زمین سے لاکھوں کی تعداد میں روضہ اقدس پر شیعان امیر المومنین^۴ مجتمع ہوتے ہیں تاکہ اس دن وہ بھی خدا کی اسی طرح عبادت کریں جس طرح ان کے ائمہ معصومین^۵ آج کے دن کیا کرتے تھے۔ روزہ رکھ کر نمازیں پڑھ کے خداوند عالم سے توبہ استغفار کر کے اور تقرب و خوشنودی الہی کے لیے نیکیاں کر کے صدقہ و خیرات دیکر اور اس وقت تک روضہ سے جاتے نہیں جب تک کہ روضہ مبارک سے چھٹ کر وہ زیارتیں نہ پڑھ لیں جو بعض ائمہ طاہرین سے منقول ہیں۔ جو امیر المومنین کے مدارج عالیہ اور مخصوص گرافتہ فضائل و محامد دین اسلام کی بنیاد کو مضبوط و استوار کرنے کے لیے آپ کی محنت و مشقت، حضرت سرور کائنات کی خدمت نیز آپ کے اوصوصیات و

لے علامہ ابن اثیر نے تاریخ کامل جلد ۸ صفحہ ۱۸۱ میں بسلسلہ واقعات ۴۵۲ لکھا ہے کہ اس سال ۱۸ ذی الحجہ کو معز الدولہ نے حکم دیا کہ بغداد میں آرائش کی جائے چنانچہ جشن خوشی منایا گیا باجے بجائے گئے شب کو بازار کھلے رہے صیبا کہ عید کی راتوں میں عموماً دستور ہے۔ یہ سب عید غدیر کی خوشی میں ہوا۔

فضائل جس میں یہ بھی ہے کہ آنحضرتؐ نے آپ کو اپنا جانشین بنایا اور یوم غدیر آپ کی خلافت کا اعلان فرمایا ان سب باتوں کی گواہی پر شتمل ہے شیعہ ہر سال ایسا کرتے ہیں، ان کا وتیرہ بن چکا ہے شیعوں کے خطباء و مقررین کا دستور ہے کہ وہ ہر شہر میں ہر مقام پر ہر اپنی تقریر میں حدیث غدیر کو بہترین اسلوب اور بہت ہی عمدہ پیرایہ میں بیان کرتے ہیں ان کی کوئی تقریر حدیث غدیر کے تذکرہ سے خالی نہیں ہوتی۔ اسی طرح قدیم شعراء اور نئے دور کے شعراء کی بھی یہ عادت ہمیشہ رہی کہ وہ اپنے قصائد میں واقعہ غدیر کو نظم کرتے آئے ہیں۔

لہذا شیعوں کے یہاں جس حدیث کو اتنی اہمیت حاصل ہو اس کے بطریق اہل بیت و شیعیان اہلبیتؑ متواتر ہونے میں تو کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں کیونکہ انھوں نے اس حدیث کو بعینہ اس کے الفاظ میں محفوظ رکھنے میں جتنی احتیاط کی اور اس کے تحفظ و انضباط نشر و اشاعت میں جتنی کد و کاوش سے کام لیا وہ انتہا درجہ کو پہنچی ہوئی تھی۔

آپ شیعہ کتب احادیث ملاحظہ فرمائیں۔ ان میں یہ حدیث بے شمار طرق و

لے جناب کیت ابن زید کے کچھ اشارہ پہلے ذکر کر آئے ہیں جن میں کا ایک شعر یہ تھا:

یوم الدوح دوح غدیر خیم ابان لہ الولائیۃ لواطیعا... الخ
(غدیر خم کے میدان میں حضرت سرور کائنات نے آپ کی خلافت کا اعلان کیا
کاش پیغمبر کی بات مانی جاتی)

مشہور شاعر ابو تمام نے اپنے قصیدہ میں کہا (یہ شعراء اس کے دیوان میں موجود ہیں)

ویوم الغدیر استوہج الحق اہلہ بفیحاء ما فیہا حساب ولا ستر
(آئی آؤں کلام)

اسناد سے مروی ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس کی زحمت گوار فرمائیے تو شیعوں کے نزدیک اس حدیث کا متواتر ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گا۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ بالحاظ اصولِ فطرت حضراتِ اہل سنت کے یہاں بھی اس حدیث کے متواتر ہونے میں کوئی شک نہیں۔ صاحبِ فتاوائے حامد یہ ایسا متعصب شخص مگر انھوں نے بھی اپنی کتاب الصلۃ الفارغہ فی الاحادیث المتواترہ میں اس حدیث کے متواتر ہونے کا صاف صاف اقرار کیا ہے۔

علامہ سیوطی اور انھیں جیسے دیگر حافظانِ حدیث نے بھی اس کے تواتر کی تصریح کی ہے۔

علامہ جریر طبری جن کی تفسیر مشہور ہے اور تاریخ بھی اور احمد بن محمد ابن سعید بن عقیلہ اور محمد بن احمد بن عثمان ذہبی نے تو اس حدیث کو اتنا اہم سمجھا کہ مستقل کتابیں مخصوص حدیثِ غدیر پر لکھیں اور ان تمام طریقوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی جن طریقوں سے یہ حدیث مروی ہے۔

علامہ طبری نے اپنی کتاب میں پچھتر طریقوں سے اور ابن عقیلہ نے اپنی کتاب میں ایک سو پانچ طریقوں سے اس حدیث کو لکھا ہے۔

۱۔ صاحبِ غایۃ المرام نے اپنی کتاب کے سولہویں باب صفحہ ۸۹ پر تصریح کی ہے کہ ابن جریر نے حدیثِ غدیر کی ۹۵ طریقوں سے روایت کی ہے اور اس کے لیے انھوں نے ایک مستقل کتاب الولائیۃ تصنیف کی اسی طرح ابن عقیلہ نے بھی حدیثِ غدیر کے موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی اور اس میں ایک سو پانچ طریقوں سے اس حدیث کی روایتیں درج کیں اور علامہ احمد بن محمد بن صدیق مغربی نے صراحت کی ہے کہ ذہبی اور ابن عقیلہ دونوں نے اس حدیثِ غدیر پر مستقل کتابیں لکھیں ملاحظہ ہو علامہ موصوف کی کتاب (باقی اگلے صفحہ پر)

علامہ ذہبی ایسے شدید متعصب شخص نے بھی اکثر و بیشتر طرق کو صحیح قرار دیا ہے۔

غایۃ المرام کے سولہویں باب میں ۸۹ حدیثیں بطریق اہل سنت مذکور ہیں جس میں واقعہ غدیر کا ذکر ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ ۸۹ حدیثیں ان روایتوں کے علاوہ ہیں جو ترمذی، نسائی، طبرانی، بزار، ابویعلیٰ نیز اور بہت سے علماء اہل حدیث نے ذکر کی ہیں۔

اور علامہ سیوطی نے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں بعض حالات امیر المومنینؑ اس حدیث کو ترمذی سے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:

”اس حدیث کو امام احمد نے حضرت علیؑ، ابویوب انصاریؓ

زید بن ارقمؓ، اور عمرؓ و ذی ثرؓ سے روایت کیا ہے“

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:

”ابویعلیٰ نے ابو ہریرہؓ سے اور طبرانی نے ابن عمرؓ، مالک بن حویرثؓ،

حبشی بن جنادہؓ، جریرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابوسعید خدریؓ اور انسؓ سے روایت کیا“

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:

”بزار نے ابن عباسؓ و عمارہ و بریدہؓ سے روایت کیا۔... الخ“

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۱ ششہ) فتح الملک العلی بھت حدیث باب مدینۃ العلم علی کا خطبہ

لے علامہ ابن حجرؒ کی نے صواعق محرقہ باب اول فصل پنجم میں اس کی وضاحت کی ہے۔

لے سند جلد اول کے صفحہ ۱۳۱ پر ابن عباسؓ کی حدیث سے بھی اس کی روایت کی ہے۔ نیز سند جلد

صفحہ ۲۰۱ پر برابر بن عازبؓ کی حدیث سے بھی روایت کی ہے۔

اس حدیث کے بیش از بیش معروف و مشہور ہونے پر منجملہ اور ادلہ کے ایک وہ روایت بھی ہے جو امام احمد نے اپنی مسند میں رباح بن حارث سے دو طریقوں سے روایت کی ہے۔ رباح کہتے ہیں کہ :

”ایک جماعت مسلمانوں کی امیر المومنینؑ کی خدمت میں آئی اور

یہ کہہ کر سلام کیا کہ سلام ہو آپ پر اے ہمارے آقا و مولیٰ!

امیر المومنین نے پوچھا: کون ہیں آپ لوگ؟ انھوں نے جواب

دیا: کہ ہم آپ کے موالی ہیں، یا امیر المومنینؑ، آپ نے فرمایا:

”میں تمھارا مولیٰ کیسے ہوا؟ حالانکہ تم قوم عرب ہو، انھوں

نے کہا: ہم نے رسولؐ کو غدیر خم میں کہتے سنا کہ ”من

كنت مولاه فهذا علي مولاه“ میں جس کا

مولیٰ ہوں علی اس کے مولیٰ ہیں“

رباح کہتے ہیں کہ :

”جب وہ چلنے لگے تو میں بھی پیچھے پیچھے چلا۔ میں نے ان کے

متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ چند انصار تھے جن

میں ابوالیوب انصاری بھی تھے۔“

منجملہ ان ادلہ کے جو اس حدیث غدیر کے توازن پر وال ہیں ایک وہ

حدیث بھی ہے جو اسحاق ثعلبی نے اپنی تفسیر میں بسملہ تفسیر سورہ معارج دو

معتبر سندوں سے ذکر کی ہے کہ :

”رسول اللہؐ نے غدیر خم کے دن لوگوں میں منادی کرا دی سب

اکٹھے ہو گئے تو آپ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے علیؑ مولیٰ ہیں۔ یہ بات ہر طرف مشہور ہو گئی اور ہر شہر میں اس واقعہ کی خبر پہنچی۔ حارث بن نعمان فہری کو بھی معلوم ہوئی۔ وہ یہ سن کر ایک ناقہ پر سوار ہو کر رسولؐ کی خدمت میں پہنچا۔ ناقہ کو بٹھا کر اترا اور کہا: یا محمدؐ آپ نے ہم کو حکم دیا کہ خدا کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دیں۔ ہم نے آپ کے اس حکم کو مانا آپ نے حکم دیا کہ پانچ وقت نماز پڑھیں۔ ہم نے اسے بھی قبول کیا۔ آپ نے حکم دیا کہ ہم زکوٰۃ دیں۔ ہم نے اس حکم کی بھی تعمیل کی۔ آپ نے حکم دیا کہ ہم حج کریں ہم نے حج بھی کیا ہم نے اتنی باتیں آپ کی مانیں اور آپ اس پر بھی راضی نہ ہوئے اور آپ نے یہ کیا کہ اپنے چچا زاد بھائی علیؑ کی آستین پکڑ کر ان کو کھڑا کیا ان کو ہم لوگوں پر فضیلت دی اور ان کے متعلق فرمایا کہ جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے یہ علیؑ مولیٰ ہیں۔ یہ بات آپ کی جانب سے تھی یا خدا کی جانب سے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ خدا کی جانب سے تھا اور اسی کے حکم سے ایسا میں نے کیا۔ یہ سن کر حارث پلٹا اور اپنی سواری کی طرف بڑھا یہ کہتے ہوئے کہ پروردگار! محمدؐ جو کہہ رہے ہیں اگر سچ ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا دردناک عذاب ہم پر بھیج۔

وہ ابھی اپنے مرکب تک پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ خداوند عالم نے اسے اپنے

عذاب میں مبتلا کیا۔ ایک پتھر آسمان سے اس کی کھوپڑی پر گرا جو سر کو توڑتا
ہوا اسفل سے نکل گیا اور اس نے وہیں جان دے دی اور اس واقعہ کے
متعلق یہ آیت نازل ہوئی: (یہاں تک اصل عبارت کا ترجمہ تھا) ^۱
اور بہت سے علمائے اہلسنت نے اس حدیث کو بطور مسلمات
ذکر کیا ہے۔

ش

۱۔ ثعلبی سے ایک جماعت نے علماء اہل سنت کی جیسے علامہ شلنجی نے نور الابصار ص ۱۶۱
پر احوال امیر المومنینؑ میں لکھا ہے۔
۲۔ حلبی نے سیرۃ حلبیہ صفحہ ۳۷۴ ج ۳ میں احوال حجۃ الوداع میں لکھا ہے۔

مکتوب نمبر ۲۹

چونکہ ہم مجبور ہیں کہ صحابہ کو صحیح سمجھیں لہذا اس حدیث کی تاویل کرنا ضروری ہے۔ تاویل کے علاوہ ہمارے لیے کوئی چارہ کار ہی نہیں خواہ یہ حدیث متواتر ہو یا غیر متواتر۔ اسی وجہ سے حضرات اہل سنت کہتے ہیں کہ لفظ مولیٰ متقدم معانی میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ خود قرآن میں بھی یہ لفظ کئی معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ کبھی توالی کے معنوں میں جیسے خداوند عالم کا یہ قول جو اس نے کفار سے خطاب کر کے فرمایا ہے

”مأواکم النار ہی مولاکم“

”تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور وہی تمہارا مولیٰ ہے“

یعنی تمہارے لائق ہے۔ اور کبھی ناصر کے معنوں میں جیسے ارشاد خداوند عالم ہے :

”ذٰلِكَ اِنَّ اللّٰهَ مَوْلٰى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكَافِرِيْنَ

لَا مَوْلٰى لَهُمْ“

”خدا ایمان لانے والوں کا مددگار ہے مگر کافروں کا کوئی

مددگار نہیں“

اور کبھی وارث کے معنوں میں جیسے خداوند عالم کا قول :

”وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِي مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ

وَالْاٰثِرِبُونَ“

”ہم نے ہر ایک کے لیے مولیٰ قرار دیے ہیں یعنی وارث قرار

دیے ہیں“

کبھی بمعنی جماعت استعمال ہوا ہے ۔ جیسے ارشاد خداوند عالم ہے :

”وَالَّذِي خَفَّتْ الْمَوَالِي“

”میں اپنے گروہ والوں سے ڈرا“

کبھی دوست کے معنوں میں جیسے قول باری تعالیٰ :

”يَوْمَ لَا يَخْفٰى مَوْلًا عَنْ مَوْلًا شَيْئًا“

”یاد کرو اس دن کو جس دن کوئی دوست کسی دوست

کے کام نہ آئے گا۔“

اسی طرح لفظ ولی اولیٰ بالتصرف کے معنوں میں آتا ہے جیسے ہم لوگوں

کا قول کہ فلاں، فلاں کا ولی ہے۔

کبھی ناصر و محبوب کے معنوں میں تو حضرات الہست کہتے ہیں

کہ غالباً حدیث کے معنی یہ ہیں کہ میں جس کا مددگار ہوں یا دوست

ہوں یا حبیب ہوں اس کے علی مددگار ہیں یا دوست ہیں یا حبیب ہیں

یہ معنی اگر مان لیے جائیں تو سلف صالحین کے عزت و احترام میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا اور خلفاء ثلاثہ کی خلافت بھی کچھ جاتی ہے۔

حدیث غدیر کی تاویل پر قرینہ

حضرات اہل سنت کہتے ہیں کہ یہی معنی مراد پیغمبرؐ ہونے پر یہ قرینہ ہے کہ جب حضرت علیؑ ین تشریف لے گئے تھے اور مسلمانوں کی ایک جمعیت آپ کے ساتھ تھی اور کچھ لوگوں کو آپ کی سخت گیری سے تکلیف پہنچی انھوں نے رسولؐ کی خدمت میں پہنچ کر آپ کی شکایت کی اور آپ کی برائیاں کیں۔ اسی سبب سے آنحضرتؐ نے غدیر خم میں آپ کی مدح و ثناء بیان کرنے میں اتنا اہتمام کیا۔ آپ کے فضائل و محامد بیان فرمائے۔ اس سے غرض یہ تھی کہ لوگوں کو حضرت علیؑ کی جلالت قدر معلوم ہو جائے اور جو ان کے دشمن ہیں ان کی آنکھیں کھل جائیں۔ اس کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی تقریر میں حضرت علیؑ کا ذکر خصوصیت سے کیا اور فرمایا کہ جس کا میں ولی ہوں علیؑ اس کے ولی ہیں۔ اہلبیتؑ کا ذکر عام طور پر کیا کہ میں تم میں دو گرفتار چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک کتاب خدا اور دوسرے میرے عزت و اہلبیتؑ۔ گویا یہ مسلمانوں سے رسول اللہؐ کی چلتے چلائے وصیت تھی کہ علیؑ کے ساتھ سلوک کرنے میں خصوصیت کے ساتھ میرے حقوق کی حفاظت کا خیال ہے اور اہل بیتؑ کے متعلق جن سلوک کی عام وصیت تھی۔

حضرات اہلسنت کہتے ہیں کہ اس بنا پر حدیث سے نہ تو یہ ثابت ہے کہ حضرت نے آپ کو اپنا جانشین بنایا اور نہ آپ کے امام ہونے پر یہ حدیث

دلاست کرتی ہے۔

س

جوابِ مکتوب

حدیث غدیر کی تاویل ممکن نہیں

مجھے یقین ہے کہ آپ نے جو کچھ فرمایا اس سے خود بھی مطمئن نہیں اور نہ آپ کا میلان ہے اس طرف، آپ کو آنحضرتؐ کی حکمتِ بالغہ، شانِ عصمت اور حیثیتِ خالصت کا پورا اندازہ ہے، آپ بخوبی آگاہ ہیں کہ حضرت ختمی مرتبت تمام اہل حکمت کے سید و سردار اور تمام نبیوں کے خاتم تھے۔ آپ اپنی خواہش نفسانی سے کبھی تکلم فرمانے ہی نہ تھے۔ جو کچھ فرماتے وہ ترجہائی ہوتی تھی وحی ربانی کی۔ خداوندِ عالم نے آپ کو تعلیم دے کر دنیا میں بھیجا تھا۔

سوچئے تو اگر غیر مسلم فلسفی آپ سے واقعہ غدیر کے متعلق پوچھے اور کہے کہ آخر یہ رسولؐ نے ان لاکھوں مسلمانوں کو غدیر خم میں پہنچ کر سفر جاری رکھنے سے کیوں روک دیا۔ کس لیے ان کو چلچلاتی دوپہر میں تپتی زمین پر ٹھہرایا اور یہ اتنا اہتمام کس مقصد کے لیے تھا کہ جو آگے بڑھ گئے تھے ان کو واپس بلایا اور جو پیچھے رہ گئے تھے ان کا انتظار کیا اور آخر یہ کس لیے چٹیل میدان میں انھیں منزل کرنے پر مجبور کیا جہاں پانی نہ تھا نہ سبزہ، پتھر بلی زمین تھی۔ ٹھیک ایسی جگہ پہنچ کر جہاں راہیں بدلتی تھیں، لوگ جدا ہونے والے تھے۔ آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا تاکہ حاضرین غیر حاضر

استخاص کو پہنچا دیں اور اس سر یہ ضرورت کون سی آپڑی تھی کہ آپ نے سلسلہ تقریریں اپنے وقت رحلت قریب ہونے کی خبر دی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا :
 ”قریب ہے کہ میرے پروردگار کا مجھے بلاوا آپہنچے اور مجھے وہاں جانا پڑے۔ وہاں مجھ سے بھی سوال کیا جائے گا اور تم سے بھی باز پرس ہوگی“

وہ بات کون سی تھی جس کے متعلق رسولؐ سے پوچھا جانے والا تھا کہ آپ نے اسے پہنچایا یا نہیں اور امت سے باز پرس کی جانے والی تھی کہ رسولؐ کی اس بات میں اطاعت کی گئی یا نہیں؟

رسولؐ کے یہ سوال کرنے کی وجہ کیا تھی کہ کیا تم لوگ گواہی نہیں دیتے کہ بس معبود حقیقی وہی خداوند عالم ہے اور محمد اس کے بندے اور رسولؐ ہیں اور جنت حق ہے جہنم حق ہے موت برحق ہے اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا حق ہے۔ قیامت آنے والی ہے اس کے متعلق کوئی شبہ نہیں اور خداوند عالم قبروں کے تمام مردوں کو زندہ کرے گا۔

لوگوں نے کہا: بے شک یا رسول اللہ! ہم اس کی گواہی دیتے ہیں اور یہ آخر کس لیے رسولؐ نے فوراً علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور اتنا اونچا کیا کہ سپید حی نعل نمایاں ہوئی اور ارشاد فرمایا:

”اے لوگو! خداوند عالم میرا مولیٰ ہے اور میں مومنین کا مولیٰ

ہوں“

اور آپ نے اپنے اس جملہ کی کہ میں مومنین کا مولیٰ ہوں یہ تشریح کیوں فرمائی
 ”کہ میں ان پر ان کے نفوس سے زیادہ نصرت و امتداد رکھتا ہوں“
 اور یہ تفسیر فرمانے کے بعد آپ نے یہ کیوں فرمایا کہ :

”جس کا میں مولیٰ ہوں یہ علیؑ اس کے مولیٰ ہیں“ یا جس کا میں
ولی ہوں علیؑ اس کے ولی ہیں“ خداوند! تو دوست رکھ
اس کو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھے اس کو جو علی کو
دشمن رکھے۔ مدد کر اس کی جو علی کی مدد کرے اور ترکِ نصرت
کر اس کی جو علی کی مدد سے گریز کرے“

یہ آئندہ رسولؐ نے حضرت علیؑ کے لیے خصوصیت سے ایسی دعا کیوں منرائی
جو صرف ائمہ برحق اور سچے خلفاء کے لائق و سزاوار ہے اور یہ کیوں آپؐ نے مجمع
سے پہلے گواہی لے لی تھی یہ کہہ کر کہ:

”کیا میں مختارے نفوس پر تم سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا؟“
لوگوں نے کہا: بے شک، تو یہ گواہی لے لینے کے بعد آپؐ نے فرمایا:
”کہ میں جس کا مولیٰ ہوں یہ علیؑ اس کے مولیٰ ہیں“ یا ”جس کا
میں مولیٰ ہوں یہ علی اس کے مولیٰ ہیں“

اور آئندہ کس وجہ سے اہل بیتؑ اور کتاب الہی کو ہم پلہ مترا دیا آپؐ نے؟
اور صاحبِ عقل و فہم کے لیے روز قیامت تک انھیں مبتلا اور پیشوا کیوں
منرمایا؟ کس چیز کے لیے حکیم اسلام اتنا زبردست اہتمام فرما رہے تھے
وہ کون سی مہم تھی جس کے لیے اتنی پیش بندی کی ضرورت لاحق ہوئی توہ کون سی
غرض تھی جس کی تکمیل آپؐ کو لوگوں کے بھرے مجمع میں مد نظر تھی۔ وہ بات کیا
تھی جس کے پہنچانے کا خداوند عالم کی جانب سے اتنا تاکید حکم ہوا اور
آیت اتری کہ:

”اے رسولؐ پہنچا دو اس پیغام کو جو تمھارے پروردگار کی جانب
سے نازل ہوا ہے اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا کارِ رسالت ہی انجام نہ دیا“

یہ اتنی شدید تاکید اور دھمکی سے ملتا جلتا حکم دینے کی خدا کو ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ وہ بات کیا تھی جس کے پہنچانے میں رسولؐ ڈر رہے تھے کہ کہیں فتنہ نہ کھڑا ہو جائے اور اس کے بیان کرنے میں منافقین کی ایذا رسائیوں سے بچنے کے لیے خدا کی حفاظت و حمایت کے ضرورت مند ہو رہے تھے۔ اگر یہ سوالات آپ سے کیے جائیں تو کیا آپ اتنی عقل اور سمجھ رکھتے ہوئے یہی جواب دیں گے کہ ان تمام باتوں سے خدا و رسولؐ کی غرض صرف یہ ظاہر کرنا تھا کہ علیؑ مسلمانوں کے مددگار اور دوست ہیں۔ میرا تو یہی خیال ہے کہ آپ یہ جواب دینا کبھی بھی پسند نہ کریں گے۔ مجھے وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ اس قسم کی باتیں اس حکیم مطلق، رب الارباب کے لیے جائز سمجھیں گے۔ نہ حکیم اسلام خاتم النبیینؐ کے لیے۔ آپ سے بہت بعید ہے کہ آپ رسولؐ کے لیے یہ جائز و مناسب مزار دیں کہ وہ اپنی تمام تر صلاحیتیں اور پوری پوری کوشش ایسی چیز واضح کرنے میں صرف کر دیں جو خود روشن اور واضح ہو جس کی وضاحت کی کوئی ضرورت ہی نہ ہو یا ایسے عمل کی وضاحت فرمائیں جسے وجدان و عقل سلیم واضح سمجھیں۔ مجھے تو کوئی شک نہیں کہ آپ یقیناً پیغمبرؐ کے اقوال و افعال کو اس سے بلند و برتر سمجھتے ہوں گے کہ ارباب عقل اس کو معیوب سمجھیں یا فلاسفہ و صاحبان حکمت نکتہ چینی کریں۔

کوئی شبہ نہیں کہ آپ رسولؐ کے قول و فعل کی قدر و منزلت سے واقف ہیں۔ آپ معرفت رکھتے ہیں کہ رسولؐ کے افعال و اقوال کس قدر حکمت سے بھرپور شان عصمت کے حامل ہوتے ہیں۔ خداوندِ عالم جس کے متعلق فرمائے:

”انہ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ

مکین مطاع شَمَّ اَمین و ما صاحبکم بمجنون
 ”بے شک یہ قرآن ایک معزز فرشتہ (جبریل) کی زبان کا پیغام
 جو بڑا قوی عرش کے مالک کی بارگاہ میں بلند رتبہ ہے۔
 سب فرشتوں کا سردار امانتدار ہے اور (مکہ والوں) تمھارے
 ساتھی (محمد) دیوانے نہیں ہیں“

وہ واضح باتوں کی وضاحت اور بدیہی چیزوں کے بیان کرنے کے لیے اتنا
 اہتمام کرے گا اور ان اظہر من الشمس چیزوں کو واضح کرنے کے لیے ایسا ساز و
 سامان فراہم کرے گا۔ ایسی بے شک و بے ربط پیش بندیاں کرے گا۔ خدا و
 رسولؐ کی ذات ان جہلات سے کہیں پاک و صاف اور بزرگ و برتر ہے۔
 آپ یقیناً یہ جانتے ہوں گے کہ اس چمپلائی دوپہر میں، اس موقع و
 محل کے مناسب اور غدیر کے دن کے افعال و اقوال کے لائق و سزاوار بھی
 بات تھی کہ آپ اپنی ذمہ داری پوری کر دیں اور اپنے بعد کے لیے جانشین
 معین فرمائیں۔

آنحضرتؐ کا انداز گفتگو سچے تلے الفاظ و واضح عبارت بھی یہی کہتی ہے
 اور عقلی دلیلوں سے بھی اسی بات کا قطع و یقین ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کا مقصد
 اس دن یہی تھا کہ حضرت علیؑ کو اپنا ولیعہد اور اپنے بعد جانشین و قائم مقام
 کر جائیں۔

لہذا یہ حدیث ان تمام قرائن کے ساتھ جسے الفاظ حدیث اپنے دامن
 میں لیے ہوئے ہیں امیر المومنین کی خلافت و امامت کے متعلق صریحی نص ہے
 کسی تاویل کی گنجائش نہیں اور نہ اس معنی کو چھوڑ کر دوسرے معنی مراد لینے
 کی گنجائش نکلتی ہے۔ یہ تو ایسی واضح چیز ہے کہ کسی دلیل کی ضرورت ہی

نہیں بشرطیکہ انسان چشم بنیا اور گوش شوار کھے۔

اور آپ حضرات اہل سنت جس قرینہ کا ذکر فرماتے ہیں وہ بہت ہی رکیک اور بالکل ہی غلط بیانی ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت نے علی کو دو مرتبہ یمن کی جانب بھیجا پہلی مرتبہ سب سے پہلے اس مرتبہ لوگوں نے امیر المومنینؑ کے متعلق تہمت تراشی کی اور مدینہ واپس آکر رسولؐ کی خدمت میں شکایتیں کیں جو رسولؐ کو بہت ناگوار گزریں۔ یہاں تک کہ غیظ و غضب کے آثار آپ کے چہرے سے نمایاں ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر کسی کو جبارت ایسا کرنے کی نہ ہوئی۔

اور دوسری مرتبہ سب سے پہلے اس مرتبہ آپ نے حضرت علیؑ کو علم لشکر دیا اور سر پر عامہ باندھا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ روانہ ہو اور ادھر ادھر توجہ نہ کرنا حضرت علیؑ روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر رسولؐ کے امور انجام دیے اور وہاں سے مکہ پہنچ کر حجۃ الوداع میں رسولؐ کے ساتھ ہو گئے اس مرتبہ نہ تو کینہ و ر کھنا ظاہر کرنے کی نوبت آئی نہ کسی دشمن کو دشمنی کرنے کا موقع ملا۔ لہذا یہ کہنا کیونکہ درست ہو سکتا ہے کہ رسولؐ نے غدیر خم میں جو کچھ کہا اس کا سبب وہی علیؑ پر اعتراض کرنے والے ہیں یا آنحضرتؐ نے دشمنان و مخالفین امیر المومنینؑ کی رد میں ایسا کیا۔

علاوہ اس کے محض علیؑ کی مخالفت و دشمنی تو ایسی چیز نہیں ہو سکتی کہ اس کے سبب سے رسولؐ علیؑ کی مدح و ثنا کرنے کے لیے اتنا اہتمام فرمائیں۔ پستی زمین پر چلتی دھوپ میں مسلمانوں کو بٹھا کے پالانوں کا منبر تیار کر کے اس شد و مد سے علیؑ کے فضائل بیان کریں۔ ہاں معاذ اللہ رسولؐ کو اگر اپنے افعال و

افعال اپنے قصد و ارادہ میں اس قدر ہرزہ کار سمجھ لیا جائے تو یہ دوسری بات ہے۔ آپ کی شانِ حکیمانہ اور اندازِ عصمت ان مریخانات و ہلالت سے کہیں پاک و صاف ہے۔ خداوند عالم تو اپنے رسولؐ کے متعلق فرماتا ہے:

”انہ لبقول رسول کریم وما هو بقول شاعر قلیلاً

ما تؤمنون ولا بقول کاہن قلیلاً ما تذکرون

تذویل من رب العالمین“

اگر صرف حضرت علیؑ کے فضائل کا بیان کرنا یا مخالفین کی رد ہی آنحضرتؐ کو مقصود ہوتی تو آپؐ کہہ سکتے تھے کہ یہ میرے چچا زاد بھائی ہیں، میرے داماد ہیں، میرے نواسوں کے باپ ہیں، میرے اہلبیتؑ کے سید و سردار ہیں۔ تم لوگ ان کے ساتھ بدسلوکی کر کے مجھے اذیت نہ پہنچانا یا اسی سببی اور باتیں فرما سکتے تھے جن سے صرف آپؐ کا فضل و شرف اور جلالت قدر ظاہر ہوتی حالانکہ الفاظ حدیث سے وہی باتیں ذہن میں آتی ہیں جو ہم نے بیان کیں۔

لہذا حدیث کے بیان کا کوئی سبب بھی ہو الفاظ سے جو معنی فوراً ذہن میں آتے ہیں وہی مراد ہوں گے اور اسباب پر اعتنا نہ کی جائے گی۔

اس حدیث غدیر میں اہل بیتؑ کا جو ذکر ہوا تو یہ ہمارے ہی بیان کیے ہوئے معنی کا مؤید ہے۔ ہم نے جو کچھ سمجھا ہے اسی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ رسولؐ نے اس حدیث میں اہل بیتؑ کو قرآن مجید کا ہم پلہ قرار دیا ہے اور ارباب عقل کے لیے نمونہ ہدایت فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم مضبوطی سے تھامے رکھو تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک کتابِ خدا، دوسرے عزت و اہل بیتؑ۔ آپؐ نے ایسا

اس لیے کیا اور اس وجہ سے مندرمایا کہ ائمہ والے جان لیں، سمجھ لیں کہ رسولؐ کی آنکھ بند ہونے کے بعد بس ان ہی دو چوپیزوں کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے، یہی دونوں بھروسہ کے لائق ہیں۔ ائمہ اہل بیتؑ کی اطاعت و اتباع واجب و لازم ہونے کا آپ اسی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے انھیں کتابِ خدا کے برابر ترار دیا ہے۔ کتابِ خدا جس کے پاس باطل کا گروہ تک نہیں اس کا ہم پلہ انھیں مندرمایا ہے لہذا جس طرح کتابِ الہی کو چھوڑ کر کسی دوسری کتاب کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔ بینہ اسی طرح ائمہ اہل بیتؑ کو چھوڑ کر ان کے مختلف کسی امام کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں اور آنحضرتؐ کا یہ فرمانا کہ یہ دونوں کبھی ختم نہ ہوں گے یا کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پہنچیں۔ دلیل ہے اور واضح دلیل ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد زمین ان ائمہ اہل بیتؑ سے خالی نہیں ہو سکتی۔ ان میں کا کوئی نہ کوئی فرد ہر زمانہ اور ہر وقت میں ضرور موجود رہے گا جو ہم پلہ کتابِ الہی کا ہوگا۔

اگر آپ اس حدیث پر اچھی طرح غور و تدبر فرمائیں تو یہ حقیقت آپ پر منکشف ہوگی کہ آنحضرتؐ نے یہ ارشاد فرما کر خلافت کو ائمہ طاہرین ہی میں منحصر کر دیا ہے۔ ان کے علاوہ کی گنجائش ہی نہیں نکلتی۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند جلد ۵ صفحہ ۱۳۲ پر زید بن ثابت سے روایت کی ہے۔ زید بن ثابت کہتے ہیں: "کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: میں تم میں اپنے دو جانشین چھوڑے جاتا ہوں کتابِ خدا جو ایک رسی ہے جس کا سلسلہ آسمان سے زمین تک ہے دوسرے میری عمرت و اہلبیت"

آپ بے خبر نہ ہوں گے کہ عترت کی اتباع کو واجب و لازم کرنا بعینہ امیر المؤمنینؑ کی اطاعت و اتباع کو واجب کرنا ہے۔ اس لیے کہ آپ راس و رئیس اہلبیتؑ تھے لہذا حدیث غدیر ہو یا اس جیسی دیگر حدیثیں سب کی سب حضرت علیؑ ہی کی امامت و خلافت کی نصوص صریحہ ہیں۔ سب سے آپ ہی کی امامت ثابت ہوتی ہے۔ جو حدیثیں اہلبیتؑ کے متعلق ہیں جن میں اہلبیتؑ کی اطاعت و اتباع کو واجب فرمایا ہے رسول کی ان حدیثوں سے آپ کی امامت یوں ثابت ہوتی ہے کہ آپ راس و رئیس تھے عترت و اہلبیتؑ کے۔ وہ اہلبیتؑ جن کی منزلت خدا و رسولؐ کے نزدیک کلام الہی جیسی تھی اور جو روایتیں خود امیر المؤمنینؑ کے متعلق وارد ہوئی ہیں ان سے بجاظاہر آپ کی گراں قدر شخصیت اور جلالت و عظمت کے آپ کی امامت ثابت ہوتی ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ ہر اس شخص کے ولی تھے جس کے رسول اللہؐ ولی تھے۔

فقط والسلام
ش

مکتوب نمبر ۳۰

حق کا بول بالا

آپ ایسے نرم لب و لہجہ میں اپنا مطلب بیان کرنے والا ہیں نے
نہیں پایا اور نہ آپ کا زور استدلال کسی میں دکھیا۔ آپ نے جن قرائن کا
ذکر کیا ان پر غور کرنے سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہی
مٹھیک ہے۔ شک و شبہات کے بادل چھٹ گئے اور یقین کے چہرے
سے شکوک کے پردے اٹھ گئے۔ اب میں کوئی تردد باقی نہ رہا کہ یقیناً حدیث
غذیر میں لفظ ولی و مولیٰ سے مراد اولیٰ بالتصرف ہے نہ کہ کچھ اور۔ کیونکہ
اگر اس لفظ سے ناصر یا محب وغیرہ مفسود ہوتے تو پھر حارث کو عذاب
کا سوال کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی لہذا لفظ مولیٰ کے متعلق آپ کی جو

یہی حضرت

رائے ہے وہی پایہ تحقیق کو پہنچتی ہے اور وہی درجہ
اچھا ایسا کیوں نہیں کہ آپ بھی اس حد پر
اختیار کریں جو ہمارے بعض علماء مثلاً علامہ ابن
صواعق محرقہ ہیں اور علامہ حلبی نے سیرت حلبیہ

اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ اولی
بالامامت تھے۔ آپ ہی کے لیے امامت زیبا تھی لیکن مقصود نتیجہ کا رد
مآل کار ہے یعنی رسولؐ کا مقصد یہ تھا کہ جب خلفاء ثلاثہ کا دور گزر جائے
گیا اور حضرت علیؑ کو لوگ اپنا امام منتخب کریں گے تو اس وقت صرف حضرت
علیؑ ہی اولی بالامامت ہوں گے۔ اگر یہ معنی نہ لیے جائیں تو خرابی یہ لازم
آتی ہے کہ آنحضرتؐ کی موجودگی ہی میں حضرت علیؑ کا امام ہونا لازم آتا
ہے اور یہ ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کے عین حیات آپ کے امام ہونے کے
کوئی معنی نہیں لہذا مقصود پیغمبرؐ یہ تھا کہ جب لوگ آپ کی بیعت کریں
آپ کو خلیفہ منتخب کریں آپ کی امامت پر اجماع کریں اس وقت آپ
ہی اولی بالامامت ہیں۔

اگر یہ معنی لیے جائیں تو خلفاء ثلاثہ کی خلافت معرض خطر میں نہیں
پڑتی۔ اگر یہ معنی لیے جائیں تو سلف صالحین جو حضرت علیؑ کو جو تھا خلیفہ
مانتے ہیں ان کے دامن پر کوئی دھبہ نہیں آتا اور آپ جو ثابت کرنا چاہتے
ہیں وہ بھی ثابت ہو جائے گا۔

جوابِ مکتوب

آپ نے فرمایا کہ ہم آپ کے کہنے سے یہ مان لیں کہ حدیث غدیر

رسول علیؑ کو جو اولیٰ کہا گیا ہے اس سے یہ مطلب ہے کہ حضرت علیؑ وقت اولیٰ بالامامت تھے جب مسلمان آپ کو امامت کے لیے منتخب کر لیں اور آپ کی بیعت کریں لہذا آپ کے قول کی بنا پر حضرت علیؑ کا اولیٰ ہونا جس کا اعلان رسولؐ نے بروز غدیر کیا تھا باعتبار مآل و نتیجہ کے تھا۔ حضرت علیؑ زمانہ آئندہ میں اولیٰ بالامامت تھے فی الحال نہیں۔ جس وقت رسولؐ نے فرمایا تھا اس وقت نہیں۔ دوسرے الفاظ میں آپ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؑ بالقوة اولیٰ بالامامت تھے بالفعل نہیں تاکہ یہ حدیث آپ کے پہلے تین خلفاء کی خلافت کے منافی نہ ہو۔ بہت اچھا، بہتر ہے، مگر ہم آپ کو عدل و انصاف کا واسطہ دیتے ہیں آپ سے بقسم پوچھتے ہیں کہ آپ اپنے قول پر جے رہیں گے۔ اس سے ہٹیں گے تو نہیں؟ تاکہ ہم بھی آپ کے قدم بہ قدم چلیں، آپ ہی کی روش اختیار کریں۔ اور کیا آپ راضی ہیں اس پر کہ یہ سہرا آپ ہی کے سر باندھا جائے یا اس قول کی آپ کی طرف نسبت دی جائے کہ ہم بھی آپ کے ہم خیال رہنا ہو جائیں۔

مجھے تو یقین ہے اور کامل یقین ہے کہ نہ تو آپ اس معنی پر مجھے رہیں گے اور نہ اس پر راضی ہوں گے۔ ہمیں تو یقینی طور پر علم ہے اس کا کہ آپ خود ان لوگوں پر تعجب کرتے ہوں گے جو اس معنی کے مراد ہونے کا احتمال پیدا کرنے ہیں حالانکہ نہ تو الفاظ حدیث اس معنی کو بتاتے ہیں نہ حدیث سن کر کسی سننے والے کے ذہن میں یہ معنی آتے ہیں اور نہ یہ معنی حکیم اسلام کی حکمت و بلاغت سے لگاؤ رکھتا ہے نہ غدیر کے دن حضرتؑ کے غیر معمولی انصاف و اقوال سے اس معنی کو کوئی مناسبت ہے اور نہ ان

مولیٰ تھے

قطعی مستر این سے جن کا ہم نے سابق میں ذکر
بن نغان فہری کے سمجھے ہوئے معنی سے کوئی نہ
یہ کہنا کہ حضرت علیؑ اولیٰ بالامامت جو تھے
یہ عموم حدیث سے مرتبط ہی نہیں، الفاظ حدیث

اس شخص کے مولیٰ تھے جس کے رسولؐ مولیٰ تھے اور آپ کے قول کی بنا پر صرف
اپنے ہی زمانہ خلافت کے لوگوں کے مولیٰ ثابت ہوتے ہیں لہذا آپ کے
قول کی بنا پر نہ تو حضرت علیؑ خلفاء ثلاثہ کے مولیٰ ہوئے اور نہ ان لوگوں
میں سے کسی ایک کے مولیٰ ہوئے جو زمانہ خلافت خلفاء ثلاثہ میں انتقال
کر گئے اور یہ صریحی طور پر ارشاد رسولؐ کے مغائر ہے۔ رسولؐ نے تو
ان لوگوں سے پوچھا تھا کیا میں مومنین سے اولیٰ نہیں؟ لوگوں نے کہا
تھا۔ بے شک۔ آپ ہم سب کے مولیٰ ہیں۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا
تھا تو میں جس جس کا (فرداً فرداً) مولیٰ تھا علیؑ اس کے مولیٰ ہیں۔ بغیر
کسی استثناء کے آپ نے حضرت علیؑ کو ہر شخص کا مولیٰ قرار دیا۔ لطف
یہ ہے کہ حضرت ابو بکر و حضرت عمرؓ نے روز غدیر حبيب رسولؐ کا یہ ارشاد
سنا تو امیر المومنینؑ سے کہا تھا:

”اے فرزند ابوطالب! آپ ہر مومن اور مومنہ کے مولیٰ ہو گئے۔“

ان دونوں بزرگواروں نے تصریح کر دی ہے کہ حضرت علیؑ ہر مومن و مومنہ

نے جیسا کہ دارقطنی کی روایت ہے۔ ملاحظہ ہو صواعق محرقہ ص ۲۱۰ باب اول فضل خاص

ان کے علاوہ بکثرت محدثین نے اپنے اپنے طرق و اسناد سے اس کی روایت کی ہے الم احمد نے اس

قول کو سلسلہ احادیث برار بن عازب مند ج ۴ ص ۲۸۸ پر درج کیا ہے ص ۲۸۸ پر سابقاً ہم ذکر کر چکے ہیں۔

علی سبیل الاستغراق کوئی فرد مستثنیٰ نہ تھا۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے کہا گیا کہ آپ حضرت علیؓ کے ساتھ ایسا موصوفہ بناؤ کرتے ہیں جیسا کسی صحابی پیغمبرؐ کے ساتھ نہیں کرتے حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ یہ میرے مولیٰ ہیں۔

حضرت عمرؓ کا صریحی اقرار ہے کہ آپ ان کے مولیٰ تھے حالانکہ اس وقت نہ تو لوگوں نے آپ کو خلافت کے لیے منتخب کیا تھا اور نہ آپ کی بیعت ہی کی تھی۔ لہذا قطعی طور پر ثابت ہوا کہ حضرت علیؓ حالاً مولیٰ تھے جس وقت پیغمبرؐ نے خدا کے حکم سے برسرِ منبر اس کا اعلان کیا اسی وقت سے مولیٰ ہو گئے۔

دو اعرابی کسی نزاعی مسئلہ میں حضرت عمرؓ کے پاس فیصلہ کے لیے آئے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ آپ فیصلہ کریں۔ ان میں سے ایک نے کہا: یہ ہمارا قصہ چکائیں گے؟ حضرت عمرؓ نے پکٹ کر اس اعرابی کی گردن پکڑ لی اور کہنے لگے:

”کم بخت جاننا بھی ہے یہ کون ہے؟ یہ مختارے مولیٰ ہیں۔ اور ہر مومن کے مولیٰ ہیں اور جس کے یہ مولیٰ نہیں وہ مومن ہی نہیں۔“

اس بارے میں بہت سی روایات و احادیث موجود ہیں۔ آپ اس سے بھی بے خبر نہ ہوں گے کہ علامہ ابن حجرؒ کی اور ان کے ہم خیالوں کی پُرکج جو انھوں نے حدیثِ غدیر میں نکالی ہے صحیح سمجھ لی جائے

لے جیسا کہ دارقطنی کی روایت ہے۔ ملاحظہ ہو مواضع محرقہ ص ۱۶۷۔

لے دارقطنی نے اس واقعہ کی روایت کی ہے ملاحظہ ہو مواضع محرقہ باب فضلِ اول۔

تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ معاذ اللہ پیغمبرؐ کا غدیر کے دن ہر قول و فعل بہودہ و مہمل سمجھا جائے، رسولؐ ہرزہ کار سمجھے جائیں۔ کیونکہ علامہ ابن حجر کی اس نرالی منطق کی بنا پر غدیر کے دن اس سارے ساز و سامان، غیر معمولی اہتمام کا مقصد ہی کچھ نہیں نکلتا۔ سوا اس کے کہ رسولؐ یہ بیان کرنا چاہتے تھے کہ علیؑ کی جب لوگ بیعت کر لیں تب یہ اولیٰ بالامامت ہوں گے اور یہ معنی تو ایسے ہیں کہ سمجھ والے تو سمجھ والے، نا سمجھ بھی منہس دیں گے۔ اس معنی کے بنا پر امیر المؤمنینؑ کو امتیاز ہی کیسا حاصل ہوا۔ دوسروں کے مقابلہ میں آپؐ کی خصوصیت ہی کیا ثابت ہوئی اس لیے کہ جس کی بیعت ہو جاتی امامت کے لیے جس کو بھی مسلمان منتخب کر لیتے۔ اولیٰ بالامامت ہوتا۔ اس معنی سے تو حضرت علیؑ اور آپؐ کے ماسوا تمام صحابہ سب ہی برابر ہوئے۔ اگر آپؐ کی نرالی منطق درست سمجھ لی جائے تو یوم غدیر رسولؐ نے چلیلاتی دھوپ میں بتی زبیں پر لاکھوں سلمانوں کو روک کر اتنا زبردست اہتمام فرما کر کون سی اہم بات فرمائی، بمقابلہ دیگر اصحاب کون سی مخصوص فضیلت حضرت علیؑ کی بیان کی۔

علامہ ابن حجر وغیرہ کا یہ کہنا کہ حضرت علیؑ کا اولیٰ بالامامت ہونا مالا اگر نہ مانا جائے تو اس صورت میں حضرت علیؑ کا رسولؐ کے جیتے جی امام ہونا لازم آئے گا۔ تو یہ نرالی فریب دہی ہے۔ اور انبیاء و خلفاء و ملوک و امراء کا جو دستور ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین مقرر کرتے آئے اس سے غفلت شناری اور تغافل کشی ہے حدیث "أنت مني بمنزلة هارون من موسى" جس مطلب پر دلالت کرتی ہے اس سے عہد انا و اقیات کا اظہار اور دعوتِ عشیرہ کے موقع پر آنحضرتؐ نے جو فرمایا تھا: "فاسمعوا له واطيعوه"

ان کی بات سننا اور ان کی اطاعت کرنا یا اسی جیسے دیگر ارشاداتِ پیغمبر کو مہجلا دینا ہے۔

علاوہ اس کے اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ علیؑ کا اولیٰ بالامامت ہونا غیر ممکن ہے کیونکہ رسولؐ کی زندگی ہی میں ان کا امام ہونا لازم آئے گا تو کم سے کم رسولؐ کی آنکھ بند ہونے کے بعد سے تو حضرت علیؑ ہی کو اولیٰ بالامامت ہونا چاہیے۔ یہ سچ میں فاصلہ تو نہ ہونا چاہیے جیسا کہ طے شدہ مسئلہ ہے۔ علمائے معانی و بیان کا بنایا ہوا قاعدہ ہے کہ جب کسی حقیقی معنی پر عمل کرنا دشوار ہو تو مجازی معنوں میں جو معنی قریب ترین ہو اس پر عمل کرنا چاہیے۔ لہذا من کنت مولاً یہ نہذا علی مولاً میں لفظ مولیٰ کو اگر اس کے حقیقی معنی اولیٰ بالامامت پر حمل کرنا دشوار سمجھتے ہیں کیونکہ نبی کی زندگی میں امام لازم آئے گا تو اس کے یہ معنی سمجھیے کہ رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی بغیر کسی فصل کے یہ اولیٰ بالامامت ہیں۔ رہ گیا یہ کہ مولیٰ سے اولیٰ بالامامت اگر محالاً مراد لیا جائے تو سلف صالحین کا احترام باقی رہے گا اور حالاً اولیٰ بالامامت سمجھا جائے تو یہ نہیں۔ تو یہ بالکل ہی غلط ہے۔ مولیٰ سے اولیٰ بالامامت محالاً مراد لینے پر بھی سلف صالحین کے دامن پر کوئی دھبہ نہیں آسکتا ان کا احترام تاویل کے بغیر بھی باقی رہتا ہے جیسا ہم آئندہ اگر ضرورت پیش آئی تو اس کی وضاحت کریں گے۔

ش

مکتوب نمبر ۳۱

شیعوں کے سلسلہ سے نصوص کی خواہش

جب سلف صالحین کا احترام محفوظ ہے تو آپ نے حضرت علیؑ کی امامت کے متعلق جتنی حدیثیں ذکر فرمائیں خواہ حدیث غدیر ہو یا دیگر احادیث تو کوئی حرج نہیں اور ہمیں ان میں خواہ مخواہ تاویل کی بھی ضرورت نہیں شاید آپ کے یہاں اس سلسلہ سے متعلق اور بھی حدیثیں ہیں۔ جن سے اہلسنت بے خبر ہیں بڑی ہیرا بانی ہوگی آپ اپنے یہاں کی ان احادیث کو بھی ذکر فرمائیے تاکہ ہمیں بھی واقفیت حاصل ہو۔

س

جواب مکتوب

ہاں ہمارے یہاں اور بھی بہت سی صریحی نصوص امامت و خلافت امیر المومنینؑ کے متعلق کتب احادیث میں موجود ہیں جن کی اہلسنت کو خبر نہیں۔ وہ تمام کی تمام حدیثیں صحیح ہیں، بطریق اہلبیت طاہرینؑ مروی ہیں۔ ہم چالیس حدیثیں آپ کو سُناتے ہیں :

① — جناب صدوق محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی نے

اپنی کتاب الکمال الدین و اتمام النعمۃ میں عبد الرحمن بن سمرہ سے اسناد کر کے آنحضرتؐ سے ایک حدیث درج فرمائی ہے

”آنحضرتؐ نے فرمایا : اے ابن سمرہ، جب خواہشیں

لوگوں کی باہم مخالف ہوں اور خیالات مختلف

ہوں تو تم علیؑ ابن ابی طالب کا دامن پکڑے

رہنا۔ وہ میری امت کے امام اور میرے بعد میرے

خلیفہ و جانشین ہیں“

② — جناب صدوق نے اپنی اسی کتاب الکمال میں، ابن عباس سے روایت کی ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ :

”رسولؐ نے فرمایا : کہ خداوند عالم نے زمین پر نگاہ

ڈالی۔ تمام روئے زمین کے باشندوں میں مجھے

منتخب فرما کر نبی بنایا پھر دوسری مرتبہ نگاہ کی اور

علیؑ کو منتخب فرما کر امام بنایا پھر مجھے حکم دیا کہ میں

انہیں اپنا بھائی، ولیعہد، وصی، جانشین اور وزیر بناؤں“

— (۲) اسی کتاب اکمال میں بسلسلہ اسناد امام جعفر صادقؑ سے اور انھوں نے اپنے آبا و اجداد طاہرین علیہم السلام سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

”جبریل امین نے مجھ سے منجانب پروردگار عالم بیان کیا کہ جو شخص علم رکھتا ہو کہ کوئی معبود نہیں سوائے میری ذات یکتا کے اور محمدؐ میرے بندے اور میرے رسول اور علی ابن ابی طالب میرے خلیفہ اور ان کی اولاد میں گیارہ امام میری حجتیں ہیں۔ تو میں اس شخص کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کروں گا“

— (۴) اسی اکمال میں جناب صدوقؑ نے بسلسلہ اسناد امام جعفر صادقؑ سے اور انھوں نے اپنے آبا و اجداد طاہرین سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ:

”میرے بعد بارہ امام ہوں گے۔ سب سے پہلے علیؑ اور سب کے آخر میں قائم ہیں۔ یہ میرے بارہ خلفاء اور میرے اوصیاء ہیں“

— (۵) اسی اکمال میں جناب صدوقؑ بسلسلہ اسناد اصبح بن نباتہ سے روایت کرتے ہیں۔ اصبح کہتے ہیں کہ:

”ایک دن امیر المومنینؑ ہمارے پاس تشریف لائے اس طرح کہ آپ کا ہاتھ آپ کے فرزند امام حسنؑ کے

ہاتھ میں تھا۔ امیر المومنینؑ فرما رہے تھے کہ رسول اللہؐ
 بھی ہم لوگوں کے درمیان ایک دن اسی طرح تشریف
 لائے اور ان کے ہاتھ میں میرا ہاتھ تھا اور آپ
 فرما رہے تھے کہ میرے بعد بہترین خلافت اور ان کا
 سید و سردار میرا بھائی ہے۔ یہ میرے بعد ہر مسلم اور
 ہر مومن کا امیر ہے۔“

— (۶) اسی اکمال میں جناب صدوق بلسلہ اسناد امام رضاؑ سے اور
 وہ اپنے آبا، طاہرینؑ سے روایت کرتے ہیں کہ:

”آنحضرتؐ نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ میرے
 دین پر قائم رہے اور میرے بعد نجات کی کشتی پر
 سوار ہو، وہ علیؑ کی پیروی کرے وہ میرے وصی
 اور میری امت میں میرے جانشین و خلیفہ ہیں۔
 میری زندگی میں بھی اور میرے مرنے کے بعد بھی!“

— (۷) اسی اکمال میں جناب صدوق بلسلہ اسناد امام رضاؑ سے

اور وہ اپنے آبا، طاہرینؑ سے روایت کرتے ہیں:
 ”آنحضرتؐ نے فرمایا: میں اور علیؑ اس امت کے
 باپ ہیں جس نے ہمیں پہچانا اس نے خدا کو پہچانا
 اور جس نے ہمیں نہ پہچانا اس نے خدا کو نہ پہچانا
 اور علیؑ ہی کے فرزند امت کے سبطین ہیں اور
 سردارانِ جوانانِ جنت ہیں یعنی حسنؑ و حسینؑ اور
 حسین کے نو فرزند ہوں گے ان کی اطاعت میری

اطاعت اور ان کی نافرمانی میری نافرمانی ہے۔ نواں
فرزند قائم اور جہدی ہوگا“

— (۸) اسی اکمال میں امام حسن عسکری سے مروی ایک حدیث جناب
صدوق نے لکھی ہے۔ امام حسن عسکری نے اپنے آباؤ اجداد پر
سے روایت کی ہے کہ :

”آنحضرتؐ نے فرمایا : اے ابن مسعود! علیؑ ابن ابی
طالب میرے بعد تمھارے امام ہیں اور تم میں میرے
جانشین ہیں“

— (۹) اسی اکمال میں بسلسلہ اسناد جناب سلمان فرماتے ہیں کہ:
”میں رسولؐ کی خدمت میں پہنچا دیکھا کہ حسینؑ آپ
کے زانو پر بیٹھے ہیں اور رسولؐ ان کے ہونٹوں کو
چوم رہے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں، تو سید و سرار
ہے۔ سید و سردار کا بیٹا ہے، تو امام ہے، امام کا بھائی
ہے، امام کا بیٹا ہے اور اماموں کا باپ ہے، تو خدا
کی حجت ہے، خدا کی حجت کا فرزند ہے اور خدا کی
نوحہ منوں کا باپ ہے جو سب کے سب تیرے سلب
سے ہوں گے۔ نواں قائم ہوگا“

— (۱۰) اسی اکمال میں جناب صدوق بسلسلہ اسناد جناب سلمان
سے روایت کرتے ہیں۔ ایک طولانی حدیث ہے جس
کا ٹکڑا یہ ہے کہ

”آنحضرتؐ نے اپنی پارہ جگر جناب سیدہ سے فرمایا:

کیا تم جانتی نہیں کہ ہم وہ اہل بیت ہیں کہ خداوند عالم نے ہمارے لیے بمقابلہ دنیا، آخرت کو پسند کیا اور خداوند عالم نے ایک نگاہ روئے زمین پر ڈالی اور تمام خلایق میں مجھے منتخب کیا۔ پھر دوبارہ نگاہ کی اور تمہارے شوہر کو منتخب کیا اور خداوند عالم نے مجھے وحی فرمائی کہ تمہاری شادی ان سے کروں اور انھیں اپنا ولی بناؤں اور وزیر بناؤں اور اپنی امت میں اپنا جانشین مقرر کروں پس تمہارا باپ تمام انبیاء سے بہتر اور تمہارا شوہر تمام اوصیاء سے بہتر اور تم پہلی وہ فرد ہو جو مجھ سے ملحق ہوگی۔“

جناب صدوق نے اسی اکمال میں ایک طولانی حدیث درج کی ہے جس میں ذکر ہے کہ :

”دو سو سے زیادہ ہجرتین و انصار عہد حضرت عثمان میں مسجد کے اندر جمع ہوئے۔ علمی تذکرہ اور فقہ کی باتیں ہونے لگیں اور آگے چل کر فخر و مباہات ہونے لگی۔ حضرت علیؑ چپ تھے۔ لوگوں نے حضرت علیؑ سے کہا آپ کچھ کیوں نہیں فرماتے تو آپ نے ان کو رسولؐ کا وہ ارشاد یاد دلایا جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ علیؑ میرے بھائی ہیں، میرے وزیر ہیں، میرے وارث ہیں، وصی ہیں اور میری امت میں میرے جانشین ہیں اور میرے بعد

- ہرمومن کے ولی ہیں تو سارے مجمع نے اقرار کیا کہ
بے شک رسولؐ نے آپ کے متعلق یہ فرمایا تھا۔“
- (۱۲) — اسی اکمال میں جناب صدوق نے عبداللہ بن جعفر، امام حسن،
امام حسینؑ، عبداللہ بن عباس، عمر بن ابی سلمہ، اسامہ بن زید
سلمان، ابوذر، اور مقداد مندرجہ بالا حضرات میں سے ہر
بزرگ سے روایت کی ہے۔ ان میں سے ہر شخص کا بیان ہے کہ:
”ہم نے رسولؐ کو کہتے سنا: کہ میں تمام مومنین میں ان
سے بڑھ کر صاحب اختیار ہوں، پھر میرے بھائی علیؑ
مومنین کے مالک و مختار ہیں۔“
- (۱۳) — اسی اکمال میں جناب صدوق نے اصبح بن نباتہ سے روایت
کی ہے انھوں نے ابن عباس سے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ:
”ہم نے رسولؐ کو کہتے سنا کہ: میں اور علیؑ اور
حسنؑ و حسینؑ اور حسین کے نو فرزند پاک و پاکیزہ ہیں۔“
- (۱۴) — اسی اکمال میں جناب صدوق نے عبایہ بن ربیع سے انھوں
نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ:
”آنحضرتؐ نے فرمایا: میں نبیوں کا سردار ہوں اور علیؑ
تمام اوصیاء کے سردار ہیں۔“
- (۱۵) — اسی اکمال میں جناب صدوق نے امام جعفر صادقؑ سے انھوں
نے اپنے آبا رطاہرینؑ سے روایت کی ہے کہ:
”آنحضرتؐ نے فرمایا: خداوند عالم نے تمام انبیاء کے
درمیان مجھے منتخب کیا اور مجھ سے علیؑ کو منتخب کیا۔“

اور انہیں تمام اوصیاء پر فضیلت بخشی اور علیؑ سے حسن و حسینؑ کو منتخب کیا اور حسینؑ سے ان کی نسل میں اوصیاء کا انتخاب فرمایا جو دین سے غالیوں کی تحریف اور باطل کا بڑی کی تہمت تراشی اور گمراہوں کی تاویل کو دور رکھیں گے۔ اسی اکمال میں جناب صدوق نے امیر المومنین سے روایت کی ہے امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ :

”حضرت سرور کائنات نے فرمایا: میرے بعد بارہ امام ہوں گے ان سب کے اول تم ہو اے علیؑ اور سب سے آخر قائم ہیں جن کے ہاتھوں پر خداوند عالم مشرق و مغرب کو فتح کرے گا۔ (اکمال الدین و اتمام النعمۃ باب ۲۴ صفحہ ۴۹ تا ۶۷) یہ حدیثیں اور اس کے اوپر کی حدیثیں مذکور ہیں۔

جناب صدوق نے امالی میں امام جعفر صادق سے روایت کی ہے جسے انھوں نے اپنے آباء طاہرینؑ سے مرفوعاً بیان کیا کہ : ”آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا : علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں۔ علیؑ میری طبیعت سے پیدا ہوئے اور میری سنت کے جس مسئلہ میں امت کے درمیان اختلاف پیدا ہوگا یہ علیؑ ہی اس کی وضاحت کریں گے یہ مومنین کے امیر ہیں اور روشن پیشانی والے مومنین کے قائد ہیں اور تمام اوصیاء میں سب سے بہتر ہیں“ اسی امالی میں جناب صدوق امیر المومنین سے سلسلہ اسناد روایت

کرتے ہیں کہ :

”آنحضرتؐ نے فرمایا علیؑ مومنین کے امیر ہیں، خداوندِ عالم نے خود عرش پر ان کو ولی مقرر کیا اور ملائکہ کو گواہ بنایا اور علیؑ خدا کے خلیفہ اور حجت ہیں اور یہی علیؑ مسلمانوں کے امام ہیں۔“

— (۱۹) اسی امالی میں جناب صدوق ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ :

”آنحضرتؐ نے فرمایا: اے علیؑ تم امام المسلمین اور امیر المومنین اور روشن پیشانی والوں کے قائد ہو، میرے بعد خدا کی حجت ہو اور تمام اولیاء کے سید و سردار ہو۔“

— (۲۰) اسی امالی میں جناب صدوق ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ :

”آنحضرتؐ نے فرمایا: اے علیؑ تم میری امت پر میرے خلیفہ ہو اور تم میرے لیے ایسے ہی ہو جیسے آدمؑ کے لیے شیث تھے۔“

— (۲۱) اسی امالی میں جناب صدوق نے سلسلہ اسناد جناب ابی ذر سے روایت کی ہے۔ جناب ابو ذر فرماتے ہیں :

”ایک دن ہم لوگ رسولؐ کی خدمت میں مسجد میں بیٹھے تھے، آنحضرتؐ نے فرمایا مختارے پاس اس دروازے سے ایک شخص آئے گا وہی امیر المومنین اور امام المسلمین ہوگا۔ ناگاہ امیر المومنینؑ علیؑ ابن ابی طالب آتے

دکھائی دیے۔ رسولؐ نے آگے بڑھ کر استقبال کیا۔ پھر
آپؐ ہم لوگوں کی طرف مڑے اور ارشاد فرمایا: یہی
میرے بعد تم لوگوں کے امام ہیں۔“

(یہ حدیث اور اس کے اوپر کی چاروں حدیثیں علامہ سید بحر بنی
نے اپنی امالی میں جناب صدوق سے نقل کی ہیں اور اس کے بعد
کی تمام حدیثیں غایتہ المرام باب ۱۳ میں مذکور ہیں۔)

اسی امالی میں جناب صدوق جابر بن عبد اللہ انصاری سے
روایت کرتے ہیں کہ :

”آنحضرتؐ نے فرمایا: علیؑ ابن ابی طالب سب سے
پہلے اسلام لانے والے سب سے زیادہ علم رکھنے والے
ہیں۔ یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا: یہی امام ہیں اور
میرے بعد خلیفہ۔“

اسی امالی میں بسلسلہ اسناد ابن عباس سے روایت ہے کہ:
”آنحضرتؐ نے فرمایا: اے گروہ مردم خدا سے زیادہ
گفتار میں بہتر کون ہو سکتا ہے۔ تمھارے پروردگار
نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھارے لیے علیؑ کو امام،
خلیفہ اور وصی مقرر کر دوں، اپنا بھائی اور اپنا
وزیر بنادوں۔“

اسی امالی میں جناب صدوق نے بسلسلہ اسناد ابن عباس سے
روایت کی ہے وہ کہتے ہیں:
”رسولؐ بالائے منبر تشریف لے گئے۔ خطبہ ارشاد فرمایا

پھر وہ خطبہ ذکر کیا۔ اسی خطبہ میں ہے کہ میرے چچا کے بیٹے علیؑ میرے بھائی، میرے وزیر ہیں اور یہی میرے خلیفہ اور میری جانب سے تبلیغ کرنے والے ہیں۔ اسی امالی میں جناب صدوق نے سلسلہ اسناد امیر المومنین سے روایت کی ہے:

”امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسولؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپؐ نے فرمایا: اے لوگو خدا کا جہینہ (رمضان) آ رہا ہے۔“
پھر وہ پوری حدیث مذکور ہے جو آپؐ نے ماہ مبارک کی فضیلت میں فرمائی ہے:

”امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا: یا رسول اللہؐ اس جہینہ میں بہترین اعمال کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں سے پرہیز۔ پھر آنحضرتؐ گریہ فرمانے لگے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ آپؐ گریہ کیوں فرمانے لگے۔ آپؐ نے فرمایا: میں اس ظلم پر رورہا ہوں جو تم پر اس جہینہ میں روا رکھا جائے گا۔ یہاں تک کہ فرمایا اے علیؑ تم میرے وصیؑ میرے فرزندوں کے باپ، میری امت میں میرے خلیفہ ہو، میری زندگی میں بھی۔ میرے مرنے کے بعد بھی۔ مختار حکم دیتا میرا حکم دینا ہے اور مختار منع کرنا میرا منع کرنا ہے۔“

— (۲۶) جناب صدوق نے اسی امالی میں امیر المومنینؑ سے روایت کر کے ایک حدیث لکھی ہے :

”امیر المومنین فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ: اے علیؑ! تم میرے بھائی ہو اور میں تمھارا بھائی ہوں۔ میں نبوت کے لیے پسند کیا گیا۔ تم امامت کے لیے منتخب ہوئے۔ میں صاحب تنزیل ہوں تم صاحب تاویل ہو اور تم اس امت کے باپ ہو۔ اے علیؑ تم میرے وصی ہو، میرے خلیفہ ہو، میرے وزیر ہو، میرے وارث ہو، میرے بچوں کے باپ ہو“

— (۲۷) اسی امالی میں جناب صدوق بسلسلہ اسناد ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ :

”آنحضرتؐ نے ایک دن فرمایا، جب کہ آپ مسجد قبا میں تشریف فرما تھے اور اصحاب آپ کے گرد اکٹھے تھے: اے علیؑ! تم میرے بھائی ہو اور میں تمھارا بھائی ہوں۔ تم میرے وصی ہو، میرے خلیفہ ہو۔ میرے بعد میری امت کے امام ہو۔ خدا دوست رکھے اسے جو تمھیں دوست رکھے، دشمن رکھے اسے جو تمھیں دشمن رکھے“

— (۲۸) اسی امالی میں جناب صدوق نے ایک طولانی حدیث جناب ام سلمہ سے روایت کی ہے جس میں آنحضرتؐ نے ام سلمہ سے فرمایا کہ: ”اے ام سلمہ سنو اور گواہ رہو کہ یہ علیؑ ابن ابی طالب میرے وصی ہیں، میرے خلیفہ ہیں اور میرے کیے

ہوئے وعدوں کو پورا کرنے والے ہیں اور میرے حوض
کوثر پر سے منافقین کو بھگکانے والے ہیں“
اسی امالی میں بسلسلہ اسناد سلمان فارسی سے روایت ہے
جناب سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ :

”میں نے خود رسولؐ کو کہتے سنا : اے گروہ ہاجرین
وانصار ! کیا میں تمہاری رہبری اس ذات کی طرف
نہ کروں کہ اگر تم اس کا دامن مضبوطی سے پکڑے
رہو تو کبھی میرے بعد گمراہ نہ ہو۔ لوگوں نے کہا ضرور
یا رسول اللہؐ ، فرمایا : یہ علیؑ میرے بھائی ہیں۔
میرے وصی ہیں ، میرے وزیر ہیں میرے خلیفہ
ہیں اور تمہارے امام ہیں۔ لہذا جس طرح مجھے دوست
رکھتے ہوا انھیں بھی دوست رکھو اور جس طرح میری
عزت و تکریم کرتے ہو ان کی بھی کرو۔ مجھ سے
جبریل امینؑ نے کہا ہے کہ میں یہ بات تم سے
کہوں“

اسی امالی میں جناب صدوقؑ نے بسلسلہ اسناد زید بن ارقم
سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ :

”رسولؐ نے فرمایا : کہ میں تمہاری رہبری اس شخص
کی طرف نہ کروں کہ اگر تم اس کا مضبوطی سے دامن
پکڑے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہو نہ ہلاک ہو۔ فرمایا آنحضرتؐ
نے کہ تمہارے امام اور ولی علیؑ ابن ابی طالب

ہیں۔ ان کا بوجھ بٹاؤ ان کی خیر خواہی کرو، ان کی تصدیق کرو۔ جبریل نے مجھے اس بات کے کہنے کا حکم دیا ہے“

— (۳۱) اسی امالی میں جناب صدوق نے ابن عباس سے روایت کی ہے جس میں ہے کہ:

”آنحضرتؐ نے فرمایا: اے علیؑ! تم میری امت کے امام ہو اور میرے بعد امت پر میرے خلیفہ ہو“

— (۳۲) اسی امالی میں جناب صدوق نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ:

”آنحضرتؐ نے فرمایا: کہ خداوند عالم نے مجھ پر وحی فرمائی کہ وہ میری امت سے ایک شخص کو میرا بھائی، میرا وارث خلیفہ اور وصی بنانے والا ہے۔ میں نے درگاہ الہی میں سوال کیا، پروردگار وہ کون ہے؟ تو خدا نے مجھ پر وحی فرمائی کہ وہ تمہاری امت کا امام اور میری حجت ہے۔ اس پر میں نے عرض کیا: الہی وہ کون ہے؟ ارشاد ہوا: وہ، وہ ہے جسے میں بھی دوست رکھتا ہوں اور وہ بھی مجھے دوست رکھتا ہے یہاں تک کہ آپ نے سلسلہ بیان میں فرمایا: کہ وہ علی ابن ابی طالب ہیں“

— (۳۳) اسی امالی میں جناب صدوق نے امام جعفر صادقؑ سے اور انھوں نے اپنے آباہ طاہرینؑ سے روایت کی ہے کہ:

”آنحضرتؐ نے فرمایا: جب مجھے شب معراج آسمان

پر لے جایا گیا تو خداوند عالم نے مجھ سے علیؑ کے متعلق
عہد و پیمان فرمائے کہ وہ امام المتقین، قائد
غرامجلین، یسوب المومنین ہیں۔

— (۳۴) اسی امالی میں جناب صدوقؑ نے بسلسلہ اسناد امام رضاؑ
سے انھوں نے اپنے آبا رطاہرین سے روایت کی ہے کہ:
”آنحضرتؐ نے فرمایا: علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے
ہوں۔ خدا ہلاک کرے گا اے جو علیؑ سے جنگ کرے
علیؑ میرے بعد خلافت کے امام ہیں۔“

— (۳۵) جناب شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی نے اپنی امالی میں
بسلسلہ اسناد جناب عمار یا سر سے روایت کی ہے جناب
عمار فرماتے ہیں کہ:

”رسولؐ نے امیر المومنینؑ سے ارشاد فرمایا کہ خدائے
تمہیں ایسی زینت سے سنوارا ہے کہ جس زینت سے
زیادہ محبوب زینت بندوں کو نہیں بخشی“

— (۳۶) جناب شیخ نے اپنی امالی میں بسلسلہ اسناد امیر المومنین
سے روایت کی ہے:

”امیر المومنینؑ نے ایک دن منبر کو فر خطبہ میں ارشاد فرمایا:
اے لوگو! مجھے رسولؐ سے دس خصوصیات ایسی حاصل
ہوئیں جو روئے زمین کی تمام چیزوں سے زیادہ
مجھے محبوب ہیں۔ مجھ سے آنحضرتؐ نے فرمایا: اے
علیؑ! تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔ اور

بروز قیامت تمام مخلوق سے زیادہ مجھ سے قریب ہو گے اور جنت میں تختاری قیام گاہ میری قیام گاہ کے سامنے ہو گی۔ تم میرے وارث ہو، تم ہی میرے بعد میرے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرنے والے ہو اور میرے گھر والوں کے وصی ہو اور میری عدم موجودگی میں میرے اہلبیتؑ کے تم ہی محافظ ہو اور تم ہی میرے ولی ہو۔ اور میرا ولی خدا کا ولی ہے اور تختہ رادشمن

میرا دشمن ہے اور میرا دشمن خدا کا دشمن ہے۔
 (۳۷) — جناب صدوق نے کتاب نصوص علی الائمتہ میں بسلسلہ

اسناد امام حسن بن علیؑ سے روایت کی ہے:
 "امام حسنؑ فرماتے ہیں: کہ میں نے رسولؐ کو امیر المومنین علی ابن ابی طالب سے کہتے سنا: تم میرے علوم کے وارث ہو، میری حکمتوں کے معدن ہو، میرے بعد امام ہو۔"

(۳۸) — جناب صدوق نے کتاب نصوص میں بسلسلہ اسناد عمران بن حصین سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

"میں نے رسولؐ کو امیر المومنینؑ سے کہتے سنا: تم ہی امام ہو اور میرے بعد خلیفہ ہو۔"

(۳۹) — اسی کتاب نصوص میں بسلسلہ اسناد امیر المومنین سے ایک حدیث مذکور ہے کہ:

"آنحضرتؐ نے فرمایا: اے علیؑ تم میرے اہلبیتؑ کے

مرنے والوں کے وصی اور میری امت کے زندہ افراد پر
خلیقہ ہو“

— (۴۰) — اسی کتاب نصوص میں بسلسلہ اسناد امام حسینؑ سے ایک

حدیث مروی ہے۔ امام مظلوم فرماتے ہیں کہ:

”خداوند عالم نے جب یہ آیت نازل فرمائی کہ بعض

اولی الارحام بعض سے زیادہ حقدار ہیں“ میں نے

رسولؐ سے اس کی تاویل کے متعلق پوچھا، آنحضرتؐ

نے فرمایا تم لوگ اولی الارحام ہو۔ پس جب میں

مجاہدوں کو تمھارے پدر بزرگوار مجھ سے زیادہ

خصوصیت و قربت رکھتے ہیں۔ اور میری جگہ کے زیادہ

حقدار و سزاوار ہیں جب وہ دنیا سے اٹھیں تو تمھارے

بھائی حسنؑ اس عہدہ کے سزاوار ہیں اور حبیب حسنؑ بھی

دنیا سے اٹھ جائیں تو تم اس منصب کے سزاوار ہو۔“

یہ اتنی حدیثیں ہیں اس مختصر رسالہ میں درج کر رہا ہوں۔ یہ اتنے

نصوص باقی نصوص سے ایسی نسبت رکھتے ہیں جیسے ایک پھول کو باغ سے

یا ایک قطرے کو بحر بے پایاں سے نسبت ہوتی ہے۔ پھر بھی اگر انصاف

سے کام لیا جائے تو بعض حدیثیں ہی کفایت کریں گے۔

ش

اے ہم نے چالیس کی تعداد میں اس لیے حدیثیں بیان کی ہیں کہ ہماری کتب احادیث میں ابیر المومنین

علی بن ابی طالبؑ، عبداللہ بن عباسؑ، عبداللہ بن مسعودؑ، عبداللہ بن عمرؑ، ابوسعید خدریؑ، ابودرداءؑ

ابوہریرہؑ، انس بن مالکؑ، مساذ بن جبلؑ وغیرہ بزرگوں میں سے ہر شخص سے (باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یہ حدیث بکثرت طریقوں سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: جس نے چالیس حدیثیں امر دین کے متعلق میری امت میں یاد کیں خدا اسے بروز قیامت فقہا و علما کے گروہ میں اٹھائے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ خدا اسے فقیہ و عالم کی حیثیت سے اٹھائے گا۔ ابو دردرا کی روایت میں ہے کہ میں بروز حشر اس کا شیخ و گواہ رہوں گا۔ ابن مسعود کی روایت میں ہے کہ میں اس سے کہوں گا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہو جنت میں داخل ہو جاؤ۔ ابن عمر کی روایت میں ہے اسے زمرہ علماء میں شامل کیا جائے گا اور اسے شہداء کے زمرہ میں مبعوث کیا جائے گا اور ہمارے لیے ان چالیس حدیثوں کے حفظ کے لیے رسولؐ کا یہ قول کافی ہے خدا اس شخص کے چہرے کو شاداب رکھے جو میری بات سنے اور محفوظ رکھے اور جس طرح سنا ہے اسی طرح اسے پہنچا دے۔ آپ کا یہ قول بھی کافی ہے جن لوگوں نے سنا ہے وہ ان لوگوں کو پہنچائیں جو موجود نہیں ہیں۔

مکتوب نمبر ۳۳

شیعوں کی حدیثیں حجت نہیں اگر یہ حدیثیں صحیح ہیں تو
اہلسنت کیوں نہیں ان کی روایت کی، مزید تفصیل ذکر فرمائیں

یہ نصوص جو آپ نے ذکر فرمائے یہ حضرات اہلسنت کے یہاں ثابت نہیں۔ لہذا ان پر حجت بھی نہیں ہو سکتے۔
اگر حضرات اہلسنت کے یہاں یہ نصوص ثابت ہیں تو انھوں نے کیوں نہیں ذکر کیا۔

لہذا وہی اگلا سلسلہ آپ باری رکھیے یعنی اس موضوع پر حضرات اہلسنت کے یہاں جو احادیث موجود ہیں انھیں بیان فرمائیے۔

س

جوابِ مکتوب

ہم نے ان نصوص کو اس لیے بیان کیا کہ آپ بھی واقف ہو جائیں اور آپ نے تو خود ہی خواہش ظاہر کی تھی۔
آپ پر حجت قائم کرنے کے لیے وہی حدیثیں کافی ہیں جنہیں ہم نے گزشتہ اوراق میں خود آپ کی صحاح سے بیان کیا ہے۔

رہ گیا یہ کہ ان نصوص کو اہل سنت نے کیوں نہیں ذکر کیا تو اسے آپ کیا پوچھتے ہیں۔ یہ تو آل محمدؐ سے پر خاش اور ان کی طرف سے دل میں کینہ رکھنے والے دورِ اول کے ارباب تسلط و اقتدار کی پرانی عادت ہے جنہوں نے فضائلِ اہلبیت پر پردہ ڈالنے اور ان کے نور کو بجھانے کے لیے کوئی کوشش اٹھانہ رکھی۔ سلطنت کے خزانے لٹا دیے، اپنی توانائیاں صرف کر دیں اور ہر ہر شخص کو لالچ دے کر، ڈرا دھمکا کر آمادہ کیا کہ اہل بیت کے مناقب و فضائل مخصوص کو چھپائے، جھٹلائے۔ اس مقصد کے لیے درہم و دینار سے کام لیا گیا۔ بڑے بڑے وظیفے مقرر کیے گئے۔ اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا اور جوان ترکیبوں سے قابو میں آیا اسے کوڑوں تلواروں سے زیر کیا گیا۔

یہ فرعونِ خصلت، غرور و سرشت افرادِ فضائلِ اہلبیت کی تکذیب کرنے والوں کو تو قربت بخشتے، مقرب بارگاہ بناتے اور تصدیق کرنے والوں کو گھر سے بے گھر کرتے، جلا وطن کرتے، ان کے مال و اسباب کو لوٹ لیتے یا قتل کر دیتے۔

آپ سے یہ حقیقت مخفی نہ ہوگی کہ امامت و خلافت کے متعلق نصوص ارشادات پیغمبرؐ ایسی چیز تھی جس سے غاصب و ظالم سلاطین بے حد خطرہ محسوس کرتے تھے۔ ہر وقت انھیں خدشہ رہتا تھا کہ یہ حدیثیں کہیں ہمارا تختہ نہ الٹ دیں۔ بنیاد سلطنت نہ ڈھادیں لہذا ان صریحی نصوص و احادیث کا ان سلاطین جو ر اور ان کے ہوا خواہوں سے بچ رہنا اور متعدد اسناد و طرق مختلف سے ہم تک پہنچ جانا راستی و سچائی کا ایک کرشمہ اور حق و صداقت کا بہت بڑا معجزہ ہے کیونکہ اس وقت کی حالت یہ تھی کہ جو لوگ حقوق الہییت کو غضب کیے بیٹھے تھے اور ان کے مدارج و مراتب کو چھینے ہوئے تھے جس پر خداوند عالم نے ان الہییت علیہم السلام کو فائز کیا تھا۔ ان کا وتیرہ یہ تھا کہ محبت الہییت کا جس پر الزام قائم ہو جانا اسے دردناک و بدترین عذاب میں مبتلا کرتے، اس کی ڈاڑھی مونڈ دیتے اور بازاروں میں تشہیر کرتے تھے۔ اسے ذلیل و خوار کرتے اور جملہ حقوق سے محروم کر دیتے یہاں تک کہ اس کے لیے حکام کی عدالت کا دروازہ بھی بند ہو جاتا اور سماج میں رسائی بھی ناممکن ہو جاتی اگر کوئی شخص اچھائی کے ساتھ علیؑ کا ذکر کرتا تو حکومت اس سے بری الذمہ ہو جاتی۔ آنتیں اس پر ٹوٹ پڑتیں۔ اس کا مال آپس میں بانٹ لیا جاتا اور اس کی گردن مار دی جاتی۔ نہ معلوم کتنی زبانیں انھوں نے گدیوں سے کھینچ لیں۔ محض اس جرم میں کہ انھوں نے فضائل علی بیان کیے۔ کتنی آنکھیں ضائع

مے ملاحظہ فرمائیے شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۱۵ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے ایک مختصر سا تذکرہ ان مظالم کا کیا ہے جو دو راموی و عباسی میں اہل بیت و شیعیان الہییت پر روا رکھے جاتے تھے۔

کردیں اس تصور میں کہ علیؑ کو استمرار کی نظروں سے دیکھا، کتنے ہاتھ کاٹ ڈالے اس پاداش میں کہ علیؑ کی کسی فضیلت و منقبت کی طرف اشارہ کیا۔ کتنے پیر گھیسٹ گئے۔ اس خطا پر کہ وہ علیؑ کی طرف چلے تھے۔ علیؑ کے دوستوں کے نہ جانے کتنے گھر جلا ڈالے گئے۔ ان کے باغ اور کھیتیاں لوٹ لی گئیں اور درختوں پر انھیں سولی بھی دے دی گئی یا ان کو گھر سے بے گھر کر کے نکال باہر کیا گیا۔ نامعلوم طریقوں سے ایذا پہنچائی گئی۔

اس وقت حاملین حدیث و حافظین آثار کی ایک بہت بڑی جماعت ایسی تھی جو خدا کو چھوڑ کر ان جابر بادشاہوں اور ان کے افسروں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کی خوشامد اور چالپوسی میں کسی بات سے دریغ نہ کرتے تھے۔ حدیثوں میں الٹ پھیر کر دینا عبارت کچھ سے کچھ کر دینا۔ ضعیف کو قوی اور قوی کو ضعیف کر کے پیش کرنے میں انھیں کوئی باک ہی نہ تھا جیسے ہم آجکل اپنے زمانے میں حکومت کے پٹھو اور تنخواہ دار علماء اور قاضیوں کو دیکھتے ہیں کہ حکام کو راضی کرنے کے لیے کتنی انتھک کوششیں کرتے ہیں ان کی حکومت چاہے عادل ہو یا جابر، احکام ان کے صحیح ہوں یا غلط، مگر ہر معاملہ میں ان کی تائید ہی کریں گے۔ حاکم کو جب بھی اپنے حکم کی موافقت میں یا حکومت کے مخالف افراد کا قلع قمع کرنے کے لیے فتویٰ کی ضرورت ہوتی ہے، یہ علماء فوراً ایسے فتوے صادر کر دیتے ہیں جو ان حکام کی خواہش کے عین مطابق اور ان کی سیاسی اغراض کے لیے مفید و ضروری ہوتے ہیں۔ چاہے ان کے فتوے متراکن و حدیث کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کے فتوے کی وجہ سے اجماع امت، شکست و ریخت ہی کیوں نہ ہو جائے۔ اجماع کی صریحی مخالفت ہی کیوں نہ ہوتی ہو۔ لیکن انھیں کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ انھیں تو

غرض ہوتی ہے منصب و عہدہ کی۔ ڈرتے ہیں کہ کہیں حکام ناراض ہو کر معزول نہ کر دیں یا یہ لاپچہ ہوتا ہے کہ خوش ہو کر ہمیں منصب عطا کر دیں گے۔

آج کل کے علماء اور اس زمانے کے علماء میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آج کل کے علماء حکومت کی نگاہ میں کوئی وزن نہیں رکھتے لیکن اس زمانہ کے علماء کی حالت جداگانہ تھی سلاطین خود ان کے محتاج ہوا کرتے تھے کیونکہ اس وقت کے سلاطین علماء کو آلہ کار بنا کر گویا خدا و رسولؐ سے جنگ کرتے تھے۔

اسی وجہ سے یہ علماء سلاطین اور ان کے اعلیٰ عہدیداروں کے نزدیک بڑی قدر و منزلت رکھتے تھے اور ہر فرمائش ان کی پوری کی جاتی تھی جس کے نتیجہ میں یہ خود شاہانہ جاہ و جلال اور دولت و امارت کے مالک ہوتے ان کی یہ حالت تھی کہ وہ صحیح حدیثیں جس میں علیؑ یا اہل بیتؑ کی کوئی فضیلت مذکور ہوتی ان میں تعصب سے کام لیتے۔ بڑی سختی سے ان کی تردید کرتے پایہ اعتبار سے گرانے میں پوری طاقت سے کام لیتے۔ اس حدیث کے راویوں کو رافضی قرار دیتے (اور رافضی ہونا ان کے نزدیک بدترین جرم تھا)

یہ ان کا طرز عمل ان تمام احادیث کے مستعمل تھا جو حضرت علیؑ کی شان میں وارد ہوئی ہیں خصوصاً وہ حدیثیں جن سے شیعیان علیؑ تمسک کرتے۔ ان حدیثوں سے تو اور بھی کد تھی انھیں۔

ان علماء کے کچھ ممتاز و با اثر افراد ہر قریہ و ہر شہر میں ہوتے جو ان کا پراپیگنڈہ کیا کرتے۔ کچھ دنیا دار طلبا ہوتے جو ان کے فتاویٰ ان کے اقوال و آراء کی ترویج کرتے۔

کچھ ریاکار عابد و زاہد ہوتے کچھ رؤسائے قوم، شیوخِ قبائل ہوتے جب یہ اشخاص ان صحیح احادیث کی رد میں ان علماء کے اقوال سننے تو انہیں کو حجت بنا لیتے اور عوام جاہل پبلک میں خوب ان اقوال کی ترویج کرتے اور ہر شہر میں اس کی اشاعت کرتے اور اصول دین میں سے ایک اصل بنا دیتے۔

اسی زمانہ اور اسی مقام پر کچھ ایسے علمائے احادیث بھی تھے جنہوں نے خوف و ہراس سے مجبور ہو کر وہ حدیثیں ہی بیان کرنا چھوڑ دیں جو امیر المومنین اور اہل بیت کے فضائل میں پائی جاتی تھیں۔ ان غریبوں کی حالت یہ تھی کہ جب ان سے پوچھا جاتا تھا کہ یہ لوگ جو علیؑ و اہل بیتؑ کی شان میں وارد صحیح حدیث کی رد کر رہے ہیں آپؐ کا کیا خیال ہے ان کے متعلق۔ ان احادیث کے متعلق آپؐ کی کیا رائے ہے؟ تو وہ ڈرنے نہتے کہہ دیتے ہیں تو آفت نہ ٹوٹ پڑے، مجبوراً وہ حقیقت ظاہر نہ کر پاتے اور نجات اسی میں دیکھتے کہ معارض اقوال بیان کر دیے جائیں۔ اس ڈر سے کہ کہیں یہ سرکاری علماء درپے ایذا رسانی نہ ہو جائیں۔

سلاطین اور ان کے عہدیداروں نے حکم دے رکھا تھا کہ امیر المومنینؑ پر لعنت کریں۔ اس بارے میں بڑی سختی سے کام لیتے۔ علیؑ کی برائی اور مذمت کرنے کے لیے ہر ممکن ذریعہ سے لوگوں کو آمادہ کرتے۔ مال و دولت دے کر ہر طرح کے وعدے کر کے، ڈرا دھمکا کر اور ان سب سے بھی قابو نہ پاتے تو فوج کشی کر کے اپنے مکتوبات میں امیر المومنینؑ کی ایسی تصویر کشی کرتے جسے پڑھ کر ہر شخص نفرت و بیزارگی کرنے لگے۔

مجلسوں میں امیر المومنینؑ کے متعلق ایسی باتیں بیان کرتے کہ کانوں کو ان کے تذکرے سے اذیت ہونے لگے۔ منبروں پر لعنت بھیجنا، عیدین اور جمعہ کے

سنن و مستجاب میں سے قرار دے لیا تھا۔

اگر یہ حقیقت نہ ہوتی کہ ہے

نور خدا ہے کفر کی حرکت پر خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

خدا کا نور نہ بجھتا ہے اور نہ اولیاء خدا کے فضائل مخفی رہتے ہیں۔ تو امیر المومنینؑ کی خلافت و امامت اور فضائل کے متعلق کوئی صحیح و صریح حدیث ہم تک پہنچتی ہی نہیں نہ بطریق اہل سنت نہ بطریق شیعہ۔ اہل سنت مہجلا کا ہے گواہی حدیث بیان کرنے لگے جو ان کی ساختہ عمارت ہی کو مستزلزل کر دے اور شیعہ گلے پر چھری اور دھنوں پر قفل لگے ہونے کی وجہ سے بیان کرنے ہی سے مجبور تھے۔

مگر یہ خدائی کرشمہ ہے، حقایق و صداقت کا معجزہ ہے۔ باوجودیکہ دشمنوں نے فضائل کو چھپانے اور مٹانے میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا مگر حق کا بول بالا ہو کے رہا۔ مجھے تو قسم بخدا حیرت ہے کہ خلاق عالم نے بندہ خاص اپنے رسولؐ کے بھائی علیؑ بن ابی طالب کو کیا فضیلت بخشی تھی کہ لاکھوں پردوں میں سے بھی جس کی روشنی پھوٹ کر رہی گہری تاریکیوں میں بھی جس کا اجالا ہو کے رہا۔ امیر المومنین کی خلافت و امامت کے متعلق جو قطعی دلیلیں آپؐ نے سماعت فرمائیں۔ مزید برآں آپؐ حدیث و راہت ہی کو لے لیجیے جو بجائے خود بہت بڑی دلیل ہے۔

ش

۴۰۰

مکتوب نمبر ۳۳

حدیث وراثت کو بطورین اہل سنت تحریر فرمائیے؟
س

جواب مکتوب

علیؑ وراثت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے علم و حکمت کا اسی طرح وراثت بنایا جس طرح دیگر انبیاء کرام نے اپنے اوصیا کو بنایا۔ چنانچہ خود آنحضرتؐ کے ارشادات ہیں :

”أنا مدينة العلم وعلي بابها ، فمن أراد
العلم فليأت الباب “
”میں شہرِ علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ۔ جو علم کا طلبگار
ہو وہ دروازے سے آئے“

”أنا دار الحكمة وعلي بابها “
”میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ “
”علي باب علي و مبين من بعدي لا متني
ما ارسلت به ، حبه إيمان وبغضه نفاق “
”علی میرے علم کا دروازہ ہیں اور میں جن چیزوں کو لے کر
مبعوث ہوا، میرے بعد میری امت سے ان چیزوں کو
علیؑ ہی بیان کرنے والے ہیں، ان کی محبت ایمان اور ان
کی دشمنی نفاق ہے“

زید بن ابی اوفیٰ کی حدیث میں ہے :
”وأنت اخي و وارثي ، قال : وما أرت منك ؟
قال : ما ورث الانبياء من قبلي “
”پیغمبرؐ نے امیر المومنینؑ سے فرمایا : تم میرے بھائی ہو، تمہیں

لے اس حدیث کو نیز اس کے بعد کی دو حدیثوں کویم ۲۴۴ میں درج کر چکے ہیں ۔
نیز صفحہ ۲۸۲ کی حدیث نمبر ۹ ، ۱۰ ، ۱۱ بھی ملحوظ رہے اور داں جو ہم نے حاشیہ
لکھا ہے اس کا بھی خیال رہے ۔

ہے ہم اس حدیث کا ۱۶۲ پر ذکر کر چکے ہیں ۔

میرے وارث ہو۔ امیر المومنینؑ نے پوچھا: میں آپ کی کس چیز کا وارث ہوں؟ فرمایا: مجھ سے پیشتر کے انبیاء نے اپنے اوصیاء کو جن چیزوں کا وارث بنایا انھیں چیزوں کے تم بھی وارث ہو گے۔“

بریدہ کی حدیث میں صاف صاف تصریح ہے کہ وارث پیغمبر علیؑ ہی ہیں۔

دعوتِ عشرہ کے موقع پر جو کچھ رسولؐ نے فرمایا تھا اسی پر غور کیجیے وہی آپ کی تسلی کے لیے کافی ہو گا۔ اسی وجہ سے حضرت علیؑ رسولؐ کی زندگی میں فرمایا کرتے تھے کہ:

”قسم بخدا میں رسولؐ کا بھائی ہوں، ان کا ولیعہد ہوں، ان کے چچا کا بیٹا ہوں، ان کے علم کا وارث ہوں لہذا مجھ سے زیادہ حقدار کون ہو سکتا ہے؟“

ایک مرتبہ امیر المومنینؑ سے پوچھا گیا کہ چچا کے رہتے ہوئے آپ رسولؐ کے وارث کیونکر ہو گئے؟ آپ نے فرمایا کہ:

”آنحضرتؐ نے کل اولاد عبدالمطلب کو جمع کیا جو گروہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ سب کے سب پر خور و پر نوش تھے آنحضرتؐ نے ۱۳ چھٹانک وزن کے کھانے سے ان کی دعوت کی سب

لے اس کو ۳۴۲ میں ملاحظہ فرمائیے۔

۷۷ یہ کلامِ عید انھیں الفاظ میں امیر المومنینؑ سے ثابت ہے جبہ امامِ عالم نے مستدرک ج ۲ ص ۱۷۱ اسناد ذکر کیا ہے اور بخاری و مسلم دونوں کے معیار پر صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ ذہبی نے بھی تلمیض مستدرک میں اس کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔

نے کھایا اور پیٹ بھر کر کھایا اور کھانا اسی طرح بچ رہا جس طرح
 تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے کچھ چھڑا ہی نہیں۔ آنحضرتؐ
 نے کھانے سے فراغت کے بعد ارشاد فرمایا: ”اے مسکینانِ
 عبدالمطلب! میں خاص کر تمہاری طرف اور عام طور پر لوگوں
 پر مبعوث ہوا ہوں، لہذا تم میں کون اس شرط پر میری بیعت
 کرتا ہے کہ وہ میرا بھائی ہو، میرا ساتھی ہو، میرا وارث بنے۔“
 رسولؐ کے اس ارشاد کے بعد کوئی بھی نہ کھڑا ہوا۔ میں البتہ کھڑا
 ہو گیا اگرچہ سب میں چھوٹا تھا۔ رسولؐ نے مجھ سے کہا: تم بیٹھے
 جاؤ، پھر تین مرتبہ آپؐ نے اسی مطلب کا اعادہ فرمایا اور ہر
 مرتبہ میں کھڑا ہوتا رہا اور آپؐ بٹھایا کیے۔ تیسری مرتبہ جب
 کوئی نہ کھڑا ہوا تو رسولؐ نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا اسی
 وجہ سے میں اپنے چچا کے بیٹے (حضرت رسولؐ خدا) کا وارث ہوا
 اور چچا وارث نہ ہو سکے۔“

امام حاکم نے مستدرک ج ۳ صفحہ ۱۳۵ پر ایک روایت درج کی ہے
 اور علامہ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں اسے نقل کیا ہے اور دونوں شخصوں
 کو صحت کا قطع و یقین ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ قثم بن عباس سے کسی

لے یہ حدیث ثابت و مشہور ہے۔ ضیاء مقدسی نے مختارہ میں ابن جریر نے تہذیب الآثار میں درج
 کیا ہے کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۴۸ پر بھی موجود ہے۔ امام نسائی نے خصائص ص ۱۵ پر درج کیا
 ہے۔ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح جلد ۳ صفحہ ۲۵۵ پر طبری نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔
 مسند احمد ج ۱ صفحہ ۱۹ پر ملتے جلتے لفظوں میں یہ حدیث موجود ہے۔

نے پوچھا:
 ”آپ لوگوں کے رہتے ہوئے علیؑ رسولؐ کے وارث کیسے
 بن گئے؟“

قثم نے جواب دیا:

”اس لیے کہ وہ ہم میں سب سے پہلے اسلام لائے اور سب
 سے زیادہ رسولؐ سے وابستہ و پیوستہ رہے۔“

میں کہتا ہوں کہ تمام لوگ یہی جانتے ہیں کہ رسولؐ کے وارث علیؑ
 ہی ہیں۔ عباس یا دیگر بنی ہاشم رسولؐ کے وارث نہیں، یہ بات اتنی آشکارا
 تھی کہ اسے بطور مسلمات ذکر کیا کرتے لیکن ان لوگوں کو اس کا سبب معلوم
 نہیں تھا کہ چچا کے ہوتے ہوئے علیؑ جو چچا زاد بھائی تھے وہ کیونکر وارث
 رسولؐ ہو گئے۔ اسی وجہ سے ان لوگوں نے کبھی خود حضرت علیؑ سے اس کی
 وضاحت چاہی کبھی قثم سے پوچھا اور ان دونوں بزرگواروں نے جو
 جواب دیا وہ آپؐ سُن چکے۔ یہ جواب ان لوگوں کی عقل و فہم کو دیکھتے ہوئے بہت
 مناسب جواب ہے اور ان کو سمجھانے کے لیے زیادہ سے زیادہ یہی جواب دیا
 جاسکتا ہے ورنہ واقعی حقیقی جواب تو یہ ہے کہ خداوند عالم نے روئے
 زمین کے باشندوں پر ایک نظر ڈال کر محمد مصطفیٰؐ کو منتخب کیا اور انہیں
 خاتم النبیینؐ بنایا۔ پھر دوسری مرتبہ زمین پر نگاہ کی اور حضرت علیؑ کو
 منتخب کیا اور اپنے رسولؐ پر وحی فرمائی کہ علیؑ کو اپنا وارث اور وصی مقرر
 کر دیں۔

لے ابن ابی شیبہ نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ کسر العال ج ۶ صفحہ پر بھی موجود ہے۔

امام حاکم مستدرک ج ۳ صفحہ ۱۲۵ پر قثم والی اس حدیث کو جسے ابھی ابھی آپ نے سنا۔ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

”مجھ سے قاضی القضاۃ ابوالحسن محمد بن صالح ہاشمی نے بیان کیا، وہ کہتے تھے کہ میں نے ابو عمرو وقاص سے سنا، انھوں نے اسمعیل بن اسحاق قاضی سے سنا۔ اسمعیل بن اسحاق سے قثم بن عباس کے اس قول کا ذکر آیا تو انھوں نے فرمایا: وارث یا تو نسب کی وجہ سے وارث ہوتا ہے یا ولا کی وجہ سے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ چچا کی موجودگی میں حجاز اربعائی وارث نہیں ہو سکتا۔“

اسمعیل بن اسحاق فرماتے ہیں کہ:

”اس اتفاق و اجماع کی وجہ سے ظاہر ہوا کہ علیؑ رسولؐ کے علم کے وارث ہوئے ان کے سوا اور کوئی وارث نہیں ہوا۔“

میں کہتا ہوں کہ وراثت امیر المومنینؑ کے متعلق متواتر حدیثیں موجود ہیں خصوصاً بطریق اہلبیت تو بہت ہی زیادہ۔ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو حضرت علیؑ کا وصی رسولؐ ہونا ہی اس مسئلہ میں قطعی فیصلہ کن ہے۔

ش

مکتوب نمبر ۳۴

بحث وصیت

ہم اہلسنت کو معلوم نہیں کہ رسولؐ نے امیر المومنینؑ کو کب وصی بنایا نہ اس کے متعلق ارشادات و تصریحات پیغمبرؐ کا علم ہے مہربانی ہو گی اس کی وضاحت فرمائیے۔

س

جواب مکتوب

امیر المومنینؑ کے وصی پیغمبرؐ ہونے کے متعلق

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات

امیر المومنینؑ کے وصی پیغمبرؐ ہونے کے متعلق اہل بیت طاہرینؑ سے صریحی

اور متواتر نصوص موجود ہیں۔ اگر اہل بیت سے قطع نظر کے بطریق اغیار آپ نص پیغمبر کے تلاشی ہیں تو مکتوب نمبر ۱۰ پر ایک نظر پھر کر لیں جس میں رسولؐ کی حدیث میں نے ذکر کی ہے کہ آنحضرتؐ نے امیر المومنینؑ کی گردن پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ :

”هَذَا أَخِي وَوَصِيِّي، وَخَلِيفَتِي فَبِكُمْ، فَاسْمَعُوا
لَهُ وَأَطِيعُوا“

”یہ میرے بھائی ہیں، میرے وصی ہیں اور تم میں میرے خلیفہ ہیں، ان کا حکم سنو اور ان کی اطاعت کرو“
اور محمد بن حمید رازی سے اسلمہ ابرش سے، انھوں نے ابن ابی اسحاق سے انھوں نے شریک سے انھوں نے ابو ربیعہ ابادی سے انھوں نے بریدہ سے اور بریدہ نے رسول اللہؐ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا :

”لِكُلِّ نَبِيٍّ وَصِيٌّ وَوَارِثٌ، وَإِنِّي وَصِيٌّ وَوَارِثٌ
عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ“
”ہر نبی کا وصی اور وارث ہوتا ہے اور میرے وصی و وارث علی بن ابی طالب ہیں“

اے اس حدیث کو امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں بسلسلہ حالات شریک ذکر کیا ہے اور شریک کو جھٹلایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ شریک نے اس کو کسی سے نہیں سنا۔ محمد بن حمید رازی کے متعلق کہا ہے کہ وہ معتبر نہیں۔ علامہ ذہبی کا جواب یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل امام بغوی، امام طبری اور من جرح و تعدیل کے امام ابن سینا وغیرہ نے (باقی اگلے صفحہ پر)

اور طبرانی نے معجم کبیر میں بسلسلہ اسناد جناب سلمان فارسی سے روایت کی ہے۔ سلمان کہتے ہیں کہ:
 ”ارشاد فرمایا پیغمبرؐ نے کہ:

’ان وصيي وموضع سري، وحنير من اترك
 بعدي، ينجز عدي، ويقضي ديني علي
 ابن ابی طالب‘

”میرے وصی اور میرے رازوں کی جگہ اور بہترین وہ ہستی ہے
 میں اپنے بعد چھوڑ جانے والا ہوں جو میرے کیے ہوئے وعدوں
 کو پورا کرے گا، میرے دیون کو ادا کرے گا علی بن ابی
 طالب ہیں“

یہ حدیث نص صریح ہے کہ حضرت علیؑ وصی رسولؐ تھے اور تصریح ہے کہ
 آپؐ بعد رسولؐ افضل خلایق تھے۔ غور سے دیکھا جائے تو اس حدیث سے
 آپؐ کی خلافت و امامت بھی ثابت ہوتی ہے۔

(نقیحہ حاشیہ صفحہ ۱۸۳) محمد بن حمید کو ثقہ سمجھا ہے اور ان سے حدیثیں بھی لی ہیں اس لحاظ سے محمد بن حمید
 مذکورہ بالا علمائے احادیث کے شیخ اور معتد بہ چنانچہ علامہ ذہبی نے بھی محمد بن حمید کے تذکرہ میں
 اس چیز کو لکھا ہے۔ محمد بن حمید پر تشیع یا رافضی کا الزام کبھی لگایا نہیں گیا۔ یہ محمد بن حمید علامہ ذہبی
 کے بزرگوں میں سے ہیں لہذا محض اس حدیث میں ان کو چھوڑنا ناانصافی نہ کہ رد ہو سکتا ہے۔

لے یہ حدیث بعینہ انھیں اسناد کے ساتھ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۴ پر موجود
 ہے اور منتخب کنز العمال میں بھی جو حاشیہ مسند پر چھپا ہے موجود ہے بلا خلاف

ابونیم نے حلیۃ الاولیاء میں انس سے روایت کی ہے کہ:
 ”آنحضرت نے ارشاد فرمایا:

”یا انس ازل من یدخل علیک هذا الباب
 إمام المتقین ، وسید المسلمین ، ویعسوب
 الدین ، وخاتم الوصیین ، وقائد الغر المحجلین
 قال انس : فجاء علی فقام الیہ رسول اللہ ﷺ
 مستبشراً واعتنقه ، وقال له : أنت تؤدی
 عني ، وتسمعهم صوتي ، وتبین لهم ما
 اختلفوا فیہ من بعدی“

”اے انس پہلا وہ شخص جو اس دروازے سے مختارے
 پاس آئے گا وہ امام المتقین ، سید المسلمین ، یعسوب الدین ،
 خاتم الوصیین ، قائد الغر المحجلین ہوگا۔ انس کہتے ہیں کہ ناگاہ حضرت
 علیؑ تشریف لائے۔ رسولؐ انہیں دیکھتے ہوئے ہشاش بشاش
 ہو کر ان کی طرف بڑھے اور گلے سے لگایا اور فرمایا: تم میری
 جانب سے حقوق ادا کرو گے ، تم میری آواز لوگوں کو سناؤ گے
 اور میرے بعد جب لوگوں میں اختلاف پیدا ہوگا تو حق واضح
 کرو گے“

طبرانی نے معجم کبیر میں سلسلہ اسناد ابوالیوب انصاری سے روایت
 کی ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی پارہ جگر جناب سیدہ سے فرمایا:

لے شرح نہج البلاغۃ جلد دوم ص ۴۱ - ہم صفحہ ۲۷۹ پر بھی ذکر کر چکے ہیں۔

”اے فاطمہؑ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خداوند عالم نے روئے زمین کے باشندوں پر ایک نگاہ ڈالی اور تمہارے باپ کو منتخب کیا اور انہیں رسالت پر فائز کیا۔ پھر دوبارہ نگاہ ڈالی تو تمہارے شوہر کو منتخب کیا اور مجھے وحی فرمائی تو میں نے تمہارا نکاح ان سے کر دیا اور ان کو اپنا وصی بنایا۔“

غور فرمائیے کہ کس طرح خداوند عالم نے حضرت خاتم النبیینؐ کو منتخب کرنے کے بعد تمام روئے زمین کے باشندوں میں حضرت علیؑ کو منتخب فرمایا۔ اور یہ بھی ملاحظہ کیجیے کہ خداوند عالم نے جس طرح نبی کا انتخاب فرمایا، اٹھیک اسی طرح وصی نبی کو بھی منتخب فرمایا۔

یہ بھی دیکھیے کہ کیونکر خداوند عالم نے اپنے پیغمبرؐ پر وحی فرمائی کہ ان سے اپنی بیٹی بیاہ دو اور انہیں اپنا وصی بناؤ۔

یہ بھی سوچیے کہ آنحضرتؐ کے قبل دیگر انبیاء کے خلفاء و جانشین کیا ان کے اوصیا کے علاوہ اور بھی کوئی ہوئے اور کیا خدا کے منتخب کیے ہوئے خاتم النبیینؐ کے وصی کو مؤخر کر دینا اور غیروں کو اس پر مقدم کرنا جائز ہے؟ اور کیا کسی شخص کے لیے سزاوار ہے کہ ان پر حکمران بن بیٹھے، خود خلیفہ بن جائے اور وصی رسولؐ کو عوام اور رعایا جیسا بنادے اور کیا عقلاً ممکن ہے کہ زبردستی مسند خلافت پر بیٹھ جانے والے شخص کی پیروی ایسے شخص کے لیے واجب ہو جسے خدا نے نبیؐ

لے یہ حدیث یعنی انہیں الفاظ و انہیں اسناد کے ساتھ کثر العمال کی حدیث ۲۵۴۱ ہے

ملاحظہ ہو جلد ۲ صفحہ ۱۵۳۔ منتخب کثر العمال میں بھی مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو منتخب کثر العمال

برعاشیہ مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۱

کی طرح منتخب کیا ہو بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ خدا اور رسولؐ تو اور کسی کو منتخب کریں اور ہم ان کے انتخاب کو ٹھکرا کر کسی دوسرے کو منتخب کر لیں۔
 ”وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مِؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ“
 ”کسی مومن و مومنہ کو یہ حق نہیں کہ خدا و رسولؐ جب کسی امر میں اپنا حکم صادر کر دیں تو وہ اپنے پسند و اختیار کو دخل دے۔“

بے شمار حدیثیں اس مضمون کی کتب احادیث میں پائی جاتی ہیں کہ اہل نفاق و حد کو جب یہ معلوم ہوا کہ رسولؐ اپنی بیٹی علیؑ سے بیاہنے والے ہیں (جو درحقیقت فخر مریم اور سیدۃ نسا جنت ہیں) تو انہیں حضرت علیؑ سے بہت بڑا حسد پیدا ہوا اور اس معاملہ کو انہوں نے بہت عظیم سمجھا۔ خصوصاً ان لوگوں کے جلنے کو تو کچھ نہ پوچھیے جو رسولؐ کی خدمت میں خواستگاری کر کے کورا جواب پا چکے تھے۔

لے ابن ابی حاتم نے انس سے روایت کی ہے انس کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر و عمر رسولؐ کی خدمت میں آئے اور جناب سیدہ کے لیے خواستگاری کی۔ رنالت مآب نے سکت فرمایا کوئی جواب نہ دیا۔ وہاں سے وہ دونوں حضرت علیؑ کے پاس پہنچے یہ کہنے کے لیے کہ ہم لوگوں نے خواستگاری کی مگر رسولؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اب آپ درخواست کیجیے۔ ابن ابی حاتم کی اس روایت کو بہت سے نامور علمائے اہل سنت نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر نے موانع باب ۱۱ کے شروع میں نقل کیا ہے۔ اسی موقع پر امام احمد نے بھی اسی جیسی حدیث نقل کی ہے۔ جسے انہوں نے انس سے روایت (باقی اگلے صفحہ)

ان جلنے والوں نے سوچا کہ سیدہ کا علیؑ سے منسوب ہونا علیؑ کے لیے ایسا شرف و امتیاز کا باعث ہو گا کہ پھر علیؑ کے مقابلہ میں کوئی آہی نہ سکے گا۔ لہذا انھوں نے ریشہ و انیاں شروع کیں۔ بڑی بڑی تدبیریں کیں۔ اپنے گھر کی عورتوں کو جناب سیدہ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا کہ انھیں حضرت علیؑ کی طرف سے متفرق بنایا جائے۔ ان کے دل میں نفرت پیدا کی جائے۔ ان کی عورتوں نے اور جو باتیں کیں اس میں ایک بات یہ بھی کہی تھی کہ علیؑ تو فقیر ہیں کچھ پاس رکھتے ہی نہیں، لیکن جناب سیدہ ان عورتوں کے مکرو فریب میں نہ آئیں اور آپ اس سے بھی باخبر تھیں کہ ان عورتوں کی زبان سے کن لوگوں کی دلی ترجمانی ہو رہی ہے۔ باوجود حقیقت حال سے باخبر ہونے کے جناب سیدہ نے ان عورتوں سے کچھ کہا نہیں۔ جب عقد انجام پا گیا، خدا و رسولؐ کا مقصد پورا ہو گیا۔ اس وقت جناب سیدہ نے ضرورت سمجھی کہ اب علیؑ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کی ہے اور اسی مواعظ محرقہ باب ۱۱ میں ابو داؤد سجستانی کی روایت کردہ حدیث منقول ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے جناب رسالت مآبؐ کی خدمت میں سیدہ کی خواستگاری کی آپ نے منہ پھیر لیا۔ پھر عمرؓ نے خواستگاری کی اس مرتبہ بھی آنحضرتؐ نے منہ پھیر لیا۔ پھر یہ دونوں حضرات علیؑ کے پاس تشریف لائے اور کہا اب آپ خواستگاری کیجیے۔ اور حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ ابو بکرؓ نے رسولؐ سے سیدہ کی خواستگاری کی آنحضرتؐ نے انکار فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ سے کہا اب آپ خواستگاری کیجیے آپ ہی کو یہ شرف حاصل ہو گا ابن جریر نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور اسے صحیح متدرار دیا ہے اور دولابی نے بھی ذریت طاہرہ میں اس کی روایت کی ہے۔ کنز العمال میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث ۶۰۰۷ صفحہ ۳۹۲ جلد ۶

فضائل ظاہر کرنے کا موقع ہے تاکہ آپ کے دشمن و بدخواہ ذلیل و خوار ہوں آپ نے آنحضرتؐ سے عرض کی:

”بابا جان آپ نے مجھے فقیر و نادار شخص سے بیاہ دیا۔“

اس موقع پر آنحضرتؐ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے جو ابھی آپ نے سنے۔

وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ نَشْرَ فَضِيلَةٍ

طَوَيْتَ اتَّاحَ لَهَا لِسَانُ حَسُودٍ

”جب خداوند عالم کسی ڈھکی چھپی فضیلت کو ظاہر کرنا چاہتا

ہے تو اس کے لیے حاسد کی زبان مقرر کرتا ہے۔“

خطیب نے اپنی کتاب متفق میں معتبر اسناد سے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ:

”جب آنحضرتؐ نے اپنی پارہ جگر کی علیؑ سے شادی کی تو

جناب فاطمہؑ نے رسولؐ کی خدمت میں عرض کی: بابا جان

آپ نے مجھے نادار شخص سے بیاہ دیا جس کے پاس کچھ بھی

نہیں تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ: تمہیں یہ پسند نہیں کہ خداوند

عالم نے روئے زمین کے باشندوں سے دو شخصوں کو منتخب

کیا ایک تمہارا باپ دوسرا تمہارا شوہر۔“

امام حاکم نے مستدرک ج ۳ صفحہ ۱۲۹ پر باب مناقب امیر المومنینؑ میں

لے یہ حدیث لبینہ انھیں الفاظ اور اسی سند کے ساتھ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۹۱ پر موجود

ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث ۹۵۹۲۔ صاحب کنز العمال نے اس حدیث کے اسناد کے

حسن ہونے کی تصریح بھی کی ہے۔

سریج بن یونس سے، انھوں نے حفص ابار سے، انھوں نے اعمش سے
انھوں نے ابو صالح سے انھوں نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ:

”فاطمہؓ نے رسولؐ کی خدمت میں عرض کی: یا رسول اللہ! آپ
نے میری شادی علیؓ سے کی ہے اور وہ فقیر ہیں، کوئی مال و زر
نہیں رکھتے۔ آپ نے فرمایا کہ اے فاطمہؓ! کیا تم اس پر
راضی و خوشنود نہیں ہو کہ خداوند کریم نے روئے زمین کے
باشندوں پر ایک نگاہ ڈالی اور دو شخصوں کو منتخب کیا
ایک تمھارا باپ دوسرا تمھارا شوہر“

اور ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا:

”کیا تم اس سے راضی و خوشنود نہیں کہ میں نے تمھیں اس شخص
سے بیاہا ہے جو تمام مسلمانوں میں سب سے پہلا
اسلام لانے والا ہر ایک سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔
اور تم میری امت کی تمام عورتوں کی سردار ہو۔ اسی طرح
جس طرح مریمؑ اپنی قوم کی کلی عورتوں کی سردار تھیں۔ کیا
تمھیں اس سے خوشی نہیں کہ خدا نے روئے زمین کے باشندوں
پر نگاہ ڈالی اور دو افراد کو منتخب کیا۔ ایک کو تمھارا باپ
بنایا دوسرے کو تمھارا شوہر“

اسے یہ حدیث ٹھیک انھیں الفاظ اور اسی سلسلہ سند سے کنز العمال جلد ۲ ص ۱۵۳ پر موجود ہے منتخب کنز العمال
میں بھی موجود ہے ملاحظہ ہو حاشیہ منہ ص ۳۹ جلد ۵ سطر اول۔ علامہ ابن ابی حدیدہ معزلی نے بھی
شرح بیج البلاغہ جلد ۲ ص ۴۵ میں سند امام احمد سے نقل کیا ہے۔

اس کے بعد آنحضرتؐ کا طرز عمل یہ رہا کہ جب جناب سیدہؑ کو دنیوی پریشانیاں لاحق ہوتی تھیں تو آپؐ خدا و رسولؐ کی اس نعمت و رحمت کو یاد دلاتے کہ تمہارا عقد ایسے شخص سے کیا گیا جو امت میں سب سے زیادہ اشرف و افضل ہے۔ یہ اس لیے تاکہ جناب سیدہ کا دل چھوٹا نہ ہو، زمانہ کی نیرنگیوں اور تکلیفوں سے دل تنگ نہ ہوں۔ اس کے ثبوت میں وہی روایت آپ کے لیے کافی ہے جسے امام احمد نے مسند جلد ۵ صفحہ ۲۶ پر درج کیا ہے۔ معقل بن یسار کی حدیث ہے کہ :

”ایک مرتبہ سیدہ عالم بیمار ہوئیں، رسول عیادت کے لیے تشریف لائے۔ پوچھا کہ : پارہ جگر! اپنے کو کیسا پارہی ہو آپ نے فرمایا: خدا کی قسم میری تکلیفیں حد سے زیادہ ہو گئیں، فاقہ کی مصیبت ناقابل برداشت ہو گئی اور علالت کا سلسلہ بڑھتا ہی جاتا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: پارہ جگر کیا تم اس سے راضی و خوشنود نہیں ہو کہ میں نے تمہاری شادی ایسے شخص سے کی جو میری امت میں سب سے پہلے اسلام لایا، جو سب سے زیادہ علم والا ہے اور سب سے زیادہ حلم رکھتا ہے۔

اس باب میں بے شمار حدیثیں موجود ہیں مکتوب میں اتنی گنجائش نہیں کہ سب ذکر کی جائیں۔

ش

مکتوب نمبر ۳۵

اہلسنت وجماعت حضرت علیؑ کے وصی رسولؐ ہونے کو نہیں مانتے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جسے بخاری نے صحیح بخاری میں اسود سے روایت کیا ہے۔ اسود کہتے ہیں کہ:

”جناب عائشہؓ کی خدمت میں ذکر آیا کہ رسولؐ نے اپنا وصی حضرت علیؑ کو بنایا۔ جناب عائشہؓ بولیں: یہ کون کہتا ہے؟ میں نے رسولؐ کو دیکھا۔ میں اپنے سینہ پر رسولؐ کو لٹائے

نے اس حدیث کو امام بخاری نے صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۳ کتاب الوصایا میں نیز صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۴ باب مرض النبی ووفات میں درج کیا ہے امام مسلم نے صحیح مسلم جلد ۲ کتاب الوصیت صفحہ ۱۴ پر نقل کیا ہے۔

ہوئے تھی۔ آنحضرتؐ نے طشت طلب کیا۔ اس پر جھکے اور انتقال کر گئے اور مجھے پتہ بھی نہ چلا لہذا حضرت علیؑ کو وصی بنانے اور علیؑ سے وصیت کرنے کا موقع کہاں ملا؟ ۱۱

نیز امام بخاری نے صبح بخاری میں متعدد طریقوں سے اس روایت کو لکھا ہے کہ:

”جناب عائشہ فرمایا کرتیں کہ آنحضرتؐ نے میری آغوش میں

ٹہے آپ بے خبر نہ ہوں گے کہ شیخین نے اس حدیث میں رسولؐ کے علیؑ سے وصیت نہ فرمانے کی جو روایت کی ہے وہ بے قصد و ارادہ ایسا کر گئے اگر متوجہ ہوتے تو شاید اس حدیث کو لکھتے ہی نہیں۔ اس لیے کہ جن لوگوں نے جناب عائشہ سے یہ ذکر چھیڑا تھا کہ رسولؐ نے علیؑ کو وصی بنایا وہ امت سے خارج نہیں تھے بلکہ وہ صحابہ میں سے تھے جنہیں ام المومنین کے سامنے ایسی بات کے انکشاف کی جرأت پیدا ہوئی جو ام المومنین کی ناگواری کا باعث تھی اور اس عہد کی سیاست کے خلاف تھی اسی وجہ سے جناب عائشہ ان لوگوں کی یہ حدیث (جن میں حضرت علیؑ کے وصی بنائے جانے کا ذکر تھا) سن کر بڑے شش و پنج میں پڑ گئیں اور ان کی رد میں جہل و رکبک بائیں کہنے لگیں۔ امام نسائی نے سنن نسائی جلد ۶ صفحہ ۲۱۱ میں اس حدیث پر جو حاشیہ تحریر فرمایا ہے اس میں لکھتے ہیں کہ یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ جناب عائشہ کا ارشاد اس سے مانع نہیں کہ آنحضرتؐ وصی بنا چکے ہوں نیز ان کا ارشاد اس کا بھی منتہی نہیں کہ رسولؐ و فتناء انتقال فرما گئے ہوں اور آپ کو وصیت کرنے کا موقع ہی نہ ملا ہو اس کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ پیغمبرؐ بیمار ہونے سے پہلے ہی باخبر تھے کہ اب زندگی کے دن تھوڑے رہ گئے ہیں۔ اس عبارت پر غور فرمائیے کس قدر سنجیدہ و متین عبارت ہے حقیقت بالکل منکشف ہو جاتی ہے۔

دم توڑا اور یہ بھی سہرا لیا کرتیں کہ میری گردن و سینہ پر لیٹے
لیٹے رسولؐ کا انتقال ہوا۔ کبھی فرمایا کہ رسولؐ کا سر میرے زانو
پر تھا کہ ملک الموت قبض روح کو آئے۔ لہذا ایسی حالت میں
اگر رسولؐ وصیت فرماتے تو وہ جناب عائشہ کو معلوم ضرور ہوتا۔
صحیح مسلم میں جناب عائشہ سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ:

”آنحضرتؐ نے نہ درہم چھوڑا نہ اونٹ، نہ بکری نہ کسی چیز کے
متعلق آپؐ نے وصیت فرمائی۔“

اور صحیحین میں طلحہ بن مصرف سے روایت ہے کہ:

”میں نے عبداللہ بن اوفیٰؓ سے پوچھا کہ کیا پیغمبرؐ نے اپنا
وصی مقرر فرمایا۔؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ تو میں نے کہا
کہ یہ کیونکر۔ خود دوسروں کے لیے تو رسولؐ نے وصیت
کرنا واجب قرار دیا۔ اور خود وصیت نہ کی۔ تو انھوں نے
کہا کہ پیغمبرؐ نے کتاب خدا کے متعلق وصیت کی۔“

لے جناب عائشہ کا قول مات بین حاقنتی وذاقنتی نیز مات بین سحوی ونحوی
یہ دونوں صحیح بخاری کے باب مرض النبیؐ ووفات میں موجود ہیں نیز جناب عائشہ کا
یہ قول نزل بہ وراسہ علی فخذی رسولؐ کا سر میرے زانو پر تھا کہ ملک الموت
قبض روح کو آئے باب آخر ما تکلم بہ رسولؐ کے آخری الفاظ کے باب
میں موجود ہے۔ جو باب مرض النبیؐ ووفات کے فوراً ہی بعد مذکور ہے۔

لے ملاحظہ فرمائیے صحیح مسلم کتاب الوصیۃ جلد ۲ صفحہ ۱۴۔

لے ملاحظہ فرمائیے صحیح مسلم و صحیح بخاری دونوں کی کتاب الوصایا۔

چونکہ آپ نے جو حدیثیں ذکر کی ہیں ان سے یہ حدیثیں زیادہ صحیح ہیں کیونکہ بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہیں لہذا انھیں حدیثوں کو مقدم سمجھا جائے گا اور انھیں پراعتماد کیا جائے گا۔

س

جوابِ مکتوب

پیغمبرؐ کا حضرت علیؑ سے وصیت فرمانا ایسی بات ہے جس سے انکار ہی نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے وصیت فرمائی تھی۔ قول و مترادف فرمایا تھا (بعد اس کے کہ آپ انھیں اپنے علم و حکمت کا وارث بنا چکے تھے) کہ حضرت علیؑ ہی آپ کو غسل دیں۔ تجہیز و تکفین کریں۔ آنحضرتؐ کے دیون ادا کریں۔ رسولؐ کے کیے ہوئے وعدوں

لے ملاحظہ فرمائیے صفحہ ۴۰۰ تا ۴۰۴۔ وہاں آپ کو اچھی طرح وضاحت نظر آئے گی کہ حضرت سرور کائناتؐ نے امیر المومنینؑ کو اپنے علم و حکمت کا وارث بنایا۔

لے ابن سعد نے طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ثانی ص ۶ پر امیر المومنینؑ سے روایت کی ہے امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ رسولؐ نے وصیت فرمائی کہ سوائے میرے انھیں کوئی غسل نہ دے اور ابو الشیخ اور ابن بخاری نے امیر المومنینؑ سے روایت کی ہے (ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۵ ص ۵۵) کہ رسولؐ نے مجھ سے وصیت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے سات مشکوں سے غسل دینا۔ ابن سعد نے طبقات جلد ۲ قسم ۲ ص ۴۳ پر عبد الواحد بن ابی عوانہ سے روایت کی ہے کہ رسالت مآبؐ نے بحالت مرض موت فرمایا کہ اے علیؑ! جب میں مر جاؤں تو تم مجھے غسل دینا عبد الواحد کہتے ہیں کہ (باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا کہ: میں نے رسولؐ کو غسل دیا، میں جس حصّہ
 جم کو غسل کے ارادے سے اٹھاتا تھا وہ میری متابعت کرتا تھا۔ امام حاکم نے مستدرک
 ج ۳ صفحہ ۵۵ پر اور علامہ ذہبی نے تلخیص مستدرک میں سلسلہ اسناد امیر المومنینؑ سے روایت
 کی ہے اور دونوں نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ میں نے
 رسولؐ کو غسل دیا اور مردوں سے جو بات دیکھنے میں آتی ہے ہنستار تھا کہ رسولؐ سے بھی
 ظہور پذیر ہوتی ہے کہ نہیں۔ میں نے ایک بات بھی نہ دیکھی۔ رسولؐ زندہ اور مردہ دونوں
 حالتوں میں مجسم خوشبو رہے۔ اس حدیث کو سعید بن منصور نے اپنے سنن میں مروی
 نے اپنی کتاب جنازہ میں، ابو داؤد نے مراسیلہ میں ابن مینہ اور ابن ابی شیبہ نے سنن
 میں درج کیا ہے اور کنز العمال جلد ۴ ص ۵۵ پر بھی موجود ہے۔ جناب ابن عباسؓ سے
 روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ علیؑ کو چار باتیں ایسی حاصل ہیں جو کسی اور کو حاصل نہیں
 ہوئیں۔ علیؑ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے رسولؐ کے ساتھ نماز پڑھی۔ علیؑ ہر محرک میں
 علمدار پیغمبرؐ رہے، علیؑ ہی رسولؐ کے پاس اس دن ثابت قدم رہے جب کہ ہر شخص رسولؐ
 کو چھوڑ کر بھاگ گیا تھا اور علیؑ ہی وہ ہیں جنہوں نے رسولؐ کو غسل دیا اور قبر میں لٹایا،
 اس روایت کو ابن عبد البر نے استیعاب میں سلسلہ حالات امیر المومنینؑ اور حاکم نے
 مستدرک جلد ۳ ص ۱۱۱ پر درج کیا ہے۔ ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے
 ہیں کہ رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا: "اے علیؑ تم ہی مجھے غسل دو گے اور میرے
 دیون ادا کرو گے اور قبر میں مجھے دفن کرو گے۔" ملاحظہ ہو کنز العمال ج ۶ ص ۵۵ جعفرؑ
 عمرؓ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں رسولؐ نے علیؑ سے فرمایا: تم ہی مجھے غسل
 دینے والے ہو، مجھے دفن کرنے والے ہو۔ کنز العمال جلد ۶ ص ۲۹۳ و منتخب کنز العمال
 بر حاشیہ منہ امام احمد جلد ۵ ص ۴۴ حضرت علیؑ سے مروی ہے: آپ فرماتے ہیں کہ
 میں نے رسولؐ کو یہ کہتے سنا خدا نے مجھے (علیؑ میں) پانچ چیزیں ایسی (باقی اگلے صفحہ پر)

کو پورا کریں۔ رسولؐ کی ذمہ داریاں اپنے سر لیں اور رسولؐ کے مرنے کے بعد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) عطا کیں جو مجھ سے پیشتر انبیاء کو کسی میں عطا نہیں ہوئیں پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ میرے دیون ادا کریں گے اور مجھے دفن کریں گے۔ کنز العمال جلد ۶ ص ۳۳ جب رسولؐ کا جنازہ تیار ہوا اور لوگوں نے نماز جنازہ پڑھنا چاہی تو حضرت علیؑ نے کہا کہ رسولؐ کی نماز میں کوئی شخص امام نہ ہو گا۔ وہ تو مختار ہے امام ہیں زندگی میں بھی اور مرنے پر بھی لہذا لوگ تھوڑی تھوڑی دیر بعد آتے اور صف بے صف نماز پڑھتے لیکن امامت کسی نے نہ کی وہ لوگ تکبیر کہتے اور حضرت علیؑ جنازہ رسولؐ کے مقابل کھڑے ہو کر فرماتے: سلام ہو آپ پر اے پیغمبر خدا اور رحمت ہو اللہ کی۔ خداوند اہم گوای دیتے ہیں کہ جو کچھ تو نے نازل کیا وہ رسولؐ نے ہم تک پہنچایا۔ امت کی پوری خیر خواہی کی۔ تیری راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ تو نے ان کے دین کو قوت بخشی اور ان کے کلمہ کو پورا کیا۔ خداوند اہم پس ہمیں قرار دے ان لوگوں میں جو پیغمبر پر تیرے نازل کیے ہوئے احکام کی پیروی کرتے ہیں اور رسولؐ کے اٹھ مانے کے بعد ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں ہمارے رسولؐ سے ملا۔ حضرت علیؑ یہ فرماتے اور لوگ آمین آمین کہتے۔ اسی طرح مردوں نے نماز پڑھی پھر عورتوں نے پھر بچوں نے۔ یہ کل مضمون بعینہ انہی الفاظ میں جو ہم نے ذکر کیا ابن سعد نے اپنی طبقات میں پیغمبر کے غسل کے بیان میں ذکر کیا ہے۔ رسولؐ کے جنازے پر سب سے پہلے بنی ہاشم آئے۔ پھر ہاجرین پھر انصار پھر دوسرے لوگ اور سب سے پہلے حضرت علیؑ اور جناب عباس نے نماز پڑھی یہ دونوں حضرات ایک صف میں کھڑے ہوئے اور پانچ تکبیریں کہیں۔

۱۔ ان سب مذکورہ بالا امور کے متعلق ائمہ طاہرین سے متواتر حدیثیں موجود ہیں۔ البیہقیۃ سے قطع نظر غیر دونوں میں طبرانی نے معجم کبیر میں ابن عمر سے ابوہبیل نے اپنی (باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ ماضیہ صفحہ گزشتہ) مسند میں حضرت علیؑ سے جو روایت کی ہے تو ملاحظہ فرمائیے طبرانی کی کتاب
 کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ تم میرے بھائی، میرے وزیر، میرے
 دیون ادا کرو گے، میرے وعدوں کو پورا کرو گے اور میری ذمہ داریوں سے مجھے سبکدوش
 بناؤ گے ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۵ پر ابن عمرؓ سے اسناد کر کے یہ حدیث مذکور ہے
 اور جلد ۶ صفحہ ۴۴ پر حضرت علیؑ کی طرف اسناد کر کے مذکور ہے۔ اسی جگہ علامہ بدھیری سے
 منقول ہے کہ اس حدیث کے کل راوی ثقہ ہیں۔ ابن مردودہ و دہلی نے جناب سلمان
 فارسی سے روایت کی ہے ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۵ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:
 علیؑ میرے وعدوں کو پورا کریں گے اور میرے دیون ادا کریں گے اسی مضمون کی حدیث
 انس سے بزار نے روایت کی ہے۔ ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۳ امام احمد بن حنبل
 نے مسند جلد ۴ صفحہ ۱۶۴ پر حبشی بن جنادہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں
 نے رسولؐ کو کہتے سنا: میرے دیون سوائے میرے یا علیؑ کے کوئی اور ادا نہیں کر سکتا
 اور ابن مردودہ نے امیر المؤمنینؑ سے روایت کی ہے ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۱
 کہ جب آیہ دانش نازل ہوا تو آنحضرتؐ نے فرمایا: علیؑ میرے دیون ادا کریں گے
 میرے وعدوں کو پورا کریں گے "سعد سے روایت ہے کہ میں نے یوم حنف رسولؐ کو کہتے
 سنا: آپ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور خطاب فرمایا۔ بعد حمد و ثنائے الہی کے
 ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں بخمار ولی ہوں۔ لوگوں نے کہا بے شک یا رسول اللہ! پھر
 آپ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ اٹھا کر منہ ملایا یہ میرے ولی ہیں اور یہی میری جانب
 سے میرے دیون ادا کریں گے۔ اس حدیث کو آپ صفحہ ۳۳۲ پر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔
 عبدالرزاق نے اپنی جامع میں معمر سے انھوں نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ علیؑ نے
 رسولؐ کے بعد چند امور انجام دیے جن میں زیادہ تر رسولؐ کے کیے ہوئے وعدے
 تھے جنہیں آپ نے پورا کیا میرا خیال ہے کہ انھوں نے پانچ لاکھ (باقی اگلے صفحہ پر)

جب لوگوں میں اختلاف پیدا ہو تو احکام الہی اور امورِ شریعت واضح کر دیں اور آپ امت سے فرما چکے تھے کہ:

”یہ علیؑ ہی مختار ہے دلی ہیں میرے بعد۔ اور یہ میرے سبھائی ہیں، میرے نواسوں کے باپ ہیں۔ میرے وزیر ہیں۔“

(بقیہ ماضیہ صفحہ گزشتہ) درہم کہے تھے عبدالرزاق سے پوچھا گیا کہ کیا رسولؐ نے علیؑ کو اس کے متعلق وصیت بھی کی تھی انھوں نے جواب دیا کہ ہاں مجھے کوئی شک نہیں اس میں کہ رسولؐ نے ضرور علیؑ سے اس کی بابت وصیت کی تھی اور اگر رسولؐ وصیت نہ فرمائے ہوتے تو لوگ علیؑ کو رسولؐ کے دیون نہ ادا کرنے دیتے۔ اس حدیث کو صاحب کنز العمال نے جلد ۴۴ ص ۱۱۷ پر درج کیا ہے ملاحظہ ہو حدیث نمبر ۱۱۷۰۔

۱۔ بکثرت صریحی نصوص موجود ہیں کہ آنحضرتؐ نے امیر المومنینؑ سے وصیت فرمائی تھی کہ آپ کے انتقال کے بعد امت میں کسی سلسلہ میں اختلاف پیدا ہو تو اس کی وضاحت کریں۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۸۲ پر حدیث ۱۱۷۰ و ۱۱۷۱ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں سے بعض ہم نے ذکر کی ہیں اور بعض کو شہرت کی حیثیت سے ذکر کرنا ضروری نہ سمجھا۔

۲۔ گزشتہ صفحات میں بیشتر مقامات پر اس پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

۳۔ رسولؐ اور حضرت علیؑ میں موافقات کا قائم ہونا متواتر احادیث سے ثابت ہے ہم نے اس پر کافی ثبوت فراہم کر دیے ہیں اس مسئلہ میں۔

۴۔ امیر المومنینؑ کا فرزند ان رسولؐ کا باپ ہونا وجدانی طور پر واضح ہے۔ حضرت سرور کائناتؐ نے امیر المومنینؑ سے فرمایا کہ تم میرے سبھائی ہو، میرے نورِ چشموں کے باپ ہو۔ تم میری سنت کی حمایت میں جہاد کرو گے، اس حدیث کو ابویعلیٰ نے اپنی مسند میں درج کیا ہے ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۴۰۴ اور اس کے روات سب کے سب معتبر ہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ ماشیہ صفحہ گزشتہ) جیسا کہ علامہ بومیری نے تفسیر صحیح کی ہے۔ امام احمد نے بھی اس حدیث کو مناتب میں درج کیا ہے جیسا کہ صواعق محرقة ص ۱۵۴ باب فغل ثانی سے پتہ چلتا ہے اور آنحضرتؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ خداوند عالم نے ہر نبی کی ذریت کو اس کے سلب میں ودیعت فرمایا اور میری ذریت کو سلب علیؑ میں قرار دیا۔ اس حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر میں جناب جابر سے اور ضعیف نے اپنی تاریخ میں ابن عباس سے روایت کیا ہے اور کنز العمال جلد ۴ ص ۱۵۵ پر موجود ہے۔ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا کہ ہر دینتزی اولاد اپنے قبیلہ و خاندان کی طرف منسوب ہوتی ہے سوائے فرزندان فاطمہؑ کے۔ کہ میں ان کا ولی ہوں۔ میں ہی ان کا بزرگ و خاندان ہوں، میں ہی ان کا باپ ہوں۔ اس حدیث کو طبرانی نے جناب سیدہ سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث ان احادیث میں سے ایک ہے جسے ابن حجر نے صواعق باب ۱۱ ص ۱۱۲ پر نقل کیا ہے۔ اسی حدیث کو طبرانی نے ابن عمر سے بھی روایت کیا ہے جیسا کہ اسی صفحہ پر مذکور ہے۔ اسی جیسی حدیث مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۶۴ پر جناب جابر سے روایت کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے مگر شیخین نے اپنے صحیحین میں درج نہیں کیا۔ ایک اور حدیث امام مالک نے مستدرک میں اور ذہبی نے تہذیب مستدرک میں لکھی ہے اور شیخین کے میار پر اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اس حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مگر اے علیؑ تم میرے نور چشموں کے باپ ہو، مجھ سے ہو مجھ تک ہو اور بھی بہتری صحیح حدیثیں ہیں (بقیہ ماشیہ صفحہ گزشتہ) حضرت علیؑ کے وزیر رسول ہونے کے متعلق منجملہ اوراق شادات کے ایک حدیث اُنْتُ مَنِي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى، ہی کافی ہوگی۔ جیسا کہ ہم ۲ ۱۰ اور ۱۳ پر تو منیج کر چکے ہیں۔ نیز دعوتِ عیشہ کے موقع پر جو آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا تھا اسی کو لے لیجئے۔ "فایکم یوا زنی علی امری هذا؟ فقال علی: انا یا رسول اللہ، اکون وزیرک علیہ" رسولؐ نے مجمع سے پوچھا تھا کہ تم میں کون شخص ایسا ہے جو کارِ رسالت میں میرا (باقی اگلے صفحہ پر)

میرے شہراز ہیں، میرے ولی ہیں، وحشی ہیں، میرے شہر علم کا

(نقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بوجھ بٹائے جب سب خاموش رہے تو حضرت علیؑ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: میں آپ کا بوجھ بٹانے والا ہوں گا۔ اور اس حدیث کو بھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں خدا بھلا کرے امام بو میری کا کیا اچھے اشارہ کہے ہیں۔ اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں:

لم یزدہ کشف الغطاء یقیثاً
بل هو الشمس ما علیہ الغطاء

”پردے اٹھنے کے بعد بھی آپ کے نقین میں اضافہ کی گنجائش نہ تھی بلکہ آپ تو آفتاب ہیں جس پر کوئی پردہ نہیں۔“

لے تمام امت اسلامیہ کا اتفاق ہے کہ کلام مجید میں ایک ایسی آیت ہے جس پر سوائے امیر المومنینؑ کے کسی نے عمل نہیں کیا۔ نہ آپ کے بعد قیامت تک کوئی اس پر عمل کر سکے گا اور وہ سورہ مجادلہ کی آیت نجوی ہے۔ اس پر دوست و دشمن ہر ایک بلفظ و زبان متفق ہے اور اس کے متعلق شیخین کے معیار پر صیح صریحی احادیث موجود ہیں جسے امت اسلام کا ہر نیک بد فرد جانتا ہے ملاحظہ ہو مستدرک جلد ۲ صفحہ ۴۸۲ اور اسی صفحہ پر علامہ ذہبی کی تلخیص مستدرک اور دیکھیے تفسیر ثعلبی، طبری، سیوطی، زمخشری، رازی و غیرہ کی تفاسیر آگے چل کر آپ ام سلمہ اور عبداللہ بن عمر کی حدیث ملاحظہ فرمائیں گے جس میں وفات سے چند لمحہ پیشتر آنحضرتؐ اور امیر المومنینؑ کی سرگوشی کا ذکر ہے وہیں آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا۔ کہ عاتف میں بھی ایسا ہی موقع پیش آیا تھا اور رسولؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ میں نے اپنے جی سے علیؑ سے سرگوشی نہیں کی بلکہ خدا نے خود ایسا کیا ہے اسی کے حکم سے میں نے ان سے سرگوشی کی وہیں ہم اس کی طرف بھی اشارہ کریں گے کہ آنحضرتؐ اور امیر المومنینؑ نے جناب عائشہ کے متعلق بھی سرگوشی کی۔ (باقی ہے اور سے اگلے صفحہ پر)

دروازہ ہیں، میری حکمت کے گھر کا دروازہ ہیں، اس امت کے لیے بابِ تحفظ ہیں، امت کے لیے امان اور سفینہ نجات ہیں ان کی اطاعت بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح میری اطاعت فرض ہے، ان کی نافرمانی اسی طرح باعثِ ہلاکت ہے جس طرح میری نافرمانی، علیؑ کی پیروی میری پیروی ہے اور ان سے جدائی مجھ سے جدائی ہے“

(جیسا کہ صفحہ ۲۸۸ کی سترہویں حدیث سے ثابت ہوتا ہے :) علیؑ سے جو صلح رکھے اس سے رسولؐ کی بھی صلح ہے اور جس نے علیؑ سے جنگ کی اس سے رسولؐ بھی برسرِ جنگ ہے جس نے علیؑ سے موالات کی رسولؐ بھی اس کے ولی ہیں،

(بقیہ حاشیہ ۲ صفحہ گزشتہ) امیر المومنینؑ کے ولی ہونے کے متعلق آنحضرت کا یہ قول کافی ہے جو ابن عباسؓ کی حدیث میں مذکور ہے جسے ہم گزشتہ صفحات میں ذکر کر چکے ہیں: ”اے علیؑ تم دنیا و آخرت میں میرے ولی ہو۔“ اس کے علاوہ یہ تو ایسی واضح چیز ہے جس پر کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔

(بقیہ حاشیہ ۳ صفحہ گزشتہ) ۱۳۲ میں اس کے متعلق نفوس ذکر کیے جا چکے ہیں۔

۱۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۸۲ میں حدیث ۱۱۷ اور اس پر جو حاشیہ ہم نے سپردِ قلم کیا ہے وہ بھی دیکھیے۔

۲۔ ملاحظہ فرمائیے صفحہ ۲۸۳ میں حدیث ۱۱۸

۳۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۸۵ میں حدیث ۱۱۹

۴۔ جیسا کہ ان احادیث کا فیصلہ ہے جو ہم نے صفحہ ۶۷ تا صفحہ ۶۸ پر بیان کیں۔

۵۔ جیسا کہ صفحہ ۲۸۸ کی حدیث ۱۲۱ سے معلوم ہوتا ہے

۶۔ امام احمد نے سند ۲ صفحہ ۲۴۲ پر ابوہریرہؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ رسولؐ نے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کی طرف نظر کر کے ارشاد فرمایا۔ میں برسرِ جنگ ہوں (باقی اگلے صفحہ پر)

اور جس نے علیؑ کو دشمن رکھا رسولؐ بھی اس کے دشمن ہیں۔ جس نے علیؑ کو دوست رکھا۔ اس نے خدا اور خدا کے رسولؐ کو دوست رکھا۔ جس نے علیؑ سے بغض رکھا اس نے خدا اور اس کے رسولؐ سے بغض رکھا۔ جس نے علیؑ سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس سے جو تم سے جنگ کرے اور میری بھی صلہ ہے اس سے جو تم سے صلہ رکھے۔ اور جس دن آپؐ نے ان حضرات کو اپنی چادر اٹھائی تھی اس دن کے متعلق بھی حدیث صبح میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا: انا حرب لمن حاربہم وسلم لمن سالمہم وعد لمن عادہم چنانچہ علامہ حجرکی نے فضائل اہلبیتؑ میں پہلی آیت جو لکھی ہے اس کی تفسیر میں اس حدیث کو لکھا ہے۔ رسولؐ کا یہ قول تو کافی مشہور ہو چکا ہے حرب علیؑ حربی، وسلمہ سلمی۔ علیؑ کی جنگ میری جنگ ہے اور علیؑ کی صلہ میری صلہ ہے۔

۱۔ ملاحظہ فرمائیے ہمارے صفحہ ۲۹۱ پر حدیث غزہ کے علاوہ اس کے رسولؐ کا یہ ارشاد اللہم وال من والاہ وعاد من عاداہ (خداوند! تو دوست رکھ اس کو جو علیؑ کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے) جو حد تواتر تک پہنچا ہوا ہے یہی کافی ہے نیز مکتوب نمبر ۱۸ پر بریدہ کی حدیث ملاحظہ فرما چکے ہیں جس میں آنحضرتؐ کا یہ قول ہے کہ جس نے علیؑ سے جدائی اختیار کی اس نے مجھ سے جدائی اختیار کی۔ یہ حدیث بھی حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے لایحیہ الا مومن ولا یبغضہ الا منافق، انہ واللہ لعہد النبئی الا اخی۔ علیؑ کو مومن ہی دوست رکھے گا اور علیؑ کا دشمن منافق ہی ہوگا۔ یہ قول وقرار ہے نبیؐ اہی کا۔

۲۔ جیسا کہ ۲۴ پر بیان کی ہوئی حدیث ۱، ۲، ۳ سے ثابت ہوتا ہے۔

موالات رکھی اس نے خدا اور رسولؐ سے موالات رکھی اور جس نے علیؑ سے عداوت رکھی اس نے خدا اور رسولؐ سے عداوت رکھی۔ جس نے علیؑ کو اذیت دی اس نے خدا اور رسولؐ کو اذیت دی جس نے علیؑ کو سب و شتم کیا اس نے خدا اور رسولؐ کو سب و شتم کیا۔ علیؑ نیکو کاروں کے امام، بدکاروں کے قتل کرنے والے ہیں جس نے علیؑ کی مدد کی وہ منصور ہوا، جس نے علیؑ کی مدد سے گریز کیا ذلیل و خوار ہوا، علیؑ مسلمانوں کے سردار متقین کے امام، روشن پیشانی والوں کو جنت تک لے جانے والے ہیں علیؑ ہدایت کا علم ہیں، اولیائے خدا کے امام ہیں، نور ہیں، فرمانبردارانِ الہی کے لیے، اور وہ کامل ہیں جسے خدا نے متقین پر لازم کیا ہے۔

اے صفحہ ۲۹۴ کی حدیث ۳۳۰ سے اس کی وضاحت ہوتی ہے نیز رسولؐ کا یہ ارشاد کہ اللہم وال من والاہ و عاد من عاداہ ہی کافی ہے اس کے ثبوت کے لیے۔
 ۳۳۰ اس کے ثبوت کے لیے عمرو بن شاس والی حدیث سن چکے ہیں جس میں رسولؐ نے فرمایا ہے کہ جس نے علیؑ کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی عمرو بن شاس کی حدیث کو امام احمد نے مسند ج ۳ ص ۳۲ پر امام حاکم نے مستدرک ج ۳ ص ۱۲۲ پر ذہبی نے تلخیص مستدرک میں اسی صفحہ پر اس حدیث کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے ذکر کیا ہے نیز بخاری نے تاریخ میں ابن سعد نے طبقات میں ابن ابی شیبہ نے اپنے مسند میں طبرانی نے معجم کبیر میں بھی اس کی روایت کی ہے۔ کنز العمال ج ۶ صفحہ ۴۰۰ پر بھی موجود ہے۔

۳۳۱ جیسا کہ صفحہ ۲۸۹ میں اٹھارہویں حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

۳۳۲ جیسا کہ صفحہ ۲۷۷ کی پہلی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

۳۳۳ ملاحظہ فرمائیے صفحہ ۲۷۷ پر حدیث ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵۔

۳۳۴ صفحہ ۲۷۹ پر چھٹی حدیث ملاحظہ کیجیے۔

یہی علیؑ صدیق اکبر ہیں، اس امت کے فاروق ہیں، مومنین کے سردار ہیںؑ، یہ بمنزلہ فرقانِ عظیم اور ذکرِ حکیم کے ہیں۔ علیؑ رسولؐ کے لیے ایسے ہیں جیسے موسیٰؑ کے لیے ہارونؑ تھے۔

علیؑ کو رسولؐ سے وہی منزلت حاصل ہے جو منزلت رسولؐ کو خدا سے ہے۔ علیؑ رسولؐ کے لیے ایسے ہیں جیسے بدن کے لیے سر، علیؑ مثلِ نفسِ رسولؐ کے ہیں۔ خداوندِ عالم نے تمام روئے زمین کے باشندوں پر نظر ڈالی اور رسولؐ و علیؑ کو منتخب کیا۔ رسولؐ کا ایک ہی ارشاد لے لیجیے جو آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یومِ عرفات فرمایا تھا کہ میرے فرائض کی ادائیگی علیؑ ہی کر سکتے ہیں۔

۱۔ جیسا کہ صفحہ ۲۸۰ کی حدیث ۷ سے واضح ہوتا ہے۔

۲۔ مکتوب نمبر ۴ میں آپ صبحِ حدیثیں اس کے ثبوت میں سُن چکے ہیں ان احادیث کے دیکھنے کے بعد صاحبِ بعیرت کے لیے تو پھر کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

صفحہ ۳۱۵ پر یہ حدیث بھی ذکر کی گئی علیا مع القرآن والقرآن مع علیؑ، لا یفترقان۔ علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے۔ جیسا کہ ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶ اور ۱۷ تک ہماری تحریر سے وضاحت ہوتی ہے۔

۳۔ جیسا کہ صفحہ ۲۸۵ کی تیسری حدیث سے ثابت ہوتا ہے

۴۔ صفحہ ۳۱۶ پر حدیث علیؑ معنی بمنزلۃ راسی من بدنی ذکر کی جا چکی ہے۔ جیسا کہ آیت مباہلہ بتاتی ہے نیز عبدالرحمن بن عوف کی حدیث جسے ہم نے صفحہ ۳۱۶ کے آخر میں درج کیا ہے۔

۵۔ جیسا کہ ہم صفحہ ۴۰۹ تا صفحہ ۴۱۰ پر اس کے متعلق مزید احادیث ذکر چکے ہیں، ۶۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۸۵ پر حدیث ۷ اور اس حدیث پر جو ہم نے حاشیہ تحریر کیا ہے وہ بھی دیکھیے۔

اس کے علاوہ بکثرت ایسی خصوصیات سے پیغمبرؐ نے امیر المومنینؑ کو سرفراز کیا جو صرف وصی ہی کے لیے زیب دیتی ہیں اور قائم مقام پیغمبرؐ ہی کے لیے مناسب ہیں۔ لہذا ان خصوصیات اور مخصوص فضائل و کمالات کے بعد امیر المومنینؑ کے وصی پیغمبرؐ ہونے سے انکار کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے کتنی حدیثوں کو جھٹلایا جائے گا اور کہاں تک جھٹلایا جاسکتا ہے۔

حضرات اہل سنت جو امیر المومنینؑ کے وصی پیغمبرؐ ہونے سے انکار کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر امیر المومنینؑ کو وصی رسولؐ تسلیم کر لیا جائے تو پھر خلفائے ثلاثہ کی خلافت باطل ہو جاتی ہے۔

اور بخاری و بخیرہ نے طلحہ بن مصرف والی حدیث جو ذکر کی ہے جس میں ہے کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے پوچھا کہ کیا رسولؐ نے وصیت فرمائی؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں۔ میں نے کہا: رسولؐ لوگوں پر تو وصیت کرنا واجب کریں اور خود وصیت نہ کریں۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ آنحضرتؐ نے کتاب خدا کے متعلق

وصیت فرمائی۔ یہ حدیث ہمارے لیے حجت نہیں اور نہ ہمارے جواب میں پیش کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ ہم لوگوں کے یہاں یہ ثابت نہیں۔ مزید برآں یہ تو سیاست کی کارسازیاں تھیں۔ حکومت کے جبر و تشدد کا نتیجہ ہے۔ ان سب باتوں سے قطع نظر سچی بات تو یہ ہے کہ امیر المومنینؑ کے وصی پیغمبرؐ ہونے کے متعلق ائمہ طاہرینؑ سے صحیح و متواتر حدیثیں موجود ہیں لہذا ان حدیثوں کی معارض حدیثیں رد کر دی جائیں گی۔

اس کے علاوہ امیر المومنینؑ کا وصی پیغمبرؐ ہونا تو ایسا اظہار من الشہ ہے جس پر دلیل و برہان پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ خود عقل بتاتی ہے۔ وجدان

اے صرف عقل ہی سے پوچھیے دیکھیے کیا کہتی ہے۔ عقل کے نزدیک ناممکن ہے محال ہے (باقی اگلے صفحہ)

دلاست کرتا ہے کہ یقیناً رسولؐ نے امیر المومنینؑ کو اپنا وصی مقرر فرمایا۔
اور بخاری نے ابن ابی اوفیٰؓ سے یہ جو روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے
کتاب خدا کے متعلق وصیت فرمائی تو یہ درست ہے مگر رسولؐ کا پورا ارشاد
نہیں ذکر کیا گیا۔ کیونکہ رسولؐ نے جہاں کتاب خدا کے متعلق وصیت فرمائی وہاں
اہل بیتؑ سے تمسک کرنے کا بھی حکم دیا۔ ایک ساتھ دونوں سے تمسک کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کہ رسولؐ اپنی امت کو تو وصیت کا حکم دیا اتنی سختی بسر مابین اور خود وصیت
نہ کریں درآغا لیکھو دوں کی نسبت پیغمبرؐ کا وصیت فرما زیادہ مزوری تھا کیونکہ کسی اور مرنے والے نے
نہ تو ایسا ترک چھوڑا جیسا رسولؐ نے چھوڑا اور نہ ایسے ایام چھوڑے جیسے رسولؐ نے چھوڑے نہ کسی اور
کے مشرکات نہ ورثہ نگران کا درپرست کے ایسے محتاج ہوئے جیسا رسولؐ کی چھوڑی ہوئی چیزیں
کسی منتظم و نگران کی محتاج تھیں۔ یا رسولؐ کے چھوڑے ہوئے ایام سرپرست کے ضرورت مند
تھے نہ سجدہ سجدہ رسولؐ جھلا اپنے قیمتی ترکہ یعنی شریعت النبیہؑ احکام الہی کو یونہی چھوڑ جائیں اور اپنے
ایام یعنی تمام روئے زمین کے باشندوں کو یونہی بے سہارا چھوڑ دیں کہ وہ ٹھوکرین کھاتے پھریں اور
اپنی خواہشوں کے مطابق چلتے پھرتے رہیں اور ایسا نگران و منتظم نہ چھوڑیں جس کے ذریعہ بندوں پر
خدا کی حجت تمام ہو۔ علاوہ اس کے وجدان بھی یہی کہتا ہے کہ رسولؐ نے علیؑ کو اپنا وصی مقرر کیا
کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسولؐ نے علیؑ کو اپنے غسل و حنوط و کفن و دفن کا حکم دیا۔ دیوں کی ادائیگی
ذمہ داروں سے بری الذمہ بنانے اور اختلاف کے وقت حق کی وصاحت کرنے کی تاکید کی، نیز
لوگوں کو بھی باخبر کر دیا کہ ہمارے بعد علیؑ تمہارے ولی ہیں۔ اس کے علاوہ اور خصوصیات
امیر المومنینؑ کے بھی ان کے گوش گزار کر دیے جنہیں ہم اس مکتوب کے شروع میں اشارتاً
ذکر کر چکے ہیں لہذا ہمارا وجدان بتاتا ہے کہ یقیناً رسولؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا وصی فرمایا ہوگا
اور غیر وصی بنائے دنیا سے نہیں اٹھے۔

تاکید کی اور امت سے فرما دیا تھا کہ خداوند عالم کی دونوں رستیوں کو مضبوطی سے تھامے رہنا اور ڈرا دیا تھا کہ اگر دونوں سے تمسک نہ کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے اور یہ بھی امت کو بتا دیا تھا کہ مسترآن والہ بیتؑ کبھی حیدانہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں۔

اس باب میں بکثرت متواتر حدیثیں ائمہ طاہرین سے مروی ہیں الہدیت طاہرینؑ کے علاوہ اغیار کی روایت کی ہوئی متعدد حدیثیں ہم گزشتہ اوراق میں ذکر کر چکے ہیں۔

ش

مکتوب نمبر ۳۶

افضل ازواج

یہ آسمان پر جناب عائشہ ام المومنین جو افضل ازواج نبیؐ ہیں ان سے کیوں روگرداں ہیں کہ آپ نے ان کی حدیث کو پس پشت ڈال دیا؟ گویا کچھ حقیقت ہی نہیں اس کی۔ حالانکہ انھیں کا قول فیصلہ کن ہے۔ جو وہ فیصلہ فرمادیں وہی بنی برانصاف ہوگا۔ پھر بھی آپ کی جو رائے ہو اس اعراض کی وجہ بتائیے کہ ہم بھی سوچیں سمجھیں۔

س

جوابِ مکتوب

جناب عائشہ افضل ازواجِ نبیؐ نہ تھیں

جناب عائشہ کا افضل ازواجِ نبیؐ ہونا تسلیم کے قابل نہیں۔ جناب عائشہ افضل ازواجِ نبیؐ ہو بھی کیونکر سکتی ہیں، کیونکہ ان کی رد میں خود ان سے صحیح حدیث مروی ہے۔ جناب عائشہ فرماتی ہیں کہ:

”ایک دن پیغمبرؐ نے جناب خدیجہ کا تذکرہ فرمایا تو مجھے بُرا معلوم ہوا۔ میں نے کہا: وہ تو بڑھیا تھیں ایسی تھیں ویسی تھیں اور خداوند عالم نے آپ کو ان سے اچھی بیوی دی۔ (اشارہ تھا اپنی طرف) آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: خداوند عالم نے اس سے اچھی بیوی مجھے نہیں دی۔ وہ مجھ پر اس وقت ایمان لا بیں جب سب میرا انکار کرتے تھے اور اس وقت میری تصدیق کی جب سب جھٹلاتے تھے اور اس وقت انھوں نے اپنے مال میں شریک بنایا جب سب نے مجھے محروم کر رکھا تھا اور خدا نے مجھے ان سے اولاد مرحمت کی اور دوسری بیویوں سے اولاد نہ دی۔“

لے یہ حدیث اور اس کے بعد والی حدیث بہت مشہور صحیح احادیث میں سے ہے ملاحظہ فرمائیے انتیاب ابن عبد البر میں حالات جناب خدیجہ بعینہ انہی الفاظ (باقی اگلے صفحہ پر)

جناب خدیجہ تمام ازواج میں افضل ہیں

جناب عائشہ سے یہ حدیث بھی مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ :
 " رسول اللہ جب تک خدیجہ کا ذکر نہ کر لیتے اور ان کی خوب
 مدح و ثناء نہ فرما لیتے گھر سے جاتے نہیں۔ ایک دن آپ نے
 حسب دستور خدیجہ کا ذکر فرمایا تو مجھے بڑی غیرت معلوم ہوئی میں
 نے کہا : وہ تو بڑھیا تھیں اور اب خدا نے ان سے بہتر بیوی آپ
 کو دی پسین کر رسولؐ غصہ سے جھڑ گئے، غیظ و غضب کا یہ عالم
 تھا کہ سر کے اگے کے بال غصہ کے مارے ہلنے لگے۔ آپ نے
 ارشاد فرمایا : خدا کی قسم ان سے بہتر بیوی مجھے نہیں ملی۔ وہ مجھ
 پر اس وقت ایمان لائیں جب سب لوگ کفر اختیار کیے
 ہوئے تھے۔ اس وقت میری تقدیق کی جب سب مجھے جھٹلاتے
 تھے اور اپنا کل مال و زر میرے حوالے کر دیا، جب سب مجھے محروم
 کیے ہوئے تھے اور انھیں کے بطن سے خدا نے مجھے اولاد مرحمت
 فرمائی۔ اور دوسری بیویوں سے کوئی اولاد مجھے نہ دی۔ "

لہذا ازواج رسولؐ میں سب سے افضل و اشرف جناب خدیجہ الکبریٰ
 ہیں جو اس امت کی صدیقہ ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائیں جنہوں نے سب
 سے پہلے کتاب خدا کی تقدیق کی، رسولؐ سے ہمدردی کی، رسولؐ پر وحی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) میں جو میں نے ابھی عرض کیے یہ دونوں حدیثیں موجود ہیں قریب قریب انھیں
 الفاظ کے ساتھ بخاری و مسلم نے بھی اپنی صحیحین میں ان دونوں حدیثوں کو ذکر کیا ہے۔

نازل ہوئی تھی کہ جناب خدیجہ کو بشارت دے دیں کہ ان کے لیے جنت میں
جواہرات کا گھر ہے۔ رسولؐ نے صاف لفظوں میں صراحت فرمادی تھی کہ جناب
خدیجہ سب سے افضل و اشرف ہیں چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

”جنت کی عورتوں میں چار عورتیں سب سے بہتر ہیں۔ خدیجہ

بنت خویلد، فاطمہ بنت محمدؐ، آسیہ بنت مرہم، مریم

بنت عمران“

آنحضرتؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

”تمام عالم کی عورتوں میں سب سے بہتر مریم بنت عمران، خدیجہ

بنت خویلد، فاطمہ بنت محمدؐ اور آسیہ زن فرعون ہیں“

اسی طرح اور بہت سی صریح حدیثیں پیغمبرؐ کی ہیں جو جملہ احادیث نبویؐ اور
ارشادات پیغمبرؐ میں صحیح تر اور ثابت تر ہیں۔

اس کے علاوہ ہم تو یہ بھی کہتے ہیں کہ جناب خدیجہ کے علاوہ دیگر ازواج
پیغمبرؐ سے بھی جناب عائشہ کو افضل کہنا درست نہیں۔ صحیح حدیثیں، معتبر روایا
و اخبار بتاتے ہیں کہ جناب عائشہ کو دیگر ازواج پر کوئی فضیلت نہ تھی جیسا
کہ صاحبان نظر و ارباب عقل سے پوشیدہ نہیں۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ جناب عائشہ
نے اپنے کو بمقابلہ دیگر ازواج پیغمبرؐ افضل و اشرف خیال کیا مگر رسولؐ نے
تردید کر دی جیسا کہ جناب صفیہ بنت جحش کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے۔

لے جیسا کہ امام بخاری نے صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۷۵ باب غیرۃ النار و آخر کتاب النکاح
میں روایت کی ہے۔

لے ہم نے اپنی کتاب کلمہ غرار میں اسے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

”رسولؐ جناب صفیہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ آپ نے رونے کی وجہ پوچھی۔ صفیہ نے جواب دیا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ عائشہ اور حفصہ میری برائیاں کرتی رہتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم صفیہ سے بہتر ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ تم دونوں مجھ سے بہتر کیونکر ہو سکتی ہو۔ میرے مقابلہ میں تمھاری کیا حقیقت ہے؟ میرے باپ جناب ہارونؓ اور چچا جناب موسیٰؓ، شوہر محمد مصطفیٰؐ ہیں جو خاتم النبیینؐ ہیں۔

جناب عائشہ کے حالات ملاحظہ فرمائیے، ان کے افعال و اقوال میں ان کی حرکتوں کا جائزہ لیجیے تو ہمارے قول کی صداقت آپ پر واضح ہو جائے گی۔ رہ گیا یہ کہ وصیت پیغمبرؐ کے متعلق جو حدیث وہ بیان کرتی ہیں اسے ہم کیوں نہیں مانتے تو مختصر اُیہ سمجھ لیجیے کہ ان کی حدیث حجت نہیں۔ اب کیوں نہیں حجت ہے؟ کن اسباب کے پیش نظر ہم ان کی حدیث کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے اسے نہ پوچھیے تو بہتر ہے۔

ش

اے ترمذی نے بطریق کناہ مولیٰ ام المومنین صفیہ سے روایت کی ہے اس حدیث کی اور ابن عبد البر نے حالات صفیہ کے ذیل میں استیعاب میں اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ اور ابن حجر عسقلانی نے بھی اپنی اصابہ میں بعض حالات جناب صفیہ اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ نیز شیخ رشید رضاؒ نے اپنے جریہ شمارہ نمبر ۱۲ صفحہ ۵۸۹ پر ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے حضرات نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

مکتوب نمبر ۳

آپ ان لوگوں میں ہیں جو نہ کسی کو دھوکا دیتے ہیں نہ مکر و فریب سے کام لیتے ہیں اور نہ ان لوگوں میں سے ہیں جو دل میں کچھ رکھتے ہیں اور زبان سے کچھ کہتے ہیں آپ براہ کرم تفصیل فرمائیے۔ یہ بہت ضروری ہے، میں حق کا طلبگار ہوں لہذا بجز تشریح و تفصیل آپ کے لیے کوئی چارہ نہیں۔

س

جوابِ مکتوب

حضرت عائشہ سے اعراض کے وجوہ

آپ تفصیل پر مجھے مجبور کر رہے ہیں حالانکہ تشریح و تفصیل آپ کے لیے

چنداں ضروری نہ تھی کیونکہ آپ بے خبر نہیں کہ سب عائشہ ہی کا کیا دھرا ہے
 ع اے بادصبا! میں ہمہ آوردہ تست ہے

انہیں کی وجہ سے ہم لوگوں کو یہ دن دیکھنے میں آئے انہیں نے امیر المومنینؑ
 کے وصی پیغمبرؑ ہونے کو نیا منیا کیا۔ دنیا سے چھپا یا کسی کو خبر نہ ہونے دی
 اور اگر کسی دوسرے ذریعہ سے پتہ چل بھی گیا تو غلط ثابت کرنے کے لیے
 ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ صاف و صریح ارشادات پیغمبرؑ واضح نصوص کو
 محو کرنے مٹانے کے لیے اپنی پوری توانائیاں صرف کر دیں۔ جتنی آفتیں ٹوٹیں
 انہیں کی وجہ سے۔ اہل بیتؑ پر جتنی مصیبتیں نازل ہوئیں آپ ہی کی بدولت،
 سارے فتنہ و فساد، ہربلا و مصیبت کی جڑ یہی ہیں جنہوں نے امیر المومنینؑ سے
 جنگ کرنے کے لیے شہر بہ شہر دورہ کیا اور آپ کی غلامت چھیننے اور تحت
 سلطنت اٹنے کی فکر میں لشکر کے حملہ آور ہوئیں۔ جو کچھ ہوا اس کا کیا ذکر
 کروں آپ اچھے ہی خیالات رکھیے۔ حقیقت کا سوال نہ کیجیے۔

لہذا امیر المومنینؑ کے وصی پیغمبرؑ نہ ہونے پر جناب عائشہ کے قول سے
 استدلال کرنا (وہ عائشہ جو سخت ترین دشمن امیر المومنینؑ تھیں) ہٹ دھرمی ہے
 جس کی کسی منصف مزاج سے توقع نہیں۔

علیؑ پر عائشہ کی طرف سے ایک مصیبت نازل نہیں ہوئی نہ معلوم
 انہوں نے کتنی آفتیں ڈھائی ہیں۔ امیر المومنینؑ کی وصایت سے انکار کہیں
 کم ہے۔ جنگ جمل اصغر اور جنگ جمل اکبر سے جس میں دل کی حالت آئینہ ہوئی

نے جیسا کہ صحیح حدیثوں کا فیصلہ ہے ملاحظہ فرمائیے صحیح بخاری کتاب الجہاد و السیر ص ۱۲۵

جلد ۲ ب۔ ما جاء فی بیوت ازواج النبیؐ

۲۵ جمادی الثانی ۳۳ھ کو امیر المومنینؑ کے (باقی اگلے صفحہ پر)

پوشیدہ عداوت آشکار ہو گئی۔ امیر المومنین سے برسرِ پیکار ہونے سے قبل جو دلی عناد تھا آپ کو بالراطبائیوں کے بعد جو پیچ و تاب غم و غصہ امیر المومنینؑ کی طرف سے مرتے دم تک رہا حتیٰ کہ آپ نے امیر المومنینؑ کی خبر انتقال سن کر سجدہ شکر کیا۔ اور خوشی کے اشارے پڑھے ان سب باتوں کا نمونہ آپ نے اس جنگ میں پیش کر دیا تھا۔ اگر آپ فرمائیں تو میں انہیں کی روایت کردہ حدیثوں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وارد بصرہ ہونے کے قبل پیش آیا تھا۔ امیر المومنین ابھی پہنچنے نہ پائے تھے کہ جناب عائشہ بصرہ پر حملہ کر بیٹیں۔ ان کے ساتھ طلحہ و زبیر بھی تھے۔ اس وقت بصرہ کے حاکم عثمان بن حنیف انصاری تھے۔ اس جنگ میں چار شبان امیر المومنین مسجد کے اندر شہید ہوئے اور ستر طفلان عائشہ قتل ہوئے عثمان بن حنیف گرفتار کر لیے گئے یہ بڑے جلیل القدر صحابی مہاجر تھے لوگوں نے چاہا کہ انہیں بھی قتل کر ڈالیں مگر ڈرے کہ کہیں ان کے بھائی اور انصار ان کا انتقام لینے پر نکل جائیں۔ اس لیے قتل تو نہ کیا صرف داڑھی، مونچھ، بھنوں اور سر کے بال موٹ ڈالے، زکوٰۃ کو کچھ دن قید میں رکھ کر بصرہ سے نکال دیا۔ حکیم بن عبد جو صاحب بصیرۃ زبیرؓ کا داماد بزرگ تھے، حضرت عائشہ کے مقابلہ کے لیے اپنے قبیلہ بنو عبد القیس کی معیت میں مکرستہ ہوئے۔ ان کے ساتھ قنید ربیعہ کی بھی ایک جماعت ہو گئی۔ جنگ ہوئی مگر سب ایک ایک کر کے شہید ہوئے۔ اور بصرہ فتح ہو گیا۔ پھر امیر المومنین تشریف لائے تو اپنے لشکر کو رعل بھی شہید ہوئے۔ اور بصرہ فتح ہو گیا۔ پھر امیر المومنین تشریف لائے تو اپنے لشکر کو لے کر صفت آرا ہوئے اور اس مرتبہ جنگ جبل اکبر پیش آئی۔ ان دونوں جنگوں کی پوری تفصیل تاریخ کامل و طبری اور دیگر کتب سیر و اخبار میں موجود ہے

لے جیبا ثقتہ راویان حدیث و ارباب تاریخ نے ذکر کیا جیسے علامہ ابو الفرج مہمانیؒ نے بھی اپنی کتاب مقاتل الطالبین میں بسلسلہ احوال امیر المومنین بیان کیا ہے۔

چند نمونے پیش کروں جن سے آپ کو اندازہ ہو کہ وہ امیر المومنینؑ کی عداوت میں کس انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں۔ منیہ : جناب عائشہ فرماتی ہیں کہ :

”رسولؐ پر مرض کی زیادتی ہوئی اور اذیت بہت بڑھ گئی تو آپ برآمد ہوئے اس حالت میں کہ دو آدمیوں کا سہارا لیے ہوئے تھے اور آپ کے پیر زمین پر گھسٹتے جاتے تھے جن دو آدمیوں کا آپ سہارا لے کر نکلتے تھے ان میں ایک تو عباس بن عبدالمطلب تھے اور دوسرا ایک اور شخص تھا“

جس شخص نے اس حدیث کو جناب عائشہ سے روایت کیا ہے یعنی عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے عبد اللہ بن عباس سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم جانتے ہو وہ دوسرا شخص کون تھا۔ جس کا نام عائشہ نے نہیں لیا۔ کہا: نہیں۔ کہا: وہ علیؑ ہیں۔

پھر عبد اللہ بن عباس نے کہا :

”علیؑ کی کوئی اچھائی عائشہ کو سبھی معلوم نہیں ہوئی۔“

لے جیسا کہ اس حدیث میں ہے جو بخاری نے صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۲ باب مرض النبی ووفات میں روایت کی ہے۔

لے یہ کلمہ خاص کر یعنی ابن عباس کا فقرہ ان عائشہ لا تطیب لہ نفس بخیر بخاری نے نہیں لکھا بلکہ صرف اوپر والی عبارت لکھ کر چھوڑ دیا ہے جیسا کہ الفاظ حدیث میں کثرت بیونت کی پرانی عادت ہے لیکن بے شمار اصحاب سنن نے جہاں اس حدیث کو لکھا ہے وہاں ابن عباس کا یہ فقرہ بھی مزور لکھا ہے جیسے علامہ ابن سعدؒ انھوں نے طبقات ابن سعد جلد ۲ قلم ثانی صفحہ ۲۷۱ پر اس حدیث کو سلسلہ اسناد درج کیا ہے اور سلسلہ اسناد کے کل کے کل رجال حجت ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ جب جناب عائشہ کو امیر المومنینؓ کی کوئی خوبی گوارا نہ تھی اور وہ ان لوگوں تک کے ساتھ علیؓ کا نام لینا پسند نہ کرتی تھیں جو رسولؐ کے ساتھ ایک قدم چلے تو وہ علیؓ کے دھیؓ رسولؐ ہونے کو بیان کرنا کیسے پسند کر سکتی تھیں جو تمام خوبیوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند جلد ۶ صفحہ ۱۱۳ پر جناب عائشہ کی ایک حدیث عطا بن یسار سے نقل کی ہے۔ عطا بن یسار کہتے ہیں کہ :

”ایک شخص جناب عائشہ کی خدمت میں آیا اور حضرت علیؓ اور جناب عمارؓ کو گالیاں دینے لگا۔ اس پر جناب عائشہ بولیں علیؓ کو گالیاں دینے سے میں منع نہیں کرتی لیکن عمارؓ کو گالیاں نہ دو! میں نے رسولؐ کو عمارؓ کے متعلق کہتے سنا ہے کہ عمارؓ وہ شخص ہیں کہ اگر انھیں دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جائے تو وہ وہی اختیار کریں گے جو زیادہ بہتر اور زیادہ موجب رستگاری ہو۔“

اللہ اکبر! عمارؓ کو گالیاں دینے سے جناب عائشہؓ تو منع کریں۔ رسولؐ کے صرف اس قول کی بنا پر کہ عمارؓ کو اگر دو چیزوں میں اختیار دیا جائے تو وہ وہی اختیار کریں گے جو بہتر و افضل ہو۔ اور علیؓ کے متعلق ناسزا کلمات کہنے سے نہیں منع کرتیں۔ وہ علیؓ جو رسولؐ کے بھائی ہیں، رسولؐ کے ولی ہیں، رسولؐ کے لیے ایسے ہیں جیسے جناب ہارونؓ، موسیٰؓ کے لیے تھے۔ رسولؐ کے ہمد و ہمزاء ہیں۔ امت رسولؐ میں سب سے چھٹا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ شہر علم پیغمبرؐ کے دروازہ ہیں اور وہ ہیں جن کو خدا و رسولؐ دوست رکھتے ہیں اور وہ بھی خدا و رسولؐ کو دوست رکھتے ہیں جو تمام مسلمانوں میں

سب سے پہلے اسلام لائے، جنہوں نے سب سے پہلے ایمان قبول کیا، جو سب سے زیادہ علم کے مالک تھے، جن کے فضائل بے حساب ہیں۔ افسوس معلوم ہوتا ہے کہ جیسے جناب عائشہ جانتی ہی نہ تھیں کہ علیؑ کو خدا کے یہاں کیا منزلت حاصل ہے، رسولؐ کے دل میں علیؑ کی کیا جگہ ہے؟ اسلام میں کیا درجہ ہے ان کا، اسلام کی راہ میں کتنی سختیاں جھیلی ہیں انہوں نے، کتنی آزمائشوں میں ثابت قدم رہے اور غالباً جناب عائشہ نے نہ تو امیر المومنینؑ کی شان میں نازلہ وارد کلام مجید کی آیتیں سنیں نہ احادیث پیغمبرؐ سے کہ کم سے کم عمار کے برابر تو رکھتیں جس طرح عمار کو گائیاں دینے سے منع کیا علیؑ کے متعلق بھی منع فرماتیں، جناب عائشہ کے اس جملہ پر کہ

”میں نے رسولؐ کو دیکھا، درآں خالیکہ انہیں اپنے سینہ پر لٹائے ہوئے تھے۔ آپؐ نے طشت منگایا، اس کی طرف جھکے۔ اسی حالت میں آپؐ کا دم نکل گیا اور مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ لہذا علیؑ سے انہوں نے وصیت کہاں فرمائی؟“

جب غور کرتا ہوں تو میری حیرت کا ٹھکانا نہیں رہتا، سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ میں ان کے اس جملہ کے کس کس گوشے پر تبصرہ کروں، ان کا یہ فقرہ مختلف جہتوں سے قابل بحث ہے۔

خدا کے لیے مجھے کوئی سمجھاوے کہ آنحضرتؐ کا اس طرح انتقال فرمانا عجیب کہ جناب عائشہ بیان فرماتی ہیں یہ کیونکر دلیل ہے کہ آپؐ نے وصیت نہ فرمائی، اس طرح انتقال کرنے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ آپؐ بے وصیت کیے ہی انتقال کر گئے۔ کیا جناب عائشہ کی رائے میں وصیت اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے جب دم نکل رہا ہو ورنہ نہیں۔ میرے خیال میں اس کا تو دنیا کے پردے پر کوئی

بھی قائل نظر نہ آئے گا۔ حقیقت کو جھٹلانے والا جو دلیل بھی پیش کرے وہ ٹھک نہیں سکتا۔ خداوند عالم نے اپنی محکم کتاب میں رسول کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ہے۔

”کُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ إِنْ

تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةَ“

”تم لوگوں پر واجب کیا گیا ہے، فرض قرار دیا گیا ہے کہ

جب موت آئے تو مرنے سے پیشتر اچھی وصیت کر جائے“

تو کیا جناب عائشہ کے خیال میں رسول کتاب خدا کے مخالف عمل کرتے تھے اس کے احکام سے بے رحمی برتتے تھے۔ پناہ بخدا جناب عائشہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ رسول قدم بہ قدم قرآن کی پیروی کرتے ہیں۔ ہر فعل و ہر عمل مطابق کلام الہی ہے۔ کلام مجید کے اوامر و نواہی کی پابندی میں سب سے پیش پیش رہے۔ کلام مجید کی جملہ باتوں پر عمل کرنے میں درجہ انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ یقیناً جناب عائشہ نے رسول کو یہ ارشاد فرماتے بھی سنا ہوگا :

”مرد مسلمان اگر ایک چیز بھی قابل وصیت رکھتا ہو۔ اس کے

لیے جائز نہیں کہ اس چیز کے متعلق بغیر وصیت نامہ لکھے ہوئے

دو راہیں گزار دے“

اس قسم کے دیگر ارشادات متغیر بہ بھی جناب عائشہ نے ضرور سنے ہوں گے

لے جیسا کہ اس حدیث میں ہے جو بخاری نے صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۳ کتاب الوصایا کے شروع

میں اور سلم نے صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۱ کتاب الوصیۃ میں روایت کی ہے۔

کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ وصیت کے متعلق آنحضرتؐ نے بڑے سخت احکام دیے ہیں اور یہ نہ تو آنحضرتؐ کے لیے جائز ہے اور نہ جملہ انبیاء میں سے کسی نبی کے لیے جائز رہا ہے کہ لوگوں کو تو کسی چیز کا حکم دیں اور خود اس حکم کی پابندی نہ کریں یا دوسروں کو تو کسی بات سے منع کریں مگر خود انہیں اس سے پرہیز نہ رہے۔ غیر ممکن ہے محال ہے کہ کسی نبی کسی رسولؐ سے ایسی بات کبھی بھی سرزد ہوئی ہو اور امام مسلم وغیرہ نے جناب عائشہؓ سے یہ حدیث جو روایت کی ہے کہ رسولؐ نے نہ کوئی دینار چھوڑا نہ درہم نہ بکری نہ اونٹ نہ کسی چیز کے متعلق وصیت فرمائی۔ یہ بھی پہلی ہی حدیث کی طرح قابل قبول نہیں علاوہ اس کے اگر جناب عائشہؓ کا یہ مقصد ہے کہ آپؐ نے قطعی طور پر ایک چیز بھی نہ چھوڑی اور آپؐ ہر وصیت کیے جانے کے لائق چیز سے بالکل خالی ہاتھ تھے تو بھی صحیح نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ آپؐ دنیا کی فضولیات چھوڑ کر نہیں مرے جیسا کہ دنیا والے چھوڑ کر مرتے ہیں۔

عقل بتاتی ہے کہ پیغمبرؐ نے یقیناً وصیت فرمائی

اس لیے کہ آنحضرتؐ تو دنیا بھر کے لوگوں سے زیادہ زاہد و پرہیزگار تھے آنحضرتؐ نے جس وقت دنیا سے انتقال کیا اس وقت آپؐ کے ذمہ کچھ قرضے

لے معزقہ سے روایت کر کے بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے بعد وفات رسولؐ چند باتیں انجام دیں جن میں زیادہ تر وعدے تھے جسے امیر المؤمنینؓ نے بعد پیغمبرؐ پورا کیا۔ میرا خیال ہے کہ قتادہؓ نے پانچ لاکھ درہم کہے تھے جو علیؓ نے رسولؐ کی جانب سے ادا کیے ملاحظہ فرمائیے۔ کنز العمال ج ۴ ص ۱۱۱

تھے، کچھ کیے ہوئے وعدے تھے، کچھ لوگوں کی امانتیں تھیں۔ جن کے متعلق آپ کا وصیت کر جانا ضروری تھا۔ آپ نے اپنے بعد بس اتنا مال چھوڑا جس سے آپ کے دیون ادا ہو جائیں۔ آپ نے جن لوگوں سے وعدہ کر رکھا تھا۔ وہ وعدے پورے ہو جائیں اور ان دونوں باتوں سے جو کچھ فاصلہ بچ رہے وہ آپ کی وارث جناب سیدہ کو ملے جیسا کہ جناب سیدہ کے مطالبہ میراث پیغمبرؐ سے ثابت ہوتا ہے۔

علاوہ اس کے رسول اللہؐ نے ایسی قابل وصیت چیزیں اپنے بعد چھوڑیں جیسی دنیا سے کسی اٹھنے والے نے نہیں چھوڑیں۔ آپ اسی کو لے لیجیے کہ آپ نے دین خدا کو چھوڑا جس کی ابھی ابتدا ابتدا تھی۔ بالکل تازہ تازہ تھا۔ اور یہ بنسبت طلار، نقرہ، مکان و جائیداد، کھیتی و مویشی کے زیادہ وصی کا محتاج و ضرورت مند تھا اور آپ کی پوری امت، امت کے ایتام بھی، بیواہیں بھی بہت زیادہ مجبور و مضطر تھے۔ بے حد ضرورت مند و محتاج تھے کہ رسولؐ کا کوئی نہ کوئی وصی ضرور ہو جو آپ کی جگہ پر ان کے امور کا نگران ہو، ان کے دینی و دنیوی حالات کا مدبر و منتظم ہو۔ خدا کے رسولؐ کے لیے یہ بات ناممکن تھی، محال تھی کہ وہ دین خدا کو (جو ابھی گہوارہ میں تھا) خواہشوں کے حوالے کر جاتے یا اپنی شریعت کی حفاظت کے لیے خیالات و آراء پر بھروسہ کر لیتے اور اپنا وصی مقرر نہ کر جاتے جسے آپ دین و دنیا کے امور کی نگرانی کے لیے وصیت کر جاتے اور جو آپ کا ایہ

ملے جیسا کہ بخاری نے صحیح بخاری جلد ۳ منہ ۳ پر باب غزوہ خیبر کے آخر میں بیان کیا ا

امام مسلم نے قول پیغمبرؐ لا نورث ماترکنا ہ صدقہ کے ضمن میں لکھا ہے ملاحظہ ہو

صحیح مسلم جلد ۲ ص ۷ کتاب الجہاد

قائم مقام ہوتا جس پر پورا پورا بھروسہ کیا جاسکتا۔ رسولؐ سے بعید ہے آپ اپنے ایٹام (یعنی تمام روئے زمین کے باشندوں کو) مثل اس بکری کے چھوڑ جائیں جو جاڑے کی رات میں ادھر ادھر ماری ماری پھرے اور اس کا کوئی حفاظت کرنے والا چرواہا نہ ہو اور پناہ بخدا کہ رسولؐ وصیت نہ کر جائیں حالانکہ اس وصیت کے متعلق ان پر وحی نازل ہو چکی تھی اور آپ اپنی امت کو وصیت کرنے کا حکم دے چکے تھے سختی سے تاکید کر چکے تھے۔ لہذا وصیت سے انکار کرنے والوں پر عقل کا ان ہی نہیں دھرتی۔ چاہے انکار کرنے والے بڑی شخصیت کے مالک ہی کیوں نہ ہوں۔ یقیناً رسولؐ اللہ نے ابتدائے دعوت اسلام میں جب کہ مکہ میں ابھی اسلام اچھی طرح ظاہر بھی نہیں ہوا تھا یعنی دعوتِ عشیرہ کے موقع پر امیر المومنین کو اپنا وصی مقرر فرمایا۔ جیسا کہ ہم مکتوبِ مستند میں مفصلاً بیان کر چکے ہیں۔

اس کے بعد بھی تکرار آپ کو وصی فرماتے رہے اور جب موقع ملا یکے بعد دیگرے اپنے ان ارشادات کے ذریعے جس کا ذکر ہم سابق میں کر چکے ہیں وصیت پر تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ جب رسولؐ کے انتقال کا وقت آیا تو آپ نے ارادہ کیا کہ ہم اب تک علیؑ کے متعلق لفظی طور پر جن باتوں کی تاکید کرتے رہے ہیں قولاً جو کچھ ان کے متعلق کہا کیے اب بصورتِ تحریر وصیت نامہ بھی علیؑ کو لکھ دیں تاکہ اب تک جو کچھ کہا یا بیان کیا اس کی تاکید و توثیق ہو جائے۔ قلم سے لکھ کر قطعی طور پر طے کر دوں اس مرحلہ کو۔ اسی وجہ سے آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ:

”میرے پاس قلم و دوات لاؤ۔ میں ایسا وصیت نامہ تمہارے

لیے لکھ جاؤں کہ پھر تم کبھی گمراہ نہ ہو۔“

رسول کا یہ جملہ سن کر لوگ آپس میں جھگڑنے لگے۔ حالانکہ رسولؐ کی خدمت

میں جھگڑنا کہاں تک مناسب ہے بعض کہنے لگے کہ رسول اللہ معاذ اللہ ہندیان بک رہے ہیں۔ جب رسولؐ نے یہ سنا تو آپؐ نے یقین کر لیا کہ ان کے اس فقرے کے بعد وصیت نامہ لکھنا بیکار ہے۔ تحریر کا کوئی اثر نہ ہوگا، سوائے اس کے کہ اور فتنہ بڑھ جائے آپؐ نے ان سے فرمایا کہ :

”میرے پاس سے اٹھ جاؤ“

اور آپؐ زبانی طور پر اب تک جو کچھ کہہ سکے تھے اسی پر اکتفا کیا پھر بھی آپؐ نے چلتے چلاتے لوگوں کو تین باتوں کی وصیت فرمائی۔

ایک تو یہ کہ علیؑ کو اپنا ولی مقرر کر دیں، دوسرے یہ کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال باہر کریں اور جس طرح آپؐ وفد بھیجا کیے وہ بھی وفد بھیجتے رہیں۔ لیکن اس زمانے کی سیاست اور حکومت محدثین کو کب اجازت دے سکتی تھی کہ وہ وصیت کے پہلے جز کو بیان کرتے۔ لہذا محدثین نے بات یہ بنائی کہ پہلی بات ہم بھول گئے۔

امام بخاری نے اس حدیث کے آخر میں جس میں رسولؐ کا قلم دوات مانگنا اور لوگوں کا کہنا کہ رسولؐ ہندیان بک رہے ہیں مذکور ہے۔ لکھتے ہیں۔
”ان کی اصل عبارت کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ۔“ رسولؐ نے بوقت

انتقال تین باتوں کی وصیت فرمائی۔ ایک تو یہ کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو، دوسرے یہ کہ جس طرح میں وفد بھیجا کرتا

تھا تم بھی بھیجنا۔“

یہ لکھ کر کہتے ہیں کہ :

”اور تیسری بات میں بھول گیا“

اسی طرح امام مسلم نے بھی اپنے صحیح میں اور حبلہ ارباب سنن و مسانید

نے ایسا ہی لکھا ہے۔ ہر ایک اس تیسری بات کو بھول گیا۔ کسی کو بھی یاد نہ رہا۔

عائشہ کا دعویٰ معارض ہے دیگر احادیث سے

رہ گیا ام المومنین کا یہ دعویٰ کرنا کہ رسول ﷺ کا جب وصال ہوا تو آپ ان کے سینہ پر تھے۔ یہ معارض ہے ان احادیث کے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے ایسی حالت میں انتقال فرمایا جب آپ اپنے بھائی، اپنے وصی علیؑ ابن ابی طالب کے آغوش میں تھے جیسا کہ ائمہ طاہرینؑ سے مردی متواتر احادیث کا فیصلہ ہے۔ نیز حضرات اہل سنت کی کتب احادیث میں بھی صحیح حدیثیں موجود ہیں جو یہی بتلاتی ہیں۔ اگر آپ تلاش و جستجو کی زحمت گوارا فرمائیے تو آپ کو پتہ چلے۔

ش

مکتوب نمبر ۳۱

حضرت عائشہ اپنی حدیثوں میں جذبات کا نمائندہ تھیں

جناب عائشہ اور ان کی صریحی حدیث (کہ رسولؐ بغیر وصیت کیے دنیا سے اٹھ گئے) کے متعلق آپ نے جو کچھ فرمایا اس کا محور و باقی ہیں اور انھیں دو باتوں کے گرد آپ کا کلام دائر ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ جناب عائشہ چونکہ امیر المومنینؓ سے برگشتہ تھیں اس لیے وہ امیر المومنینؓ کے وصی پیغمبر ہونے سے سوائے انکار کے کبھی کیا سکتی تھیں۔ اس کے خلاف کی ان سے توقع ہی نہیں رکھنی چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی سیرۃ پر نظر کرنے سے یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ وہ رسول اللہؐ سے حدیث روایت کرنے میں طبعی میلان کی پروا نہیں کرتی تھیں اور نہ اپنی خواہش اور ذاتی غرض ملحوظ رکھتیں لہذا انھوں نے رسولؐ

سے جتنی باتیں نقل کیں ان میں ان پر اتہام نہیں لگایا جاسکتا۔ وہ حدیثیں خواہ ان اشخاص سے متعلق ہوں جنہیں آپ محبوب رکھتی ہیں یا ان اسناد سے متعلق ہوں جن سے آپ کو عداوت تھی دونوں آپ کے نزدیک یکساں تھے۔ پناہ بخدا کہ جناب عائشہ ایسی ہستی پر غرض غالب ہو اور وہ حق کے مقابلہ میں اپنی غرض کو ترجیح دینے کے لیے رسولؐ کی طرف نسبت دے کر خلاف واقع باتیں کرنے لگیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ عقل جناب عائشہ کی روایت کردہ حدیث کی سچائی ناممکن سمجھتی ہے کیونکہ اس حدیث کا مفہوم ناممکن و محال ہے۔ حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسولؐ بغیر وصیت کے انتقال فرما گئے اور رسولؐ کا بغیر وصیت کے انتقال فرما نا محال ہے کیونکہ رسولؐ کے لیے کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا کہ وہ دین خدا کو جو ابھی ابتدائی منزل میں تھا اور بندگان خدا جو پرانی فطرت (یعنی کفر و شرک) سے نکل کر نئی فطرت اسلام میں تازہ تازہ آئے تھے کو یونہی چھوڑ دیں اور بغیر اپنا وصی مقرر کیے اور ان کے امور کے متعلق ناکیدہ طور پر وصیت کیے دنیا سے رخصت ہو جائیں۔

حسن و قبح اہلسنت کے یہاں

عقلی نہیں شرعی ہیں

اس بات کا جواب یہ ہے کہ رسولؐ کے لیے ایسی بات کا جائز ناجائز ہونا یہ موقوف ہے حسن و قبح کے عقلی ہونے پر اور اہل سنت اس کے قائل نہیں۔ کیونکہ حضرات اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ عقل نہ تو کسی چیز کے حسن ہونے کا فیصلہ کر سکتی ہے اور نہ کسی چیز کے قبیح ہونے کا۔ بلکہ تمام

افعال میں حسن و قبح کا فیصلہ کرنے والی فقط شرع ہے۔ شرع جس چیز کو حسن بتائے وہی حُسن ہے چاہے وہ عقل کے نزدیک قبیح ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح شرع جس چیز کو قبیح کہے وہ قبیح ہی ہے چاہے عقل کے نزدیک وہ حسن ہی کیوں نہ ہو۔ بہر حال عقل کو کسی قسم کا دخل نہیں۔

دعویٰ عائشہ کے معارض کوئی حدیث نہیں

اور آپ نے اپنے مکتوب کے آخر میں جو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جناب عائشہ کا یہ دعویٰ کہ رسولؐ نے میرے سینے پر دم توڑا یہ معارض ہے دوسری ایسی حدیثوں کے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ نے امیر المومنینؑ کی آغوش میں رحلت فرمائی تو اس کے متعلق کہنا یہ ہے کہ ہم ایک حدیث بھی بطریق المہنت ایسی نہیں پاتے جو جناب عائشہ کی حدیث سے معارض ہو۔ ہاں اگر آپ کے علم میں کوئی ایسی حدیث ہو جن کے راوی و ناقل حضرات المہنت ہوں اور وہ جناب عائشہ کی حدیث کے معارض ہو تو براہ کرم تحریر فرمائیے۔

س

جواب مکتوب

عائشہ کا روایت احادیث میں جذبات سے مجبور ہونا

آپ نے پہلی بات کے جواب میں فرمایا ہے کہ جناب عائشہ کی سیرت سے یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ وہ رسولؐ کی حدیث بیان فرمانے میں اپنے طبعی میلان کی پرواہ نہیں کرتی تھیں اور اپنی ذاتی اغراض کا کوئی

خیال نہیں من مانتی تھیں۔ میری درخواست ہے آپ سے کہ ذرا چند لمحوں کے لیے تقلید اور جنبہ داری سے الگ ہو کر پھر ایک نظر ان کی سیرت پر ڈالیں، ذرا چھان بین کیجیے کہ وہ جسے محبوب رکھتی تھیں اس کے بارے میں ان کا کیا خیال تھا اور جس سے انھیں عداوت تھی اس کے ساتھ ان کی کیا روش تھی؟ وہاں آپ کو ان کا طبعی میلان بہت واضح اور بہت روشن نظر آئے گا۔

جناب عثمان کے ساتھ قولاً اور فعلاً ان کا جو طرز رہا اور حضرت علیؓ جناب سیدہؓ، حبیبہؓ کے ساتھ درپردہ اور کھلم کھلا جو ان کا برتاؤ رہا اور دیگر ازواج رسولؐ، اہمات المؤمنین کے ساتھ جو سلوک رہا بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ رسولؐ کے ساتھ جس طرح سے وہ پیش آیا کیں اسے نہ بھولیے گا۔ وہاں آپ کو ان کا طبعی میلان اور غرضن سیریاں طور پر نظر آئے گی۔

مثال کے طور پر آپ جناب ماریہؓ والے واقعہ کو لے لیجیے۔ جب فریبی چالباز انسؓ نے جناب ماریہؓ اور ان کے فرزند جناب ابراہیمؓ کے متعلق تہمت تراشی کی تو انھیں جناب عائشہؓ نے اپنے میلان طبعیت سے مجبور ہو کر اتہام رکھنے والوں کی تائید کی۔ وہ تو کہیے کہ خداوند عالم جسے چاہتا ہے عرت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت میں ڈالتا ہے۔ جناب عائشہؓ کی کوششیں بار آور نہ ہو سکیں اور خداوند عالم نے جناب ماریہؓ اور

لے ملاحظہ فرمائیے شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید مستزلی جلد ۳ ص ۷۷ و ص ۷۸

اور ص ۷۹ آپ کو پتہ چلے گا کہ جناب عائشہؓ کا کیا سلوک تھا؟ حضرت عثمانؓ اور امیر المؤمنینؓ و جناب سیدہؓ کے ساتھ۔

ابراہیم دونوں کو بری قرار دیا اور امیر المؤمنینؑ کے ذریعہ دشمنوں کے مظالم سے محفوظ رکھا اور کلام مجید میں خداوند عالم نے ان کافروں کی تردید کر دی۔
اگر آپ مزید سننا چاہتے ہیں تو وہ واقعہ یاد کیجیے جب جناب عائشہؓ نے رسول اللہؐ سے کہا تھا کہ:

”مجھے آپ کے مُنہ سے مغایر کی بُو آتی ہے۔“

اس میں بھی آپ کا طبعی میلان اور ذاتی جذبہ کارفرما تھا۔ غرض یہ تھی کہ آنحضرتؐ جناب زینب کے پاس نہ جائیں، نہ شہد نوش فرمائیں۔ لہذا جب ایسی رکیک غرض جناب عائشہ کے لیے اس قسم کی باتیں جائز قرار دے سکتی ہے تو امیر المؤمنینؑ کے وحی پیغمبرؐ ہونے سے ان کا انکار کیونکر بعید ہوگا؟ اور ان کے انکار پر آپ کیونکر کان دھر سکتے ہیں۔

وہ واقعہ بھی یاد کیجیے کہ جب اسماء بنت نعمان دہن بنا کر رسولؐ کی خدمت میں پیش کی گئیں تو جناب عائشہؓ نے انھیں پٹی پڑھائی کہ رسول اللہؐ

۱۔ اس الناک سرگزشت کی تفصیل دیکھنا ہو تو ملاحظہ فرمائیے مستدرک امام حاکم جلد ۲ ص ۲۹ و تلخیص مستدرک علامہ ذہبی۔

۲۔ ملاحظہ فرمائیے صحیح بخاری کی روایت بسلسلہ تفسیر سورہ تحریم جلد ۲ ص ۱۳۶ اسی محل پر متعدد حدیثیں عمر سے مروی ہیں جن میں ہے کہ وہ دو عورتیں جنھوں نے پیغمبرؐ سے سرکشی کی وہ عائشہؓ اور حفصہ تھیں نیز اسی جگہ ایک اور طولانی حدیث ہے ان تمام احادیث میں یہی مضمون ہے۔

۳۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے جو امام حاکم نے مستدرک ج ۲ ص ۲۴ میں بسلسلہ حالات اسماء لکھے ہیں نیز ابن سعد نے طبقات جلد ۲ ص ۱۸۱ میں اسماء کے حالات میں درج کیا ہے یہ واقعہ بہت مشہور ہے علامہ ابن عبد البر نے استیعاب میں ابن حجر عسقلانی نے اصباہ میں نیز ابن جریر نے اس کی روایت کی ہے۔

اس عورت سے بہت خوش ہوتے ہیں جو رسولؐ کے پاس آنے پر اعود
باللہ منك (خدا مجھے آپ سے بچائے) کہے۔ یہ واقعہ طبعی میلان کا نتیجہ
متھا اور اس سے جناب عائشہ کی غرض یہ تھی کہ رسول اللہؐ کو اس تازہ عروس
سے متنفر کر دیں اور اس غریب کو آپ کی نظروں سے گرا دیں۔ جناب عائشہ
اپنی غرض کی دھن میں اس قسم کی حدیثیں بخوبی جائز سمجھتی تھیں چاہے وہ غرض
ذلیل و رکیک بلکہ حرام ہی کیوں نہ ہو۔

رسول اللہؐ نے ایک مرتبہ جناب عائشہ سے ایک عورت کے متعلق
کچھ باتیں دریافت کرنے کو کہا۔ جناب عائشہ نے اپنی غرض کے خیال سے
رسولؐ کو غلط سلط باتیں بتا دیں۔ صحیح حالات کا علم ہی نہیں ہونے دیا۔
ایک مرتبہ اپنے باپ کے سامنے رسولؐ سے جھگڑا پڑا۔ اس کا سبب
بھی وہی میلانِ طبیعت، ذاتی جذبات و اغراض تھے اور رسولؐ سے بولیں
کہ انصاف سے کام لیجیے۔ جس پر جناب ابو بکرؓ نے ایک طمانچہ ان کے اتنے
زور سے مارا کہ ان کے کپڑوں تک خون بہہ کر آیا۔
ایک مرتبہ رسولؐ سے بگڑ گئیں اور غصہ سے بولیں :

”آپؐ ہی ہیں وہ جو دعوائے کرتے ہیں کہ میں خدا کا نبی ہوں۔“

اس جیسی بہت سی مثالیں آپ کو ملیں گی۔ اس مخقر سے مکتوب میں کہاں تک

۱۔ ملاحظہ فرمائیے کنز العمال جلد ۶ ص ۲۹۴ طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۱۵

۲۔ کنز العمال جلد ۷ ص ۱۱۶ احیاء العلوم امام غزالی جلد ۲ ص ۳۵ کتاب آداب النکاح

نیز امام غزالی کی کتاب کاشفہ القلوب باب ۹ ص ۲۳۸

۳۔ جیسا کہ علامہ غزالی نے مذکورہ بالا باتوں میں ذکر کیا ہے۔

بیان کی جائیں۔ ہم نے جتنا ذکر کر دیا یہی ہمارے مطلب کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔

حسن و قبح کے عقلی ہونے کا ثبوت

آپ نے دوسری بات کے جواب میں فرمایا ہے کہ اہل سنت حسن و قبح کے عقلی ہونے کے قائل نہیں تو مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ بھی ایسا اہل عقیدہ رکھتے ہوں گے ایسی رکیک بات کے قائل ہوں گے۔ یہ تو بالکل سو فسطائیوں جیسا عقیدہ ہے جو محسوس ہونے والے حقائق تک کے منکر ہیں۔ دیکھیے بعض افعال تو وہ ہیں جن کی اچھائی اور خوبی کو ہم یقینی طور پر جانتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس کام کے کرنے پر ہمیں اچھی حسرت ملے گی لوگ ہماری تعریف کریں گے جیسے احسان، عدل، انصاف اور بعض افعال وہ ہیں جن کی برائی کا ہمیں یقین ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس کام کے کرنے پر ہم سزا کے مستحق ہوں گے اور لوگ مذمت کریں گے جیسے بدسلوکی، ظلم، حسد وغیرہ ہر با عقل شخص جانتا ہے کہ احسان و عدل کا اچھا ہونا اور ظلم و جور کا برا ہونا خود عقل بتاتی ہے خود عقل فیصلہ کن ہے اور جس طرح صاحبان عقل اس کا یقین رکھتے ہیں کہ ایک نصف ہے دو کا۔ اسی طرح ان کے اس یقین سے حسن و قبح کے عقلی ہونے کا یقین بھی کم نہیں۔

عقل ہمیشہ احسان کرنے والے اور ہمیشہ برائی کرنے والے کے فرق کو محسوس کرتی ہے۔ پہلے کو اچھا کہتی ہے اور دوسرے کو برا۔ محسن کو مستحق مدح و جزا اور بد معاملہ کو مستحق مذمت و قصاص قرار دیتی ہے جو عقل کے اس فیصلہ کو نہ مانے وہ ہٹی ہے۔

اور اگر حسن و قبح عقلی نہ ہوں، شرعی مان لیے جائیں، شریعت ہی کو معیار قرار دے لیا جائے کہ شریعت جس کو حسن بتائے وہی حسن ہے، اور شریعت جس کو قبیح بتائے وہی قبیح ہے عقل کو اس میں کوئی دخل نہیں نہ عقل کا فیصلہ قابل اعتنا ہے تو چاہیے تھا کہ وہ لوگ جو شریعت کو مانتے ہی نہیں شریعت کے قائل ہی نہیں، وہ نہ کسی چیز کو حسن سمجھیں نہ کسی چیز کو قبیح۔ جیسے لامذہب دہریہ حضرات جو مذہب کے دشمن ہیں، شریعت کے منکر ہیں چاہیے تھا کہ ان کے نزدیک نہ کوئی چیز اچھی ہو نہ بُری۔ مگر باوجود منکر دین و شریعت ہونے کے وہ بھی احسان و عدل کو اچھا ہی سمجھتے ہیں اور اس کے کرنے والے کو مستحق مدح و ثنا و لائق انعام و اکرام جانتے ہیں اور اسی طرح ظلم و سرکشی کے قبیح ہونے میں بھی انہیں کوئی شک شبہ نہیں۔ اور ظلم و سرکشی کرنے والے کو پاداش میں قصاص کا سر اور قرار دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ فیصلہ حسن کو حسن سمجھنا، قبیح کو قبیح جانتا عقل ہی کی بنا پر ہے اور کسی چیز کی وجہ سے نہیں۔ لہذا آپ ان لوگوں کی باتوں پر تو توجہ ہی نہ کیجیے جو عقل کے مقابلہ میں ہٹ دھرمی سے کام لیں و جدان کو جھٹلائیں اور جسے ہر صیح الدماغ مانتا اور جانتا ہے اس سے انکار کریں اور جس فطرت پر خدا نے انہیں پیدا کیا ہے اس فطرت کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ صادر کریں۔

خداوند عالم نے جس طرح حس و شعور کے ذریعہ اشیاء کے ذریعہ اشیاء کا معلوم کرنا بندوں کی فطرت میں داخل کیا ہے اسی طرح اکثر حقائق کو عقل کے ذریعہ جاننا بھی فطری قرار دیا ہے لہذا خود ہماری فطرت مقتضی ہے کہ ہم عدل کی اچھائی کو ظلم و جور کی بُرائی کو عقل سے جانیں جس طرح ذائقہ سے شہد کی سٹھاس اور ایلوے کا کڑواہن جانتے ہیں۔ جیسے قوتِ شام

کے ذریعہ مشک کی خوشبو اور مُردار کی بدبو سونگھتے ہیں۔ ہاتھ سے چھو کر چکنا پن اور کھردرا پن معلوم کرتے ہیں۔ آنکھ سے دیکھ کر خوبصورت و بدصورت میں فرق کرتے ہیں۔ کانوں سے سُن کر گدھوں کی آواز اور بانسری کی آواز میں تمیز کرتے ہیں۔ اسی طرح عقل کے ذریعہ نیکی، انصاف کی اچھائی، ظلم و ایذا رسانی کی برائی معلوم کرتے ہیں۔ یہ ہماری وہ فطرت و خلقت ہے جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے خدا کی خلق میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں۔

انشاء عہ چاہتے تھے کہ شرع پر ایمان رکھنے اور اس کے حکم کو تسلیم کرنے میں ہم انتہا کو پہنچ جائیں لہذا انھوں نے عقل کے فیصلہ ہی سے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ بس جس بات کو شریعت کہے وہی قابل تسلیم اور اگر شریعت نہ کہے تو ناقابل تسلیم اور دنیا بھر میں جو عقلی قاعدہ جاری و ساری ہے بلکہ جس بات کو عقل کہے گی اس بات کو شرع بھی کہے گی اسے فراموش کر بیٹھے اور اس کا خیال ہی نہ رہا کہ اس رائے کو اختیار کر کے خود اپنے کو الجھن میں مبتلا کر لیا کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ بس جس چیز کو مذہب اچھا کہے وہی اچھا ہے اور جسے مذہب برا کہے وہی برا ہے تو پھر مذہب کی پابندی اور شریعت کے احکام پر عمل کرنے کا وجوب کیونکر ثابت ہوگا۔ کوئی پوچھے کہ مذہب کو ماننا اور مذہب کے احکام پر عمل کرنا کیوں اچھا ہے؟ اور نہ ماننا اور نہ عمل کرنا کیوں بُرا ہے؟ اس کے جواب میں اگر آپ کہیں کہ مذہب اچھا کہتا ہے اور مذہب بُرا بتاتا ہے تو یہ کھلا ہوا دور و تسلسل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر عقل مجبور بنانے والی اور تسلیم ختم کرا دینے والی نہ ہوتی تو منقولات کے ذریعہ اسند لال دعویٰ بلا دلیل ہی ہوتا بلکہ اگر عقل نہ ہوتی تو نہ کوئی خدا کی عبادت کرنے والا ہوتا نہ اس کی تمام مخلوقات میں کوئی اس کی معرفت حاصل کر پاتا۔ تفصیلی بحث ہمارے علمائے اہل حق کی تصنیفات

میں آپ کو نظر آئے گی جو انھوں نے اس موضوع پر تحریر فرمائے ہیں۔

صحیح حدیثیں مخالف ہیں دعویٰ عائشہ کے

اور جناب عائشہ کا یہ دعویٰ کہ رسولؐ نے اس حالت میں انتقال کیا جب وہ میرے سینے پر تھے۔ یہ معارض ہے ان صحیح و متواتر احادیث کے جو ائمہ طاہرینؑ سے مروی ہیں۔

ائمہ طاہرین کے علاوہ غیروں کی حدیث اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو ملاحظہ فرمائیے طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ثانی صفحہ ۵۱ اور کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۵۵ جن میں بسلسلہ اسناد امیر المومنینؑ سے روایت کی گئی ہے:

”حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ رسالت مآبؐ کا جب دم واپس آیا تو آپؐ نے فرمایا: میرے بھائی کو بلا دو، یہ سن کر میں آپؐ کے قریب آیا، آنحضرتؐ نے فرمایا: کہ اور نزدیک آؤ۔ میں اور نزدیک آگیا۔ رسولؐ نے میرا سہارا لیا اور آخر وقت تک مجھ پر سہارا کیے مجھ سے بائیں کرتے رہے یہاں تک کہ آپؐ کا لعاب دہن بھی مجھ پر گرا اور اسی حالت میں آپؐ نے انتقال فرمایا۔“

ابو نعیم نے اپنے حلیہ میں احمد فرضی نے اپنے نسخہ میں نیز بہت سے صاحبان سنن نے امیر المومنینؑ سے روایت کی ہے، آپؐ فرماتے ہیں:

”اس وقت رسولؐ نے مجھے ہزار باب علم کے تعلیم کیے۔“

ہر باب سے مجھ پر ہزار باب کھل گئے۔“

حضرت عمرؓ کی یہ حالت تھی کہ جب آپؐ سے رسولؐ کے آخری حالات زندگی وغیرہ کے متعلق پوچھا جاتا تو بس یہی کہتے کہ علیؑ سے جا کر پوچھو کیونکہ انھیں کے ہاتھوں تمام امور انجام پائے چنانچہ جناب جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ کعب الاحبارؓ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ رسولؐ کا آخری کلام کیا تھا؟ حضرت عمرؓ نے (حسب دستور) جواب دیا:

”علیؑ سے پوچھو۔“

کعب نے علیؑ سے آکر پوچھا، حضرت علیؑ نے فرمایا کہ:

”میں نے رسولؐ کو اپنے سینہ پر ٹٹایا۔ آنحضرتؐ نے میرے کانڈھوں

پر اپنا سر ڈال دیا اور فرمایا: الصلوٰۃ، الصلوٰۃ، نماز، نماز۔“

کعب نے یہ سن کر کہا کہ تمام انبیاءؑ کی آخری وصیت یہی ہوئی۔ اسی کی تاکید پر وہ مامور ہوئے اور اسی پر وہ رسولؐ بنا کر بھیجے گئے۔

کعب نے پھر حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ غسل کس نے دیا؟ آپؓ نے جواب دیا کہ:

”علیؑ سے جا کر پوچھو۔“

کعب نے پھر آکر امیر المومنینؑ سے دریافت کیا۔ تو آپؑ نے جواب دیا کہ:

”میں نے غسل دیا۔“

جناب عبد اللہ ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ آپؓ کیا کہتے ہیں۔ کیا

لے کنز العمال ج ۶ صفحہ ۳۹۲ حدیث ۶۰۹۹

لے طبقات ابن سعد جلد ۲ قسط ثانی صفحہ ۵۱ - کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۵۵

رسول اللہؐ نے اس طرح انتقال فرمایا کہ آپؐ کا سر کسی کی آغوش میں تھا؟
جناب عبداللہ بن عباس نے کہا: ہاں! رسولؐ نے جب انتقال
کیا تو آپؐ حضرت علیؑ کے سینے پر تکیہ کیے ہوئے تھے۔

اس پر ان سے کہا گیا کہ:

”عروہؓ تو جناب عائشہؓ سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول
اللہؐ نے ان کے سینہ پر انتقال کیا۔“

جناب ابن عباسؓ نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ:

”تھکاری عقل میں یہ بات آتی ہے؟ قسم بخدا رسولؐ نے
تو اس حالت میں انتقال کیا کہ آپؐ علیؑ کے سینہ پر
تکیہ کیے ہوئے تھے اور علیؑ ہی نے آپؐ کو غسل بھی دیا۔“

اور ابن سعدؒ نے بسلسلہ اسناد امام زین العابدینؑ سے روایت کی ہے:

”امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں: کہ جب رسولؐ کا انتقال

ہوا تو آپؐ کا سر حضرت علیؑ کی گود میں تھا۔“

میں کہتا ہوں کہ اس کے منعلق تو ائمہ طاہرین سے بکثرت متوازن حدیثیں
مروی ہیں۔ ائمہ طاہرینؑ سے انحراف کرنے والے بھی اس حقیقت کے معترف
ہیں یہاں تک کہ ابن سعدؒ نے بسلسلہ اسناد شعبی سے روایت کی ہے:

”شعبی کہتے ہیں کہ رسولؐ نے جب انتقال کیا تو آپؐ کا سر

لیے طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ثانی ص ۵۵

ص ۵۵ طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ثانی ص ۵۵

ص ۵۵ طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ثانی ص ۵۵

امیر المومنینؑ کی آغوش میں تھا اور حضرت علیؑ ہی نے آپ کو غسل دیا۔ امیر المومنینؑ بھرے مجمع میں اپنے سلسلہٴ تقریر میں اس کا ذکر کیا کرتے۔ ملاحظہ فرمائیے (نیج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۶) امیر المومنینؑ فرماتے ہیں :

”اصحاب رسولؐ جانتے ہیں کہ میں نے کسی گھڑی خدا و رسولؐ کا کہنا نہیں سنا۔ میں نے ایسے ایسے مہلکوں میں اپنی جان پر کھیل کر رسولؐ کی جان بچائی۔ جہاں بڑے بڑے شجاعت پر عرب کے پیر کھڑ گئے، قدم پیچھے ہٹ گئے یہ میری شجاعت و طاقت تھی جس سے خدا نے مجھے سرفراز فرمایا اور آنحضرتؐ نے جب انتقال فرمایا تو آپؐ کا سر میرے سینے پر تھا اور آپؐ کا لعاب دہن میرے ہاتھ پر گرا جسے میں نے اپنے منہ پر مل لیا میں ہی رسولؐ کے غسل کا منتظم ہوا جس میں ملائکہ میرے درکار تھے۔ ملائکہ کی وجہ سے مکان اور صحن آوازوں سے گونجنے لگا۔ ایک گروہ آتا تھا دوسرا گروہ جاتا تھا۔ ان کی آوازوں کو میرے کانوں نے سنا۔ وہ آپؐ پر نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ میں نے آپؐ کو سپرد خاک کیا۔ لہذا مجھ سے زیادہ رسولؐ کا آپؐ کی زندگی میں بھی اور آپؐ کے مرنے کے بعد بھی کون حقدار ہو سکے گا۔“

اسی جیسے آپؐ کے وہ فقرات ہیں جو آپؐ نے جناب سیدہؑ کو دفن کر کے کہے:

۱۹۶ صفحہ ۱۹۶ و شرح نیج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۵۶۱

۲۰۰ صفحہ ۲۰۰ و شرح نیج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۵۹۰

”سلام ہو آپ پر اے رسول خدا! میری جانب سے بھی اور آپ کی دختر کی طرف سے بھی جو آپ کے جوار میں پہنچ گئیں۔ اور آپ کی خدمت میں جلد پہنچنے والی ہیں۔ یا رسول اللہ! آپ کی اس پاکیزہ دختر کی جدائی پر دامن صبر ہاتھوں سے چھوٹا جا رہا ہے اور میرا صبر و ضبط جواب دیے جا رہا ہے۔ ہاں! آپ کی گراں تر جدائی اور آپ کی موت سے ہم پر سخت ترین مصیبت پڑی ہے۔ اس کو سوچتے ہوئے اس تازہ مصیبت پر صبر آتا ہے (جب) میں نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے آغوشِ محبت میں لٹایا اور میرے سر و سینہ پر آپ نے دم توڑا (تو اتنی بڑی مصیبت بھیلنے کے بعد اب جو کبھی مصیبت مجھ پر پڑے وہ سبک ہے) انا للہ وانا الیہ راجعون۔“

اور جناب ام سلمہ سے یہ حدیث مروی ہے۔ آپ فرماتی ہیں:

”قسمِ نبیؐ علیؑ رسولؐ کی خدمت میں سب سے زیادہ احسن وقت تک باریاب رہے۔ جس دن آپ کی رحلت ہوئی اس دن ہم لوگ آپ کی عیادت میں مصروف تھے اور آپ فرما رہے تھے۔ علیؑ آئے؟ علیؑ آئے؟ جناب سیدہ بولیں: بابا جان معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انہیں کسی ضروری کام سے بھیجا ہے۔ جناب ام سلمہ کہتی ہیں کہ تھوڑی دیر کے بعد حضرت علیؑ آئے۔ ہم لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید رسولؐ تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سب وہاں سے اٹھ کر دروازے پر آ بیٹھے۔ میں دروازے سے بہت قریب بیٹھی

تھی۔ میں نے دیکھا کہ رسولؐ حضرت علیؑ پر جھک پڑے اور باتیں کرنا شروع کیں اور باتیں کرتے ہی کرتے آپؐ نے انتقال فرمایا۔ لہذا علیؑ سب سے آخر تک پیغمبرؐ کی خدمت میں باریاب رہنے والے تھے۔“

اور جناب عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسالت مآبؐ نے جب آپؐ

لے اس حدیث کو امام حاکم مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۳۹ پر روایت کر کے لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے مگر بخاری و مسلم نے درج نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی صحت کا علامہ ذہبی نے بھی اعتراف کیا ہے چنانچہ انھوں نے تلخیص مستدرک میں بھی اس حدیث کو لکھا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے بھی سنن میں اس کی روایت کی ہے۔ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲ پر بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث ۶۰۹۶۔

۷۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے جو ابو یعلیٰ نے کامل بن طلحہ سے انھوں نے حمی بن عبدغفری سے انھوں نے عبدالرحمان حبلی سے انھوں نے عبداللہ بن عمرو سے مرفوعاً روایت کی ہے نیز ابو نعیم سے اپنے حلیہ میں اور ابو احمد فرضی نے اپنے نسو میں روایت کی ہے جیسا کہ کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۹۷ پر مذکور ہے اور طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کی ہے کہ غزوہ طائف میں رسولؐ کھڑے ہوئے اور کچھ دیر تک حضرت علیؑ سے چپکے چپکے باتیں کرتے رہے، اس کے بعد تشریف لے گئے۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے رسولؐ سے کہا کہ آج تو آپؐ علیؑ سے بہت طولانی سرگوشی کرتے رہے پیغمبرؐ نے فرمایا کہ میں نے سرگوشی نہیں کی بلکہ خداوند عالم نے ہی کہ ہے کنز العمال میں بھی یہ حدیث موجود ہے ملاحظہ ہو جلد ۶ صفحہ ۳۹۹ حدیث نمبر ۶۰۷۵۔ حضرت سرور کائناتؐ عموماً تنہائی میں حضرت علیؑ سے باتیں کیا کرتے۔ ایک دن پیغمبرؐ اور امیر المومنینؑ تنہا بیٹھے باتیں (باقی اگلے صفحہ پر)

بستر مرگ پر تھے فرمایا کہ میرے بھائی کو بلاؤ۔ ابو بکر سامنے آئے۔ تو آپ نے منہ پھیر لیا۔ پھر آپ نے کہا کہ میرے بھائی کو بلاؤ۔ حضرت عمر سامنے آئے تو آنحضرتؐ نے منہ پھیر لیا۔ کوئی بڑھ کر حضرت علیؑ کو بلا لایا۔ جب علیؑ آئے تو آپ نے انھیں اپنی چادر میں لے لیا اور آپ پر جھک کر باتیں کرنے لگے۔ جب حضرت علیؑ باہر آئے تو ان سے پوچھا گیا کہ رسولؐ کیا کہہ رہے تھے آپ سے؟

آپؐ نے کہا: رسولؐ نے مجھے ہزار باب علم کے تعلیم کیے اور ہر باب سے ہزار باب مجھ پر کھل گئے۔

آپؐ سمجھ سکتے ہیں کہ یہی باتیں مناسب حال انبیاء ہیں اور جناب عائشہؓ جو کچھ فرماتی ہیں وہ تو ہوس پرستوں کے لیے زیادہ موزوں ہیں۔ اگر کوئی چپر والا اس طرح مرے کہ اس کا سر اس کی بیوی کے سینہ پر ہو یا ٹھڈی اور ناف کے درمیان یا بیوی کی ران پر ہو اور وہ اپنے موٹی کی حفاظت و نگہداشت کی وصیت بیوی کو نہ کرے تو یقیناً وہ زیاں کار اور تباہ و برباد کرنے والا ہو گا۔

خدائے مہربان کرے جناب عائشہؓ کو کاش (جب انھوں نے یہی ہتھیہ کر لیا

(بقیہ حاشیہ ص ۷۰ گزشتہ) کو وہ تھے کہ عائشہؓ آپؐ نہیں اور حضرت علیؑ سے کہنے لگیں کہ اے علیؑ! نو دنوں میں مجھے ایک دن ملتا ہے (پیغمبرؐ کی نو بیویاں تھیں اس لحاظ سے نو دن میں ایک دن پیغمبرؐ جناب عائشہؓ کے یہاں آرام فرماتے) کیا تم مجھے میرے دن میں بھی چین سے نہ رہنے دو گے۔ یہ سن کر سرد کائنات کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا

لاحظظ ہو شرح نہج البلاغہ حمیدی جلد ۲ ص ۷۷

منہا کہ یہ فضیلت علیؑ کے لیے نہ ہونے پائے تو اپنے باپ کی طرف اس کو منسوب کرتے ہوئے یہ بیان کرتے ہیں کہ میرے باپ کے سینے پر رسولؐ کا دم نکلا لیکن اپنے باپ کی طرف وہ اس کی نسبت دے بھی کیسے سکتی تھیں کیونکہ انھیں تو رسولؐ نے خود اسامہ کا ماتحت بنا کر شکر کے ساتھ روانہ کیا تھا جو مدینہ کے باہر جا کر پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔

بہر حال جناب عائشہ کا یہ کہنا کہ رسولؐ نے ان کی گود میں دم توڑا صرف جناب عائشہ ہی کی طرف منسوب ہے فقط وہی اس کی بیان کرنے والی ہیں اور یہ قول کہ رسولؐ نے علیؑ کی گود میں دم توڑا بکثرت لوگوں کی طرف منسوب ہے۔ بہت سے بیان کرنے والے ہیں جیسے حضرت علیؑ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، شبی، امام زین العابدینؓ اور جملہ ائمہ طاہرینؑ لہذا یہ قول اپنی سند کے لحاظ سے بھی قابل ترجیح ہے اور رسولؐ اللہ کی شان کے بھی زیادہ مناسب ہے۔

ام سلمہ کی حدیث مقدم ہے حضرت عائشہ پر

جناب عائشہ کی حدیث اتنے حضرات کی احادیث سے معارض ہے اگر ان حضرات سے قطع نظر صرف جناب ام سلمہ ہی کی حدیث سے معارض ہوتی تو اس صورت میں بھی متدد وجوہ سے جناب ام سلمہ ہی کا قول قابل قبول ہونا انھیں کی حدیث کو ترجیح دی جاتی۔

ش

مکتوب نمبر ۳۹

جناب ام سلمہ کی حدیث کو
ترجیح کیوں کر —؟

آپ نے جناب ام سلمہ کی حدیث کو ترجیح دینے میں جو کچھ کہا اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ اس کے دعویدار ہیں کہ بہت سی وجہوں سے جناب ام سلمہ کی حدیث قابل ترجیح ہے۔ تو براہ کرم وہ بہت سی وجہیں بھی ذکر کر دیجیے کوئی وجہ چھوڑیے گا نہیں۔ کیونکہ یہ بحث و مباحثہ اور افادہ و استفادہ کا محل ہے۔

س

جواب مکتوب

جناب اتم سلمہ کی حدیث کے مقدم وار رخ ہونے کے اسباب

جناب اتم سلمہ کے کج ہو جانے پر قرآن نے نص نہیں کی۔ انھیں کلام مجید میں توبہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ نبیؐ سے سرکشی کرنے پر کلام مجید میں ان کے متعلق کوئی آیت نہیں اتری نہ انھوں نے بعد رسولؐ، رسولؐ کے وصیؑ سے سرکشی کی، نہ ان کے مقابلہ میں رسولؐ کی مدد کرنے کے لیے خدا کو جبریل

لے اشارہ ہے خداوند عالم کے قول ان تتوبوا الی اللہ فقد صغت قلوبکما کی طرف۔

لے وصیؑ رسولؐ سے سرکشی یوں کہ ان کے وصیؑ رسولؐ ہونے سے انکار کیا اور حضرت سرور کائنات کے بعد جتنے دن جیتی رہیں حضرت علیؑ کی طرف سے انتہائی عداوت لایں لیے رہیں۔ رسولؐ کے ساتھ ان کی سرکشی اور خداوند عالم کا اپنے رسولؐ کی مدد کے لیے آمادہ ہونا تو اس پر خود یہ آیت دلالت کرتی ہے وَ اَن تَطَاهَرَا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ هُوَ مُوَلّٰہُ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمَلَائِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظٰہِرٌ۔ اگر تم دونوں یعنی عائشہ اور حفصہ رسولؐ سے سرکشی کرو گی تو سمجھ لو رسولؐ کا خدا مددگار ہے اور جبریل اور صالح المؤمنین اور اس کے بعد ملائکہ بھی پشت پناہ ہیں

امین کو اور صالح المومنین کو اور ملائکہ کو آمادہ ہونا پڑا۔ نہ انہیں خدا نے طلاق کی دھمکی دی نہ ان کو اس سے ڈرایا گیا کہ تمہارے بدلہ میں تم سے بہتر زوجہ رسولؐ کو ملے گی نہ انہیں زوجہ نوحؑ و زن لوطؑ سے مثال دی گئی انہوں نے کبھی ایسا نہ کیا کہ رسولؐ پر ایسی چیز حرام کر دی ہو جو خدا نے رسولؐ کے لیے جائز کی تھی۔ رسولؐ اللہ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ فرماتے ہوئے ان کے گھر کی طرف اشارہ نہیں کیا کہ ہا ہنا الفتنة "یہیں فتنہ ہے جہاں شیطان کا سینگ ابھرتا نظر آ رہا ہے۔"

جناب ام سلمہ کے آداب ایسے نہیں تھے کہ رسولؐ نماز پڑھ رہے ہوں

لے یہ فقرہ اور اس کے قبل کا جملہ اشارہ ہے قول خداوند عالم کی طرف عسی ربہ ان طلقن ان یبدلہ ازواجاً خیراً منکے مسلمات مومنات۔

تے اشارہ ہے طرف آیہ ضرب اللہ مثلاً للذین کفروا امراتہ نوح و امراتہ لوط۔ کے

تے اشارہ ہے طرف آیہ یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لك تبغی مہر حیات ازواجك۔

تے اس حدیث کو بخاری نے باب ما جاء فی بیوت ازواج النبی

کتاب الجہاد والیریح بخاری جلد ۲ ص ۱۲۵ پر درج کیا ہے اور صحیح مسلم کی عبارت یہ

ہے خرج رسول اللہ من بیت عائشۃ، فقال: راس الکفر من

ہا ہنا حیت یطلع قرون الشیطان۔ ملاحظہ ہو صحیح مسلم جلد ۲

صفحہ ۵۰۳۔

اور وہ آپ کی جائے سجدہ پر پیر پھیلائے ہوئے ہوں اور رسولؐ کے سجدے کرتے وقت بھی پیر نہ سمیٹیں لیے جب رسولؐ پیر کو دبائیں تو وہ سمیٹ لیں، پھر جب رسولؐ سجدے کر کے کھڑے ہو جائیں تو دوبارہ پھر اسی طرح پیر پھیلا دیں اور اس طرح پوری نماز میں یہی حرکت کرتی رہیں۔

جناب ام سلمہؓ جناب عثمانؓ کی دشمن نہیں ہوئیں نہ آپ کی جان لینے پر تلبیں نہ نعل کو کہہ کر پکارا نہ یہ کہا کہ اس نعل کو قتل کر ڈالو۔ یہ کافر ہو گیا ہے۔ جناب ام سلمہؓ اپنے گھر سے نہیں نکلیں جس میں رہنے کی خدائے تاکید کی تھی۔

۱۔ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۴۳ باب ما يجوز من العمل في الصلاة۔

۲۔ جناب عائشہؓ کا قول و فعل حضرت عثمانؓ کے خلاف جذبہ تنفر اظہار عدلوت و بعض عثمان اور ان کا کہنا کہ اس نعل کو قتل کر ڈالو یہ کافر ہو گیا ہے ایسی شہور بات ہے جس کے ذکر سے تاریخ کی کوئی کتاب جس میں عہد حضرت عثمانؓ کے حالات و حوادث کا ذکر ہے خالی نہ ملے گی صرف تاریخ ابن جریر طبری و تاریخ کامل ابن اثیر جزیری کو لے لیجیے بے کم و کاست حالات پوری تفصیل سے آپ کو معلوم ہوں گے۔ حضرت عائشہؓ کے زمانہ کے لوگوں نے حضرت عائشہؓ کی عثمانؓ دشمنی پر انھیں سرزنش بھی کی نہ پر برا سمجھا کہا۔ چنانچہ تاریخ کامل ابن اثیر جزیری صفحہ ۸۰ جلد ۲ و تاجمل کے حالات میں یہ اشارہ موجود ہیں۔

فمنك البداء ومنك الغيبر ومنك الرياح ومنك المطر

وانت امرت بقتل الامام وقلت لنا انه قد كعد

آپ ہی سے ان فادات کی ابتدا ہوئی آپ ہی رنگ بدلتی رہیں آپ ہی سے ہوا میں طلیں آپ ہی سے بارش ہوئی آپ ہی نے خلیفہ کے قتل کا حکم دیا۔ آپ ہی نے ہم سے کہا کہ وہ کافر ہو گئے ہیں۔

۳۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وقرن في بيوتكن ولا تبوجن (باقی اگلے صفحہ پر)

جناب ام سلمہ نے اونٹ پر سوار ہو کر فوج کی کمان کبھی نہیں کی اور وہ جو کبھی وادی میں لے جا رہا ہو کبھی پہاڑ پر چڑھ رہا ہو یہاں تک کہ چشمہ و حباب کے کتے جھونکنے لگے ہوں جس سے رسولؐ نے پہلے ہی ڈرا دیا تھا مگر ڈری نہیں اور نہ اس لشکر گراں کی قیادت کرنے سے باز رہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تبرج الجاحلیۃ الاولیٰ اپنے گھروں میں رہو اور اگلی جاہلیت کی طرح بوٹھو نہ بنیں۔ وہ اونٹ جس پر سوار ہو کر جناب عائشہؓ فوج کی کمان کرنے نکلیں اس کا نام عکبر تھا۔ یعلیٰ ابن فیہ وہ اونٹ لے کر عائشہ کے پاس پہنچا وہ اونٹ بڑے ٹوٹیل ڈول کا تھا جب جناب نے دیکھا تو بہت خوش ہوئیں جب معلوم ہوا کہ اس اونٹ کا نام عکبر ہے تو پیروں تلے زین نکل گئی اناٹھ وانا الیہ ارجعون پڑھا اور کہا اسے واپس لے جاؤ اس اونٹ کی مجھے ضرورت نہیں اور بیان کیا عائشہؓ نے کہ حضرت سرور کائناتؐ نے یہ نام ان سے ذکر کیا تھا اور اس پر سوار ہونے سے منع بھی فرمایا تھا۔ لوگوں نے اس اونٹ کے جھول اتار کر دوسرے جھول پہنا دیے اور آ کر کہا کہ آپ کے لیے اس اونٹ سے بھی بڑا اور طاقت ور اونٹ ہیں ہاتھ لگ گیا۔ جناب عائشہؓ اس مرتبہ راضی ہو گئیں۔ اس واقعہ کو اکثر اہل سیر و اخبار نے ذکر کیا تھا۔ لاحظہ فرمائیے شرح نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۸۰۔

لے اس بارے میں بہت مشہور حدیث ہے اور وہ حدیث نبوت کے علامات اور اسلام کی روشن نشانیوں میں سے ہے۔ اس حدیث کو مختصر کر کے امام احمد نے اپنی مسند ج ۶ صفحہ ۵۲ و ۹۷ میں ذکر کیا۔ نیز اسی طرح مختصر کر کے امام حاکم نے مستدرک جلد ۳ صفحہ ۱۲۰ پر درج کیا ہے نیز علامہ ذہبی نے بھی اس کی صحت کا اعتراف کیا ہے اور خود بخفیص مستدرک میں نقل کیا ہے

جسے امام کے مقابلے میں جمع کیا تھا۔

لہذا جناب عائشہ کا قول کہ رسول اللہؐ نے میرے سینے پر دم توڑا، ان کے اس قول سے مرتبط سمجھیے کہ رسول اللہؐ نے حبشیوں کو دیکھا کہ وہ مسجد میں ہتھیاروں سے کھیل رہے ہیں آپؐ نے عائشہ سے کہا کہ کیا تم ان کا تماشا دیکھنا چاہتی ہو؟

وہ بولیں : ہاں۔

عائشہ کہتی ہیں کہ اس پر رسولؐ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا کہ میرا رخاہ رسولؐ کے رخاہ پر تھا اور رسولؐ فرماتے تھے ہاں ہاں! اے نبی ارزدہ۔ مطلب یہ تھا کہ وہ اور سرگرمی سے اپنا کھیل دکھائیں تاکہ عائشہ خوش ہوں۔ جناب عائشہ کہتی ہیں کہ جب میں تھک گئی تو آپؐ نے پوچھا کہ بس۔؟ میں نے کہا : ”ہاں!“ تو آپؐ نے فرمایا : اچھا جاؤ۔ چاہے ان کے اس قول سے مرتبط کیجیے :

”رسول اللہؐ میرے پاس ایک دن آئے اور میرے پاس دو کنیزیں گا رہی تھیں۔ رسولؐ آکر بستر پر لیٹ گئے اس کے بعد ابو بکرؓ آئے انھوں نے جب دیکھا تو مجھے جھڑکا اور کہا کہ رسولؐ کے پاس اور شیطان کی بانسری؟“

جناب عائشہ کہتی ہیں کہ :

”رسولؐ ابو بکرؓ کی طرف متوجہ ہو کر بولے : ان دونوں

کو گائے دو۔

اور چاہے تو ان کے اس قول سے مرتبط سمجھے کہ :

” ایک سے مرتبہ ہم میں اور رسولؐ میں دوڑ ہوئی ہیں رسولؐ سے آگے نکل گئی۔ اسے کچھ دن گزر گئے اور میرے بدن پر گوشت چڑھ آیا۔ پھر دوڑ ہوئی تو اب کی رسولؐ آگے نکل گئے آپ نے فرمایا: کہ لو میں نے بدلہ اتار دیا۔“

یا ان کے اس قول سے مرتبط سمجھے کہ :

” میں لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی اور میری سہیلیاں آتیں اور میرے ساتھ کھیلتیں اور رسول اللہؐ خود ان لڑکیوں کو بلا کر میرے پاس لاتے اور وہ میرے ساتھ کھیلتیں“

یا ان کے اس قول سے مرتبط سمجھے کہ :

” مجھ میں سات خوبیاں ایسی ہیں کہ کسی میں پائی نہ گئیں سوا ایک کے۔ جو جنابِ مریمؑ میں تھی۔ ایک تو یہ کہ فرشتہ میری صورت میں نازل ہوا۔ دوسرے یہ کہ رسولؐ کی کل ازواج میں بس میں ہی باکرہ تھی اور رسولؐ پر وحی اتری اس حالت

اے بخاری وسلم و امام احمد نے اس حدیث کی انہیں صفحات و ابواب میں روایت کی ہے جو ہم اس کے اوپر کے حاشیے میں بیان کر چکے۔

۱۷ مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۵۷

۱۸ ابن ابی شیبہ نے اس کی روایت کی ہے اور یہ حدیث کنز العمال میں بھی موجود ہے

ملاحظہ ہو حدیث نمبر ۱۰۱۷ جلد ۷

میں کہ میں اور وہ ایک لحاف میں تھے۔ میں رسولؐ کی سب سے زیادہ چہیتی تھی۔ میری شان میں کلام مجید کی ایسی آیتیں اُتریں کہ قریب تھا کہ امت ان آیات میں ہلاک ہو جائے میں نے جناب جبریلؑ کو دیکھا اور دوسری بیویوں میں سے کسی نے نہ دیکھا۔ رسولؐ کا انتقال میرے گھر میں ہوا۔ میرے سوا رسولؐ کے پاس کوئی نہ تھا۔ میں اور ملک... الخ۔“

اسی طرح اور بہت سی حدیثیں جناب عائشہؓ نے بیان فرمائی ہیں جن میں اپنی مدح سرائی کی ہے اور اپنے خصوصیات کی لمبی چوڑی فہرست لگائی ہے وہ سب اسی جیسی ہیں لیکن جناب ام سلمہؓ تو وہ بھی کافی سمجھتی تھیں کہ وہ اپنے ولی اور پیغمبرؐ کے وحی سے سوالات رکھیں آپ صائب الرائے اور کامل عقل و فہم غیر متزلزل دین رکھنے والی معطرہ تھیں۔ آپ نے جنگ حدیبیہ کے موقع پر رسولؐ کو جو مشورہ دیا تھا وہ بین ثبوت ہے کہ آپ کتنی حتمی و حتمی مکتبی صائب نظر و صائب رائے اور بلند مرتبہ خاتون تھیں۔

لے اس پر اتفاق و اجماع ہے کہ رسولؐ کے انتقال کے وقت حضرت علیؓ موجود تھے وہی تیمارداری کرتے تھے لہذا حضرت عائشہؓ کا یہ کہنا کیونکر صحیح ہے کہ جس وقت رسولؐ کا انتقال ہوا کوئی رسولؐ کے پاس موجود نہ تھا سوا جناب عائشہؓ کے اور ملک کے۔ علیؓ کہاں تھے، عباس کہاں تھے، جناب فاطمہؓ اور صفیہؓ رسولؐ خدا کی چھوچی کہاں تھیں؟ رسولؐ کی دوسری بیویاں کہاں تھیں؟ بنی ہاشم سب کے سب کہاں تھے؟ اور کیونکر انھوں نے رسولؐ کو تنہا عائشہؓ کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ پھر یہ بات مخفی نہ ہی کہ مریمؑ میں ان ساتوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی ہے جو جناب عائشہؓ نے ذکر کیا لہذا ان کا یہ کہنا کیونکر صحیح ہے کہ صرف جناب مریمؑ میں ان سات باتوں میں سے ایک بات پائی جاتی ہے ان کا جناب مریمؑ کو مستثنیٰ کرنا کیونکر صحیح ہے۔

مکتوب نمبر ۲۰

اجماع و خلافت

آپ نے جتنی باتیں کہیں مان بھی لی جائیں کہ امیر المومنینؑ وصی پیغمبرؐ تھے اور آپ کے بارے میں عریکی نصوص موجود ہیں تو آپ اس کو کیا کریں گے کہ امت نے حضرت ابو بکر کی بیعت پر اتفاق کر لیا۔ انھیں اجماعی طور پر خلیفہ تسلیم کر لیا اور امت کا اجماع قطعی حجت ہے کیونکہ رسولؐ خود ارشاد فرما چکے ہیں :

”لا تجتمع امتی علی الخطاء“

”میری امت خطا پر کبھی اجماع نہ کرے گی۔“

نیز یہ بھی منرمایا : لا تجتمع امتی علی ضلال۔

”میری امت گمراہی پر کبھی اجماع نہ کرے گی۔“

اس کا آپ کے پاس کیا جواب ہے —؟

س

جواب مکتوب

اجماع ہوا ہی نہیں

ہم یہ کہیں گے کہ رسالت مآبؐ نے یہ جو فرمایا ہے کہ میری امت کبھی خطا پر اجماع نہ کرے گی اور گمراہی پر کبھی اجماع نہ کرے گی اس کا مطلب یہ ہے کہ جس امر کو امت والے باہم رائے مشورہ کر کے اپنی پسند و اختیار سے اتفاق آراء سے طے کر لیں اس میں خطا و گمراہی نہ ہوگی۔ حدیثوں کے دیکھنے سے یہی مطلب سمجھ میں آتا ہے اور کوئی دوسرا مطلب سمجھ میں نہیں آتا لیکن وہ امر جس کو امت کے صرف چند نفر طے کر لیں اور اس پر تہل جائیں اور اس پر اہل حل و عقد کو وہ مجبور بنالیں تو اس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں۔

سقیفہ کی بیعت باہمی مشورہ سے نہیں ہوئی۔ اس کے کرنا دھرتا تو حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہؓ اور چند گنتی کے لوگ تھے۔ انھیں دو چار آدمیوں نے یہ طے کیا اور ناگہانی طور پر ارباب حل و عقد پر یہ چیز پیش کی۔ اس وقت کی نزاکت حالات نے مساعدت کی اور جو وہ چاہتے تھے ہو گیا۔ خود حضرت ابو بکرؓ نے صاف صاف لفظوں میں اقرار کیا ہے کہ میری بیعت باہمی مشورہ سے نہیں ہوئی۔ نہ غور و فکر کر کے سوچ سمجھ کے ہوئی۔

چنانچہ اپنی خلافت کے شروع شروع میں بطور معذرت خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے تو کہا کہ :

”میری بیعت ناگہانی تھی۔ خدا نے اس کے شر سے محفوظ رکھا
ورنہ مجھے تو فتنہ و فساد برپا ہونے کا بڑا خوف تھا۔“

حضرت عمرؓ نے بھی بھرے مجمع میں اس کی گواہی دی چنانچہ اپنے احقری
زمانہ خلافت میں جمعہ کے دن منبر رسولؐ پر انھوں نے کہا۔ ان کا یہ خطبہ
بہت مشہور ہے امام بخاری نے بھی اپنی صحیح بخاری میں نقل کیا ہے بطور
ثبوت میں خود حضرت عمرؓ کے اصل الفاظ پیش کرتا ہوں۔

”ثم انه بلغني ان قائلاً منكم يقول: والله لو
مات عمر بايعة فلاناً فلا يغتروا امرواً ان
يقول انما كانت بيعة ابي بكر فلتة وتمت ،
الا وانها قد كانت كذلك ولكن الله وقي شرها
(الى ان قال) : من بايع رجلاً من غير مشورة
فلا يبايع هو ولا الذي بايعه تغرة أن الانصار
خالفونا ، واجتمعوا بأسرهم في سقيفة بني ساعدة ،
وخالف عنا علي والزبير ومن معهما“

اے حضرت ابو بکرؓ کے اس خطبہ کو ابو بکر احمد بن عبد العزیز جوہری نے اپنی کتاب سقیفہ میں
درج کیا ہے ان سے ابن ابی الحدید معزی نے شرح نہج البلاغہ جلد اول ۱۲۱ پر نقل کیا ہے۔

اے ملاحظہ فرمائیے باب رجم النجلی من الزنا اذا حصنت جلد ۴ صفحہ ۱۱۹۔ اس خطبہ کو دیگر محدثین نے
بھی نقل کیا ہے۔ ابن جریر طبری نے تاریخ طبری میں سلسلہ حوادث ۳۸۰ ابن ابی الحدید
نے شرح نہج البلاغہ جلد اول صفحہ ۱۲۲ پر ذکر کیا ہے۔

”مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم میں سے کسی کہنے والے نے کہا ہے کہ اگر عمر مر گئے تو ہم فلاں کی بیعت کر لیں گے تو کوئی شخص اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ ابو بکر کی بیعت ناگہانی طور پر ہوئی اور پاپہ تکمیل کو پہنچ گئی۔ یہ ضرور ہے کہ ان کی بیعت یوں ہی انجام پذیر ہوئی لیکن خدا نے ہم لوگوں کو اس کے شر سے محفوظ رکھا“

اسی سلسلہ تقریر میں کہا :

”جب کوئی شخص جماعت سے الگ ہو کر بغیر رائے و مشورہ کے اپنی استبدادی رائے سے ایک شخص کی بیعت کرے تو پھر ان دونوں میں کوئی امام نہ بنایا جائے۔ نہ وہ بیعت کرنے والا اور نہ وہ بیعت کیا جانے والا۔ کیونکہ اس میں دھوکہ ہے ایسا نہ ہو دو دونوں مارے جائیں۔“

لے اس کے کہنے والے زیر تھے انھوں نے یہ کہا تھا کہ اگر عمر مر گئے تو میں علیؑ کی بیعت کروں گا کیونکہ ابو بکر کی بیعت بھی اس طرح ناگہانی طور پر ہوئی تھی مگر پاپہ تکمیل کو پہنچ گئی حضرت عمرؓ نے جو سنا تو بہت برہم ہوئے اور یہ خطبہ انھوں نے فرمایا: بخاری کے اکثر شراحین نے اس واقعہ کی تفریح کی ہے ملاحظہ فرمائیے شرح قسطلانی صفحہ ۲۵۲ جلد ۱۱ جس میں بلاذری سے انھوں نے اس کی روایت کی ہے اور تفریح کی ہے کہ یہ روایت شیخین کے معیار پر صحیح الاسناد ہے۔

۱۷۷ میں کہتا ہوں کہ حضرت عمرؓ کے عدل کا بہت ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے عدل کا تقاضا یہ ہے کہ جس بات کی تکلیف دوسروں کو دی جائے اپنے لیے بھی گوارا سمجھی جانی چاہیے (باقی اگلے صفحہ پر)

آگے چل کر آپ نے فرمایا:

”ہم لوگوں کا واقعہ یہ تھا کہ جب حضرت کا انتقال ہوا تو انصار نے ہماری مخالفت کی اور وہ سب کے سب سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور علیؑ و زبیرؓ نے بھی ہم سے اختلاف کیا اور علیؑ و زبیرؓ کے ہوا خواہ بھی برگشتہ رہے۔“

اس کے بعد آپ نے سقیفہ کے اندر جو اختلافات رونما ہوئے جو آوازیں بلند ہوئیں جس کی وجہ سے اسلام میں تفرقہ پڑ جانے کا خوف تھا ان کی طرف اشارہ کیا اور یہ کہ ہم نے اس موقع پر ابو بکر کی بیعت کر لی۔

روایات کی بنا پر یہ بات بالکل بدیہی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اہل بیت رسالت کا ایک فرد بھی سقیفہ کے اندر موجود نہ تھا بلکہ سب کے سب حضرت علیؑ کے گھر میں اکٹھا تھے اور ان کے ساتھ ساتھ جناب سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، عمارؓ، زبیرؓ، خزیمہ بن ثابتؓ، ابی ابن کعبؓ، برادر بن عاذبؓ، خالد بن سعید بن عاصؓ اموی اور بھی ان کے جیسے بہت سے لوگ تھے۔

تو جب یہ سب کے سب بیعت کے موقع پر موجود ہی نہ تھے جب رسولؐ کے کل اہل بیت کنارہ کش رہے جن کی حیثیت امت کے درمیان ایسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جس طرح بیعت کے متعلق حضرت عمرؓ نے دوسروں کو یہ حکم دیا ہے کہ جماعت سے الگ ہو کر کوئی شخص کسی کی بیعت کرے تو ان دونوں کو چھانٹ دیا جائے اور ان میں سے کسی کو امام نہ بنایا جائے نہ وہ بیعت کرنے والا اور نہ وہ بیعت کیا جانے والا۔ تو کاش یہی حکم حضرت عمرؓ اپنے لیے اور اپنے ساتھی حضرت ابو بکرؓ کے لیے بھی رکھتے۔

ہے جیسے بدن میں سر اور چہرے پر آنکھیں جو ثقل پیغمبر تھے۔ خزانہ پیغمبر تھے، کتاب خدا کے ہم پلہ تھے، امت کی نجات کا سفینہ تھے، امت کے لیے بابِ حطہ تھے، مگر اہی و ضلالت سے جائے امان تھے، علم ہدایت تھے (جیسا کہ ہم گزشتہ اوراق میں ذکر کر چکے ہیں) تو پھر اجماع کہاں سے ہو گیا؟

بخاری و مسلم نے اپنے اپنے صحیح میں اور بکثرت محققین، علما و محدثین نے اس کے ثبوت اکٹھا کیے کہ حضرت علیؑ بیعت سے کنارہ کش ہی رہے آپ نے بیعت ہی نہ کی اور نہ مصالحت ہی فرمائی۔ ہاں جب سیدہ کا انتقال ہو گیا۔ چھ مہینہ کے بعد وقت کی نزاکت اور ملت اسلامیہ کی خیر خواہی نے آپ کو مجبور کیا تو آپ نے مصالحت کر لی۔ اس کے ثبوت میں خود جناب عائشہ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں جناب عائشہ نے صاف صاف تصریح کی ہے کہ جناب سیدہ ابوبکر سے ناراض ہو گئیں اور رسولؐ کے بعد مرتے دم تک ان سے گفتگو نہ کی اور جب حضرت علیؑ نے ان لوگوں سے مصالحت فرمائی تو یہ بھی کہہ دیا کہ ان لوگوں نے میرے حق خلافت کو غصب کر کے زبردستی کی ہے حدیث میں صرف مصالحت کا ذکر ہے۔ اس کی کوئی تشریح نہیں کی کہ آپ نے صلح کرتے وقت ان کی بیعت بھی کر لی تھی۔ آپ نے ابوبکر سے خطاب

نے ملاحظہ فرمائیے پھر سے صفحہ ۴۹ سے صفحہ ۱۱۵ تک آپ کو اندازہ ہوگا کہ اہل بیت علیہم

السلام کی کیا شان تھی؟

نے ملاحظہ فرمائیے صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۲۹ اواخر باب غزوہ خیبر اور صحیح مسلم

جلد ۲ کتاب الجہاد والیر صفحہ ۷۲ باب قول البنی : لا نورث ماتو کناہ

صدقہ -

کر کے جو ارشاد فرمایا تھا اس میں کس قدر مکمل اور بے پناہ احتجاج فرمایا تھا آپ نے۔ اگر تم نے رسولؐ سے رشتہ ظاہر کر کے مخالفین کو قائل کیا تو تمہارا غیر یعنی میں رسولؐ سے زیادہ قرابت رکھتا ہوں۔ رسولؐ سے مجھ کو زیادہ حق پہنچتا ہے اور اگر رائے مشورہ کر کے تم امت کے معاملات کے مالک بن بیٹھے تو یہ رائے مشورہ کیسا جبکہ رائے مشورہ دینے والے ہی غائب تھے۔

لے یہ دونوں اشعار نبی البلاغہ میں موجود ہیں۔ علامہ ابن ابی الحدید ان دونوں شعروں کی تفسیر میں شرح نبی البلاغہ جلد ۴ صفحہ ۳۱۹ میں لکھتے ہیں کہ ان دونوں شعروں میں امیر المومنینؑ کا خطاب اصل میں ابوبکر سے ہے اس لیے کہ ابوبکر نے انصار کے مقابلہ میں یہ دلیل قائم کی تھی کہ نحن عترة رسول الله وبيئته التي تفقات عنه ہم آنحضرت کی قوم کے لوگ ہیں اور وہ انڈا ہے جو انھیں میں سے پھوٹا ہے (یعنی قریشی ہیں) اور جب حضرت ابوبکر کی بیعت مہدیہ میں ہو گئی تو اب لوگوں کے سامنے یہ دلیل پیش کرنے لگے کہ ہماری تو بیعت ہو چکی اور اہل حل و عقد نے ہماری بیعت کی۔ اسی پر امیر المومنین نے ابوبکر سے کہا کہ آپ نے انصار کے مقابلہ میں یہ جو دلیل پیش کی کہ ہم رسول کے قوم و قبیلہ وائے ہیں اور وہ انڈا ہے جو انھیں میں سے پھوٹا ہے تو آپ کا غیر یعنی میں بجا نظر رشتہ و قرابت آپ سے کہیں زیادہ قریب تر ہوں رسولؐ سے۔ اگر آپ ہیں تو قوم و قبیلہ سے ہیں اور میں تو رسول کا حقیقی چچا زاد بھائی ہوں اور آپ یہ دلیل جو پیش کرتے ہیں کہ لوگوں نے ہمیں منتخب کیا اور جماعت اسلام ہمیں خلیفہ بنائے پر راہنی ہو گئی تو ایک بڑی جماعت مہدیہ سے غائب تھی بہت سے لوگ شریک ہی نہ ہوئے لہذا کس طرح آپ کی خلافت درست ہے شیخ محمد عبدہ عفتی دیار مصر یہ جھوٹے اپنے حواشی نبی البلاغہ پر تحریر کیے ہیں انھوں نے بھی امیر المومنین کے ان دونوں شعروں پر ابن ابی الحدید کی عبارت سے ملتا جلتا حاشیہ تحریر کیا ہے۔

ایسی ہی دلیل ایک مرتبہ جناب عباس نے بمقابلہ ابو بکر پیش کی تھی ۔
جبکہ ایک مرتبہ خلافت کی بات چیت ان دونوں کے درمیان چھڑی تو جناب
عباس نے فرمایا :

” اگر تم نے رسولؐ کے ذریعہ سے قرابت جتنا کر یہ خلافت حاصل
کی ہے تو تم نے ہم لوگوں کا حق چھینا ہے کیونکہ تم سے زیادہ
ہم رسولؐ سے قرابت رکھتے ہیں اور اگر مومنین کے ذریعہ تم نے
یہ خلافت حاصل کی ہے تو مومنین میں تو ہم مقدم ہیں اگر مومنین
کے توسط سے یہ خلافت تمہیں پہنچتی ہے تو جب ہم ہی ناپسند
کرتے ہیں ہم ہی تمہیں خلیفہ بنانے پر راضی نہیں تو پھر کیسی تمہاری
خلافت ؟ “

تو جب پیغمبرؐ کے چچا پیغمبرؐ کے باپ کے بھائی یہ صراحت فرمائیں رسولؐ کے
چچا زاد بھائی رسولؐ کے ولی اور بھائی اور حملہ قرا تبار ان رسولؐ اس سے بے تعلقی
ظاہر کریں تو اجماع کہاں سے ہو گیا ؟

ش

مکتوب نمبر ۴۱

اختلافات ختم ہونے کے بعد اجماع منعقد ہو گیا

اہل سنت اس سے انکار نہیں کرتے کہ بیعت مشورہ سے نہیں ہوئی وہ تسلیم کرتے ہیں کہ بالکل ناگہانی اور دفعۃً ہوئی۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس موقع پر انصار نے مخالفت کی اور سعد کو خلیفہ بنانا چاہا تھا اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ اس بیعت کے بنی ہاشم بھی مخالفت تھے اور ہاجرین و انصار میں جو بنی ہاشم کے طرفدار تھے انھوں نے بھی مخالفت کی اور سب حضرت علیؑ ہی کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ امر خلافت آخر میں حضرت ابوبکر کے لیے پایہ تکمیل کو پہنچ گیا اور آخر کار سب نے انھیں

امام بنانا پسند کر لیا۔ لہذا جب سب نے امام بنانا پسند کر لیا تو وہ نزاع ایک قلم برطوت ہو گئی۔ اختلافات ایک ساتھ دُور ہو گئے اور سب نے جناب ابوبکر کا بوجھ بٹانے، خیر خواہی کرنے پر اتفاق کر لیا۔ لہذا جس سے حضرت ابوبکر نے جنگ کی سب نے اس سے جنگ کی اور جس سے ابوبکر نے صلح کی سب نے اس سے صلح کی اور ان کے اوامر و نواہی اور احکامات کو جاری کیا اور کسی نے بھی ان کی اطاعت سے گریز نہیں کیا لہذا اس بنا پر اجماع مکمل ہو گیا اور بیعت خلافت صحیح ٹھہری۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں کو جب کہ ان میں پراگندگی پھیل چکی تھی ایک نقطہ پر اکٹھا کیا اور ان کے دلوں کو جب باہمی نفرت و بیزاری پیدا ہو چکی تھی ملا دیا۔

س

جواب مکتوب

مسلمانوں کا حضرت ابوبکر کا بوجھ بٹانے اور ظاہر و باطن میں ان کی خیر خواہی پر اتفاق کر لینا اور چیز ہے اور اجماع کے ذریعہ عقد خلافت کا صحیح ہونا دوسری چیز ہے۔ ان دونوں میں نہ تو عقلی تلازم ہے نہ شرعی؛ کیونکہ امیر المؤمنینؑ اور آپؐ کی اولاد میں جو ائمہ طاہرینؑ ہوئے ان کا جو طرز عمل شاہان اسلام کے ساتھ رہا وہ دنیا کو معلوم ہے۔ انھوں نے ہمیشہ کھٹن و قتلوں میں ان کی مدد کی اور یہی ہم لوگوں کا بھی مسلک ہے۔

آپؐ نے جو کچھ کہا ہے اس کے جواب میں میں اس کی تفصیل عرض کرتا ہوں۔

ائمہ طاہرین علیہم السلام کا نظریہ یہ رہا کہ امت اسلام کو سر بلندی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک ایک ایسی سلطنت نہ ہو جو مسلمانوں کی شیرازہ بندی کرے، ان کے اختلافات و پرگتدگی کو دور کرے، سرحدوں کی حفاظت کرے، مسلمانوں کے حالات پر کڑی نظر رکھے اور یہ سلطنت اسی وقت استوار ہو سکتی ہے جب خود رعایا اپنی جان و مال سے اس کا بوجھ بٹائے حکومت سے تعاون کرے اگر زمام سلطنت کا حاکم شرعی (یعنی رسول اللہ کے صحیح جانشین و نائب) کے ہاتھ میں رہنا ممکن ہو تو بس وہی فرماں روا ہو گا کوئی دوسرا نہیں اور یہ متعذر ہو اور مسلمانوں پر حاکم شرعی کے علاوہ کوئی دوسرا مسلط ہو جائے تو اس صورت میں امت اسلام پر واجب ہے کہ ہر ایسے معاملہ میں جس میں اسلام کی عزت و شوکت سرحدوں کی حفاظت، ملک کا امن و امان منحصر ہو، بادشاہ سے تعاون کرے۔ مسلمانوں میں افتراق نہ پیدا کرے۔ اس سے ٹکرا کر مسلمانوں کے شیرازہ کو منتشر نہ کر دے۔ بلکہ امت پر یہاں تک واجب ہے کہ اس بادشاہ سے اس طرح پیش آئے جس طرح خلفاء برحق سے اسے پیش آنا چاہیے۔ زمین کا خراج و لگان ادا کرے چوپایوں کی زکوٰۃ دے نیز اس قسم کی چیزیں جو بادشاہ نے خراج و لگان کے طور پر لوگوں سے حاصل کی ہوں مسلمانوں کے لیے اس کا لینا بھی جائز ہے۔ خرید و فروخت کے ذریعہ انعام و بخشش کے طور پر یا اور جو صورتیں پانے کی ہوں۔

یہی طرز عمل امیر المومنین کا رہا اور آپ کی نسل سے جو ائمہ طاہرین ہوئے ان کا مسلک بھی یہی رہا۔ حضرت سرور کائنات نے فرمایا کہ :

”میرے بعد بڑے بڑے انقلابات پیش آئیں گے اور بہت سی ناگوار باتوں کا تھیں سامنا ہو گا۔“

لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ اگر ہم میں سے کوئی شخص اس زمانے میں رہے تو کیا حکم ہے آپ کا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ:

”مختارے ذمہ جو حقوق آتے ہوں انہیں ادا کرو اور خود اپنے حقوق کے لیے درگاہِ الہی سے سوال کرو۔“

جناب ابوذر غفاری فرماتے ہیں کہ:

”میرے خلیل پیغمبر خداؐ نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ میں سنوں اور اطاعت کروں اگرچہ وہ دست و پا بریدہ غلام ہی کیوں نہ ہو۔“

سلمہ جعفی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سوال کیا کہ یا حضرت کیا حکم ہے آپ کا اگر ہم پر ایسا شخص حاکم بن بیٹھے جو اپنے حقوق تو ہم سے وصول کرے لیکن ہمارے حقوق ہیں وہ دے۔ سرور کائناتؐ نے فرمایا:

”تم ان کی بات سنو، ان کی اطاعت کرو کیونکہ وہ اپنے فرائض کے جواب دہ ہیں تم اپنے فرائض کے۔“

حذیفہ بن یمان سے ایک حدیث مروی ہے جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ:

”میرے بعد کچھ ایسے بھی ائمہ ہوں گے جو نہ میری راہ پر چلیں گے نہ میری سنت پر عمل کریں گے۔ عنقریب ان میں کچھ ایسے افراد

۱۔ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۱۸ میں یہ حدیث موجود ہے اور دیگر اصحاب صحاح و سنن نے بھی اس کی روایت کی ہے۔

۲۔ صحیح مسلم جلد ۲ میں یہ حدیث موجود ہے اور شہور احادیث میں ہے۔

۳۔ صحیح مسلم دیگر صحاح میں ہے۔

حاکم بن یحییٰ کے کہ ہوں گے تو وہ انسانی پسیر میں مگر ان کے دل شیطانوں کے دل ہوں گے“
 حذیفہ نے پوچھا یا حضرت اگر میں نے ایسا دور پایا تو میں کیا کروں گا؟
 آنحضرتؐ نے فرمایا کہ:

”تم امیر کی بات سنا اس کی اطاعت کرنا اگرچہ وہ مختاری پشت زخمی کر دے۔ تمہارے مال کو چھین لے مگر پھر بھی تم اس کی بات مانو اور اطاعت کرو۔“

ایسا ہی آنحضرتؐ نے ام سلمہ کی ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ:
 ”عقرب تم پر چند فرمانروا مسلط ہوں گے:

فتعرون وتنكرون فمن عرفت برئ، ومن انكر سلم۔“

لوگوں نے پوچھا کہ ہم ان سے برسرِ پیکار ہوں؟ رسولؐ نے کہا:
 ”جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں تب تک نہیں۔“

اس بارے میں بہت سی متواتر اور صحیح حدیثیں ہیں خصوصاً بطریقِ امّہ طاہرینؑ تو بہت زیادہ۔ یہی وجہ تھی کہ باوجودیکہ امّہ طاہرین کی حالت

اے مسلم نے ج ۲ صفحہ ۱۲۰ میں اسے لکھا ہے اور اکثر اصحاب سنن نے اسے زائد کیا ہے۔

اے صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۱۲۲ میں یہ حدیث ہے۔ حدیث کی مراد یہ ہے کہ جس نے منکر کو جانا اور منکر اس پر شتبہ نہیں ہوا تو اس کے گناہ سے برات کی صورت یہ ہے کہ اس کے منکر (بدی) کو وہ اپنے ہاتھ یا زبان سے دفع کرے۔

اور کچھ ذکر سکنا ہو تو دل ہی دل میں اسے بُرا کہے۔

اس جیسی ہو رہی تھی جس کے گلے میں ہڈی پھنسی ہوئی ہو اور آنکھوں میں خس و خاشاک پڑے ہوں، دم گھٹ رہا ہو، آنکھیں جل رہی ہوں مگر وہ صبر کیے برداشت کرتے رہے۔ ان کا صبر کرنا محض اسی وجہ سے تھا کہ پیغمبرؐ انھیں مخصوص طریقے پر حکم دے گئے تھے، تاکہ بد کر گئے تھے کہ دیکھو اس نوبت پر بھی پہنچ کر اُف نہ کرنا۔ رسولؐ انھیں حکم دے گئے تھے کہ دیکھو جتنی اذیتیں بھی تمھیں پہنچائی جائیں مگر تم صبر کرنا تاکہ امت والوں کا بھلا ہو، ان کی شوکت محفوظ رہے، اس وجہ سے یہ لوگ انتہائی تلخی کے باوجود حکام و کوبہایت کے راستے دکھاتے رہے تاکہ اپنی ذمہ داری کو پورا کریں اور رسولؐ سے کیے ہوئے وعدے کو نافذ کریں۔

اسی وجہ سے امیر المومنینؑ نے خلفاء ثلاثہ میں سے ہر ایک کے ساتھ سچے دل سے خیر خواہی کی۔ ہمیشہ ان کو مشورہ دیتے رہے۔ زمانہ خلافت ثلاثہ میں امیر المومنینؑ کے حالات و طرز عمل کا جائزہ لیجیے تو آپؐ کو معلوم ہوگا کہ امیر المومنینؑ نے اپنے حق سے ناامید ہو کر، جانشینی رسولؐ سے مایوس ہو کر آپؐ نے مصالحانہ روش رکھی اور شان و وقت سے صلح و آشتی کو اپنا دتیرہ بنایا۔ آپؐ دیکھتے تھے کہ مسند رسولؐ غیروں کے قبضہ میں ہے حالانکہ رسولؐ آپؐ کے حوالہ کر گئے تھے۔ مگر پھر بھی آپؐ ان سے آبادہ پیکار نہ ہوئے۔ اپنا حق لینے پر کمر بستہ نہ ہوئے۔ صرف اسی لیے تاکہ امت کا بھلا ہو۔ دین پر آغ نہ آئے۔ آغاز سے قطع نظر کر کے آپؐ نے انجام کو ترجیح دی۔ اس کے لیے آپؐ کو جو مشقتیں جھیلنی پڑیں جن ہر ناک مرحلوں سے گزرنا پڑا کسی اور کو یہ باتیں پیش نہ آئیں۔ آپؐ کے دوش پر دو ایسے گراں بوجھ تھے جو آپؐ کو تھکائے دے رہے تھے۔ ایک جانب

خلافتِ رسولؐ تمام نصوص و تاکیدات پیغمبرؐ کے ساتھ دل کو خون کر دینے والی آواز اور جگر کو چاک چاک کر دینے والی کراہ کے ساتھ آپؐ سے فریاد کر رہی تھی آپؐ کو بے چین بنائے دے رہی تھی دوسری طرف فتنہ و فساد کے اُٹھتے ہوئے طوفانِ سہمائے دے رہے تھے۔ جزیروں کے ہاتھ سے نکل جانے عرب میں انقلابِ عظیم برپا ہونے اور اسلام کے بیخ و بن سے اکھرٹ جانے کا اندیشہ تھا مدینہ و اطرافِ مدینہ کے عرب منافقین جو بڑے سرگرم سازشیں تھے ان کی طرف سے فتنہ و فساد کا بڑا خطرہ لاحق تھا کیونکہ رسولؐ کی آنکھ بند ہونے کے بعد ان کا اثر بہت بڑھتا جاتا تھا۔ اور مسلمانوں کی حالت بالکل اس بھیڑ بکری جیسی تھی جو جاڑے کی تاریک راتوں میں بھیڑیوں اور درندوں کے درمیان بھٹکتی پھرے۔

مسلمہ کذاب، طلحہ بن خویلد اور سجاح بنت حرث ایسے جھوٹے مدعیانِ نبوت پیدا ہو چکے تھے اور ان کے ماننے والے اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کی تباہی و بربادی پر تلے ہوئے تھے، قتیص و کسریٰ وغیرہ تاک ہیں تھے۔ غرض اور بھی بہت سے دشمن عناصر جو محمدؐ و آلِ محمدؐ اور بیروانِ محمدؐ کے خون کے پیاسے تھے اور کلمہٴ اسلام سے خار کھاتے تھے بڑا غم و غصہ اور شدید بغض و عناد رکھتے تھے وہ اس فکر میں تھے کہ کسی طرح اس کی بنیاد منہدم ہو جائے۔ اور بڑا اکھرٹ جائے اور اس کے لیے بڑی تیزی و سرگرمی ان میں پیدا ہو چکی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہماری آرزو میں برائیں۔ رسولؐ کے اٹھ جانے سے موقع ہاتھ آبا۔ لہذا اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور قبل اس کے کہ ملتِ اسلامیہ کے امور میں نظم پیدا ہو، حالات استوار ہوں اس جہلت سے چوکنا نہ چاہیے۔

اب آپ اندازہ سن رہے ہیں کہ امیر المومنینؑ کے قدم ان خطروں کے درمیان تھے۔ ایک طرف حق مٹ رہا تھا، خلافت ہاتھوں سے جا رہی تھی دوسری طرف اسلام کے تباہ و برباد ہو جانے، رسولؐ کی ساری محنت مٹی میں مل جانے کا خوف تھا لہذا فطری و طبعی طور پر امیر المومنینؑ کے لیے بس یہی راہ نکلتی تھی کہ اسلام کی زندگی کے لیے اپنے حق کو قربان کر دیں۔ عام مسلمانوں کی بھلائی کی خاطر اپنی محرومی گوارا کر لیں لہذا اس نزاع کا ختم ہونا اور ابو بکر اور آپ کے درمیان جو اختلافات تھے ان کا برطرف ہو جانا (جسے آپ اجماع کے ثبوت میں پیش کر رہے ہیں) وہ صرف دین اسلام کی تباہی اور مسلمانوں کی بربادی کے خوف کی وجہ سے آپ نے، آپ کے تمام گھروالوں نے، ہابزین و انصار میں جتنے آپ کے طرفدار تھے سب نے صبر کیا اور اپنی بربادی دیکھا کیے مگر اُن تک نہ کی۔

رسولؐ کے بعد امیر المومنینؑ کے مرتے دم تک کی تقریریں، خطبے، گفتگوئیں، بین ثبوت ہیں اس کا اور اس کے متعلق ائمہ طاہرین علیہم السلام سے متواتر حدیثیں موجود ہیں۔

لیکن انصار کے سردار سعد بن عبادہ نے نوح حضرت ابو بکر و عمر سے آخر

لے سعد بن عبادہ کی کینیت اثبات تھی۔ یہ اصحاب بیعت عقبہ سے تھے۔ جنگ بدر

نیز دوسری بہت سی لڑائیوں میں شریک رہے۔ یہ قبیلہ حنظلہ کے سردار اور نقیب

تھے تمام انصار کے سرکردہ اور ان میں مشہور صاحبِ جود و کرم تھے۔ ان کے جس کلام کی

طرف ہم نے اشارہ کیا ہے وہ تمام کتب سیر و تواریخ میں موجود ہے۔ ابن قتیبہ نے

کتاب الاماۃ والسیاست میں، ابن جریر طبری نے تاریخ طبری میں (باقی اگلے صفحہ پر)

تک مصالحت ہی نہ کی۔ ان میں اور شیخین میں کبھی میل ہی نہ ہوا۔ عید کے موقع پر نہ جمعہ کی نماز میں کسی جماعت میں بھی ان دونوں حضرات کے شریک نہ ہوئے انھوں نے کبھی ان دونوں حضرات کی باتوں پر کان نہ دھرا اور نہ ان کے اوامر و نواہی کا اثر ان کے دل پر ہوا۔ بالآخر مقام حوران میں بے حد خلافت عمر اچانک طور پر قتل کر ڈالے گئے اور مشہور کیا گیا کہ جن نے مار ڈالا۔

انھوں نے سقیفہ کے دن اور اس کے بعد بھی جو باتیں کہیں ان کا ذکر ضروری معلوم نہیں ہوتا۔ سعد بن عبادہ کے اصحاب حباب بن منذر وغیرہ دیگر انصار انھوں نے بھی خوشی خوشی بیعت نہیں کی بلکہ ان سے زبردستی بیعت لی گئی اور وہ جبر و تشدد کے آگے سر جھکانے پر مجبور ہو گئے لہذا تلوار کی بارٹھ سے ڈرا کر یا گھر میں آگے لگا کر زبانیں خاموش کر دی جائیں۔ مجمع کو ہمنوا بنایا جائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ابن اثیر حذری نے تاریخ کامل میں جوہری نے کتاب السقیفہ میں نیز ادرست سے محققین علما اہل سنت نے اپنے مصنفات کے اندر درج کیا ہے۔

لے حباب بھی نجد سرداران و شہانان انصار سے تھے۔ جنگ بدر واحد میں شریک رہ چکے تھے بڑے فضائل و کمالات کے بزرگ تھے۔

۷۷ عمر کا حضرت علیؑ کو دھکی دینا کہ ہم آپ کا گھر جلا دیں گے یہ تو اتر قطعی ثابت ہے ابن قتیبہ نے کتاب الامامت والسیاست کے شروع میں۔ طبری نے اپنی تاریخ میں دو جگہ بسلمہ حوادث ۱۱۷ اور ابن عبد ربہ نے کتاب عقد الفرید جلد ۲ تذکرہ سقیفہ میں جوہری نے کتاب سقیفہ میں بیان کیا ہے جیسا کہ مشرح نہج البلاغہ ابن الحدید معزلی کی جلد اول صفحہ ۱۳ میں مذکور ہے مسعودی نے مروج الذهب میں عروہ بن زبیر نے اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کی طرف جنھوں نے بنی ہاشم کے گھروں (باقی اگلے صفحہ پر)

تو کیا ایسی بیعت واقعی ہوگی؟ اور ایسا اجماع اس اجماع کا مصداق ہوگا جس کے متعلق رسولؐ نے فرمایا تھا کہ:

”لا تجتمع امتی علی الخطاء“

”میری امت کبھی خطا پر مجتمع نہ ہوگی“

خدا کے لیے یہیں بتائیے۔ آپ ہی انصاف کیجیے۔

ش

(بقیہ ماضی صفحہ گزشتہ) کو جلانا چاہتا مسدودت میں بیان کیا تھا کہ اگر میرے بھائی عبداللہ

نے بیعت نہ کرنے کی وجہ سے بنی اثم کا گھرانا جلانا چاہا۔ تو اس سے ملنا جلنا واقعہ

پہلے بھی پیش آچکا ہے جب خود عمر ابن خطاب نے علیؑ کے بیعت نہ کرنے کی وجہ

سے سیدہ کا گھر بھونک دیا چاہا۔ شہرستانی نے ملن و ملن میں ذکر کیا۔ ابو مخنف نے سفیف

کے حالات میں مخصوص ایک کتاب لکھی ہے اس میں بہت تفصیل سے آتش زنی کا

ذکر کیا ہے اس کے توازن اور ہمہ گیر شہرت کے ثبوت میں مختصر یہ سمجھ لیجیے کہ کثرت

حافظ ابراہیم نے اپنے مشہور و معروف فقیدہ عمیہ میں اس کا ذکر کیا ہے

وقوله لعلي قالها عمر اکرم بما معها اعظم بملقيها

حرقت دارك لا ابقى عليك بها ان لم تباع وبنت المصطفى فيها

ما كان غير ابي حفص بقالها امام فارس عدنان وحاصيها

اور ایک بات جو علیؑ سے عمرؓ نے کہی اس بات کا سننے والا کس قدر معزز و

محترم تھا اور کہنے والا کس قدر عظیم القدر تھا۔ اگر تم بے بیعت نہ کی تو میں تمھارا

گھر جلا کے رہوں گا یہ جانتے ہوئے کہ رسولؐ کی دفتر بھی اسی گھر میں ہے۔ مگر

میں اس کی وجہ سے ذرہ برابر تم پر رحم نہ کروں گا۔ ابو حفص عمرؓ ہی اس بات کے

کہتے والے ہیں کوئی اور نہیں انھوں نے یہ بات پورے خطہ عرب (باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کے ہشوار اور شجاع یعنی حضرت علیؑ کے روبرو کہی :-
تو اجماع کے لیے ابوبکر و عمر کا یہ سلوک رہا ہمارے امام کے ساتھ۔ ہمارے نزدیک
وہ اجماع قابلِ حجت ہوتا ہے جو رائے امام کا کاشف ہو۔ یہاں رائے امام کا کاشف
ہونا تو درکنار جیسا اجماع ہوا اور امام کو جس طرح مجبور کیا گیا وہ آپ سن چکے۔
لہذا ایسے اجماع کو آپ بطور دلیل کیونکر پیش کر سکتے ہیں؟

مکتوب نمبر ۴۲

اہل فہم و بصیرت اور صاحبانِ نظر و فکر صحابہ کو رسولؐ کی مخالفت سے پاک سمجھتے ہیں۔ صحابہ اور پیغمبرؐ کے احکام کی غلاط ورزی کریں؟ اس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے سوا اطاعت و فرمانبرداری اور احکام کی بجا آوری کے کوئی اور بات ان سے ممکن ہی نہ تھی لہذا یہ محال ہے ناممکن ہے کہ وہ حضرت علیؑ کی امامت کے متعلق صریحی اعلان پیغمبرؐ کا سنیں اور پھر ان سے روگردانی کریں نہ پہلی مرتبہ خلیفہ بنائیں نہ دوسری مرتبہ نہ تیسری مرتبہ۔ بلکہ چوتھی مرتبہ پر لاڈالیں۔ لہذا وہی صورتیں ہیں یا تو یہ کہیے کہ صحابہ جادہ صحت سے منحرف ہو گئے تھے جو انھوں نے باوجود نصوص پیغمبرؐ سننے کے حضرت علیؑ کو امام نہ بنایا۔ یا پھر نصوص انھوں نے سُننے ہی نہیں کیونکہ یہ دونوں باتیں ایک ساتھ جمع ہو ہی نہیں سکتیں کہ نصوص بھی سنیں اور سننے کے باوجود

اس حضرتؑ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے جادہ صحت پر برقرار رہیں۔ لہذا آپ سے ممکن ہو تو دونوں باتیں جمع فرمائیے ان کا نصوص پیغمبرؐ کا سننا بھی اور سننے کے باوجود حضرت علیؑ سے مخرف ہو کر جادہ صحت پر برقرار رہنا بھی۔

مس جواب مکتوب

اکثر صحابہ کی سیرت کے مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ وہ نصوص پر تب ہی عمل پیرا ہوتے تھے اور انھیں احکام پیغمبرؐ پر عمل کرتے تھے جب وہ صرف دین کے متعلق ہوتے تھے اور اخروی امور سے مختص ہوتے۔ جیسے حکم پیغمبرؐ کا کہ ماہ رمضان میں روزے رکھنے واجب ہیں، نہ کسی اور مہینے میں۔ قبلہ رخ ہونا نماز کی حالت میں ضروری ہے، نہ کہ دیگر حالات میں بھی۔ یا پیغمبرؐ کا حکم کہ دن میں اتنی نمازیں واجب ہیں اور رات میں اتنی۔ ہر نماز کی اتنی رکعتیں ہیں اور نماز کا طریقہ یہ ہے یا پیغمبرؐ کا حکم کہ خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کرنا چاہیے۔ غرض اسی جیسے اور دیگر ارشادات و احکام پیغمبرؐ جو خالص اخروی نفع سے مختص ہوا کرتے، ان کی تو وہ اطاعت کرتے لیکن پیغمبرؐ کے وہ ارشادات جن کا تعلق سیاست سے ہوا کرتا جیسے حکام و اشراف کا تقرر، سلطنت کے قوانین و قواعد کی ترتیب و تدوین، امور مملکت کا نظم و انتظام، فوجی بھرتی، لشکر کی روانگی وغیرہ جیسے امور، ایسے امور میں وہ پیغمبرؐ کے اقوال و ارشادات کی تعمیل ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ نہ جملہ حالات میں مطابق حکم پیغمبرؐ کام کرنے کے پابند رہنا چاہتے تھے۔ بلکہ اپنی سوچ سمجھ کو بھی دخل دیتے تھے اور اپنی نظر و فکر اور اجتہاد کے لیے بھی گنجائش

باقی رکھتے۔ لہذا جب بھی انھوں نے دیکھا کہ مخالفتِ رسولؐ میں ہماری قدر و منزلت بڑھے گی یا ہماری حکومت کو نفع پہنچے گا انھوں نے فوراً رسولؐ کے حکم کو پس پشت ڈالا اور وہی کیا جس سے ان کی شان و بالا ہو یا حکومت کو فائدہ پہنچے غالباً وہ اسی طرح رسولؐ کو خوش کرنے اور اس کی رضا حاصل کرنے کی امید کرتے تھے۔

انھیں یہ ظن غالب پیدا ہو چکا تھا کہ عرب والے علیؑ کے سامنے سر نہ جھکائیں گے اور رسولؐ نے ان کی خلافت کا جو اعلان کیا ہے تو وہ رسولؐ کی بات بھی نہ مانیں گے کیونکہ علیؑ نے راہِ خدا میں انھیں اچھی طرح نہ تیغ کیا ہے اور خدا کا بول بالا کرنے کے لیے اپنی تلوار سے ان کے خون کی ندیاں بہائی ہیں۔ حق کی مدد کرنے میں ان سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہے یہاں تک کہ سرکش و ضدی کافروں کی تمام کوششیں رائیگاں ہوئیں اور خدا کا حکم غالب ہو کے رہا۔ لہذا ان حالات میں جب تک عرب والوں پر تشدد نہ برتا جائے وہ علیؑ کی اطاعت ہی نہ کریں گے اور جب تک طاقت کا استعمال نہ کیا جائے نصِ پیغمبرؐ کے آگے سر ہی نہ جھکائیں گے۔

اہلِ عرب کی عادت و فطرت میں یہ بات داخل تھی کہ اگر ان کا کوئی شخص قتل کر دیا جائے تو جب تک اس کا انتقام نہ لے لیتے چین سے نہ بیٹھتے۔ زمانہٴ پیغمبرؐ میں اسلام نے نہ معلوم کتنے کافروں کا خون بہایا۔ ان سب کا انتقام وہ حضرت علیؑ سے لینے کی فکر میں تھے کیونکہ رسولؐ کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد آپ کے خاندان میں سوا حضرت علیؑ کے کوئی شخص ایسا تھا ہی نہیں جس سے ان تمام جانوں کا بدلہ لیا جاسکتا۔ کیونکہ وہ خاندان کے سب سے بہتر فرد اور ممتاز سہتی سے انتقام لیا کرتے تھے

اور حضرت علیؑ کل بنی ہاشم میں سب سے بہتر بھی تھے اور بعد رسولؐ بے نزاع و اختلاف افضل و ممتاز بھی تھے۔ اسی وجہ سے اہل عرب آپ کے متعلق زمانہ کی گردشوں کے منتظر رہے۔ تمام امور الٹ پلٹ کر دیے۔ آپ سے اور آپ کی اولاد سے پوری پوری کاوشیں دل میں رکھیں، آفتیں ڈھائیں اور جو کچھ ہوا وہ ساری دنیا جانتی ہے۔

نیز قریش کو بالخصوص اور اہل عرب کو بالعموم حضرت علیؑ کی طرف سے ایک اور بات کا بھی بڑا غم و غصہ تھا اور وہ یہ کہ آپ دشمنانِ خدا کو سختی سے کچل ڈالتے اور جو شخص حدودِ الہی سے تجاوز کرتا۔ حرمتِ خداوندی برباد کرتا اسے آپ دردناک سزا دیتے تھے۔ عرب والے یہ بھی ڈرتے تھے کہ اگر علیؑ حاکم ہو گئے تو اچھے کاموں کا بڑی سختی سے حکم دیں گے اور بُری باتوں سے روکنے میں پورا پورا تشدد کام میں لائیں گے۔

اُن کو یہ بھی خطرہ تھا کہ وہ رعایا میں کوئی امتیاز روا نہ رکھیں گے۔ ہر ایک سے عادلانہ سلوک کریں گے۔ ہر معاملہ میں سب کو برابر سمجھیں گے۔ ان سے کسی بات کی طمع ہی نہیں رکھی جاسکتی اور نہ کسی کی دال گلے گی۔ قوت و طاقت والے ان کے نزدیک ضعیف و ذلیل رہیں گے جب تک وہ ان سے حق نہ وصول کر لیں اور حقیر و ناتواں ان کے نزدیک قوی و عزیز ہوں گے جب تک ان کا حق نہ دلوادیں۔

لہذا ایسے شخص کے آگے عرب والے کیونکر سر جھکانا پسند کرتے۔ وہ عرب والے جو کفر و نفاق میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے بڑے سرگرم منافق تھے۔ نیز ایک وجہ یہ بھی تھی کہ قریش اور کل عرب حضرت علیؑ سے انتہائی حسد رکھتے تھے۔ دل میں جلنے رہتے تھے۔ خداوندِ عالم نے امیرِ المومنینؑ کو

جو غیر معمولی شرف بخشا تھا بایں طور کہ امیر المومنینؑ علم و عمل میں (خدا و رسولؐ کے نزدیک) اس درجہ پر فائز تھے جس تک بڑے بڑے نہ پہنچ سکے بڑے نام و نمود والے محسروم رہے، اپنے مخصوص کمالات و خصوصیات کی وجہ سے خدا و رسولؐ کے نزدیک آپ کو وہ منزلت حاصل ہوئی جس کے لیے ہر دل میں تمنائیں کروٹیں لے رہی تھیں۔ اسی وجہ سے حسد کے بچھوٹنا فقہین کے دلوں میں ریشہ کنے لگے اور کل فاسقین و ناکثین و قاسطین و فارقین ٹل گئے کہ ہم عہد و پیمان توڑ کے رہیں گے۔ لہذا جو کچھ نصوص پیغمبرؐ نے ارشاد فرماتے تھے سب کو انھوں نے پس پشت ڈال دیا اور یوں بھلا بیٹھے جیسے رسولؐ نے کبھی کہا ہی نہ ہو

نکان ما کان مما لست اذکرہ

ظن خیراً ولا تسأل عن الخیر

”جو ہونا تھا وہ ہوا اب اس کا کیا ذکر آپ اچھا ہی گمان رکھیے اور کیا ہوا اس کو نہ پوچھیے“

نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے

پسینہ پونچھے اپنی جبین سے

نیز یہ بھی ایک وجہ تھی کہ قریش اور جملہ عرب دل سے چاہتے تھے کہ خلافت ہمارے قبیلوں میں گھومتی پھرتی رہے۔ اس کی بڑی طمع انھیں تھی لہذا انھوں نے یہ نیت کر لی کہ رسولؐ نے علیؑ کی خلافت کے لیے جتنے عہد و پیمان کیے ہیں سب توڑ دیے جائیں۔ محکم ارادہ کر لیا۔ مگر باندھ لی کہ علیؑ کی خلافت کے جتنے قول و قرار ہوئے ہیں سب کو شکست و ریخت کر کے رہیں گے لہذا انھوں نے باہم اتفاق کر لیا کہ تمام نصوص پیغمبرؐ فراموش

کر دیے جائیں، ایسا کر لیا کہ بھولے سے بھی کبھی ان نصوص کو یاد نہ کریں گے آپس میں طے کر لیا کہ ہم خلافت کو نبیؐ کے مقرر کردہ جانشین اور معین کردہ ولیعہد کے ہاتھ میں جانے ہی نہ دیں گے۔

لہذا انھوں نے خلافت کو اختیار و انتخاب پر موقوف کیا۔ الیکشن کے ذریعہ خلیفہ مقرر کرنا طے کیا تاکہ جتنے قبائل ہیں ان میں سے ہر قبیلہ کو خلافت پانے کی امید رہے ہر شہسوار اسپ خلافت پر سواری کر سکے چاہے کچھ دنوں بعد ہی سہی۔

اگر وہ لوگ نصوص پیغمبرؐ کی پیروی کیے ہوتے، رسولؐ کا حکم مانتے اور رسولؐ کے بعد حضرت علیؑ کو مقدم سمجھتے تو اہلبیتؑ سے کبھی خلافت باہر جاتی ہی نہیں کیونکہ رسولؐ غایم اور دیگر مواقع پر انھیں کتاب خدا کے لازم و ملزوم بنا چکے تھے۔ قیامت کے دن تک ارباب عقل و ہوش کے لیے نمونہ عمل فرمایا تھا۔ لہذا اہلبیتؑ سے خلافت نکلتی ہی نہیں اور عرب یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ خلافت ایک ہی گھر میں منحصر رہے خصوصاً ان کا برداشت کرنا اس وجہ سے اور زیادہ مشکل تھا کہ جملہ قبائل کے دل میں خلافت کی ہوس تھی اور ہر خاندان اس کا آرزو مند تھا۔

نیز ہر وہ شخص جس نے ابتدائے عہد اسلام میں قریش و عرب کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ عربوں نے ہاشمی نبوت کے آگے سر نہ جھکایا۔ سرور کائنات (جو بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے) کی نبوت اس وقت تک تسلیم نہ کی جب تک ان کی رگ رگ توڑ نہ دی گئی۔ جب تک کل قوت ان کی زائل نہ ہو گئی اور سارا کس بل نہ نکل گیا۔ تو وہ یہ کیونکر پسند کر سکتے ہیں کہ نبوت و خلافت دونوں کی دونوں بنی ہاشم ہی میں منحصر

رہیں۔ خود حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ عبداللہ بن عباس سے بلسلہ گفتگو کہا تھا کہ عرب والوں نے ناپسند کیا کہ تمہیں میں نبوت بھی رہے اور تمہیں میں خلافت بھی۔ سلف صالحین جو تھے ان کا بس ہی نہ چل سکا کہ مجبور کر کے ان لوگوں کو نص کا باند بنائیں، وہ قادر ہی نہ ہو سکے کہ زبردستی حکم رسولؐ پر ان سے عمل کرا کے رہیں۔ وہ ڈرتے تھے کہ اگر ان سے مقاومت کی جاتی ہے تو کہیں یہ برگشتہ نہ ہو جائیں۔ یہ بھی خوف تھا کہ اگر ان حالات میں اختلافات رہے تو بُرے نتائج نہ رونما ہوں۔ رسولؐ کی آنکھ بن رہتے ہی دلوں کا کھوٹ آشکار ہو چکا تھا۔ رسولؐ کی عدم موجودگی کے باعث منافقین کی شوکت اور زور پکڑ رہی تھی۔ کافروں کے نفوس سرکش ہو چکے تھے اور ارکان دین میں نزلزل پیدا ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کے دل شکستہ تھے اور بعد رسولؐ ان کی حالت بالکل اس بھیڑ بکری کی طرح ہو رہی تھی جو بارے کی تاریک راتوں میں بھیڑیوں اور وحشی درندوں کے درمیان بھٹکتی پھرے۔ عرب کی اکثر جماعتیں مرتد ہو چکی تھیں۔ دوسرے لوگ بھی مرتد ہو جانے کا تہیہ کر رہے تھے۔ لہذا ان حالات میں امیر المومنینؑ ڈرے کہ اگر میں لوگوں کے امور اپنے ہاتھ میں لینے کی جدوجہد کرنا ہوں تو بڑی تباہی پھیلے گی۔ مسلمانوں کے دل کی وہ حالت منافقین کا بڑھتا ہوا وہ زور، مارے غیظ و غضب کے انگلیاں چبار ہے تھے، مرتد ہونے والوں کا وہ عالم، کافروں کا وہ اٹھتا ہوا طوفان، انصار ہاجرین کی مخالفت پر کمر بستہ "منا أمیر و"

سے علامہ ابن ابی الحدید معمری نے شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۷ پر ایک واقعہ کے ضمن میں نقل کیا ہے نیز علامہ ابن اثیر جویری نے تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۲۴ پر حضرت عمرؓ کے حالات کے آخر میں ذکر کیا ہے۔

منکم و ذیہ... ” ہم میں سے ایک امیر ہو اور تم میں سے ایک وزیر “ کا نعرہ بلند کرتے ہوئے ہٹ کر ایک طرف ہو چکے تھے وغیرہ وغیرہ۔ لہذا دین کی بہبود کے خیال نے مجبور کیا امیر المومنینؑ کو کہ وہ مطالبہ خلافت سے دستبردار ہو جائیں اور تمام معاملات سے کنارہ کش رہیں کیونکہ آپؐ کو اچھی طرح یقین تھا کہ ان حالات میں اگر میں طلب خلافت کرتا ہوں تو امت کے لیے بڑا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ دین پر بڑی تباہی آئے گی۔ لہذا آپؐ نے اسلام کو ترجیح دی عامۃ المسلمین کی بھلائی کو مقدم رکھا اور انجام کو آغاز سے بہتر سمجھتے ہوئے طائفہ کے ذریعہ سے مطالبہ خلافت سے باز رہے۔

آپؐ کا طرز عمل دیکھنے کے بعد نتیجہ چلتا ہے کہ آپؐ کس قدر بالغ نظر صاحب الرائے تھے کیا بے پناہ علم رکھتے تھے۔ کس قدر دل وسیع تھا آپؐ کا اور عامۃ المسلمین کی بھلائی کا کس قدر خیال تھا آپؐ کو اور کسی کو بھلا یہ بات کب نصیب ہوئی۔

حضرت خاندنشین ہو گئے اور نبییت نہ کرنا تھی نہ کی اگرچہ آپؐ کے گلے میں رسی باندھ کر آپؐ کو گھر سے نکالا بھی گیا۔ یہ طریق کار آپؐ نے اختیار فرمایا اپنے حق کی حفاظت کے لیے اور ان لوگوں پر خاموش احتجاج فرمانے ہوئے جنہوں نے آپؐ سے روگردانی کی اور غیر مستحق ہاتھوں میں زمام خلافت رہنے دینا گوارا کیا اگر معیت کر لیتے تو وہ بات نہ ہوتی۔ لوگوں پر حجت نہ قائم ہوتی۔ آپؐ نے وہ طرز عمل اختیار کیا جس سے دین پر آپؐ بھی نہ آنے پائی اور آپؐ کا حق خلافت بھی محفوظ رہا۔

رہ گئے خلفاء ثلاثہ اور ان کے ہوا خواہ، تو انھوں نے بھی ان منام نصوص کی جو خلافت امیر المومنینؑ کے متعلق تھے تاویلیں کیں معانی بدلے

اور ایسا کرنے میں وہی اسباب کار فرما تھے جو ہم ابھی بیان کر چکے ہیں اور ان سے ایسا ہونا کوئی تعجب خیز بھی نہیں کیونکہ ہم ابھی آپ سے ذکر کر چکے ہیں کہ سیاست، ملکی حکام کا تقرر و قوانین سلطنت کی ترتیب و تدوین، امور مملکت کے نظم و انتظام کے متعلق پیغمبرؐ کے جو احکام و فرامین تھے ان کی تادیل کرنے اور اپنے اجتہاد سے کام لینے کے وہ کتنے خوگر تھے غالباً وہ خلافت کو مذہبی چیز سمجھتے ہی نہ تھے اسی وجہ سے سلسلہ خلافت میں رسولؐ کی مخالفت ان کے نزدیک اہمیت نہ رکھتی تھی۔

جب تمام امور خاطر خواہ انجام پا گئے، جو وہ چاہتے تھے وہ ہو گیا، تو انھوں نے بڑی دوراندیشی کو کام میں لا کر ان نصوص کو محو کرنا شروع کیا اور جو شخص بھی بھولے سے ان نصوص کا ذکر کرتا یا اشارہ کرتا تو اس پر تشدد کرنے لگتے۔

اور جب نظام سلطنت کی حفاظت، دین اسلام کی اشاعت ملکوں پر فتح یابی دولت و طاقت پر تسلط و اقتدار ان کو میر ہوا اور باوجود ان تمام باتوں کے حاصل ہونے کے وہ ہوا و ہوس میں مبتلا نہ ہوئے عیش و عشرت میں نہ پڑے تو انھیں بڑا فروغ ہوا۔ بہت قدر بڑھ گئی۔ لوگ ان سے حسن ظن رکھنے لگے۔ دلوں میں ان کی محبت پیدا ہوتی گئی اور لوگوں نے بھی ان کی روش پر ان نصوص کو سمجھلانا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ فراموش کرنے لگے۔

ان کے بعد بنی امیہ کے ہاتھوں میں زمام حکومت آئی۔ ان کی غرض اصلی تو تھی ہی یہی کہ کسی طرح اہلبیتؑ کو نابود ہوں۔ ان کا بالکل ہی قلع قمع کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے نصوص کو

نسیاً منسیا کر دینے کے لیے کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔
مگر باوجود ان سب باتوں کے ہم تک صریحی نصوص اور صحیح
سنن و احادیث پہنچ کے رہے۔ انہیں میں اگر غور کیا جائے، انصاف
سے کام لیا جائے تو وہی کافی ہیں۔

ش

jabir.abbas@yahoo.com

مکتوب نمبر ۲۳

وہ مقامات جہاں صحابہ نے ارشادات پیغمبرؐ کی مخالفت کی

آپؐ کا نوازش نامہ موصول ہوا۔ میں جس امر کو مستبعد سمجھتا تھا آپؐ نے معجزانہ طور پر ممکن ثابت کر دکھایا اور ایسا واضح نقشہ کھینچ کر دکھا دیا کہ میں دہشت میں پڑ گیا۔ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ آپؐ ثابت ہی نہ کر پائیں گے۔ کاش آپؐ ان مواقع کی طرف اشارہ بھی فرمادیتے جہاں صحابہ نے نصوص پیغمبرؐ کی خلاف ورزی کی۔ رسولؐ کی بات نہ مانی تاکہ حقیقت اچھی طرح منکشف ہو جاتی اور ہدایت کا رستہ بخوبی واضح ہو جاتا۔

س

جواب مکتوب

واقعہ ترطاس

وہ مواقع جہاں ارشادِ پیغمبرؐ کی مخالفت کی گئی، نصوصِ پیغمبرؐ پر عمل نہ کیا گیا ہے شمار ہیں۔ منجملہ ان کے پنجشنبہ کے دن والا حادثہ عظمیٰ ملاحظہ فرمائیے جو مشہور ترین تفسیروں اور سخت مصیبتوں میں سے ایک ہے۔ جسے اربابِ صحاح اور کھل اصحابِ سنن نے بیان کیا ہے اور تمام اہل سیرِ مورخین نے نقل کیا ہے، صرف بخاری کی روایت آپ کے لیے کافی ہوگی۔

امام بخاریؒ بسلسلہ اسناد عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے، ابن عباس کہتے ہیں کہ:

”جب رسولؐ کے انتقال کا وقت قریب پہنچا اور رسولؐ کے گھر میں بہت سے اشخاص تھے جن میں حضرت عمرؓ بھی تھے۔ رسولؐ نے فرمایا: میرے پاس آؤ تاکہ میں تمہیں ایسا نوشتہ لکھ دوں کہ میرے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو۔ اس پر عمرؓ بولے کہ رسولؐ پر درد کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس کلامِ مجید موجود ہے ہمارے لیے کتابِ خدا کافی ہے۔ اس پر گھر میں جو

لوگ تھے ان میں اختلاف ہو گیا آپس میں جھگڑنے لگے۔ بعض کہتے تھے کہ قلم و دوات رسولؐ کے قریب کر دو کہ رسولؐ ایسا نوشتہ لکھ دیں کہ پھر تم کبھی گمراہ نہ ہو اور بعض حضرت عمرؓ ہم نوائی کر رہے تھے۔ جب تکرار اور حقیقت کش زیادہ بڑھی تو رسولؐ نے فرمایا کہ تم میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔“

ابن عباس کہتے ہیں کہ:

”ساری مصیبت یہ ہوئی کہ لوگوں نے باہم اختلاف کر کے شور و غل مچا کر رسولؐ کو وہ نوشتہ نہیں لکھنے دیا۔“

یہ حدیث وہ ہے کہ اس کے موجود ہونے اور صحت میں کسی قسم کا شک و شبہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ امام بخاری نے اپنے صحیح بخاری میں ایک جگہ نہیں منعقد جگہوں پر ذکر کیا ہے۔

امام مسلم نے صحیح مسلم باب الوصایا کے آخر میں درج کیا ہے۔ امام احمد نے اپنے مسند میں ابن عباس سے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ نیز حلقہ اصحاب صحاح و ارباب سنن نے اس حدیث کو درج کیا ہے مگر ان سب نے الفاظ میں تصرف کر دیا ہے۔ مفہوم و معنی تو ایک ہی رکھا ہے مگر الفاظ بدل دیے ہیں کیونکہ اصلی الفاظ حضرت عمرؓ کے یہ تھے:

”ان الذی یرجوا...“

۱۔ صحیح بخاری پارہ اول صفحہ ۲۲ کتاب العلم نیز اور دیگر مقامات۔

۲۔ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۲

۳۔ مسند جلد ۱ صفحہ ۳۲۵

”رسولؐ ہڈیاں بک رہے ہیں“

لیکن محدثین نے بجائے اس کے یہ بیان کیا کہ رسولؐ پر درد کا غلبہ ہے۔ یہ اس لیے تاکہ عبارت تہذیب کے پیرائے میں رہے اور حضرت عمرؓ کے اس جملہ سے رسولؐ کی جواہانت ہوتی تھی اس میں کمی ہو جائے۔ میرے اس بیان پر وہ روایت شاہد ہے جسے ابوبکر احمد بن عبد العزیز جوہری نے کتاب السقیفہ میں بسلسلہ اسناد جناب ابن عباس سے نقل کیا ہے (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی جلد ۲ صفحہ ۲۰)

ابن عباس فرماتے ہیں کہ:

”رسولؐ کی وفات کا جب وقت پہنچا۔ گھر میں بہت سے لوگ موجود تھے جن میں حضرت عمرؓ بھی تھے تو رسولؐ نے فرمایا کہ: میرے پاس دو ات اور کاغذ لاؤ کہ میں تمہیں ایسا نوشتہ لکھ دوں کہ اس کے بعد تم ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے ایک فقرہ کہا جس کا مطلب یہ تھا کہ رسولؐ پر درد کا غلبہ ہے اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہم لوگوں کے پاس قرآن موجود ہے ہمارے لیے کتابِ خدا کافی ہے۔ حضرت عمرؓ کے یہ کہنے پر لوگوں میں اختلاف ہو گیا۔ باہم تکرار ہونے لگی۔ بعض کہتے تھے کہ قلم و وات رسولؐ کو دے دو کہ آپ نوشتہ لکھ دیں اور بعض حضرت عمرؓ جیسی بات کہہ رہے تھے۔ جب تکرار زیادہ بڑھی اور اختلاف حد سے تجاوز کرنے لگا تو رسولؐ کو غصہ آ گیا اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔“

اس حدیث سے آپ کو ملحق یا یہ بات معلوم ہوگی کہ حضرت عمرؓ نے رسولؐ

کو جو جواب دیا تھا اس کے اصل الفاظ محدثین نے ذکر نہیں کیے ہیں بلکہ اس کا مطلب و مفہوم بیان کیا۔ اس کا ثبوت اس سے بھی مل سکتا ہے کہ محدثین نے دوسرے موقع پر جہاں جواب دینے والے کا نام ذکر نہیں کیا وہاں جواب کے اصل الفاظ بیان کر دیے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری صحیح بخاری پارہ ۱ ص ۱۱۸۔ کتاب الجہاد والسير کے باب جوائز الوفد میں روایت کرتے ہیں کہ:

”ہم سے قتیبہ نے بیان کیا کہ ہم سے بن عیینہ نے سلمان احول سے انھوں نے سعید بن جبیر سے انھوں نے ابن عباس سے نقل کر کے بیان کیا ابن عباس کہتے تھے: پینچشنبہ کا دن ہائے وہ کیا دن تھا پینچشنبہ کا! یہ کہہ کر اتنا روئے کہ ان کے آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی۔ پھر کہا کہ اسی پینچشنبہ کے دن رسولؐ کی اذیت بہت بڑھ گئی تھی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے پاس کاغذ لاؤ کہ میں تمھیں نوشتہ لکھ دوں تاکہ پھر کبھی تم گمراہ نہ ہو سکو۔ اس پر لوگ جھگڑنے لگے حالانکہ بنی کے پاس جھگڑنا مناسب نہیں، لوگوں نے کہا کہ رسولؐ بے ہودہ بک رہے ہیں اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا: مجھے میرے حال پر چھوڑ دو میں جس حال میں ہوں بہتر ہے اس سے جس کی طرف تم مجھے بلاتے رہے ہو، اور آنحضرتؐ نے مرے سے پیشتر تین وصیتیں فرمائیں۔ ایک تو یہ کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال باہر کرو اور وفد بھیجنے کا سلسلہ اسی طرح باقی رکھو جس طرح میں بھیجا کرتا تھا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ تیسری وصیت

لے تیری بات جسے فراہوش کر دیا گیا وہی بات تھی جسے پیغمبرؐ وقت انتقال نوشتہ کی (باقی اگلے صفحہ پر)

میں بھول گیا“

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی صحیح مسلم کتاب الوصیت کے آخر میں درج کیا ہے۔ امام احمد نے اپنے مسند میں منجد احادیث ابن عباس نقل کیا ہے نیز تمام محدثین نے اس کی روایت کی ہے۔

امام مسلم نے صحیح مسلم کے کتاب الوصیت میں بواسطہ سعید بن جبیر، ابن عباس سے ایک دوسرے طریقہ سے روایت کی ہے۔ ابن عباس کہتے تھے: ”پنجشنبہ کا دن، اے وہ کیا دن تھا پنجشنبہ کا!“

پھر آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہوئے اور رخساروں پر یوں بہتے دیکھے گئے جیسے موتی کی لڑی ہو۔ اس کے بعد ابن عباس نے کہا کہ:

”رسولؐ نے ارشاد فرمایا: میرے پاس دوات کا غذا یا

لوح و دوات ہے۔ میں انھیں ایسا نوشتہ لکھ دوں کہ اس

کے بعد پھر کبھی تم گمراہ نہ ہو۔ تو دو گوں نے اس پر کہا کہ رسولؐ

ہذیان بک رہے ہیں۔“

صحابہ سہ میں اس مصیبت کے ماحول پر نظر دوڑائیے تو آپ کو معلوم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) صورت میں لکھ جانا چاہتے تھے تاکہ امت والے گمراہی سے محفوظ رہیں۔

یعنی امیر المؤمنینؓ کی خلافت۔ لیکن یہی شایروں نے محدثین کو مجبور کیا کہ وہ اس چیز کو

جانتے اور سمجھتے ہوئے بھول جائیں مگر یہی حنفی حنفیہ نے مراحت کی ہے۔

لے صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۲۲

لے اس حدیث کو انھیں الفاظ میں امام احمد نے مسند ج ۱ صفحہ ۳۵۵ پر روایت کیا ہے ان کے

علاوہ اور بھی آجلہ علمائے اہل سنت نے نقل کیا ہے۔

ہوگا کہ پہلا وہ شخص جس اُس دن آواز بلند کی کہ رسولؐ ہڈیاں بک رہے ہیں وہ حضرت عمرؓ تھے انھیں نے سب سے پہلے رسولؐ کے متعلق یہ جملہ کہا۔ ان کے بعد حاضرین میں جو ہم خیال افراد موجود تھے انھوں نے حضرت عمرؓ کی ہم نوائی کی۔ آپ ابن عباسؓ کا یہ فقرہ پہلی حدیث میں سن چکے ہیں۔

”گھر میں جو لوگ موجود تھے آپس میں تکرار کرنے لگے بعض کہتے تھے کہ رسولؐ کے پاس قلم دوات لاؤ تاکہ رسولؐ یہ نوشتہ لکھ جائیں کہ اس کے بعد پھر تم کبھی گمراہ نہ ہو اور بعض حضرت عمرؓ کی موافقت کر رہے تھے۔“

یعنی وہ بھی یہی کہہ رہے تھے کہ رسولؐ ہڈیاں بک رہے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے جو طبرانی نے اوسط میں حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ:

”جب رسولؐ بیمار ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: کہ میرے پاس کاغذ اور دوات لاؤ، میں ایسا نوشتہ لکھ دوں کہ اس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو۔ اس پر پردے کے پیچھے سے عورتوں نے کہا تم سنتے نہیں کہ رسولؐ کیا کہہ رہے ہیں۔“

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ:

”اس پر میں بولا کہ تم یوسفؑ والی عورتیں ہو جب رسولؐ بیمار پڑتے ہیں اپنی آنکھیں نچوڑ دلاتی ہو اور جب تندرست رہتے ہیں

میں جسے بخاری نے عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود سے انھوں نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے اور امام

مسلم وغیرہ نے جس کی روایت کی ہے۔
۲۷ کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۳۸

تو گردن پر سوار رہتی ہو۔ اس پر رسولؐ نے فرمایا: کہ عورتوں کو جانے دو یہ تم سے تو بہتر ہی ہیں۔“

آپؐ ملاحظہ فرماتے ہیں کہ یہاں صحابہؓ نے ارشاد پیغمبرؐ کو نہیں مانا۔ اگر مانے ہوتے تو گمراہی سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتے۔ کاش صحابہؓ یہی کرتے کہ رسولؐ کی بات ٹال جاتے نہ مانتے لیکن رسولؐ کو یہ سوکھا جواب تو نہ دیتے کہ: ”حسبنا کتاب اللہ“ ”ہمارے لیے کتاب خدا کافی ہے“ اس فقرہ سے تو دھوکہ ہونا ہے کہ معاذ اللہ جیسے رسولؐ جانتے ہی نہ تھے کہ کتاب خدا مسلمانوں کے لیے کیا حیثیت رکھتی ہے؟ یا معاذ اللہ یہ صحابہؓ کتاب خدا کے خواص و فوائد رسولؐ سے زیادہ جانتے ہیں۔ اس کے رموز و اسرار سے زیادہ واقف ہیں۔ کاش اس پر ہی اکتفا کر لیتے۔ اسی حد پر آکر باز رہ جاتے صرف یہی کہ ”حسبنا کتاب اللہ“ کتاب خدا ہمیں کافی ہے۔ یہ کہہ کر کہ رسولؐ ہدیان بک رہے ہیں رسولؐ کو حد نہ ناگہانی تو نہ پہنچاتے۔ رسولؐ چند گھڑی کے جہان تھے آپؐ کا دم واپس تھا ایسی حالت میں یہ ایذا رسانی کہاں تک مناسب تھی؟ کیسی بات کہہ کر رسولؐ کو رخصت کر رہے تھے۔ اور گویا معلوم ہوتا ہے کہ (جس طرح انھوں نے کتاب خدا کو کافی سمجھتے ہوئے رسولؐ کے ارشاد کو ٹھکرا دیا اسی طرح) انھوں نے کتاب خدا کا بے باک دہل یہ اعلان بھی نہیں سنا کہ رسولؐ جو کچھ تمہیں دے دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔

اور ان کے یہ کہنے سے کہ رسولؐ ہدیان بک رہے ہیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے خدا کا یہ ارشاد پڑھا ہی نہیں:

”انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش

مکین مطاع بشم آمین وما صاحبکم بمجنون “
 ”بے شک یہ مشرآن ایک معزز فرشتہ جبریل کی زبان
 کا پیغام ہے جو بڑا قوی عرش کے مالک کی بارگاہ میں بلند
 مرتبہ ہے وہاں سب فرشتوں کا سردار و امانت دار ہے
 اور مکے والو تمہارے ساتھی محمدؐ دیوانے نہیں ہیں “
 نیز یہ ارشادِ الہی :

”انہ لقول رسول کریم وما هو بقول شاعر قلیلاً
 ما تؤمنون ولا بقول کاہن قلیلاً ما تذکرون
 تنزیل من رب العالمین “

”بے شک یہ قرآن ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا پیغام ہے اور
 یہ کسی شاعر کی تک بندی نہیں۔ تم لوگ تو بہت کم ایمان لانے
 ہو اور نہ کسی کاہن کی خیالی بات ہے تم لوگ تو بہت کم غور
 کرتے ہو سارے جہان کے پروردگار کا نازل کیا ہوا
 کلام ہے “

نیز ارشادِ الہی :

”ما ضل صاحبکم وما غوی وما یطق عن
 الہوی ان هو الا وحی یوحیٰ علیہ شدید القوی “
 ”تمہارے رفیق محمدؐ نہ گمراہ ہوئے نہ بہکے اور وہ تو اپنے
 نفسانی خواہش سے کچھ بولتے ہی نہیں یہ تو بس وحی ہے
 جو بھیجی جاتی ہے۔ ان کو بڑی طاقت والے نے تسلیم
 دی ہے “

نیز اسی طرح کی اور دوسری واضح اور روشن آیتیں کلام مجید کی جن میں صاف صاف تصریح ہے کہ ہر مہمل و بے ہودہ بات کہنے سے رسول پاک و پاکیزہ ہیں جیسے انھوں نے کبھی پڑھی ہی نہیں۔

علاوہ اس کے خود تنہا اور فقط عقل بھی رسولؐ سے مہمل اور بے ہودہ باتوں کا صادر ہونا محال و ناممکن سمجھتی ہے لیکن اصل بات تو یہ ہے کہ صحابہ اچھی طرح جانتے تھے کہ رسولؐ خلافت کی بات کو اور کچی کر دینا چاہتے ہیں۔ آپ نے ابھی تک حضرت علیؑ کے خلیفہ و جانشین ہونے کے متعلق جتنے اعلانات کیے ہیں ان کی مزید تاکید مقصود ہے لہذا ایسی بات کہہ کر رسولؐ کی بات ہی کاٹ دی۔ جیسا کہ خود حضرت عمرؓ نے اپنی زبان سے اس کا اقرار و اعتراف کیا ہے۔ اس موقع پر جب ان میں اور عبداللہ بن عباس کے درمیان خلافت کے مسئلہ پر گفتگو چھڑ گئی تھی لیکن

اگر آپ رسولؐ کے اس قول پر کہ ”میرے پاس قلم و دوات لاؤ تاکہ میں ایسا نوشتہ لکھ جاؤں کہ اس کے بعد ہرگز تم گمراہ نہ ہو“ اور حدیث ثقلین میں رسولؐ کے اس فقرہ پر کہ:

”میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم ان سے متمسک

رہو تو کبھی گمراہ نہ ہو۔ ایک کتاب خدا دوسرے میری عترت“

ان دونوں فقروں پر آپؐ نظر کریں تو آپؐ پر یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ دونوں حدیثوں میں رسولؐ کا مقصود ایک ہی ہے۔ ایک ہی مفہوم کو دونوں حدیثوں میں آپؐ نے بیان کیا ہے۔

پیغمبرؐ نے زبردستی نوشتہ لکھ کر کیوں نہیں ڈالا؟

اور یہ کہ رسولؐ نے حالتِ مرض میں کاغذ و دوات جو مانگا نہ تھا وہ اسی لیے تاکہ حدیثِ ثقلین میں جو چیز امت کے لیے واجب بتائی تھی اس کی تفصیل تحریر فرمادیں۔ تحریری طور پر لکھ دیں۔ اب رہ گئی یہ بات کہ رسولؐ نے ان لوگوں کے اختلافات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے نوشتہ لکھ کر کیوں نہیں دیا، لکھنے کا ارادہ کیوں ملتوی کر دیا؟

اس کا سبب وہی فقرہ تھا حضرت عمرؓ اور ان کے ہوا خواہوں کا جسے بول کر ان لوگوں نے رسولؐ کو دکھ پہنچایا تھا۔ یہی فقرہ سن کر رسولؐ نے ارادہ بدل دیا نہ لکھا وہ نوشتہ کیونکہ اتنے سخت جملہ کے بعد نوشتہ لکھنے کا کوئی فائدہ ہی نہ تھا سوا اس کے کہ اور فتنہ و فساد برپا ہوتا۔ اور اختلافات اور بڑھتے۔ رسولؐ کے لکھنے کا کوئی فائدہ ہی نہ ہوتا کیونکہ اب اگر رسولؐ لکھتے بھی تو آپ کے نوشتہ کے متعلق لوگ کہتے کہ اس نوشتہ میں بھی تو رسولؐ نے ہدیان ہی تحریر فرمایا ہے جس طرح یہ کہتے پر کہ "میرے پاس دوات کاغذ لاؤ میں ایسا نوشتہ لکھ جاؤں کہ اس کے بعد پھر کبھی گمراہ نہ ہو" لوگ جھگڑنے لگے۔ ان میں تکرار ہونے لگی اور رسولؐ کی آنکھوں کے سامنے خوب شور و غل مچا۔ اور رسولؐ اس وقت کچھ نہ کر سکے۔ صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ اور اگر رسولؐ بھی اڑ جائے اپنی بات پر نوشتہ لکھ کر رہتے تو انہیں اور بھی صدمہ ہو جاتی اور زیادہ سختی سے کہتے کہ رسولؐ نے جو کچھ لکھا وہ ہدیان ہے اور ان کے چٹے بٹے رسولؐ کے لکھے ہوئے کو ہدیان ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی

کا زور لگا دیتے، اپنی کتابوں میں لکھتے، تاریخوں میں بیان کرتے، غرض رسولؐ کے نوشتہ کی دھجیاں اڑا دیتے، تاکہ اس سے کوئی کام لے ہی نہ سکے۔

اسی وجہ سے حکیم اسلام کی حکمت بالغہ نے چاہا کہ اب نوشتہ کا ارادہ ہی ترک کر دیا جائے۔ تاکہ رسولؐ کے منہ آنے والے اور ان کے حوالی موالی آپؐ کی نبوت میں طعن کا دروازہ نہ کھول دیں۔ خدا کی پناہ۔

اور رسولؐ یہ جانتے تھے کہ علیؑ اور علیؑ کے دوستدار اس نوشتہ کے مضمون پر بہر حال عمل کریں گے۔ میں چاہے لکھوں چاہے نہ لکھوں اور ان کے علاوہ جو ہیں وہ اگر میں لکھ بھی جاؤں تب بھی نہ مائیں گے نہ اس پر عمل کریں گے لہذا ان حالات میں حکمت کا تقاضہ یہی تھا کہ آپؐ اس کا خیال ترک کر دیں۔ کیونکہ سوال کاغذ و دوات پر ایسا جانکاہ جواب پانے کے بعد بھی نوشتہ لکھنے کا کوئی اثر ہی پیدا نہ ہو گا۔ سوائفتہ و فساد کے۔

ش

مکتوب نمبر ۲۲

واقعہ طراس پر عذر و معذرت

شاید آنحضرتؐ نے جس وقت قلم و دوات لانے کا حکم دیا تھا آپ کوئی چیز لکھنا چاہتے ہی نہ تھے بلکہ آپ محض آزمانا چاہتے تھے اور کچھ مقصود نہ تھا اور صحابہ کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی مگر حضرت عمرؓ سمجھ گئے کہ رسولؐ درحقیقت ہم لوگوں کو جانچنا چاہتے ہیں لہذا انھوں نے قلم و دوات لانے سے صحابہ کو روک دیا۔ لہذا اس بنا پر حضرت عمرؓ کی ممانعت مجملہ آپ کی توفیقات ربانیہ کے سمجھنا چاہیے اور آپ کی مخصوص کرامات سے شمار کرنا چاہیے۔

بعض علمائے اعلام نے یہی جواب دیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ رسولؐ

کافر مانا: لَنْ تَصْلُوا بَعْدِي۔ "میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔" اس جواب کو بننے نہیں دیتا۔ کیونکہ یہ فقرہ حکم پیغمبر کا دوسرا جواب ہے۔ مطلب یہ کہ اگر تم کاغذ و دوات لاؤ گے اور میں تمہارے لیے وہ نوشتہ لکھ دوں گا تو اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو سکو گے اور یہ امر مخفی نہیں کہ اس قسم کی خبر بیان کرنا محض امتحان و اختیار کے لیے یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے جس سے کلام انبیاء کا پاک ہونا واجب و لازم ہے۔ خاص کر اس موقع پر جہاں قلم و دوات کا لانا بہتر تھا بہ نسبت نہ لانے کے۔

علاوہ اس کے یہ جواب اور بھی کئی وجہوں سے محلِ تاویل ہے لہذا یہ جواب تو صحیح نہیں کچھ اور عذر پیش کرنا چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ رسولؐ نے کاغذ و دوات لانے کا جو حکم دیا تو یہ حکم انتہائی ضروری و لازمی نہ تھا کہ اس کے متعلق مزید وضاحت چاہی ہی نہ جاسکتی، دوبارہ پوچھا ہی نہ جاسکتا تھا۔ بلکہ یہ حکم مشورہ کا حکم تھا اور ایسا برابر ہوا کہ صحابہ رسولؐ کے بعض احکام میں دوبارہ پوچھ لیا کرتے تھے۔ مزید استنصواب کیا کرتے تھے خصوصاً حضرت عمرؓ تو اور زیادہ، کیونکہ انھیں اپنے متعلق یہ یقین تھا کہ وہ مصالح و بہتری پہنچانے میں موفق للصواب ہیں۔ میرا ظن تخمین غلط نہیں ہوتا۔ خدا کی جانب سے ان پر الہام بھی ہوا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے چاہا کہ رسولؐ کو زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ کیونکہ رسولؐ پہلے ہی بہت سے تعب میں تھے اگر لکھنے کے لیے اُٹھتے بیٹھتے تو تعب اور زیادہ بڑھ جاتا۔ اسی لیے آپؐ نے یہ فقرہ کہا۔ آپؐ کی رائے یہ تھی کہ دوات کاغذ نہ لانا ہی بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ یہ بھی ڈرتے تھے کہ رسولؐ کہیں ایسی باتیں نہ لکھ ڈالیں جو کرنے سے لوگ عاجز رہیں۔ رسولؐ کے لکھنے کو پورا نہ کر سکیں

اور اس سبب سے مستحقِ عقوبت ٹھہریں کیونکہ رسولؐ کو کچھ لکھ جاتے وہ تو بہر حال منصوص اور قطعی ہوتا۔ اجتہاد کی گنجائش اس میں نہ ہوتی یا شاید حضرت عمرؓ کو منافقین کی جانب سے خوف محسوس ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ منافقین رسولؐ کے نوشتہ پر معترض ہوں۔ اس کی قدح کریں کیونکہ وہ نوشتہ مرض کی حالت میں لکھا ہوا ہوتا اور اس وجہ سے بڑے فتنہ و فساد کا باعث ہوتا اس لیے حضرت عمرؓ نے کہا کہ: حسبنا کتاب اللہ۔ "ہمارے لیے کتاب خدا کافی ہے" کیونکہ خود خداوند عالم نے فرمایا ہے:

”ما فرطنا فی الكتاب من شیء“

”ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہ چھوڑی جو بیان نہ کر دی ہو“

نیر یہ بھی ارشاد ہوا:

”الیوم اکملت لکم دینکم“

”آج کے دن ہم نے دین کو تمہارے لیے مکمل کیا“

غالباً حضرت عمرؓ کو اپنے طور پر اطمینان تھا کہ امت تو گمراہ ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ خداوند عالم دین کو کامل اور امت پر اپنی نعمت کا اتمام کر چکا ہے لہذا جب امت کی گمراہی کا خوف ہی نہ تھا تو اب نوشتہ لکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

یہ ان لوگوں کے جوابات ہیں اور یہ جس قدر رکیک ہیں وہ آپ سے پوشیدہ نہیں کیونکہ رسولؐ کا یہ فقرہ لا تخذلوا بعدی "تا کہ تم گمراہ نہ ہو جاتا" ہے کہ آپ کا حکم، حکمِ قطعی، حکمِ لازمی تھا۔ کیونکہ ایسے امر میں جو ضلالت سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہو قدرت رکھتے ہوئے ہر ممکن جدوجہد کرنا بیشک واجب و لازم ہے۔ نیز آنحضرتؐ پر اس فقرہ کا ناگوار گزرتا اور حضرت

عمر و خیرہ کے اس جملہ کا برامنا اور ان لوگوں کے تقبیل حکم نہ کرنے پر آپ کا ارشاد فرمانا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ یہ بھی دلیل ہے کہ آپ نے دوات و کاغذ لانے کا جو حکم دیا وہ حکم واجب و لازم تھا۔ بغرض مشورہ آپ نے نہیں فرمایا تھا۔

اگر کوئی کہے کہ نوشتہ لکھنا اگر ایسا ہی واجب و لازم تھا تو محض چند لوگوں کی مخالفت سے آپ نے نوشتہ لکھنے کا ارادہ ترک کیوں کر دیا جس طرح کافرین آپ کی تبلیغ اسلام کے مخالف تھے مگر پھر بھی آپ تبلیغ سے باز نہ رہے اسی طرح اگر کچھ لوگ کاغذ و دوات لانے کے مخالف تھے تو آپ نے ان کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے نوشتہ لکھ کر کیوں نہیں دیا تو میں کہوں گا کہ آپ کا یہ کہنا ٹھیک بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نوشتہ کا لکھنا رسولؐ پر واجب نہیں تھا لیکن رسولؐ پر لکھنا واجب نہ ہونے سے کب ضروری ہے کہ ان لوگوں پر رسولؐ کا حکم ماننا اور کاغذ و دوات کا لانا بھی واجب نہ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ نوشتہ کا لکھنا رسولؐ پر واجب نہ رہا ہو مگر ان لوگوں پر دوات و کاغذ کا لانا واجب و لازم ہو جبکہ رسولؐ نے لانے کا حکم دیا تھا اور اس کا فائدہ بھی بتا دیا تھا کہ مگر ابھی سے ہمیشہ کے لیے بے خوف ہو جاؤ گے اور ہمیشہ راہ ہدایت پر باقی رہو گے کیونکہ فی الواقع امر کا وجوب مامور سے متعلق ہوتا ہے نہ کہ آمر سے خصوصاً جبکہ امر کا فائدہ مامور کو پہنچتا ہو لہذا بحث یہاں یہ ہے کہ ان لوگوں پر امر کا بجا لانا واجب تھا یا نہیں۔ رسولؐ نے ان لوگوں کو کاغذ و دوات کا جو حکم دیا تھا تو کاغذ و دوات کا لانا ان لوگوں پر لازم تھا یا نہیں۔ محل بحث یہ نہیں کہ رسولؐ پر لکھنا واجب تھا یا نہیں ؟

علاوہ بریں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لکھنا رسولؐ پر کبھی واجب تھا لیکن لوگوں کی مخالفت اور رسولؐ کا کہا نہ ماننے اور یہ کہنے سے کہ رسولؐ ہڈیاں بک رہے ہیں۔ رسولؐ سے وجوب سا فہم ہو گیا ہو۔ کیونکہ رسولؐ اب لکھتے بھی تو سوا فتنہ و فساد کے لکھنے کا اور کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ لہذا جو چیز باعث فساد ہو جس سے فتنہ برپا ہو جانے کا ڈر ہو اس کا کرنا رسولؐ پر واجب کیسے ہو گا؟

بعض حضرات نے یہ عذر بھی بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ حدیث کا مطلب نہ سمجھے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ وہ نوشتہ امت کے ہر فرد کے لیے گمراہی سے بچنے کا ایسا ذریعہ کیونکہ ہو گا کہ قطعی طور پر کوئی گمراہ ہی نہ ہو سکے بلکہ حضرت عمرؓ رسولؐ کے اس جملہ سے کہ لا تضلوا - تم گمراہ نہ ہو گے "مطلب سمجھے کہ تم سب کے سب کل کے کل گمراہی پر مجتمع نہ ہو گے اور نوشتہ لکھنے کے بعد کسی ایک فرد میں بھی گمراہی سرایت نہ کرے گی اور حضرت عمرؓ پہلے ہی جانتے تھے کہ امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہ ہو گی اسی وجہ سے آپؐ نوشتہ کو بیکار سمجھے اور یہ خیال کیا کہ رسولؐ کا نوشتہ لکھنے سے مقصود صرف مزید احتیاط ہے اور کچھ نہیں کیونکہ آپؐ مجسم رحمت واقع ہوئے ہیں اس لیے آپؐ کا رحم و کرم چاہتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے ان کے گمراہی سے محفوظ رہنے کے لیے احتیاطی تدابیر کر دی جائیں۔ یہی سمجھ کر حضرت عمرؓ نے آپؐ کو وہ جواب دیا۔ یہ طے کر کے کہ یہ رسولؐ کا حکم واجب حکم نہیں بلکہ رحم و کرم کی وجہ سے ایسا فرما رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی اس تیزی اور جلد بازی کی معذرت میں یہی باتیں بیان کی گئی ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو یہ سب کے سب رکیک و مہمل ہیں کیونکہ رسولؐ کا یہ فقرہ لا تضلوا بعدی تاکہ میرے بعد تم گمراہ نہ ہو، خود بتانا ہے کہ امر ایجابی تھا نہ کہ کچھ اور۔

اور رسولؐ کا ان لوگوں پر غضب ناک ہونا ان سے رنجیدہ ہونا یہ دلیل ہے کہ صحابہ نے ایک امر واجب کو ترک کیا لہذا سب سے بہتر یہ جواب ہے کہ یہ واقعہ درحقیقت ان صحابہ کی سیرت کے نامناسب تھا اور ان کی شان سے بعید تھا۔ یہ ایک لغزش تھی جو ہو گئی اور ناگہانی بات تھی جو پیش آئی۔

س

جوابِ مکتوب

عذر و معذرت صحیح نہیں

آپ کے جیسے اہل علم کے لیے یہی زیبا ہے کہ حق بات کہیں اور درست بات زبان سے نکالیں۔

واقعہ قطرس کے متعلق آپ کے علماء اعلام کی تاویلات و اعذار جن کی آپ نے اپنے مکتوب میں تردید کی ہے تو ان تاویلات و اعذار کی تردید میں اور بہت سے گوشے باقی رہ گئے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ انھیں بھی عرض کر دوں تاکہ اس مسئلے میں خود آپ ہی فیصلہ فرمائیں۔

پہلا جواب یہ دیا گیا ہے کہ رسولؐ نے جس وقت قلم و روایت لانے کا حکم دیا تھا تو شاید کچھ لکھنے کا آپ کا ارادہ نہ تھا۔ بلکہ محض آزمانا مقصود تھا آپ کو۔ اور کچھ نہیں۔

آپ نے اس جواب کی رد میں جو کچھ فرمایا ہے اس کے علاوہ میں کہتا ہوں کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آنحضرتؐ کا دم واپس تھا۔ حالتِ احتضار طاری تھی جیسا کہ حدیث سے صراحت ہوئی ہے۔ لہذا وہ وقت

اختبار و امتحان کا نہ تھا بلکہ اعذار و انذار کا تھا۔ ہر امر ضروری کے لیے وصیت کر جانے کا وقت تھا اور امت کے ساتھ پوری بھلائی کرنے کا موقع تھا۔ جو شخص دم توڑ رہا ہو بھلا دل لگی اور مذاق سے اسے کیا واسطہ، اُسے تو خود اپنی پڑی ہوتی ہے، اہم امور پر اس کی توجہ رہتی ہے۔ اپنے تعلق والوں کی مہمات میں اس کا دھیان ہوتا ہے خصوصاً جب وہ دم توڑنے والا بنی ہو نیز جب اس نے بحالت صحت اپنے پورے عرصہ حیات میں اختبار نہ لیا تو وقت احتضار کیا اختبار و امتحان لیتا۔

علامہ اس کے شور و غل کرنے چیخ و پکار مچانے پر ان لوگوں سے رسولؐ کا کہنا کہ: "تمو معا عني" "میرے پاس سے اٹھ جاؤ" صاف صاف بتاتا ہے کہ رسولؐ کو ان لوگوں سے صدمہ پہنچا۔ آپ رنجیدہ ہوئے۔ اگر نوشتہ لکھنے سے روکنے والے ہی جادہ ثواب پر ہوتے تو ان کے روکنے کو رسولؐ پسند فرماتے، مسرت کا اظہار فرماتے۔

اگر آپ حدیث کے گرد و پیش پر نظر ڈالیں، خصوصاً ان لوگوں کے فقرے پر غور فرمائیے کہ ہجر رسول اللہؐ "رسول اللہؐ ہدیان بک رہے ہیں" تو آپؐ کو معلوم ہوگا کہ حضرت عمرؓ اور ان کے تمام ہوا خواہ جانتے تھے کہ رسولؐ ایسی بات لکھنا چاہتے ہیں جو ہمیں پسند نہیں۔ اسی وجہ سے ایسا فقرہ کہہ کر ناگہانی صدمہ پہنچایا گیا رسولؐ کو اور آپؐ کے حضور میں انتہا سے زیادہ شور و غل مچایا گیا۔ اختلافات خوب اچھالے گئے۔ جناب ابن عباسؓ کا اس واقعہ کو یاد کر کے شدت سے گریہ کرنا اور اس واقعہ کو مصیبت شمار کرنا یہ بھی اس جواب کے باطل ہونے کی بڑی قوی دلیل ہے۔

معذرت کرنے والے کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ مصالح کے پہچاننے میں

موفق للصواب تھے اور خدا کی جانب سے آپ پر الہام ہوا کرتا تھا۔ یہ معذرت ایسی ہے کہ اس پر توجہ ہی نہیں کی جاسکتی کیونکہ یہ کہنے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں راستی و درستی حضرت عمر کی طرف تھی نہ کہ رسولؐ کی طرف۔ نیز یہ کہ حضرت عمر کا اس دن کا الہام اس دن کی وحی سے جو رسولؐ پر امین وحی نے کرنازل ہوئے زیادہ سچ تھا۔ بعض علماء نے حضرت عمر کی طرف سے یہ معذرت کی ہے کہ حضرت عمر رسولؐ کی تکلیف کم کرنا چاہتے تھے۔ بیماری کی حالت میں رسولؐ لکھنے کی زحمت کرتے تو آپ کا تعب اور بڑھ جاتا۔ اسی تعب کے بڑھنے کے خوف سے حضرت عمر نے ایسا نظریہ کہا۔

مگر آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ نوشتہ لکھنے میں رسولؐ کے دل کو زیادہ راحت ہوتی۔ آپ کا دل زیادہ ٹھنڈا، آنکھیں زیادہ خنک اور امت کی گمراہی سے آپ زیادہ بے خوف ہو جاتے۔ رسولؐ کی فرمائش قلم و ودات کے متعلق تھی کسی کو حضرت کی تجویز کے خلاف قدم اٹھانا صحیح نہ تھا۔

”مَا كَانَ الْمُؤْمِنُ وَلَا الْمُؤْمِنَةُ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ“

”جب خدا و رسولؐ کسی بات کا فیصلہ کر لیں تو پھر مومن مرد یا مومن عورت کو اس بات کے پسند ناپسند کی گنجائش نہیں“

علاوہ اس کے حضرت عمر اور ان کے ہواخواہوں کا مخالفت کرنا، اس اہم ترین مقصد میں رکاوٹ ڈالنا اور رسولؐ کی نظروں کے سامنے شور و غل مچانا، جھگڑا فساد کرنا یہ زیادہ شاق تھا، زیادہ گراں تھا رسولؐ پر نسبت

ایسا نوشتہ لکھنے کے جس سے امت ہمیشہ کے لیے گمراہی سے محفوظ ہو جاتی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ سے رسولؐ کی اتنی زحمت تو دیکھی نہ گئی کہ آپ بیماری کی حالت میں نوشتہ تحریر فرمائیں مگر ایسا کرنے میں انھیں کوئی تامل نہ ہوا کہ رسولؐ قلم دوات مانگیں اور وہ تکرار کرنے لگیں "ہدیان بک رہے ہیں" کہہ کر ناگہانی صدمہ پہنچائیں۔ لکھنے میں اگر زحمت بھی ہوتی رسولؐ کو تو کیا اس دلی صدمہ سے بڑھ کر ہوتی؟

لوگوں نے حضرت عمرؓ کی طرف سے معذرت میں یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سمجھا کہ قلم و دوات کا نہ لانا ہی زیادہ بہتر ہے۔ کیا کہنا اس معذرت کا، بڑی نادرات کہی گئی۔ غور تو فرمائیے کہ جب رسولؐ خود حکم دیں کہ قلم و دوات لاؤ، تو قلم دوات کا نہ لانا بہتر ہوگا، کیونکہ ہوگا۔ کیا حضرت عمرؓ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ رسولؐ ایسی چیز کا حکم دیا کرتے ہیں جس چیز کا ترک کرنا ہی زیادہ مناسب ہے۔ اس سے بڑھ کر حیرت خیزان لوگوں کا یہ قول ہے کہ حضرت عمرؓ ڈرے کہ رسولؐ کہیں ایسی باتیں نہ لکھ جائیں جس کے کرنے سے لوگ عاجز رہیں اور نہ کرنے پر سزاوارِ عقوبت ٹھہریں۔

غور فرمائیے کہ رسولؐ کے یہ کہنے کے بعد "تاکہ تم گمراہ نہ ہو" حضرت عمرؓ کا ڈر نا کہاں تک سبھا تھا۔ کیا حضرت عمرؓ رسولؐ سے زیادہ انجام سے باخبر رسولؐ سے زیادہ محتاط اور امت پر بہ نسبت رسولؐ کے زیادہ جہان تھے؟ کوئی بھی اس کا اقرار نہ کرے گا، کون بھلا یہ ماننے پر تیار ہو سکے گا؟

یہ بھی لوگوں نے حضرت عمرؓ کی طرف سے معذرت پیش کی ہے کہ حضرت عمرؓ کو منافقین کی طرف سے اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں حالت مرض میں نوشتہ تحریر ہونے کی وجہ سے اس نوشتہ کی صحت میں قدرج نہ کریں مگر

آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ یہ بھی غلط ہے۔ رسولؐ کے لائنضلا کہنے کے بعد اس اندیشہ کی کوئی وجہ ہی نہ تھی کیونکہ رسولؐ جب خود وضاحت فرمادیں کہ میرا نوشتہ گمراہی سے محفوظ رہنے کا سبب ہوگا تو پھر منافقین کی قدح کی وجہ سے وہ نوشتہ باعث فتنہ و فساد کیونکر ہو جائے گا۔

اگر حضرت عمر منافقین ہی سے ڈرتے تھے۔ ان کو یہی اندیشہ تھا کہ منافقین نوشتہ کی صحت میں قدح نہ کریں تو خود منافقین کے لیے انھوں نے قدح کا تخم کیوں بویا؟ رسولؐ کی بات کا جواب دے کر، لکھنے سے روک کر، "ہزیان بک رہے ہیں" کہہ کر منافقین کے لیے راہ کیوں پیدا کر دی؟ حضرت عمرؓ کے ہوا خواہ ان کے فقرہ "حسبنا کتب اللہ" کی تفسیر میں یہ جو کہتے ہیں کہ خود خداوند کریم نے ارشاد فرمایا ہے:

"ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہ اٹھا رکھی"

نیز ارشاد الہی:

"آج کے دن ہم نے دین کو مختارے لیے کامل کیا"

تو یہ درست نہیں اور نہ خداوند عالم کے ارشاد سے حضرت عمرؓ کے فقرہ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ آیت سے یہ تو نہیں نکلتا کہ امت گمراہی سے ہمیشہ کے لیے محفوظ بھی ہو گئی ہے نہ یہ دونوں آیتیں ہدایت خلق کی ضامن ہیں۔ پھر ان دونوں آیتوں پر بھروسہ کر کے نوشتہ رسولؐ سے بے پرواہی کیونکر جائز ہوگی؟ اگرستان کا وجود ہی گمراہی سے محفوظ رہنے کا موجب ہوتا تو یہ گمراہی کیوں ہوتی؟ اتنی پراگندگی کیوں ہوتی؟ جس کے دور ہونے کی طرف سے قریب قریب مایوسی ہو چکی ہے۔

حضرت عمرؓ کی طرف سے آخری جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ

ارشاد رسولؐ کا مطلب نہیں سمجھے، ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ وہ نوشتہ امت کے ہر ہر فرد کے لیے گمراہی سے بچنے کا ذریعہ ہوگا بلکہ حضرت عمرؓ رسولؐ کے اس جملہ سے کہ لا تفضلوا بعدی ”تم میرے بعد گمراہ نہ ہو گے“ یہ سمجھے کہ رسولؐ کا نوشتہ گمراہی پر مجتمع نہ ہونے کا سبب ہوگا۔ اس نوشتہ کا فائدہ یہ ہوگا کہ امت والے گمراہی پر منفق و متخذ نہ ہوں گے اور حضرت عمرؓ پہلے ہی سے جانتے تھے کہ امت والے کبھی گمراہی پر مجتمع ہی نہ ہوں گے چاہے نوشتہ لکھا جائے یا نہ لکھا جائے۔ اسی وجہ سے آپؐ نے اس موقع پر ایسا جواب دیا اور نوشتہ لکھنے سے مانع ہوئے۔ اس کی تردید میں آپؐ نے جو کچھ کہا وہ تو کہا ہی ہے ہیں عرض کرتا ہوں کہ حضرت عمرؓ اس قدر نا سمجھ نہ تھے اور نہ یہ حدیث جس کا مطلب سب پر واضح و روشن تھا ان کی سمجھ میں نہ آ سکی کیونکہ قول رسولؐ سے ہر شہری اور دیہاتی کی سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ اگر رسولؐ وہ نوشتہ لکھ دیتے تو ہر فرد کے لیے گمراہی سے محفوظ رہنے کی علت تمامہ ہوتا وہ نوشتہ۔ یہی معنی یہی مفہوم اس حدیث سے ساری دنیا کی سمجھ میں آتے ہیں۔

حضرت عمرؓ بھی یقینی طور پر جانتے تھے کہ رسولؐ کو امت کی طرف سے گمراہی پر مجتمع ہونے کا خطرہ نہیں کیونکہ حضرت عمرؓ رسولؐ کا یہ ارشاد سنتے رہتے تھے کہ:

”میری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی خطا پر مجتمع نہ ہوگی۔“

ہمیشہ میری امت سے ایک جماعت حق کی حمایتی ہوگی۔ نیز حضرت عمرؓ نے خداوند عالم کا یہ ارشاد بھی سنا تھا:

”تم میں سے وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے۔“

ان سے خداوند عالم نے وعدہ کر رکھا ہے کہ انھیں وہ رستے
زمین پر خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان کے قبل کے لوگوں کو خلیفہ
بنایا تھا۔

اسی طرح کی اور بہت سی کلام مجید کی واضح آیتیں اور احادیث پیغمبر میں
سے صریح حدیثیں حضرت عمرؓ اس بارے میں سن چکے تھے کہ امت کُل کی کُل
کبھی گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی لہذا اس کا دھیان بھی نہیں ہو سکتا کہ باوجود یہ
سب سننے کے جب رسولؐ نے قلم و دوات طلب کیے تو حضرت عمرؓ یا
دوسرے لوگوں کے ذہن میں خطور ہوا ہو گا کہ رسولؐ اپنی امت کے گمراہی
پر مجتمع ہونے کا خوف رکھتے ہیں۔ جبھی قلم و دوات طلب کر رہے ہیں۔
حضرت عمرؓ کے مناسب حال تو یہ ہے کہ وہ بھی اس حدیث سے وہی سمجھیں
جو دنیا سمجھ رہی ہے نہ کہ ایسی بات سمجھیں جس کی آیات کلام مجید بھی نفی کریں
اور صحیح حدیثیں بھی۔

علاوہ اس کے رسالت مآبؐ کا اظہار ناگواری کرنا اور میرے پاس سے
اٹھ جاؤ فرمانا یہ بھی دلیل ہے کہ جس بات کو ان لوگوں نے ترک کر دیا ہے واجب
تھی۔ قلم و دوات جو رسولؐ نے مانگی تھی وہ لانا ضروری تھی۔ انھیں نہ لا کر
انھوں نے ترک واجب کیا۔

اچھا مان بیا میں نے کہ حضرت عمرؓ نے رسولؐ کی مخالفت جو کی اور
آپ کے پاس قلم و دوات لانے جو نہ دیا وہ غلط فہمی کی وجہ سے تھا رسولؐ
کی بات ان کی سمجھ میں نہ آ سکی اس وجہ سے ایسا ہوا۔ ایسی حالت میں رسولؐ کو
کیا چاہیے تھا۔ ایسے وقت میں رسولؐ کو تو چاہیے تھا کہ آپ ان کے شکوک و
شبہات زائل کر دیں۔ اچھی طرح اپنا مقصد واضح فرمادیں بلکہ رسولؐ کے لیے

اس کی بھی گنجائش تھی کہ ان کو جس بات کا حکم دیا تھا اس پر مجبور فرماتے لیکن رسولؐ نے یہ سب کچھ نہیں کیا بلکہ اپنے پاس سے اٹھا دیا۔ قومو اعنی "تم سب میرے پاس سے اٹھ جاؤ" معلوم ہوا کہ رسولؐ جانتے تھے کہ حضرت عمرؓ کی مخالفت غلط فہمی کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی اور جذبہ کے ماتحت وہ ایسا کہہ رہے تھے اسی لیے آپؐ نے پاس سے دور ہو جانے کا حکم دیا۔

جناب ابن عباسؓ کا گریہ فرمانا، نالہ و فریاد کرنا اس دن کو یاد کر کے یہ بھی ہمارے بیان کا پورا پورا مویذ ہے۔ انصاف تو یہ ہے کہ یہ (حضرت عمرؓ کی لائی ہوئی) وہ زبردست مصیبت ہے جس میں کسی عذر کی گنجائش ہی نہیں۔ اگر آپؐ کے کہنے کی بنا پر اس واقعہ اندوہناک کو صحابہ کی ایک لغزش ان کی ایک فردگزاشت کہہ کر ختم کر دیا جائے تو بات آسان تھی اگرچہ محض یہ ایک واقعہ ہی زمانے بھر کو ہلاک کر دینے والا اور کمر کو شکستہ کر دینے والا ہے۔

ش

مکتوب نمبر ۲۵

عذر و معذرت کے لغو ہونے کا اعتراف
بقیہ مورد کے متعلق استفسار

آپ نے معذرت کرنے والوں کی تمام رائیں کاٹ دیں اور ان پر تمام راستے بند کر دیے اور ان کے اور ان کے اغراض کے درمیان دیوار کھڑی کر دی۔ جو کچھ آپ نے بیان فرمایا اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ آپ اپنا سلسلہ بیان جاری رکھیے اور ان تمام مواقع کا ذکر فرمائیے جہاں صحابہ نے نصوص پر عمل نہ کیا اور من مانی تاویلیں کیں۔

س

جواب مکتوب

حیشِ اُسامہ

آپ کا حکم ہے کہ میں وہ سارے موارد بیان کروں جہاں صحابہ نے اطاعتِ قول پیغمبر پر اپنی رائے کو مقدم سمجھا۔

اچھا تو شکراً اُسامہ کا واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔ شکر اُسامہ رسولؐ کی زندگی کا آخری لشکر تھا جسے آپ نے روم کی طرف لڑنے کو بھیجا تھا۔ اس لشکر کی روانگی میں آپ نے اہتمامِ عظیم فرمایا تھا اور تمام صحابہ کو تیاری کا حکم دیا تھا۔ مسلمانوں کے ارادوں کو مضبوط اور ان کی بہتوں کو بڑھانے کے لیے لشکر کے ساز و سامان کی فراہمی آپ نے خود بنفس نفیس فرمائی۔

جہا جبرین والنصار کے سربراہ اور وہ افراد جیسے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و ابو عبیدہؓ،

لے جملہ اہل سیر و مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی اس لشکر میں تھے، ملاحظہ ہو طبقات ابن سعدؒ تاریخ طبریؒ و تاریخ کاملؒ، سیرت سلاویہ وغیرہ علامہ طبری وغیرہ نے اسی حیشِ اُسامہ کے ذکر کے سلسلہ میں بڑے مزے کا ایک واقعہ بھی ذکر کیا ہے۔ خلیفہ ہمدی جب بھر آیا تو اس نے ایاس بن معاویہ کو جو اس وقت بہت کم سن تھے اور جن کی ذہانت و فراست بطور ضرب المثیل مشہور ہے امامت کرتے اور چار سو بڑے علماء فقہاء کو ان کے پیچھے نماز پڑھتے دیکھا۔ ہمدی نے کہا خدا ان داڑھی والوں کو غارت کرے کیا اتنے لوگوں میں کوئی بڑھا اس قابل نہیں ہے کہ آگے بڑھ کر نماز پڑھا دے۔ پھر ہمدی خود ایاس کی طرف بڑھا اور پوچھا ماجرا دے کیا سن ہے تمہارا؟ ایاس نے (باقی اگلے صفحہ پر)

سعد بن ابی وقاص، وغیرہ میں سے کوئی بھی منہرو ایسا نہ بچا جسے فوج میں رسولؐ نے رکھا ہو۔ یہ سلسلہ ماہ صفر ۲۶ تاریخ کا واقعہ ہے۔ جب صبح ہوئی ۲۷ تاریخ آئی تو آپؐ نے اسامہ کو طلب کیا اور فرمایا کہ:

”جہاں تمہارے باپ قتل کیے گئے اس طرف روانہ ہو اور ان لوگوں کو اس لشکر سے روند ڈالو، میں تمہیں اس لشکر کا افسر اعلیٰ مقرر کرتا ہوں تم صبح سویرے اہل انہی پر چڑھا کر دنیا اور بہت تیزی سے جانا کہ وہاں خبر پہنچنے سے پہلے پہنچ جاؤ۔ اگر فتحیابی ہو تو بہت تھوڑی دیر وہاں ٹھہرنا۔ اپنے ساتھ راہ بتانے والے لے لو، جاسویوں کو آگے روانہ کر دو۔“

جب ۲۸ صفر ہوئی تو رسولؐ کا من موت نمایاں ہوا۔ تپ آگئی، سر کا درد بڑھ گیا۔ جب ۲۹ تاریخ ہوئی اور آپؐ نے ملاحظہ فرمایا کہ لوگ جانے میں تباہل کر رہے ہیں تو آپؐ باہر تشریف لائے۔ مسلمانوں کی حیمت کو جنبش میں لانے اور ارادوں کو پختہ بنانے کے لیے آپؐ نے اپنے ہاتھ سے لشکر کا علم درست کر کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جواب دیا حضورؐ میرا سن اس وقت دی ہے خدا حضورؐ کو زندہ سلامت رکھے جو اسامہ بن زید کا اس وقت تھا جب رسولؐ خدا نے انہیں اس لشکر کا افسر مقرر کیا تھا جس میں حضرت عمرؓ بھی تھے اور حضرت ابوبکرؓ بھی۔ جہدی نے کہا آٹے بڑھو خدا تمہیں برکت دے (بے شک تم امامت کے مستحق ہو) علامہ حلبی لکھتے ہیں اس وقت اسامہ کا سن سترہ سال کا تھا۔

۱۔ حضرت عمرؓ اسامہ سے کہا کرتے تھے کہ ”پیغمبرؐ نے جب استقال کیا تو تم میرے افسر تھے“ اس جملہ کا بکثرت موزنین مثلاً علامہ حلبی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

۲۔ انہی شام میں موتہ جہاں جناب جعفر طیار اور زید بن عارث شہید ہوئے تھے کے قریب ایک جگہ ہے۔

اسامہ کو بخشا اور ارشاد فرمایا کہ خدا کا نام لے کر چل کھڑے ہو اور راہِ خدا میں جہاد کرو اور تمام کافروں سے جنگ کرنا۔

اسامہؓ رسولؐ کا علم لے کر چلے، علم کو بریدہ کے حوالے کیا۔ بڑیہ کے باہر پہنچ کر لشکرِ سمیت قیام کیا۔ وہاں پہنچ کر مسلمانوں میں پھر سستی پیدا ہوئی، اور وہاں سے آگے نہ بڑھے۔ باوجودیکہ صحابہ نے ارشاداتِ پیغمبرؐ سنے۔ جلد روانہ ہونے کا آپؐ نے جس قدر سختی کے ساتھ صاف صاف لفظوں میں تاکید کی حکم دیا تھا وہ سنا۔ جیسے رسولؐ کا یہ فقرہ: ”صبح سویرے اہلِ اُبنیٰ پر چڑھائی کر دو“ اور رسولؐ کا یہ جملہ: ”جلد روانہ ہونا کہ وہاں خبر پہنچنے سے پہلے پہنچ جاؤ“ غرض اسی طرح اور بہت سے تاکیدیں احکامِ لشکر کی روایتی کے موقع پر دیے تھے مگر صحابہ نے کسی حکم پر عمل نہیں کیا۔ رسولؐ کی ایک بات بھی نہیں مانی۔ صحابہ میں سے بعض لوگوں نے اسامہؓ کو افسر مقرر کرنے پر اعتراض بھی کیا جس طرح سابق میں اسامہؓ کے باپ زیدؓ کو افسر مقرر کرنے پر وہ اعتراض کر چکے تھے۔ اور بہت کچھ باتیں اسامہؓ کے متعلق لوگوں نے کہیں۔ حد سے زیادہ برا بھلا کہا۔ حالانکہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ خود رسولؐ نے افسر مقرر کیا ہے اسامہؓ سے رسولؐ کو یہ کہتے بھی سنا کہ:

”میں نے تمہیں اس لشکر کا افسر مقرر کیا ہے“

اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی کہ رسولؐ باوجود بخار میں ہونے کے اپنے ہاتھ سے علمِ لشکر درست کر کے اسامہؓ کے ہاتھ میں دے رہے ہیں مگر باوجود یہ سب دیکھنے اور سننے کے وہ اسامہؓ کے سردار مقرر کیے جانے پر اعتراض کرنے سے باز نہ رہے۔ آخر کار ان کے اعتراض و طعنہ زنی سے رسولؐ شدید غم و غصہ میں آئی بخار کی حالت میں سر پر پٹی باندھے، چادر اوڑھے، باہر تشریف لائے۔ یہ سینچر

۱۰ ربیع الاول انتقال سے صرف دو یوم پیشتر کا واقعہ ہے۔ آپ منبر پر گئے حمد و ثنائے الہی کے بعد ارشاد فرمایا (تمام مورخین نے اجتماعی طور پر رسول کے اس خطبہ کو نقل کیا ہے اور تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ رسولؐ نے اس دن یہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا)

”میرے اُسامہ کو افسر فوج مقرر کرنے پر تمہیں اعتراض ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اُسامہ کے باپ زید کو جب میں نے افسر مقرر کیا تھا تب بھی تم لوگ معترض تھے۔ خدا کی قسم زید بھی افسر کے لائق تھا اور اس کا بیٹا بھی افسری کا سزاوار ہے۔“

اس کے بعد آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو جلد روانہ ہونے کے لیے جوش دلایا، صحابہ آپ سے رخصت ہونے لگے اور شکرگاہ کی طرف روانہ ہونے شروع ہوئے۔ آنحضرتؐ انہیں جلد روانگی پر برانگیختہ کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ کے مرض میں شدت پیدا ہو چلی مگر آپ شدت مرض میں بھی فرماتے رہے:

”شکر اُسامہ کو جلد بھیجو۔“

”شکر اُسامہ کو فوراً روانہ کر دو۔“

یہی جملے برابر دہراتے رہے۔ مگر ادھر لشکر والے سستی ہی برتتے رہے جب ۱۲ ربیع الاول کی صبح ہوئی تو اُسامہ شکرگاہ سے رسولؐ کی خدمت میں پہنچے رسولؐ نے فوراً روانگی کا انہیں حکم دیا۔ ارشاد فرمایا:

”خدا کی برکتوں کے ساتھ سویرے روانہ ہو جاؤ۔“

اُسامہ نے رسولؐ کو رخصت کیا اور شکرگاہ کی طرف واپس ہوئے۔ پھر پلٹے اور ان کے ساتھ حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہؓ نچے۔ یہ لوگ رسولؐ کے پاس جا پہنچے۔ اس وقت آنحضرتؐ کا دم واپس تھا۔ اسی دن آپ نے دنیا سے

انتقال کیا۔ رسولؐ کے انتقال کے بعد علم سمیت لشکر بھی مدینہ واپس آگیا۔ جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہو گئے تو اس وقت بھی لوگوں نے چاہا کہ لشکر کی روانگی ملتوی کر دی جائے اس کے متعلق حضرت ابوبکرؓ سے لوگوں نے گفتگو بھی کی اور بڑا شدید اصرار کیا باوجودیکہ وہ اپنی آنکھوں سے لشکر کی روانگی میں رسولؐ کا اہتمام دیکھ چکے تھے۔ جلد جانے کے متعلق فوراً لشکر روانہ ہونے کے لیے مسلسل پیغمبرؐ جو تاکیدیں کیا کیے اسے بھی سنتے رہے۔ خود بنفس نفیس پیغمبرؐ کا لشکر کا ساز و سامان فراہم کرنا، بحالت تپ اپنے ہاتھ سے علم لشکر سنوار کر اسامہ کے ہاتھ میں دینا۔ یہ سب ان کی آنکھوں کے سامنے کی بات تھی مگر ان کی انتہائی کوشش یہی رہی کہ کسی طرح لشکر کی روانگی روک دی جائے۔ اگر حضرت ابوبکرؓ نہ ہوتے تو لشکر بلا لینے اور رایت لشکر کھول دینے پر وہ سب تل چکے تھے۔ مگر خود حضرت ابوبکرؓ نے انکار کر دیا۔

جب ان لوگوں نے دیکھا کہ لشکر کھینچنے پر ابوبکرؓ تلے بیٹھے ہیں تو حضرت عمرؓ ابوبکرؓ کے پاس آئے اور بزبانِ انصاران سے درخواست کی کہ اسامہ کو معزول کر کے کسی اور کو افسر مقرر کیا جائے۔ حالانکہ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ اسی اسامہ کی افسری پر اعتراض کرنے کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ وہ آنحضرتؐ کا غیظ و غضب اور اسی کی وجہ سے بنجارا شدید تکلیف میں سر پر پٹی باندھے چادر اوڑھے ہوئے گھر سے باہر آنا، لڑکھڑاتی چال و لگاتار قدم، صدمہ کی وجہ سے سنبھلا نہیں جاتا۔ آپؐ کا منہ پر جانا، ٹھنڈی سانسیں بھرنا اور فریاد :
 ”اے لوگو! اسامہ کے افسر مقرر کرنے پر تم میں سے کچھ لوگوں کے
 قیل وقال کرنے کی یہ کیا خبر مجھے پہنچی ہے؟ اگر آج تم اسامہ

کے سردار مقرر کیے جانے پر معترض ہو تو کل اس کے باپ زید کے
سردار مقرر کیے جانے پر بھی معترض رہ چکے ہو۔ خدا کی قسم زید بھی
افسری کے لائق تھا اور اس کا بیٹا اسامہ بھی افسری کے لائق ہے۔“

رسولؐ نے قسم کے ذریعے ان جملہ اسمیہ اور لام تاکید کے ذریعے اپنے حکم کی
پوری پوری تاکید کی تاکہ لوگ اعتراض سے باز رہیں، قیل وقال نہ کریں۔ مگر افسوس
رسولؐ کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ رسولؐ کے جیتے جی بھی اسامہ کی ماتحتی نہ قبول کی اور
رسولؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ سے خواستگاری کی گئی کہ اسامہ کو ہٹا کر کسی دوسرے کو افسر
مقرر کیا جائے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں کی اس درخواست کو اسی طرح ٹھکرا
دیا جس طرح لشکر کی روانگی کو ملتوی کر دینے کی درخواست ٹھکرا دی تھی۔
آپؐ نے لپک کر حضرت عمرؓ کی ڈاڑھی پکڑ لی اور کہا :

”تمھاری ماں تمھارے ماتم میں بیٹھے، سنا اس ہو تمھارا اے خطاب
کے بیٹے! رسولؐ تو اسامہ کو افسر مقرر کریں اور تم مجھے حکم دیتے ہو کہ

اے جملہ اہل سیر و موخرین جنھوں نے معرکہ اسامہ کا اپنی تالیفات میں ذکر کیا ہے انھوں نے اسامہ کے افسر
بنائے جانے پر صحابہ کے اعتراض اور پیغمبرؐ کی غضب ناک اور بحالت تپ سجد میں تشریف لانے اور خطبہ
فرمانے کا ذکر بھی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مناقبات ابن سعد، سیرت حلبیہ، سیرت دحلانی وغیرہ۔

اے ملاحظہ ہو سیرت حلبیہ و سیرت دحلانی اور تاریخ طبری بر ذیل واقعات ﷺ اور دیگر کتب
تاریخ و سیر۔

اسامہ اس جنگ میں ہر طرح کامیاب و منصور رہے اور پیغمبرؐ نے جو ہدایتیں مندرجہ
تھیں سب عمل میں لائے۔ اپنے باپ کے قاتل کو قتل کیا اور اس جنگ میں ایک مسلمان بھی
مقتول نہ ہوا۔

میں انھیں معزول کر دوں“

جب لشکر روانہ ہوا تو تین ہزار سپاہی اُسامہ لے کر چلے جس میں ایک ہزار سوار تھے۔ ایک اچھی خاصی تعداد صحابہ کی جنہیں خود رسولؐ نے فوج میں رکھا تھا اُسامہ کے ساتھ جانے کا تاکید حکم دیا تھا لشکر کے ہمراہ نہ جانا تھا نہ گئی جالانکہ رسالتؐ نے بڑی تاکید سے پیہم فرمایا تھا (جیسا کہ علامہ شہرستانی کتاب الملل والنحل مقدمہ چہارم میں رقمطراز ہیں)

”اُسامہ کا لشکر جلد روانہ کرو۔ خدا لعنت کرے اس پر جو اُسامہ کی مانعیت سے گریز کرے“

آپؐ سمجھ سکتے ہیں کہ صحابہ نے ابتداءً رسولؐ کی زندگی میں جانے میں تساہلی برقی اور آخر میں رسولؐ کے بعد جب آخر کار لشکر روانہ ہوا بھی تو لشکر کے ہمراہ جانے سے گریز کیا۔ فوج کے ساتھ نہ گئے۔ اسی لیے تاکہ سیاست کے ستون استوار کر لیں۔ انھوں نے حکم رسولؐ کی تعمیل پر سیاست کو ترجیح دی، امور مملکت کا انتظام و انصرام مقدم رکھا۔ رسولؐ کے تاکید احکام نہیں پشت ڈالے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہماری سستی اور کاہلی کی بنا پر لشکر کے ساتھ نہ جانے کی وجہ سے لشکر کی روانگی ملتوی نہیں ہوگی۔ لشکر تو بہر حال جائے گا چاہے ہم جائیں یا نہ جائیں لیکن اگر ہم محاذ جنگ پر رسولؐ کے انتقال کے قبل ہی چلے جاتے ہیں تو ہمارے آنے آنے خلافت کا مسئلہ طے ہو چکا ہوگا اور اب تک خلافت کے لیے دل میں جو تمنائیں پرورش پا رہی تھیں ان کا خون ہو جائے گا۔ ساری امیدیں خاک میں مل جائیں گی اور ہمیشہ کے لیے خلافت سے محروم ہو جائیں گے۔

حضرت سرور کائناتؐ چاہتے تھے کہ مدینہ ان لوگوں سے خالی ہو جائے تاکہ ان کی عدم موجودگی میں امیر المؤمنینؑ کی خلافت کے لیے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔

اور سکون و اطمینان کے ساتھ کسی اختلاف و نزاع کے امیر المؤمنینؑ تخت خلافت پر متمکن ہو جائیں جب یہ صحابہ جنگ سے پلٹیں گے اور یہاں خلافت کا معاملہ طے ہو چکا ہوگا۔ بیعت ہو چکی ہوگی تو پھر نزاع و اختلاف کا انھیں کوئی موقع ہی باقی نہ رہے گا۔

اُسامہ کو جب وہ ۱۷ برس کے سن کے تھے افسر مقرر کرنے میں آپ کی یہ مصاحبت تھی کہ بعض لوگوں کی گردن ذرا جھنجھوڑ دی جائے۔ متمرّد و سرکش ہستیوں کو ان کی سرکشی کا مزہ چکھا دیا جائے نیز اگر اس سے ملتا جلتا واقعہ پیش آئے، آپ کسی شخص کو امیر مقرر فرمائیں جو سن میں بڑے بوڑھے صحابیوں سے کم ہو تو بڑائی کے لینے والوں کی طرف سے کسی نزاع کا خدشہ باقی نہ رہے۔ لیکن یہ صحابہ رسولؐ کی تدبیروں کو سمجھ گئے لہٰذا انھوں نے اُسامہ کے افسر مقرر کرنے پر اعتراضات کرنا شروع کیے۔ رسولؐ پر طعن کرنے لگے، ان کا ماتحت بن کر جانے میں صستی کو راہ دی۔ رسولؐ کے حکم سے مجبور ہو کر چلے بھی تو مدینہ کے باہر جا کر ٹھہر گئے۔ وہاں سے کسی طرح آگے بڑھنا منظور نہ کیا۔ یہاں تک کہ پیغمبرؐ نے انتقال کیا۔ اب انھیں کوئی کھٹکا باقی نہ تھا۔ پہلی کوشش تو ان کی یہ ہوئی کہ اُسامہ کو معزول کر کے کسی اور کو افسر مقرر کیا جائے۔ پھر بہت سے لوگ لشکر کے ساتھ نہ گئے جیسا آپ سن چکے۔

یہ پانچ باتیں اس سر یہ اُسامہ میں پیش آئیں جن میں صحابہ نے سیاسی امور میں اپنی رائے کو مقدم رکھا اور نصوص پیغمبرؐ پر عمل کرنے سے سیاسی اغراض میں

لے زیادہ تر موزین نے ۱۷ برس ہی کی عمر لکھی ہے بعض نے ۱۸ برس بعض نے ۱۹ برس بعض نے بیس برس لکھی ہے۔ ۲۰ برس سے زیادہ کی عمر کا کوئی قائل نہیں۔

اپنے اجتہاد کو بہتر جانتے ہوئے صریحی احکام پیغمبرؐ کی کھلی مخالفت کر کے آپ کے حکم کو بھٹکرا دیا:

- ① — رسول اللہ نے اُسامہ کی ماتحتی میں محاذ جنگ پر روانہ ہونے کا حکم دیا لیکن نہ گئے۔
- ② — سیاسی امور میں اپنی رائے واجتہاد کو تعمیل حکم پیغمبر سے بہتر جانا۔
- ③ — اُسامہ کی انفسری پر طعن کیا۔
- ④ — رسول کے انتقال کے بعد کوشش کی کہ لشکر کی روانگی ہی ملتوی کر دی جائے۔
- ⑤ — جب اس میں ناکامی ہوئی تو اُسامہ کو معرودل کر دینے کے لیے سازشیں کیں۔

ش

مکتوب نمبر ۲۶

سریرِ اُسامہ میں صحابہ کے نہ جانے کی معذرت

یہ صحیح ہے کہ حضرت سرورِ کائنات نے صحابہ کو محاذِ جنگ پر جلد روانہ ہونے کی بڑی تاکید کی جیسا کہ آپ نے ذکر فرمایا ہے۔ نیز آپ نے سختی بھی فرمائی چنانچہ آپ نے اُسامہ سے فرمایا تھا کہ صبح سویرے ہی اہلِ اُبنی پر چڑھائی کر دو۔ آپ نے شام تک کی تہمت بھی نہ دی نیز آپ نے اُسامہ سے فرمایا کہ جلد جاؤ اور سوار جلد جانے کے آپ کسی بات پر راضی نہ ہوئے لیکن اس کے بعد فوراً ہی رسولؐ کی حالت اتنی سقیم ہوئی کہ امید باقی نہ رہی۔ اسی وجہ سے صحابہ کے دل ایسی حالت میں رسولؐ کو چھوڑ کر جانے پر آمادہ نہ ہوئے۔ وہ مدینہ کے باہر ٹھہر کر انتظار کرتے رہے کہ کیا صورت پیش آتی ہے۔ چونکہ صحابہ کو رسولؐ کا بڑا خیال تھا۔ بہت تعلق خاطر

تھا اسی وجہ سے ان سے ایسی فروگزاشت ہوئی۔ ان کے سستی کرنے اور روانگی میں درنگ کرنے سے مقصد کچھ اور نہ تھا۔ دو باتوں میں صرف ایک بات تھی۔ یا رسولؐ کو تندرست دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوں یا اگر رسولؐ کا انتقال ہو جائے تو آپ کی تجہیز و تکفین میں شرکت کا شرف حاصل کریں اور رسولؐ کے بعد ان کا جو حاکم مقرر ہو اس کے لیے راہ کو ہموار بنائیں۔ لہذا اس انتظار و توقف میں وہ معذور تھے اور ان کی کوئی خطا نہیں۔

رہ گیا اسامہ کی انفری پر ان کا طعنہ زن ہونا درآخالیکہ وہ اس بارے میں رسولؐ کے صریحی احکام سن چکے تھے۔ قولاً و فعلاً رسولؐ کے اہتمام و تاکید کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ کچھ صحابہ اور ادھیڑ عمر کے کچھ بوڑھے تھے اور اسامہ بہت کم سن۔ تو ادھیڑ عمر کے لوگوں اور بوڑھوں کے دل کو یہ بات کسی طرح گوارا نہیں ہو سکتی کہ وہ نوجوان کی اطاعت گزار کریں فطری و طبعی طور پر نوجوان کا حکم ماننے پر وہ کبھی تیار نہیں ہو سکتے۔ لہذا انھوں نے اسامہ کی ماتحتی کو جو نا پسند کیا تو یہ ان کی بدعت نہ تھی بلکہ اقتضائے طبیعت بشری اور مقتضائے فطرت انسانی انھوں نے ایسا کیا۔

رسولؐ کے انتقال کے بعد انھوں نے اسامہ کو معزول کرنے کا جو مطالبہ کیا تو اس کے عذر میں بعض علمائے فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے یہ سوچا کہ حضرت ابو بکر بھی اسامہ کی معزولی کو معتبر سمجھنے میں ہماری موافقت کریں گے۔ کیونکہ (بنابر ان کے خیال کے) مصلحت اسی کی مقتضی ہے۔

مگر انصاف تو یہ ہے کہ اسامہ کو معزول کرنے کا جو انھوں نے مطالبہ کیا تھا ان کے اس مطالبہ کی کوئی معقول وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی درآخالیکہ رسولؐ اسی بات پر پہلے کس قدر غیظ و غضب کا اظہار فرما چکے تھے۔ جن

لوگوں نے اُسامہ کی سرداری پر اعتراض کیا تھا ان پر کتنا برہم ہوئے تھے کہ بخار کی حالت میں آپ سر پر پٹی باندھے ہوئے چادر اوڑھے ہوئے باہر آئے خطبہ فرمایا اور خطبہ میں کافی زجر و توبیخ کی لہذا اس کے بعد بھی ان کے معذور ہونے کی وجہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

لشکر کی روانگی کو روک دینے کی جواخوں نے کوشش کی حضرت ابو بکر سے اس کے لیے اصرار جو کیا باوجودیکہ لشکر کی روانگی کے لیے رسولؐ کی بے چینی، انتہائی انتہام دیکھ چکے تھے تاہم اُسامہ کی حکام سن چکے تھے تو وہ پایہ تخت اسلامیہ کی حفاظت و احتیاط کے مد نظر تھا۔ ڈرتے تھے کہ جب لشکر مدینہ سے روانہ ہو جائے گا تو فوجی طاقت یہاں موجود نہ رہے گی تو کہیں مشرکین ہل نہ بول دیں۔ رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی نفاق آشکار ہو چکا تھا۔ یہود و نصاریٰ کے دل قوی ہو گئے تھے۔ عرب کی متعدد لڑکیاں مُرند ہو چکی تھیں اور بعض جماعتیں زکوٰۃ دینے سے انکار کر چکی تھیں انھیں سب بانوں کو پیش نظر رکھ کر صحابہ نے حضرت ابو بکر سے خواہش ظاہر کی کہ آپ اُسامہ کو سفر سے روک دیں لیکن حضرت ابو بکر نے انکار کر دیا اور کہا:

”خدا کی قسم مجھے اگر کوئی پرندہ جھپٹ لے جائے تو زیادہ پسند ہے،
برسبت اس کے کہ میں رسولؐ کے حکم کو پورا کرنے سے پیشتر کوئی
اور کام شروع کر دوں“

حضرت ابو بکر کے متعلق ہمارے علماء نے یہی بیان کیا ہے۔ رہ گئے ان کے علاوہ اصحاب تو انھوں نے لشکر کو واپس بلا لینے کا جو ارادہ ظاہر کیا تو اس میں ان کا عذر ظاہر ہے وہ صرف اسلام کی بہبود کی خاطر ایسا چاہتے تھے۔ حضرت ابو بکر و عمر و غیرہ لشکر اُسامہ کے ساتھ جو نہ گئے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ انتظام

مملکت میں مصروف تھے۔ مملکت اسلامی کی بنیادیں مضبوط کرنا حکومت کو قوی بنانا، حکومت کی حفاظت مد نظر تھی۔ جس کے بغیر نہ تو دین محفوظ رہ سکتا ہے نہ دین والے۔

آپ نے شہرستانی کی ملل و نخل سے جو حدیث نقل کی ہے وہ مرسل ہے۔ بسلسلہ اسناد مذکور نہیں اور علامہ حلبی و سید دحلانی نے اپنی سیرتوں میں کہا ہے کہ سرِ اُسامہ کے موقع پر رسولؐ نے کوئی حدیث ہی ارشاد نہیں فرمائی۔ اگر بطریق اہلسنت کوئی حدیث آپ کے پیش نظر ہو تو بیان فرمائیے؟

س

جوابِ مکتوب

آپ نے یہ تسلیم کیا کہ شکرِ اُسامہ کے ساتھ جانے میں صحابہ نے تاخیر کی اور باوجودیکہ رسولؐ جلد روانہ ہونے کا حکم دے چکے تھے، وہ مدینہ کے باہر جا کر ٹھہر گئے۔ اور آگے جانے میں مُستی کرنے لگے۔

آپ نے یہ بھی تسلیم کیا کہ صحابہ باوجودیکہ اُسامہ کی افسری کے متعلق مرجی احکام پیغمبرؐ سن چکے تھے اور اپنی آنکھوں سے رسولؐ کا اہتمام بھی دیکھ چکے تھے لیکن پھر بھی انھوں نے اُسامہ کے افسر مقرر کیے جانے پر اعتراض کیا۔

آپ نے یہ بھی تسلیم کیا کہ صحابہ نے حضرت ابوبکرؓ سے خواہش کی کہ اُسامہ کو معزول کر دیا جائے۔ درآنحالیکہ وہ اُسامہ کی افسری پر اعتراض کرنے کا حشر دیکھ چکے تھے کہ رسولؐ کس قدر برہم ہوئے اور اسی کی وجہ سے بخار کی حالت میں سر پر پٹی باندھے چادر اوڑھے باہر تشریف لائے اور خطبہ فرمایا۔ جس میں کافی زبرد تواریخ کی اور اسی خطبہ میں اس کا بھی اعلان کیا کہ اُسامہ افسر مقرر

کیے جانے کے یقیناً لائق ہے۔

آپ نے یہ بھی تسلیم کیا کہ بعد رسولؐ صحابہ نے حضرت ابوبکر سے خواہش کی کہ رسولؐ جو لشکر میدان جنگ کی طرف روانہ کر رہے تھے اس کی روانگی روک دی جائے۔ آپ کو یہ بھی تسلیم ہے کہ جب لشکر روانہ ہوا تو بہت سے صحابہ جنہیں خود رسولؐ نے اُسامہ کی ماتحتی میں رکھ کر جانے کا حکم دیا تھا وہ لشکر کے ساتھ نہ گئے۔

آپ نے یہ تمام باتیں تسلیم کیں جس طرح مورخین و محدثین، ارباب سیر اس کے معترف ہیں۔ آپ نے یہ بھی اعتراف کیا اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ اس میں معذور تھے۔ آپ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ انھوں نے ان تمام امور میں اپنے خیال و فکر کی بنا پر اسلام کی مصلحت کو مقدم رکھا۔ حکم پیغمبرؐ کی وجہ سے جو فریضہ ان پر عائد ہوتا تھا اس کی پرواہ نہ کی۔ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں اس کے سوائے ہم نے کیا کہا؟

موضوع کلام ہمارا آپ کا تو یہی ہے کہ صحابہ رسولؐ کا ہر حکم بجا لاتے تھے یا نہیں۔ پہلے آپ کہتے تھے کہ صحابہ نے رسولؐ کے ہر حکم کی پابندی کی اور میں یہ کہتا تھا کہ ہر حکم کی پابندی انہیں کی۔ اب آپ کا اعتراف کرنا کہ ان (مذکورہ) احکام پیغمبرؐ کی انھوں نے اطاعت نہ کی ہمارے ہی قول کی تائید ہے، ہمارا ہی کہا ثابت ہوتا ہے۔ اب رہ گیا یہ کہ صحابہ معذور تھے یا نہیں۔ ان احکام کی تعمیل نہ کرنے میں ان کا عذر صحیح تھا یا غلط اس سے بحث ہی نہیں یہ موضوع بحث سے خارج ہے۔

جس طرح آپ کو تسلیم ہے کہ صحابہ نے سریہ اُسامہ کے معاملہ میں حکم پیغمبرؐ پس پشت رکھا اور اپنے خیال میں اسلام کے لیے جو مفید سمجھتے تھے اس

کو ترجیح دی۔ اسی طرح آپ یہ کیوں نہیں تسلیم کر لیتے کہ امیر المومنینؑ کی خلافت وجانشینی کے متعلق جس قدر ارشادات رسولؐ تھے، جتنی تصریحات تھیں پیغمبرؐ کی غدیر خم کے موقع پر، وغر وہ تھوک میں جانے کے وقت وغیرہ اس کو بھی صحابہ نے سٹھکرا دیا اور ان کی نظر میں خلافت کا جو اہتمام اسلام کے لیے مفید تھا اس کو مقدم رکھا۔ حکم پیغمبرؐ کا مانتا ضروری نہ جانا اور اپنے نظریہ خلافت کو اسلام کے لیے بہتر سمجھا۔

اسام کے افسر مقرر کیے جانے پر معتز حنین نے جو اعتراض کیا تھا ان کی جانب سے معذرت کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا ہے کہ انھوں نے اس لیے اعتراض کیا کہ اسام کم سن تھے اور صحابہ کچھ ادھیڑ کچھ بوڑھے تھے اور ادھیڑ اور بوڑھے لوگوں کے نفوس کسی نوجوان کی ماتحتی و تابعداری سے عادتاً گریزاں ہوتے ہیں۔ ان کی فطرت کا اتفاقا ہے کہ وہ کسی نوجوان کے تابعدار نہ بنیں۔ تو یہی بات آپؐ ان لوگوں کے متعلق کیوں نہیں کہتے جنہوں نے امیر المومنین کی خلافت کے متعلق نصوص پیغمبرؐ کو ٹھکرا دیا۔ اس لیے کہ علیؑ کم سن تھے نوجوان تھے اور وہ لوگ ادھیڑ اور کهن سال بوڑھے تھے۔ انھوں نے بعینہ اسی طرح بوقت وفات رسولؐ کو کم سن سمجھا، خلافت اور سرداری فوج میں تو زمین آسمان کا فرق ہے۔ بیل و نہار کا تفرقہ ہے جب صرف ایک جنگ کے موقع پر صحابہ کی فطرتیں ایک کم سن کی ماتحتی و تابعداری قبول نہ کر سکتی تھیں تو زندگی بھر کے لیے دینی معاملات میں ایک نوجوان کی اطاعت و فرمانبرداری کیسے گوارا کر سکتی تھیں۔

علاوہ اس کے جو آپؐ نے فرمایا ہے کہ بوڑھوں کی فطرت کسی نوجوان کی تابعداری گوارا نہیں کر سکتی تو اگر آپؐ نے مطلقاً یہ فرمایا ہے یہ مطلب ہے

آپ کا کہ جو بھی بوڑھا ہو وہ نوجوان کی اطاعت پر تیار نہیں ہو سکتا۔ تو قطعاً صبح نہیں کیونکہ کامل الایمان ضعیف و کمین سال مومنین کے نفوس نوجوان کی تابعداری سے جس کی تابعداری بعینہ خدا و رسولؐ کی تابعداری ہو کبھی گریز نہیں کرتے۔

جیش اسامہ سے تخلف کرنے والوں کے متعلق وہ جو فقرہ تھا جسے علامہ شہرستانی نے بطور مسلمات مرسلأ تحریر کیا ہے یعنی : لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامہ " خدا لعنت کرے اس پر جو جیش اسامہ سے تخلف کرے " تو مرسل ہی نہیں بلکہ بسلاً اسناد بھی یہ حدیث کتب احادیث والیسیر میں مذکور ہے چنانچہ علامہ جوہری نے کتاب السقیفہ میں اس حدیث کو درج کیا ہے میں انہیں کی عبارت نقل کیے دیتا ہوں :

" قال : حدثنا احمد بن اسحاق بن صالح ، عن احمد

بن سيار ، عن سعيد بن كشير الانصاري ، عن رجاله

عن عبد الله بن عبد الرحمن : ان رسول الله صلى الله

عليه وآله وسلم ، في مرض موته أَمَرَ اسامه بن

زيد بن حارثة على جیش فيه جلة المهاجرين

والانصار ، منهم : ابوبكر وعمر والوعبيدة ابن الجراح

عبد الرحمن بن عوف ، وطلحة والزبير ، وامره أن

يغير على مؤتة حيث قتل أبوه زيد وأن يغزو

وادي فلسطين ، فتقاتل اسامة وتقاتل الجیش

بتناقله ، وجعل رسول الله صلى الله عليه وآله

وسلم ، في مرضه يثقّل ويخف ويؤكد القول في

تنفيذ ذلك البعث، حتى قال له أسامة: يا أي
 أنت وأي اتأذن لي أن أمكث أياماً حتى يشفيك
 الله تعالى، فقال: اخرج وسرعلى بركة الله، فقال:
 يا رسول الله إنا أنا خرجت وأنت على هذه الحال،
 خرجت وفي قلبي قرحة، فقال: سرعلى النصر
 والعافية، فقال يا رسول الله، إني أكره أن أسأل
 عنك الركبان، فقال: انفذ لما امرتك به، ثم
 اغني على رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم و
 قام أسامة فتجهز للخروج. فلما أفاق رسول
 الله صلى الله عليه وآله وسلم، سأل عن أسامة و
 البعث فأخبر أنهم يتجهزون. فجعل يقول:
 أنفذوا بعث أسامة لعن الله من تخلف عنه، وكرر
 ذلك، فخرج أسامة واللواء على رأسه والصحابة
 بين يديه، حتى إذا كان بالجرف نزل معه: أبو بكر،
 وعمر، وأكثر المهاجرين، ومن الأنصار: أسيد بن
 حضير، وبشير بن سعد وغيرهم من الوجوه، فجاءه
 رسول أم أيمن يقول له: ادخل فإن رسول الله يموت،
 فقام من نوره، فدخل المدينة واللواء معه،
 فجاء به حتى ركزه بباب رسول الله، ورسول الله
 قد مات في تلك الساعة، انتهى بعين لفظه:
 "علامہ جوہری کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا احمد بن اسحاق بن صالح نے

انھوں نے احمد بن سیار سے سنا، انھوں نے سعید بن کثیر
 انصاری سے، انھوں نے اپنے بزرگوں سے، انھوں نے
 عبداللہ بن عبدالرحمن سے کہ رسول اللہ نے اپنے مرض
 الموت میں اسامہ بن زید بن حارث کو سردار فوج مقرر کیا
 اس فوج میں اکثر معززین ہجرا بن وانصار تھے۔ حضرت
 ابو بکر و عمر، ابو عبیدہ جراح، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ و
 زبیر وغیرہ اور رسول اللہ نے اسامہ کو تاکید کی کہ موتہ پر چڑھائی
 کرو جہاں تمھارے باپ زید قتل کیے گئے۔ نیز وادی فلفلیہ
 میں بھی جنگ کرو۔ اسامہ نے ذرا سستی سے کام لیا۔ ان کی
 سستی دیکھ کر لشکر والے بھی سستی کرنے لگے۔ رسول کی حالت
 بگڑتی تھی کبھی سنبھلتی تھی مگر اس حالت میں بھی شکر کی
 روانگی کے متعلق تاکید فرماتے رہے آخر کار اسامہ نے رسول کی
 خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت مل سکتی ہے کہ
 میں اتنے دن ٹھہر جاؤں کہ آپ کو صحت ہو لے۔ رسول نے
 فرمایا: جاؤ روانہ ہو۔ خدا کی برکت تمھارے شامل حال رہے۔
 اسامہ نے کہا اگر میں اس حال میں آپ کو چھوڑ جاؤں گا تو میرے
 دل میں گہرا زخم رہے گا۔ اس پر آپ نے فرمایا: چل کھڑے ہو
 خدا تمھیں عافیت و کامیابی نصیب کرے۔ پھر اسامہ نے عرض کیا
 یا رسول اللہ! مجھے یہ بہت شاق ہے کہ میں جاؤں اور راستہ
 میں ہر سوار سے آپ کی خیریت پوچھتا رہوں۔ رسول نے فرمایا
 میں نے جو حکم دیا ہے اسے پورا کرو۔ اس کے بعد آنحضرت کو

عش آگیا۔ اسامہ نے جانے کی تیاری شروع کی۔ جب رسولؐ کو ہوش آیا تو آپؐ نے اسامہ اور شکر کے متعلق دریافت کیا لوگوں نے بتایا کہ وہ جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ اسامہ کا لشکر جلد روانہ کرو۔ خدا لعنت کرے اس پر جو اسامہ کے لشکر کے ساتھ نہ جائے۔ بار بار اسی فقرے کو دہراتے رہے۔ اسامہ روانہ ہوئے۔ راہیت شکر ان کے سر پر لہرا رہا تھا اور صحابہ ان کے ارد گرد تھے۔ یہاں تک کہ جب مدینہ سے باہر مقام جوف پر پہنچے تو اسامہ اتر پڑے ان کے ساتھ ابو بکرؓ عمرؓ اور اکثر ہاجرین بھی تھے اور انصار میں سے اسید بن حضیرؓ اور بشیر بن سعدؓ وغیرہ جو معززین انصار میں سے تھے۔ اتنے میں ام ایمن کا قصد اسامہ کے پاس پیغام لے کر پہنچا کہ جلدی آؤ رسولؐ کا وقت آخر ہے۔ اسامہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ میں آئے۔ علم شکر بھی ساتھ تھا۔ اسے رسولؐ کے دروازے کے سامنے نصب کر دیا اور ٹھیک اسی وقت رسولؐ نے دنیا سے انتقال کیا تھا۔

یہاں تک حدیث کی اصل عبارت تھی۔ اس حدیث کو مورخین کی ایک جماعت نے بھی نقل کیا ہے چنانچہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۲۰ پر بھی اس حدیث کو تحریر فرمایا ہے۔

مش

مکتوب نمبر ۴۷

سریہ اسامہ کے متعلق ہم لوگ طولانی گفتگو میں پڑ گئے جیسا کہ
واقعہ قرطاس میں اچھا خاصہ طول ہو گیا تھا۔ اچھا اب دیگر موارد کا ذکر
فرمائیے۔

س

جواب مکتوب

پیغمبر کا حکم کہ مارق (دین سے نکل جانے
والے) کو متل کر ڈالو

اچھا وہ روایت ملاحظہ فرمائیے۔ جسے علمائے اعلام اور محدثین اسلام

نے لکھا ہے۔ امام احمد بن حنبل کے لفظوں میں مسند جلد ۳ صفحہ ۱۵۱ پر ابوسعید خدری کی حدیث درج کی ہے:

”ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ ابو بکر رسولؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کی یا رسول اللہؐ میرا گزر فلاں وادی سے ہوا میں نے وہاں ایک خوشنما شکل و شمائل اور بہت ہی خضوع و خشوع والے انسان کو نماز پڑھتے دیکھا۔ رسولؐ نے فرمایا: فوراً جاؤ اور اسے قتل کر ڈالو۔ ابو بکر گئے مگر جب اس شخص کو اسی حال میں پایا یعنی نماز پڑھتے ہوئے تو انھیں اچھا نہ معلوم ہوا کہ اسے قتل کریں۔ رسولؐ کی خدمت میں پلٹ آئے۔ حضرت نے عمر سے کہا کہ تم جاؤ اسے قتل کر آؤ۔ حضرت عمر گئے اور ان کو بھی اس کا قتل گوارہ نہ ہوا۔ رسولؐ کے پاس پلٹ آئے اور اگر عرض کی یا رسول اللہؐ! میں نے اسے بہت خشوع و خضوع سے نماز پڑھتے دیکھا اس لیے مجھے اچھا معلوم نہ ہوا کہ میں اسے قتل کروں۔ اب رسالت مآبؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ تم جاؤ اور جا کر اسے قتل کر ڈالو۔ حضرت علیؑ گئے مگر اسے پایا نہیں، حضرت علیؑ رسولؐ کی خدمت میں پلٹے اور عرض کی یا رسول اللہؐ میں گیا تو وہ جا چکا تھا میں نے اسے نہیں دیکھا۔ رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ اس شخص اور اس کے اصحاب کی حالت یہ ہوگی کہ وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا، دین سے یوں نکل جائیں گے جس طرح تیز ہدف کے پار ہو جاتا ہے۔ ان کا دین میں واپس آنا اسی طرح ناممکن ہوگا جس

طرح چلا ہوا تیر، سو فار میں پلٹ نہیں سکتا۔ انھیں تہ تیغ کر ڈالو

کہ وہ بدترین خلافی ہیں“

ابو یعلیٰ نے اپنے مسند میں انس سے روایت کی (جیسا کہ ابن حجر عسقلانی کی اصابع میں بسلسلہ تذکرہ ذی الشہرہ مذکور ہے) :

”انس کہتے ہیں کہ رسولؐ کے زمانے میں ایک شخص تھا جس کی

عبادت واجتہاد پر ہمیں بے حد تعجب ہوا کرتا تھا۔ ہم نے

ایک مرتبہ رسولؐ سے اس کا نام لے کر ذکر کیا۔ رسولؐ نے

نہیں پہچانا۔ ہم نے اس کی صفیں بیان کیں۔ تب بھی آپؐ نہ

پہچان پائے۔ ہم اس کے متعلق گفتگو کر رہے تھے کہ ناگاہ

وہ شخص آتا دکھائی دیا۔ ہم نے رسولؐ کی خدمت میں عرض کی

یا رسولؐ اللہ یہی وہ شخص ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: تم لوگ

مجھ سے ایسے شخص کا ذکر کر رہے ہو جس کے چہرے پر

شیطان کی رنگت ہے۔ اتنے میں وہ شخص بالکل سامنے

آگیا اور آکر کھڑا ہوا مگر سلام نہ کیا۔ رسولؐ اللہ نے اس

سے فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم جب

مجمع میں تھے تو تم نے یہ بات کہی تھی کہ پوری قوم میں مجھ

سے بہتر یا افضل کوئی شخص نہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ پھر وہ

وہاں سے چل کر نماز پڑھنے لگا۔ رسولؐ نے فرمایا کوئی

ہے جو باکر اس کو قتل کر آئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔ میں

اس خدمت کے لیے حاضر ہوں یا رسولؐ اللہ۔ وہ اس کے

پاس پہنچے دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے حضرت ابو بکرؓ نے کہا

سبحان اللہ کیا میں ایسے شخص کو قتل کروں جو نماز پڑھتا ہے، رسول اللہ نے پوچھا کہو کیا کر آئے۔ انھوں نے کہا میں نے پسند نہیں کیا کہ نماز پڑھتے ہوئے اسے قتل کروں۔ آپ نمازیوں کے قتل سے منع فرما چکے ہیں۔ رسول اللہ نے پھر صدابند کی کہ کون ہے جو اس کو قتل کرے۔ حضرت عمرؓ نے میں حاضر ہوں یا رسول اللہ۔ وہ بھی اس کے پاس پہنچے اور دیکھا کہ وہ اپنی پیشانی زمین پر رکھے ہے یعنی سجدے میں ہے۔ حضرت عمرؓ نے سوچا کہ ابوبکر مجھ سے افضل ہیں (جب انھوں نے قتل نہیں کیا تو میں کیسے کروں) وہ واپس چلے آئے۔ رسول اللہ نے پوچھا کہو کیا ہوا؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں نے اسے اس حال میں پایا کہ وہ اپنی پیشانی خدا کے سجدے میں رکھے ہوئے ہے۔ مجھے اس کا قتل کرنا گوارا نہ ہوا۔ پھر حضرت نے آواز دی کون ہے جو اس کو قتل کرے؟ حضرت علیؓ نے کہا۔ میں۔ رسول اللہ نے فرمایا: ہاں بشرطیکہ وہ تمھارے ہاتھ بھی لگے۔ حضرت علیؓ اس کی طرف روانہ ہوئے مگر وہاں پہنچ کر دیکھا کہ وہ جا چکا ہے۔ رسول اللہ کی خدمت میں واپس آئے۔ رسول اللہ نے پوچھا کہو کیا خبر ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ وہ جا چکا تھا، رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ شخص آج قتل کر دیا جاتا تو میری امت کے کوئی دو شخص بھی آپس میں اختلاف نہ کرتے۔“

حافظ محمد بن موسیٰ شیرازی نے بھی اس حدیث کو اپنی کتاب میں جسے انھوں نے لعنوب بن سفیان، مقاتل بن سلیمان، یوسف فظان، قاسم بن سلام، مقاتل

بن حیان، علی بن حرب، السدی، مجاہد، قتادہ، وکیع، ابن جریج وغیرہ کی تفسیروں سے استنباط کر کے لکھا ہے۔ اور بہت سے ثقہ علماء نے بطور مسلمات اس روایت کا مرسل ذکر کیا ہے۔ جناب علامہ ابن عبد ربہ قرطبی نے اپنی کتاب عقد الفرید جلد اول میں اصحاب اہوار کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔ اور اس حدیث کے اختتام پر یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت سرور کائنات نے فرمایا:

”پہلا سینک ہے جو میری امت میں نکل رہا ہے۔ اگر تم اسے قتل کر ڈالنے تو اس امت کے کوئی بھی دو آدمی باہم اختلاف نہ کرتے بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور یہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ سب کے سب فرقہ جہنم میں جائیں گے صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا“

اسی سے ملتی جلتی وہ روایت ہے جسے اصحاب سنن نے حضرت علی سے نقل کیا ہے کہ:

”رسولؐ کے پاس قریش کے کچھ لوگ آئے اور انھوں نے کہا کہ اے محمدؐ! ہم آپ کے پڑوسی اور حلیف ہیں۔ ہمارے غلاموں میں سے کچھ لوگ آپ کے پاس رہ گئے ہیں وہ دین میں رغبت رکھنے یا فقر میں رغبت ہونے کی وجہ سے آپ کے پاس نہیں آئے بلکہ ہماری جائیداد و اموال کی حفاظت سے جان چراکے بھاگے ہیں ان کو آپ ہمیں واپس کر دیجیے اس پر رسالت مآبؐ نے حضرت ابو بکرؓ سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو۔ بولے یا رسولؐ اللہ یہ سچ کہتے ہیں یہ آپ کے ہمسایہ ہیں۔ اس پر رسولؐ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ پھر حضرت عمرؓ کی طرف مڑے پوچھا تم کیا کہتے ہو

انہوں نے بھی یہی کہا کہ یہ سچ کہتے ہیں یہ آپ کے پڑوسی ہیں پھر رسولؐ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: اے گروہ قریش! قسم بخدا خداوند عالم یقیناً تم پر ایک ایسے شخص کو مبعوث کرے گا جس کے دل کا ایمان میں وہ امتحان لے چکا ہے وہ تمہیں دین پر باندھ کر رکھے گا۔ ابو بکر بولے میں ہوں وہ یا رسول اللہؐ، آپ نے فرمایا نہیں۔ حضرت عمر بولے میں یا رسول اللہؐ! فرمایا نہیں۔ لیکن وہ ہے جو جوتیاں گانٹھ رہا ہے۔ رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ کو اپنی جوتیاں دی تھیں کہ اسے گانٹھ دو۔“

ش

مکتوب نمبر ۴۱

غالباً حضرت ابو بکر اور عمر دونوں یہ سمجھے کہ رسولؐ اس شخص کو قتل کرنے کا جو امر فرما رہے ہیں وہ امر استحبائی ہے وجوبی نہیں اور اسی وجہ سے وہ دونوں حضرات قتل کرنے سے باز رہے۔ یا انھوں نے یہ خیال کیا کہ اس کا قتل کرنا ہے تو واجب لیکن واجب کفائی ہے اسی وجہ سے ان دونوں حضرات نے یہ سوچ کر ہم نہیں قتل کرتے تو دوسرے لوگ تو قتل ہی کر ڈالیں گے اس کو قتل نہ کیا کیونکہ ایسے اور لوگ بھی تھے جو اس فریضہ کو انجام دے سکتے تھے۔

اور حضرات ابو بکر و عمر جب بغیر قتل کیے پلٹ آئے تو ان کو اس بات کا بھی اندیشہ نہ تھا کہ اس کے بھاگ جانے کی وجہ سے حکم پیغمبرؐ فوت ہو جائے گا۔ کیونکہ ان حضرات نے اس شخص کو حقیقت حال سے مطلع تو نہیں کیا تھا۔

س

جوابِ مکتوب

امر حقیقتاً وجوب ہی کے لیے ہوتا ہے اور سوائے وجوب کے ذہن میں اور کچھ نہیں آتا لہذا اس کا استحباب پر حمل کرنا جب ہی صحیح ہو سکتا ہے جب کوئی قرینہ بھی موجود ہو اور یہاں کوئی ایسا قرینہ نہیں ہے جس سے پتہ چلنا کہ یہ حکم استحبالی ہے بلکہ یہاں تو ایسے قرائن موجود ہیں جو تاکید ہی طور پر بتاتے ہیں کہ یہاں معنی حقیقی مراد ہے۔ یعنی وجوب مقصود ہے نہ کہ کچھ اور لہذا آپ ان احادیث کو ایک گہری نظر سے ملاحظہ فرمائیں آپ کو معلوم ہوگا کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی درست ہے۔ منجملہ اور قرائن کے رسول کے اس فقرہ پر غور کیجیے :

”یہ اور اس کے اصحاب قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا۔ دین سے یوں نکل جائیں گے جس طرح نیر ہفت سے پار ہو جاتا ہے۔ پھر ان کا دین کی طرف واپس آنا ایسا ہی محال ہے جس طرح چلے ہوئے تیر کا پھر سونوار میں پلٹ آنا۔ لہذا اسے اچھی طرح قتل کر ڈالو۔ یہ بدترین خلافت ہے۔“

نیز رسول اللہ کا یہ جملہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ :

”اگر یہ شخص قتل کر دیا جاتا تو میری امت کے کوئی دو آدمی بھی باہم اختلاف نہ کرتے۔“

اس قسم کے جملوں کے بعد بھی کوئی شک باقی رہ جاتا ہے کہ رسول کا حکم، حکم وجوبی تھا کہ استحبالی۔ ایسی عبارت تو وجوب اور تاکید شدید ہی کے لیے

استعمال کی جاتی ہے۔

اگر آپ مسند احمد میں اس حدیث کو ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ رسولؐ نے یہ حکم خاص کر حضرت ابو بکرؓ کو دیا تھا۔ ان کے قتل نہ کرنے پر پھر مخصوص طور پر حضرت عمرؓ کو حکم دیا۔ لہذا جو حکم مخصوص کر کے دیا جائے تو واجب کفائی کیونکر ہو جائے گا؟

علاوہ اس کے حدیث سے اس امر کی بھی صراحت ہوتی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ نے اس شخص کے قتل کو جو ناپسند کیا وہ اسی وجہ سے کہ وہ بہت خضوع و خشوع سے نماز پڑھ رہا تھا۔ فقط یہی وجہ تھی اور کوئی سبب قتل سے باز رہنے کا نہ تھا۔ لہذا نبیؐ تو بحالت نماز اس کو قتل کرنے کا حکم دینا پسند کریں اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کو ناگوار ہو۔ اس کو قتل نہ کر کے تعمیل حکم پیغمبرؐ کو مقدم نہ سمجھیں۔

پس یہ واقعہ بھی منجملہ ان شواہد کے ہے جن سے ثبوت ملتا ہے کہ یہ حضرات حکم پیغمبرؐ بجالانے سے اپنی رائے پر عمل کرنا زیادہ بہتر سمجھتے تھے۔ حکم پیغمبرؐ کی ان کے نزدیک کوئی وقعت نہ تھی۔ بس جو کچھ تھا ان کا اجتہاد، ان کی رائے تھی۔

ش

مکتوب نمبر ۲۹

آپ بقیہ موارد بیان فرمائیے۔ کوئی مورد چھوڑیے نہیں کہ مجھے دیا
آپ سے التجا کرنی پڑے۔ طول ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔
س

جوابِ مکتوب

مقامات جہاں صحابہ نے
حکم پیغمبر پر عمل نہ کیا

بہت بہتر، منجملہ ان مواقع کے جہاں صحابہ نے حکم پیغمبر کی مخالفت
کی تو نیچے صلح حدیبیہ میں مخالفت کی۔ جنگ حنین میں مخالفت کی۔ جنگ

حین میں مال غنیمت جو ہاتھ آیا اس کی تقسیم کے وقت مخالفت کی، جنگ بدر کے قیدیوں سے جب فدیہ لیا گیا۔ غزوہ تبوک میں جب سامانِ رسد ختم ہو گیا۔ اور فاقہ کی نوبت آئی اور پیغمبرؐ نے بعض اونٹوں کے خر کرنے کا حکم دیا اس وقت مخالفت کی۔ جنگِ اُحد کے دن اُحد کی گھائیوں میں جو حرکتیں سرزد ہوئیں وہ بھی سراسر حکمِ پیغمبرؐ کی مخالفت تھی۔

ابوہریرہؓ والے دن جب آنحضرتؐ نے خوشخبری دی تھی۔ ہر اس شخص کو جو خدا سے موحد بن کر ملاقات کرے، منافق کی میت پر نماز پڑھنے کے روز۔

جنس و زکوٰۃ کی دونوں آیتوں میں۔ تہرے طلاق کی آیت میں تاویل کرنے کی مخالفت حکمِ پیغمبرؐ کی گئی۔ نوافلِ شہرِ رمضان کے متعلق جو احادیثِ پیغمبرؐ وارد ہیں ان میں کیفیتاً و کمیتاً تاویل کر کے مخالفت حکمِ پیغمبرؐ کی گئی۔ کیفیتِ اذان جو پیغمبرؐ سے منقول ہے اس میں تغیر کر کے حکمِ پیغمبرؐ کی مخالفت کی گئی۔

نمازِ جنازہ میں پیغمبرؐ نے جتنی تکبیریں کہنے کا حکم دیا تھا ان کی تعداد میں کمی بیشی کر کے حکمِ پیغمبرؐ کی مخالفت کی گئی۔

غرض کہاں تک ذکر کیا جائے بکثرت موارد ہیں جہاں حکمِ پیغمبرؐ کی صریح مخالفت کی گئی۔ جیسے طالب بن بلتعہ والے معاملہ میں معارضہ کرنا۔

مقامِ ابراہیمؑ میں رسولؐ سے جو باتیں ظہور پذیر ہوئیں ان پر لب کتائی اور جیسے مسلمانوں کے گھر کو مسجد میں ملا لینا۔

ابوخراش ہذلی کے دنبہ کے بارے میں یمینیوں کے خلاف فضیلہ کرنا اور جیسے نصر بن حجاج سلمیٰ کو جلا وطن کرنا۔ جعدہ بن سلیم پر حد

جاری کرنا۔ چپراگا ہوں پر لگان کا لگانا۔

کفیت ترتیب جزیہ، شوریٰ کے ذریعہ خلافت کے مسئلہ کو طے کرنا۔
مخصوص طریقے سے رات کو گھومنا، لوگوں کے بھید لینا، ان کی جاسوسی کرنا،
میراث میں عول و تعصیب، اس کے علاوہ اور بے شمار موارد ہیں جہاں
صحابہ نے حکم پیغمبرؐ کو ٹھکرا دیا۔ زبردستی سے کام لیا۔ مصالح عامہ کو پیش
نظر رکھا۔

ہم نے اپنی کتاب سبیل المومنین میں ایک مستقل باب اس کی
نذر کیا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی کچھ ایسے نصوص ہیں (نصوص خلافت و
امامت کے علاوہ) جو خاص کر امیر المومنینؑ اور اہل بیت طاہرینؑ کے متعلق
وارد ہوئے اور ان نصوص پر صحابہ نے عمل نہیں کیا بلکہ ان کی مخالفت کی
خند پر عمل کیا جیسا کہ تلاش و تجسس سے پتہ چلتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب صحابہ نے ان نصوص پر عمل نہیں کیا جو خلافت کے متعلق تھے
بلکہ ان نصوص کی من مانی تاویلیں کیں تو ان نصوص پر وہ کب عمل کر سکتے تھے۔
جس طرح خلافت کے متعلق نصوص میں انھوں نے تاویلیں کیں اپنی رائے
اجتہاد پر عمل کرنا اطاعت پیغمبرؐ کرنے اور حکم پیغمبرؐ ماننے سے بہتر سمجھا اسی طرح ان
نصوص میں بھی اپنی رائے کو ترجیح دی۔

ش

لے ملاحظہ فرمائیے طبقات ابن سعد میں حالات حضرت عمرؓ سے آپ کو معلوم ہو گا کہ حضرت عمر
نے جیدہ پر جب کسی نے اس کے جرم کی گواہی بھی نہ دی اور نہ سوائے درقہ کے کوئی اس کے جرم کا
مدعی ہی تھا جد جاری فرمادی تھی اس پر کسی نے اشعار بھی کہے جو ابن سعد نے لکھے ہیں۔

مکتوب نمبر ۵۰

صحابہ کا مصاحبت کو مقدم سمجھنا

کوئی با فہم و بصیرت اس میں شک نہیں کر سکتا کہ صحابہ نے ان تمام موارد میں صریحی احکام پیغمبرؐ کی جو مخالفت کی اور اپنی رائے و اجتہاد کو بہتر سمجھا تو اس میں ان کی نیت خراب نہ تھی بلکہ مصاحبت عامہ کے خیال سے انھوں نے ایسا کیا۔ کیونکہ ان تمام موارد میں ان کا مقصود یہ رہا کہ امت کی جس میں سبھلائی زیادہ ہو اور ملت اسلام کے لیے جو زیادہ بہتر ہو شوکت اسلام جس سے زیادہ بڑھے وہ کرنا چاہیے۔ لہذا انھوں نے جو کچھ کیا اس میں ان پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا۔ خواہ وہ احکام پیغمبرؐ نہ بجالائے ہوں۔ یا ان میں تاویل کے مرتکب ہوئے ہوں۔ بہر حال ان سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جاسکتا۔

باقی موارد کی تصریح پر اصرار

ہم نے آپ کو زحمت دی تھی کہ ان تمام موارد کا ذکر فرمائیے جہاں صحابہ نے پیغمبرؐ کی مخالفت کی اپنی خود رائی سے کام لیا۔ آپ نے جواب میں بہت کچھ موارد ذکر فرمائے۔ اسی سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں حضرت علیؑ اور اہلبیت طاہرینؑ کے متعلق نصوص خلافت کے علاوہ کچھ اور بھی نصوص پیغمبرؐ نے فرمائے اور جس طرح صحابہ نے نصوص خلافت کو ٹھکرا دیا اسی طرح ان نصوص کو بھی نہ مانا۔ کاش آپ ان نصوص کا بھی تفصیلاً ذکر فرماتے۔

س

جوابِ مکتوب

موضوعِ بحث سے باہر ہو جانا

آپ نے تسلیم کیا کہ مذکورہ بالا موارد میں صحابہ نے پیغمبرؐ کے نصوص کی مخالفت کی۔ ہمارے کل بیانات کی آپ نے تصدیق کی فالحمدرہ۔ رہ گیا آپ کا یہ کہنا کہ ایسا کرنے میں ان کی نیت اچھی تھی اور انھوں نے مصالحت عامہ کو مقدم سمجھا۔ وہ ہمیشہ امت کی بھلائی اور ملت کی بہتری اور شوکت اسلام کی ترقی کے خواہشمند رہے۔ یہ تو سب محلِ بحث سے خارج ہے اس سے آپ بھی انکار نہیں کر سکتے۔

آپ نے دریافت کیا تھا کہ صحابہ نے کب حکمِ پیغمبرؐ نہ مانا اور اپنے اجتہاد رائے پر پلٹا بہتر سمجھا۔ ہم نے وہ مقامات ذکر کر دیے اور آپ نے مان بھی لیا

اب رہ گیا یہ کہ انھوں نے کن وجوہ سے حکم پیغمبرؐ نہ مانا۔ حکم پیغمبرؐ نہ ماننے میں ان کی نیت اچھی تھی کہ بڑی اس کا کوئی سوال نہیں۔

مکتوب گرامی کی آخری سطروں میں خواہش کی ہے کہ میں ان نصوص کا تفصیلی ذکر کروں جو خصوصیت سے امیر المومنینؑ کے متعلق وارد ہوئے ہیں اور جو ان نصوص کے علاوہ ہیں جو خلافت سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ اس زمانہ میں امام سنن ہیں۔ تمام سنن و احادیث کے جامع ہیں۔ احادیث و سنن کی تلاش و تحقیق میں آپ نے بڑی محنتیں کی ہیں لہذا کسی کو یہ وہم و گمان بھی نہیں اور نہ کسی کو یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ وہ میرے اشارے کو آپ سے زیادہ سمجھتا ہے۔

تسنن میں آپ کا مقابل کوئی ہو سکتا ہے؟ آپ کا کوئی جواب بن سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ کسی نے سچ کہا ہے:

”و کم مسائل عن امراء وهو عالم“

”بہت سے لوگ مانتے پہچانتے ہوئے کسی شے کے متعلق

دریافت کرتے ہیں۔“

آپ یقیناً جانتے ہوں گے کہ بہترے صحابہ حضرت علیؑ سے بغض رکھتے تھے آپ کے دشمن تھے۔ انھوں نے حضرت علیؑ سے جدائی اختیار کی آپ کو اذیتیں دیں، رب و شتم کیا۔ آپ پر ظلم کیا، آپ کے حریف بنے۔ آپ سے جنگ لی۔ خود آپ پر اور آپ کے اہل بیتؑ پر تلوار چلائی، جیسا کہ اس زمانے کے بزرگوں کے حالات دیکھنے سے بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے۔

حالانکہ رسول اللہؐ نے فرمایا تھا:

”جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔ جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی اور جس نے علیؑ کی اطاعت

کی یقیناً اس نے میری اطاعت کی اور جس نے علیؑ کی نافرمانی کی
بے شک اس نے میری نافرمانی کی۔
نیز آنحضرتؐ نے فرمایا :

” جس نے مجھ سے جدائی اختیار کی اس نے خدا سے جدائی اختیار
کی اور اے علیؑ تم دنیا میں سردار ہو اور آخرت میں سردار ہو
تم سے محبت رکھنے والا مجھ سے محبت رکھنے والا ہے اور
مجھ سے محبت رکھنے والا خدا سے محبت رکھنے والا ہے۔“

اور تمھارا دشمن میرا دشمن اور میرا دشمن خدا کا دشمن ہے اور
ہلاکت اس کے لیے جو میرے بعد تم سے بغض رکھے۔“
یہ بھی آپؐ نے فرمایا :

” جس نے علیؑ کو دشنام دی اس نے مجھے دشنام دی اور جس
نے مجھے دشنام دی اس نے خدا کو دشنام دی۔“

یہ بھی آپؐ نے فرمایا :

جس نے علیؑ کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے
مجھے اذیت دی اس نے خدا کو اذیت دی۔“

یہ بھی آپؐ نے فرمایا :

” جس نے علیؑ کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا اور

جس نے علیؑ سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔“

یہ بھی آپؐ نے فرمایا کہ :

اے علیؑ تم سے وہی محبت کرے گا جو مومن ہوگا اور تمھیں

وہی دشمن رکھے گا جو منافق ہوگا۔“

یہ بھی آپ نے فرمایا :

”خدا یا تو دوست رکھے اس کو جو علیؑ کو دوست رکھے، دشمن رکھے اس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے، مدد کر اس کی جو علیؑ کی مدد کرے اور ذلیل و خوار کر اس کو جو علیؑ کی مدد ترک کرے“
ایک بار آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ جناب سیدہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو دیکھ کر فرمایا :

”میں جنگ کرنے والا ہوں اس سے جو تم لوگوں سے جنگ کرے اور مجھ صلح ہوں اس کے لیے جو تم سے صلح کرے“
اور جب آپؐ نے ان حضرات کو چادر میں لیا تھا تو منبر مایا :
”میں برسرِ پیکار ہوں اس سے جو ان سے برسرِ پیکار ہو اور مجھ صلح ہوں اس کے لیے جو ان سے صلح کرے اور دشمن ہوں اس کا جو ان سے دشمنی رکھے“

اسی طرح کی بے شمار احادیث و سنن ہیں جن میں سے کسی ایک کو بھی بہتیرے صحابہ نے نہیں مانا۔ کسی ایک پر بھی عمل نہ کیا، بلکہ اپنے ہوا و ہوس کو مقدم سمجھتے ہوئے اور ذاتی اغراض کو ترجیح دیتے ہوئے ان تمام احادیث و سنن کے خلاف و ضد پر عمل کیا۔

ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ تمام سنن و احادیث جو حضرت علیؑ کی فضیلت و بزرگی میں وارد ہوئی ہیں وہ مثل انھیں صریحیٰ نصوص کے ہیں جو آپؐ کی موالات کے واجب اور آپؐ کی مخالفت کے حرام ہونے کے متعلق وارد ہوئیں۔ دونوں قسم کی حدیثوں کا ایک ہی مطلب ہے۔ کیونکہ دونوں قسم کی حدیثیں صرف ایک بات پر دلالت کرتی ہیں اور وہ یہ کہ خدا و رسولؐ کے

نزدیک آپ کی قدر و منزلت بہت ہی جلیل، آپ کی شان بہت ہی عظیم اور درجہ بہت بلند ہے۔

ہم نے ان احادیث و سنن میں سے بہت کچھ ابتدائی خطوط میں ذکر کیے اور جو نہیں ذکر کیے وہ بے حد و حساب ہیں۔ ان لوگوں میں سے جن کی نگاہ سنن و احادیث میں بہت وسیع ہے اور ان کی معافی و مطالب بھی پوری طرح جانتے ہیں آپ ہی انصاف سے فرمائیں کہ ان احادیث و سنن میں کوئی ایسی حدیث بھی ملی جو امیر المومنینؑ کی مخالفت و عداوت اور آپ سے جنگ کرنے کی اجازت دیتی ہو۔ آپ کی ایذا رسانی، آپ سے بغض و عداوت جائز قرار دیتی ہو۔ آپ کی بیخ کنی، مظالم کے پہاڑ ڈھانے، برسرِ منبر آپ کو بُرا بھلا کہنے کو مناسب بناتی ہو اور مناسب ہی نہیں بلکہ جموع اور عیہ کے دونوں خطبوں کے لیے سنت قرار دیتی ہو۔ ہرگز نہیں اور قطعاً نہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ ان باتوں کے مرتکب ہوئے انھوں نے ان احادیث کے باوجود ان کے بکثرت اور تواتر ہونے کے ذرہ برابر پرواہ نہیں کی۔ ان احادیث میں سے کوئی حدیث بھی سیاسی اغراض پوری کرنے میں ان کے لیے مافع نہ ہو سکی۔

وہ لوگ جانتے تھے کہ حضرت علیؑ رسولؐ کے بھائی ہیں، آپ کے ولی ہیں، وارث ہیں، ہمراز ہیں، آپ کی عزت کے سرگروہ ہیں آپ کی امت کے ہارون ہیں۔ آپ کی پارہ جگر کے کھو ہیں۔ آپ کی ذریت کے باپ ہیں اور ان تمام لوگوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔ سب سے زیادہ خالص الایمان، سب سے زیادہ علم رکھنے والے۔ سب سے زیادہ عمل کرنے والے سب سے بڑھ کر بزرگوار، سب سے زیادہ یقین میں پختہ سب

سے بڑھ کر اسلام کی خاطر مشقت چھیلنے والے، بلاؤں میں سب سے زیادہ عہدگی سے ثابت قدم رہنے والے، سب سے زیادہ فضائل و مناقب کے مالک اسلام کے سب سے زیادہ حامی، اور ان سب سے زیادہ رسولؐ سے قربت رکھنے والے ہیں۔ رفتار، گفتار، اخلاق و عادات تمام باتوں میں سب سے زیادہ رسولؐ سے مشابہ ہیں۔ قول و فعل اور خاموشی میں سب سے زیادہ بہتر و افضل ہیں لیکن ذاتی اغراض ہی ان لوگوں کے لیے سب کچھ تھے۔ ہر دلیل پر مقدم تھے۔ لہذا اس کے بعد اگر وہ حدیث غدیر کو نہ مانیں اور ٹھکرا دیں اور اپنی رائے کو مقدم سمجھیں تو کون سا تعجب ہے۔ حدیث غدیر تو ان بے شمار احادیث میں سے فقط ایک حدیث ہے جسے ان لوگوں نے قابل تاویل سمجھا، جب العمل نہ جانا اور اپنی رائے واجتہاد کو ترجیح دی۔ اپنے مصالح کو مقدم جانا۔ حالانکہ رسولؐ کہہ چکے تھے کہ :

”میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جانا ہوں کہ اگر تم اس سے متمسک رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک تو کتاب خدا ہے دوسرے میری عمرت و اہلبیتؑ“
پیغمبرؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ :

”میرے اہلبیتؑ کی مثال تمھارے درمیان ایسی ہے جیسی کشتی نوحؑ، جو کشتی نوحؑ پر سوار ہوا وہ تو بچا اور جو نہ سوار ہوا جس نے گریز کیا و ہلاک و تباہ ہوا“
”تمھارے درمیان میرے اہلبیتؑ کی مثال ایسی ہے جیسی بنی اسرائیل کے لیے باب حطّ۔ جو اس میں داخل ہوا خدا نے اسے بخش دیا۔“

نیز یہ بھی فرمایا تھا کہ:

”ستارے روئے زمین کے باشندوں کے لیے امان ہیں غرقابی سے

اور میری عزت و اہل بیتؑ میری امت کے لیے اختلاف سے

باعث امان ہیں۔ پس اگر کوئی قبیلہ قبائلِ عرب سے میرے اہلبیتؑ

کا مخالف ہوگا تو وہ ابلیس کا گروہ بن جائے گا۔“

اسی جیسی اور بکثرت صحیح حدیثیں ہیں جن کو صحابہ نے مانا مگر ان پر عمل پیرا

نہ ہوئے۔

ش

jabir.abbas@yahoo.com

مکتوبِ نمبر ۵

حضرت علیؑ نے بزرِ سقیفہ اپنی خلافتِ جانشینی کی
احادیث سے احتجاج کیوں نہ فرمایا؟

حق بخوبی واضح ہو گیا۔ خدا کا شکر ہے۔ البتہ ایک بات رہ گئی جس سے
ذرا اشتباہ باقی رہتا ہے میں اس کا ذکر کرتا ہوں تاکہ آپ اس کی نقاب کشائی بھی
فرمائیں اور اس کا راز ظاہر فرمائیں اور وہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے سقیفہ کے دن
حضرت ابو بکر اور ان کی بیعت کرنے والوں کے آگے اپنی خلافت و وصایت کے
متعلق کوئی نص بھی پیش نہیں کی۔ آپ بتا سکتے ہیں کہ کیوں؟

س

جوابِ مکتوب

احتجاج نہ کرنے کے وجوہ

ساری دنیا جانتی ہے کہ نہ تو حضرت علیؑ سقیفہ میں موجود تھے اور نہ آپؐ کے ماننے والوں میں کوئی ایک بھی تھا۔ خواہ وہ بنی ہاشم سے ہوں یا غیر بنی ہاشم۔ کوئی بھی نہ تو بیعت کے وقت موجود تھا اور نہ سقیفہ کے اندر ہی گیا وہ تو بالکل الگ تھلگ تھے اور آنحضرتؐ کی رحلت کی وجہ سے ان پر جو سخت ترین مصیبت نازل ہوئی تھی اسی میں مبتلا تھے۔ آنحضرتؐ کے غل و فتن کی فکر میں پڑے تھے۔ اس وقت انھیں کسی اور بات کا دھیان بھی نہ تھا۔ یہاں تک کہ جب سقیفہ والوں نے اپنا کام کر لیا تو اب انھوں نے بیعت کو پختہ کرنے کا تہیہ کیا اور خلافت کی گرہ کو اچھی طرح مضبوط کرنے پر کمر بستہ ہوئے اور ہر وہ فعل و قول جس سے ان کی بیعت کمزور ہو سکتی یا ان کے عقد خلافت کو خدشہ لاحق ہو تا یا عوام میں تشویش و اضطراب پیدا ہوتا۔ اس کے روکنے اس پر پہرہ بٹھانے کے لیے ایسا کر لیا۔

تو امیر المومنینؑ کو سقیفہ اور بیعتِ ابی بکر اور بیعت کرنے والوں سے تعلق ہی کیا تھا تا کہ ان پر آپؐ احتجاج فرماتے اور وہ بھی جب کہ بیعت ہو جانے کے بعد حکومت کے کرتادھرتا پوری احتیاطی تدابیر کام میں لا رہے تھے اور اربابِ قوت و اقتدار اعلیٰ جبر و تشدد برت رہے تھے۔

آپؐ ہی فرمائیے آج کل اگر کوئی شخص حکومت سے ٹکر لینا چاہے، سلطنت

کا تختہ الٹنے پر آمادہ ہو تو کیا اس کے لیے آسان ہے اور کیا ارباب حکومت اس کو اس کے حال پر چھوڑ دینا گوارا کریں گے۔ ہرگز نہیں اور قطعاً نہیں۔ اسی طرح اس زمانہ کا آجکل کے زمانہ سے اندازہ کیجیے۔

اس کے علاوہ امیر المومنینؑ سمجھ رہے تھے کہ اب اگر میں احتجاج بھی کرتا ہوں تو سوافتنہ و فساد کے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا اور اس نازک وقت میں حق تلفی آپ کو گوارہ تھی لیکن یہ کسی طرح منظور نہ تھا کہ فتنہ و فساد برپا ہو کیونکہ امیر المومنینؑ اسلام پر اپنچ آنے دینا نہیں چاہتے تھے نہ کلمہ توحید کی بربادی آپ کو گوارہ تھی جیسا کہ ہم گزشتہ اوراق میں بیان کر چکے ہیں کہ آپ ان دنوں ایسے شدید ترین مشکلات سے دوچار تھے کہ کسی شخص کو بھی ان مصائب و مشکلات کا سامنا نہ ہوا ہوگا۔

آپ کے کاندھوں پر دو بار گراں تھے۔ ایک طرف تو خلافت تمام نصوص و صیائے پیغمبرؐ سمیت دل کو خون کر دینے والی آواز اور جگر کو چاک چاک کر دینے والی کراہ کے ساتھ آپ سے فریادی تھی آپ کو بے چین بنائے دیتی تھی دوسری طرف فتنہ و فساد کے اٹھتے ہوئے طوفان متاثر کر رہے تھے جزیروں کے ہاتھ سے نکل جانے عرب میں انقلابِ عظیم برپا ہونے اور اسلام کے یرغ و بن سے اکھڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ مدینہ اور اس پاس کے منافقین جو بڑے سرگرم سازشی تھے ان کی طرف سے فتنہ و فساد برپا ہونے کا بڑا خطرہ لاحق تھا کیونکہ رسولؐ کی آنکھ بند ہونے کے بعد ان کا اثر بہت بڑھتا جاتا تھا اور مسلمانوں کی حالت بالکل اس بھیڑ مکی جیسی ہو رہی تھی جو جاڑے کی تاریک راتوں میں بھیڑیوں اور وحشی درندوں میں بھٹکتی پھرے۔

سیامہ کذاب، طلحہ بن خویلد، سجاح بنت حرث ایسے جھوٹے

مدعیان نبوت پیدا ہو چکے تھے اور ان کے ماننے والے اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کی تباہی و بربادی پر تلے ہوئے تھے۔ قیصر و کسریٰ وغیرہ تاک میں تھے۔ غرض اور ہریت سے دشمن عناصر جو محمدؐ و آل محمدؐ اور پیروان محمدؐ کے خون کے پیاسے تھے ملت اسلام کی طرف سے خار دل میں رکھتے تھے۔ بڑا غم و غصہ اور شدید بغض و عناد رکھتے تھے، وہ اس فکر میں تھے کہ کسی طرح اس کی بنیاد منہدم ہو جائے اور جڑ اکھڑ جائے اور اس کے لیے بڑی تیزی اور سرگرمی ان میں پیدا ہو چکی تھی۔

وہ سمجھتے تھے کہ ہماری آرزوئیں برائیں رسولؐ کے اٹھ جانے سے موقع ملے گا، لہذا اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور قبل اس کے کہ ملت اسلامیہ کے امور میں نظم پیدا ہو، حالات اسنوار ہوں اس تہمت سے چوکناء چاہیے۔

اب حضرت علیؑ ان دو خطروں کے درمیان کھڑے تھے ایک طرف حق چھین رہا تھا، خلافت ہاتھوں سے جا رہی تھی۔ دوسری طرف اسلام کے تباہ و برباد ہو جانے اور رسولؐ کی ساری محنت مٹی میں مل جانے کا خوف تھا لہذا فطری و طبعی طور پر امیر المومنینؑ کے لیے بس یہی راہ نکلتی تھی کہ مسلمانوں کی زندگی کے لیے اپنے حق کو قربان کر دیں لیکن آپؐ نے اپنے حق خلافت کو محفوظ رکھنے اور انحراف کرنے والوں سے احتجاج کرنے کے لیے ایک ایسی صورت اختیار کی جس سے مسلمانوں میں اختلاف و افتراق نہ پیدا ہو اور کوئی فتنہ ایسا نہ اٹھ کھڑا ہو کہ دشمن موقع غنیمت سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ لہذا آپؐ خانہ نشین ہو گئے اور جب لوگوں نے مجبور کر کے آپؐ کو گھر سے نکالا۔ بغیر لڑے بھڑے گھر سے باہر نکلے۔ اگر آپؐ جلد بازی

سے کام لینے تو آپ کی حجت پوری نہ ہوتی اور نہ شیعیان امیر المومنینؑ کے لیے کوئی ثبوت نمایاں ہوتا۔ آپ نے اپنے طرز سے دین کی بھی حفاظت کی اور اپنے حق خلافت کو بھی محفوظ رکھا۔

اور حریب آپ نے دیکھا کہ اسلام کی حفاظت اور دشمنوں کی دشمنی کا جواب موجودہ حالات کے اندر صلح و اشتی پر موقوف ہے تو خود مصالحت کی راہ نکالی اور امت کے امن و امان، اُمت کی حفاظت اور دین کو عزیز رکھتے ہوئے انجہام کو آغاز سے بہتر سمجھتے ہوئے اور شرعاً و عقلاً اس وقت جو فرضیہ عالم ہوتا تھا کہ جو زیادہ اہمیت کا حامل ہوا سے مقدم رکھا جائے۔ آپ نے حکام وقت سے صلح کر لی کیونکہ اس وقت کے حالات تلوار اٹھانے یا حجت و تکرار کرنے کے متحمل نہ تھے۔ ایسا بھی نہیں کہ آپ نے بالکل احتجاج ہی نہ فرمایا ہو۔ باوجود ان تمام باتوں کے آپ، آپ کے فرزند، آپ کے حلفہ بگوشش علماء آپ کے وصی ہونے اور آپ کی وصایت و جانشینی کے متعلق جو صریحی ارشادات پیغمبر ہیں ان کی تبلیغ و اشاعت میں بڑی حکمت سے کام لیا کیے۔ جیسا کہ تلاش و تجسس سے پتہ چلتا ہے۔

ش

۵۷۴

مکتوب نمبر ۵۲

حضرت علیؑ نے کب احتجاج فرمایا؟

امامؑ نے کب احتجاج فرمایا۔ آپ کے آل و اولاد، آپ کے
دوستداروں نے کن مواقع پر احتجاج کیا۔ ہمیں بھی بتائیے۔

س

جواب مکتوب

حضرت علیؑ اور آپ کے شیعہ کا احتجاج

امامؑ نے ان نصوص اور ارشادات پیغمبرؐ کی نشر و اشاعت میں جو پیغمبرؐ

نے آپ کی وصایت و خلافت کے متعلق فرمائے تھے بڑی دل جمعی سے کام کیا۔ چونکہ اسلام کی حفاظت جان سے بڑھ کر عزیز تھی اور مسلمانوں کے شیرازہ کا بکھرنا کسی طرح منظور نہ تھا۔ اس لیے آپ نے نصوص کا تذکرہ کر کے اپنے دشمنوں سے جھگڑا مول نہیں لیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے سکوت اختیار کرنے اور ان نازک حالات میں اپنے حق کا مطالبہ نہ کرنے کی معذرت بھی بعض مواقع پر فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

”کسی انسان کو اس وجہ سے عیب نہیں لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنے حق کے حاصل کرنے میں دیر کی۔ عیب تو اس وقت لگانا چاہیے جب انسان حق نہ رکھتے ہوئے زبردستی کسی چیز کو حاصل کرے۔“

آپ نے نصوص کی نشر و اشاعت میں ایسے طریقے اختیار کیے جن سے حکمت کا پورا پورا مظاہرہ ہوا۔ یاد کیجیے۔ رجب والا روز جس دن آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں لوگوں کو کوفہ کے میدان میں جمع کیا تاکہ غدیر کی یاد دلائی جائے۔ آپ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا :

”میں ہر مرد مسلمان کو قسم دیتا ہوں کہ جس نے غدیر خم میں اپنے کانوں سے رسولؐ کو اعلان فرماتے سنا ہو وہ اٹھ کھڑا ہو۔ جو کچھ سنا تھا اس کی گواہی دے۔“

تو آپ کے یہ کہنے پر تیس صحابی اٹھ کھڑے ہوئے جن میں بارہ تو ایسے تھے جو جنگ بدر میں شریک رہ چکے تھے۔ ان سب نے حدیث غدیر کی گواہی دی جسے انھوں نے خود اپنے کانوں سے رسولؐ کو ارشاد فرماتے سنا تھا۔ اس ناگفتہ بہ پر آشوب زمانے میں جب کہ حضرت عثمان کے قتل اور عسرو

شام میں فتنہ و فساد جاری رہنے کی وجہ سے فضا خراب تھی۔ زیادہ سے زیادہ امیر المومنینؑ یہی کر سکتے تھے اور یہی آپؑ نے کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ انتہائی ممکن صورت جو اس وقت احتجاج کرنے کی ہو سکتی تھی حکمت کے تمام پہلو سنبھالے ہوئے وہ یہی تھی۔ کون اندازہ کر سکتا ہے امیر المومنینؑ کے مجیر العقول حکیمانہ طرز عمل کا کہ جب دنیا حدیث غدیر کو بھولتی جا رہی تھی اور قریب تھا کہ کسی دماغ میں اس کی یاد بھی باقی نہ رہے آپؑ نے بھرے مجمع سے اس کی گواہی دلا کر اسے حیات تازہ بخشی اور رجبہ کے میدان میں مسلمانوں کے سامنے غدیر خم کے موقع پر رسولؐ کے اہتمام کی تصویر کشی کر کے وہ منظر یاد دلایا جب رسولؐ نے ایک لاکھ بیس ہزار مسلمانوں کے درمیان بالائے منبر حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور پورے مجمع کو دکھا کر پہنچوا کر ارشاد فرمایا تھا کہ یہی علیؑ میرے ولی ہیں۔ اسی واقعہ کے بعد حدیث غدیر احادیث متواترہ کا بہترین مصداق بن گئی۔

آپؐ غور نہ مائیں حکیم اسلام کے طرز عمل پر کہ آپؑ نے بھرے مجمع میں انتہائی اہتمام و انتظام فرما کر صاف صاف لفظوں میں اس کا اعلان کیا تھا۔ اس کے بعد غور کیجیے رجبہ کے دن امیر المومنینؑ کے حکمت سے بریز طرز عمل پر دونوں واقعے کس قدر ملتے جلتے اور ایک دوسرے پر پوری پوری مشابہت رکھتے ہیں وہاں پیغمبرؐ نے مجمع کو قسم دے کر پوچھا کہ:

”کیا میں تمھاری جانوں پر تم سے زیادہ قدرت و اختیار نہیں رکھتا۔؟“

جب سارے مجمع نے اقرار کیا تو آپؑ نے فرمایا کہ:

”جس جس کا میں مولا ہوں اس کے علیؑ بھی مولا ہیں“

وہی روش امیر المومنینؑ یہاں بھی اختیار کرتے ہیں۔ جبہ میں مسلمانوں سے جن میں ہر خط ملک اور ہر قوم و قبیلہ کے افراد جمع تھے فرماتے ہیں اور قسم دیتے ہیں کہ جس جس نے غدیر کے میدان میں رسولؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو اور اپنے کانوں سے ارشاد فرماتے سنا ہو وہ اُسٹھے اور اٹھ کر گواہی دے۔

جس قدر حالات اجازت دے سکتے تھے امیر المومنین نے اپنا حق جملانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ساتھ ہی ساتھ سکون و سلامت روی کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا جسے آپ بہر حال مقدم سمجھتے تھے۔

اپنی خلافت و وصایت سے لوگوں کو مطلع کرنے اور ارشادات پیغمبرؐ جو آپ کی خلافت و امامت کے متعلق تھے اس کے نشر و اشاعت میں یہی طرز عمل امیر المومنینؑ کا ہمیشہ رہا چونکہ ناواقف و لاعلم افراد کو واقف کار بنانے کے لیے آپ ایسی ہی صورتیں اختیار فرماتے جو نہ تو کسی ہنگامے کا سبب ہو نہ ان سے بیزاری پیدا ہونے کا احتمال ہو۔

آپ ملاحظہ فرمائیے۔ دعوت ذوالعشرہ سے متعلق امیر المومنینؑ کی وہ حدیث جسے تمام محدثین نے مرویات امیر المومنینؑ کے ذیل میں درج کیا ہے۔ یہ حدیث طولانی اور بہت ہی مہتمم بالشان حدیث ہے ابتداء عہد اسلام سے آج تک اسے اعلام نبوت اور آیات اسلام میں سے شمار کیا جاتا ہے کیونکہ یہ حدیث حضرت سرور کائنات کے زبردست معجزہ نبوت یعنی تھوڑے کھانے سے بڑی تعداد میں لوگوں کو شکم سیر کر دینے کے واقعہ پر مشتمل ہے۔ اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کی گردن پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا:

”یہ میرے بھائی ہیں۔ میرے وصی ہیں۔ تم میں میرے جانشین ہیں۔ تم ان کی بات سننا اور ان کی اطاعت کرنا“

امیر المومنینؑ برابر اس حدیث کا تذکرہ فرمایا کیسے کہ رسالت مآبؐ نے آپ سے فرمایا :

”اے علیؑ تم میرے بعد ہر مومن کے ولی ہو“
اور نہ جانے کتنی مرتبہ آپؑ نے رسولؐ کی یہ حدیث بیان کی کہ :
”اے علیؑ میرے نزدیک تمہیں وہی منزلت حاصل ہے جو
موسیٰؑ سے ہارونؑ کو تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی بنی
نہ ہوگا“

اور بارہا آپؑ نے غدیر خم کے موقع پر رسولؐ کی ارشاد فرمائی ہوئی حدیث
دہرائی۔ رسولؐ نے لوگوں سے خطاب کر کے پوچھا تھا کہ :
”میں تم مومنین سے زیادہ تمہارے نفوس پر قدرت و اختیار
نہیں رکھتا ؟ سب نے کہا جے شک اس پر آنحضرتؐ نے
فرمایا کہ جس کا میں ولی ہوں اس کے یہ علیؑ ولی ہیں“

اس کے علاوہ اور بھی بے شمار حدیثیں ہیں جن کی امیر المومنینؑ روایت فرماتے
لوگوں سے بیان کرتے رہے آپؑ نے پورے طور پر ثقہ اور مستند افراد میں
ان احادیث کی اشاعت کی۔ اس پر آشوب زمانہ اور نازک حالات میں زیادہ
سے زیادہ امیر المومنینؑ کے لیے یہی گنجائش تھی کہ آپؑ پیغمبرؐ کے ان اقوال کا
تذکرہ فرمائیں، ان حدیثوں کی روایت فرمائیں اور اس طرح اپنے حق دار خلافت
ہونے کو اپنا زمانہ کے کاؤں تک پہنچائیں اور امیر المومنینؑ نے اسے اٹھانے
رکھا۔ جتنی حالات نے اجازت دی اتنی اشاعت فرماتے رہے۔

شوری کے دن آپؑ نے مخالفین کے لیے عذر کی کون سی گنجائش باقی
رہنے دی۔ خدا کا خوف دلائے میں کون سی بات اٹھا رکھی۔ اپنے جس قدر

خصوصیات و کمالات تھے ایک ایک کر کے گنائے، اپنے تمام فضائل و مناقب یاد دلا کر اپنے حقدار خلافت ہونے کو ظاہر کیا۔ ہر طرح ان پر احتجاج فرمایا۔ پھر جب آپ خود سر پر آرائے حکومت ہوئے تو برابر اپنی مظلومیت کا اظہار فرمایا کیے۔ شروع ہی سے مستحق خلافت ہونے کو ثابت کیا۔ ابتدا میں خلافت سے محروم رکھے جانے پر آپ کو جو صدمہ ہوا، اذیتیں پہنچیں، بالائے منبر آپ نے اس کا شکوہ کیا۔ یہاں تک آپ نے فرمایا:

” قسم بخدا اس جامہ خلافت کو زبردستی فلاں شخص نے پہن لیا حالانکہ وہ اچھی طرح واقف تھا کہ مجھے خلافت میں وہی جگہ حاصل ہے جو آسیا میں میخ کو حاصل ہوتی ہے۔ مجھ سے علوم کے دریا بہتے ہیں اور وہ بلند منزلت ہے میری کہ طائر خیال بھی مجھ تک بلند نہیں ہو سکتا۔ مگر میں نے اس پر پردہ ڈال دیا اور اس سے پہلو ہتی اختیار کی۔ میں محجب کشش و اضطراب میں تھا۔ عجب گو مگو کی حالت تھی میری کہ میں اس کے ٹپے ہوئے بازو سے حملہ کر بیٹھوں یا اس گھٹا ٹپ تاریکی پر صبر کروں جس بڑا بوڑھا ہو جائے اور چھوٹا جوان ہو جائے اور مومن انتہائی اذیت میں اس وقت تک مبتلا رہے جب تک کہ خداوند عالم سے لمحظ نہ ہو۔ میں نے دیکھا کہ ان دونوں باتوں میں صبر زیادہ بہتر ہے۔ میں نے صبر کیا حالانکہ آنکھیں جل رہی تھیں اور گلا گھٹ رہا تھا کہ میری دولت لٹ رہی ہے۔“

اس پورے خطبہ (شقشقیہ) کے آخر تک آپ نے اسی کا ماتم کیا۔ نہ جانے کتنی مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا ہوگا:

”پانے والے! قریش اور ان کو مدد پہنچانے والوں کے مقابلہ میں
تجھ سے طالبِ اعانت ہوں۔ انھوں نے قطع رحم کیا اور میری
بلندی منزلت کو حقیر و پست بنایا اور ایسی چیز کے واسطے جو
حقیقتاً میرے لیے ہے جس کا میں حقدار ہوں، مجھ سے جھگڑنے
کے لیے ایک کر بیٹھے ہیں“

”ثم قالوا: الا ان في الحق ان تاخذہ وفي الحق
ان تتركہ“

کسی کہنے والے نے امیر المومنینؑ سے کہا کہ:
”اے فرزند ابوطالب! آپ اس امر خلافت میں حریص معلوم
ہوتے ہیں“

آپ نے فرمایا:
”بلکہ تم قسم بخدا زیادہ حریص ہو۔ میں تو اپنا حق طلب کر رہا ہوں،
اور تم لوگ میرے اور میرے حق کے درمیان رکاوٹ بن رہے
ہو۔“

نیز آپ نے ایک موقع پر فرمایا:

”قسم بخدا میں ہمیشہ اپنے حق سے روکا گیا اور ہمیشہ مجھ پر دوسروں
کو ترجیح دی گئی جس وقت سے رسولؐ کی آنکھ بند ہوئی اس
وقت سے لے کر آج تک“

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا:

”وہ ہمارا حق ہے اگر ہمارا حق ہمیں دے دیا گیا تو خیر نہیں تو
پھر ہم بھی چل کھڑے ہوں گے۔“

”لنا حق نانا اعطینا، والا دکبنا اعجاز

الابل وان طال السرى“

ایک خط جو آپ نے اپنے بھائی عقیل کو لکھا۔ اس میں فرماتے ہیں:
”بدلہ لینے والے ہماری طرف سے قریش کو بدلہ دیں انھوں نے
میرا قطع رحم کیا اور میرے بھائی کی قوت و سطوت مجھ سے چھین
لی۔“

امیر المومنینؑ نے بار بار فرمایا ہے:

”میں نے اپنے گرد و پیش نگاہ ڈالی۔ کوئی اپنا مددگار نظر نہ آیا ہے
دے کے بس میرے گھر والے تھے۔ میں نے ان کا مرنا گوارا نہ
کیا۔ خس و خاشاک پڑے رہنے کے باوجود آنکھیں بند رکھیں اور
گلا گھٹ رہا تھا مگر پیٹ پر محبور ہوا۔ سکوت اختیار کرنے
اور علقم سے زیادہ تلخ گھونٹ پینے پر میں نے صبر کیا۔“
ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

”کہاں ہیں وہ لوگ جو ہمارے ہوتے اپنے کو راسخین فی العلم کہتے
ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں، سرکشی کرتے ہیں، خداوند عالم نے
ہمیں سر بلند بنایا، انھیں لپٹ کیا۔ ہمیں اپنی عطاؤں سے

۱۔ نہج البلاغہ

۲۔ نہج البلاغہ ج ۳ صفحہ ۶۷ چھٹی و اٹھویں

۳۔ نہج البلاغہ جز اول خطبہ ۳۵ صفحہ ۶۲

۴۔ نہج البلاغہ جز ثانی صفحہ ۳۶

مالا مال کیا۔ انھیں محروم رکھا۔ ہمیں اپنی آغوشِ رحمت میں لیا
انھیں نکال باہر کیا۔ ہم سے ہدایت مانگی جاتی ہے اور کور
لگا ہیں روشن کی جاتی ہیں۔ امام قریش ہی سے ہوں گے اور
وہ بھی بنی ہاشم کی اولاد سے، غیر بنی ہاشم سزاوار ہی نہیں اور نہ
حکومت بغیر ان کے درست رہ سکتی ہے۔

جنابِ سیدہ کا احتجاج

جنابِ سیدہؓ نے بھی بہت پر زور احتجاج فرمائے ہیں۔ دو خطبے تو آپ کے
اتنی اہمیت کے حامل ہیں کہ اہل بیت علیہم السلام ان کا یاد کرنا اپنے بچوں کے
لیے اسی طرح ضروری قرار دیتے تھے جس طرح کلامِ مجید کا یاد کرنا۔ اس خطبہ میں
آپ نے ان لوگوں کی خبر لی ہے جنھوں نے خلافت کی عمارت کو اس حقیقی بنیاد
سے ہٹا کر بے جگہ رکھا چنانچہ فرماتی ہیں :

”وائے ہو ان لوگوں پر انھوں نے خلافت کو رسالت کی بنیاد
نبوت کی نیو، اور روح الامین کی منزل اور دین و دنیا دونوں
کے امور سے واقف و باخبر شخص سے ہٹا کر کہاں رکھ دیا؟ بلاشبہ
یہ بہت بڑا گھانا ہے۔ یہ آخر علیؓ پر اتنا عتاب کیوں ہے؟
ان کا یہ عتاب محض ان کی تلوار کی بارٹھ، سختی سے روند ڈالنے
ورننگ سزا دینے اور خدا کے معاملہ میں انتہائی تشدد سے
کام لینے کی وجہ سے ہے۔ خدا کی قسم اگر یہ لوگ ایک ساتھ اس
سلسلے سے منسلک ہو جائے جو رسولِ علیؓ کے ہاتھوں میں
دے گئے ہیں اور سب کے سب مل کر ان کے حلقہٴ اطاعت

میں آجاتے تو علیؑ انھیں باندھ کر رکھتے اور بہت سہل و آسان
چال سے لے کر چلتے۔ نہ تو انھیں کوئی اذیت ہوتی نہ تکلیف
کا سامنا ہوتا اور علیؑ انھیں شیریں و خوشگوار چھلکتے ہوئے
سیر و سیراب بنا کر پلٹاتے اور ظاہر و باطن بہر حال ان کے
خیر خواہ رہتے۔

اس موضوع میں عزتِ طاہرہ کے کلام کا یہ نمونہ ہے اس پر باقی
حضرات کے احتجاج کا قیاس کر لیجیے۔

ش

اے ابوبکر احمد بن عبدالعزیز جوہری کی کتاب السقیفہ و فک اور بلاغات النساء صفحہ ۲۳۔
شیخہ علامہ نے طبری میں احتجاج میں علامہ مجلسی نے بہار الانوار میں اور دیگر بہت سے
علامہ اعلام نے اپنے مصنفات میں ذکر کیا ہے۔

مکتوب نمبر ۵۳

سلسلہ بیان کو مکمل کرنے کے لیے میری التجا ہے کہ آپ امیر المؤمنینؑ و
جناب سیدہ کے ماسوائے دیگر حضرات کے احتجاج ذکر فرمائیے۔

س
جواب مکتوب

عبد اللہ بن عباس کا احتجاج

میں آپ کی توجہ اس گفتگو کی طرف مبذول کرتا ہوں جو ابن عباس
اور حضرت عمر کے درمیان ہوئی۔ ایک طولانی گفتگو کے دوران میں جب حضرت
عمر نے یہ فقرہ کہا کہ :

”اے ابن عباس تم جانتے ہو کہ رسولؐ کے بعد خلافت سے بچنے
کس چیز نے محروم رکھا۔“
ابن عباس کہتے ہیں کہ :

”میں نے مناسب نہ جانا کہ جواب دوں میں بولا : اے حضورؐ
اگر میں نہیں جانتا تو آپؐ تو جانتے ہی ہیں۔“
حضرت عمرؓ نے کہا :

”لوگوں کو یہ بات گوارا نہ ہوئی کہ نبوت و خلافت دونوں تم ہی
میں جمع ہو کر رہ جائیں اور تم خوش خوش رہ کر اپنی قوم والوں
کو روندو۔ لہذا قریش نے خلافت کو اپنے لیے چنا اور وہ ہیں
خیال میں درستی پر تھے اور وہ موفق بھی ہوئے۔“
ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے کہا :

”اے حضورؐ! اگر مجھے بھی بولنے کی اجازت دیں اور خفا نہ ہوں
تو کچھ عرض کروں۔“
حضرت عمرؓ نے کہا :
”ہاں ہاں کہو۔“

ابن عباس کہتے ہیں : تب میں نے کہا :
”آپؐ کا یہ کہنا کہ قریش نے خلافت کو اپنے لیے اختیار کیا اور
اس خیال میں وہ اس کے لیے موفق بھی ہوئے تو اگر قریش خدا
کی مرضی سے اپنے لیے یہ اختیار کیے ہوتے (یعنی خدا بھی انھیں
خلافت کے لیے پسند کیے ہوتا) تو یقیناً وہ حق پر تھے۔ نہ ان کی رد
کی جاسکتی اور نہ ان پر حسد کیا جاتا۔ آپؐ نے یہ جو کہا کہ قریش

وائے راضی نہ ہوئے کہ خلافت و نبوت دونوں تمہارے ہی اندر
 رہیں تو خداوندِ عالم نے ایک قوم کی اسی راضی نہ ہونے پر ان الفاظ
 میں توصیف کی ہے : ذلک بأنہم کړہوا ما انزل اللہ
 فاحبط اعمالہم ۔ انہوں نے ناپسند کیا ان آیات کو
 جو خداوندِ عالم نے نازل کیں تو خدا نے بھی ان کے سارے اعمال
 خاک میں ملا دیے ۔

اس پر حضرت عمر بوئے :

”وائے ہواے ابن عباس تمہارے بارے میں مجھے کچھ باتیں معلوم
 ہوتی رہی ہیں۔ مجھے تو پسند نہیں کہ واقعاً وہ صحیح ہوں جس کی وجہ
 سے تمہاری منزلت میرے نزدیک گھٹ جائے۔“

ابن عباس بوئے :

”حضور وہ کون سی باتیں ہیں اگر وہ حق بجانب ہیں تب کوئی وجہ نہیں
 کہ میری منزلت آپ کے دل سے جاتی رہے۔ اگر وہ باطل پر ہیں
 تو میں ان سے کنارہ کشی پر تیار ہوں۔“

حضرت عمر نے کہا :

”مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم کہتے ہو کہ خلافت کو لوگوں نے ہم سے
 حسد کر کے ، باغی ہو کر اور ازراہ ظلم پھیر لیا۔“

ابن عباس کہتے ہیں کہ میں بولا :

”سرکارِ آپ کا یہ جملہ کہ ازراہ ظلم پھیر لیا تو یہ ہر دانا اور نادان پر
 روشن ہے۔ رہ گیا یہ فقرہ کہ ”حسد کی وجہ سے“ تو اس کے
 متعلق عرض ہے کہ جنابِ آدم سے بھی حسد کیا گیا تھا اور ہم تو

انہی کی اولاد میں جن سے حسد کیا گیا۔
تیسری گفتگو میں حضرت عمرؓ نے کہا:
”اے ابن عباس میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ علیؓ واقفاً مظلوم ہیں اور
خلافت ان سے چھین کر ظلم کیا گیا۔“
اس پر ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے کہا:
”تو حضور خلافت انہیں واپس کیوں نہ کر دیں۔“
اس پر حضرت عمرؓ نے میرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور غرائے ہوئے آگے
بڑھ گئے۔ پھر ٹھہر گئے میں تدم بڑھا کر پاس پہنچا۔ حضرت عمرؓ بولے:
”اے ابن عباس میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ علیؓ کو لوگوں نے صغیر السن سمجھ
کر خلیفہ نہ ہونے دیا۔“
ابن عباس کہتے ہیں کہ اس پر میں بولا:
”مگر خدا کی قسم خدا و رسولؐ نے تو اس وقت انہیں صغیر السن نہ
جانا جب علیؓ کو خدا اور رسولؐ نے حکم دیا تھا کہ جا کر آپ کے دست
ابو بکر سے سورۃ براءۃ لے لیں۔“
ابن عباس کہتے ہیں کہ:
”اس پر حضرت عمرؓ نے منہ پھیر لیا اور جلدی سے آگے بڑھ گئے۔
میں پلٹ آیا۔“

ابن عباس اور حضرت عمرؓ کی نہ جانے اس مسئلہ پر کتنی مرتبہ باتیں ہوئیں
صفحات مابین میں وہ واقف آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں جب ابن عباس نے خوارج

کے مقابلہ میں علیؑ کی دستِ خصوصیات ذکر کر کے احتجاج فرمایا تھا۔ بہت ہی جلیل الشان اور طولانی حدیث ہے۔ اسی میں ابن عباس نے کہا تھا:

”حضرت سرور کائناتؑ نے اپنے بنی عام سے کہا کہ تم میں کون ایسا ہے جو دین و دنیا میں میرا ولی بنے۔ سب نے انکار کیا۔ حضرت علیؑ نے آمادگی ظاہر کی کہ میں دین و دنیا میں آپ کا ولی ہوں گا۔

یا رسول اللہؐ۔ اس پر سرور کائناتؑ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: تم دنیا و آخرت میں میرے ولی ہو۔“

آگے چل کر ابن عباس نے کہا:

”رسول اللہؐ جنگِ تبوک کے لیے روانہ ہوئے لوگ بھی ہمراہ تھے حضرت علیؑ نے پوچھا۔ میں بھی ساتھ چلوں؟ رسولؐ نے فرمایا نہیں! اس پر حضرت علیؑ رونے لگے۔ رسولؐ نے فرمایا: اے علیؑ کیا تم کو یہ بات گوارا نہیں کہ میرے نزدیک تمہاری وہی منزلت ہو جو ہارونؑ کی منزلت تھی موسیٰؑ کے نزدیک سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔ اے علیؑ میرا جانا ممکن نہیں جب تک تمہیں میں یہاں اپنا جانشین چھوڑ کے نہ جاؤں۔“

ابن عباس کہتے ہیں کہ:

”اور رسولؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اے علیؑ! تم میرے بعد ہر مومن کے ولی ہو۔“

ابن عباس کہتے ہیں:

”اور رسولؐ نے فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کے علیؑ بھی مولا ہیں۔“

بنی ہاشم کے اکثر افراد نے اسی طرح مختلف مواقع پر احتجاج کیا یہاں تک کہ امام حسنؑ، ابوبکر کے پاس جبکہ وہ منبر رسولؐ پر بیٹھے تھے پہنچے اور کہا :
 ”اُترو، میرے باپ کے بیٹھنے کی جگہ ہے“

ایسا ہی واقعہ امام حسینؑ کا حضرت عمر کے ساتھ پیش آیا۔ وہ بھی منبر پر ایک مرتبہ بیٹھے تھے کہ امام حسینؑ پہنچے اور آپ نے ان سے اُتر آنے کو کہا۔
 شیعی کتابوں میں بنی ہاشم اور بنی ہاشم کے طرفدار صحابہ و تابعین صحابہ کے بے شمار احتجاج موجود ہیں۔ آپ ان کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیے۔ صرف علامہ طبری کی کتاب الاحجاج میں خالد بن سعید بن عاص امویؓ، سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، عمار یاسرؓ، بریدہ اسلمیؓ، ابوالثیم ابن تیہان دہلؓ و عثمان فرزدان حنیفؓ، خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتینؓ، ابی بن کعبؓ، ابوالیوب انصاریؓ وغیرہ میں سے ہر شخص کے احتجاج مذکور ہیں۔ وہی کافی ہوں گے۔

نئے منہ ان لوگوں کے جنہوں نے ابوبکر کی خلافت نہ مانی خالد بن سعید بھی ہیں بنی مہینہ مکہ انھیں انکار رہا۔ طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۱۷۷ ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب ابوبکر نے شام کی طرف لشکر روانہ کیا تو انھیں خالد کو سردار مقرر کیا اور علم شکر لے کر ان کے گھر پر آئے۔ اس پر عمر نے کہا تھا کہ تم خالد کو انصاری دیتے ہو اور ان کے جو خیالات ہیں وہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہیں۔ حضرت عمر اتنا پیچھے پڑے کہ آخر ابوبکر نے آدمی بھیج کر علم واپس منگوا لیا۔ خالد نے واپس کر دیا اور کہا تمہارے افسر بنائے سے نہ تو پہلے مجھے خوشی ہوئی تھی نہ اب معزول کرنے سے مجھے رنج ہوا۔ حضرت ابوبکر نے ان کے گھر اگر بہت عذر و معذرت کی اور کہا کہ عمر کو میرا آنا اور معذرت کرنا معلوم نہ ہونے پائے۔ جس جس نے شام کی طرف لشکر کی روانگی کا ذکر کیا ہے اس واقعہ کی طرف ضرور اشارہ کیا ہے۔ یہ واقعہ مشہور واقعات میں سے ہے۔

اہل بیت طاہرینؑ اور ان کے دوستان کے حالات کی چھان بین کیجیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ احتجاج کا جب بھی موقع ملا انھوں نے اچھے سے جانے نہ دیا۔ مختلف طریقوں سے احتجاج فرمایا کیے۔ صاف صاف لفظوں میں، کبھی اشارتاً، کبھی سختی سے، کبھی نرمی سے، کبھی دوران تقریر میں، کبھی بصورت تحریر، کبھی نشر میں کبھی نظم میں، جیسا موقع ہوا اور نازک حالات نے جس صورت سے اجازت دی غافل نہیں رہے۔

یہی وجہ تھی کہ احتجاج کرنے والے نے بطور احتجاج واستدلال امیر المؤمنینؑ کے وصی پیغمبرؑ ہونے کا اکثر و بیشتر ذکر کیا جیسا کہ جتھو سے پتہ چلتا ہے۔

ش

مکتوب نمبر ۵۲

کن لوگوں نے آپ کے وصی ہونے کا ذکر کیا اور کب احتجاج کیا؟ مثلاً وہی ایک مرتبہ جب جناب عائشہ کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا مگر جناب عائشہ نے تردید کر دی تھی جیسا کہ ہم قبل میں بیان کر چکے ہیں۔

س

جواب مکتوب

خود امیر المومنینؑ نے برسرِ منبر ذکر فرمایا۔ ہم اصل عبارت صفحات ماسبق پر نقل کر چکے ہیں۔ نیز جس جس نے دعوتِ عشیرہ والی حدیث جس میں امیر المومنینؑ کے وصی پیغمبرؐ ہونے کی صاف صاف تصریح کی ہے روایت کی ہے اس نے امیر المومنینؑ ہی کی طرف اس حدیث کی نسبت دی ہے۔ تمام اسناد آپ ہی تکملاً

منتهی ہوئے ہیں۔ آپ ہی سے سب نے سنا اور آپ ہی سے سب نے روایت کی جس کا مطلب یہ ہوا کہ جتنے اشخاص نے اس حدیث کی امیر المومنینؑ سے روایت کی سب سے آپ نے اپنے وصی ہونے کا ذکر فرمایا۔ ہم اس حدیث کو گزشتہ صفحات پر ذکر کر چکے ہیں۔

امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد امام حسن مجتبیٰؑ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں آپ نے فرمایا تھا:

”میں نبیؐ کا منہ زند ہوں میں وصی کا بیٹا ہوں!“

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

”حضرت علیؑ رسولؐ کے ساتھ ساتھ رسالت کے پہلے روشنی دیکھتے اور آواز سنتے تھے!“

نیز آپ فرماتے ہیں کہ:

”حضرت سرور کائناتؐ نے امیر المومنینؑ سے فرمایا اگر میں خاتم الانبیاء نہ ہوتا تو تم میری نبوت میں شریک ہوتے، اگر نبی نہیں تو تم نبی کے وصی، نبی کے وارث ہو!“

یہ چیز تقریباً جملہ اہل بیت علیہم السلام سے بتواتر منقول ہے اور الطہارۃ و موالیان اہل بیت کے نزدیک صحابہ کے زمانہ سے لے کر آج تک بدیہات میں سے سمجھی جاتی ہے۔

جناب سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ:

”میں نے رسولؐ کو کہتے سنا: میرے وصی، میرے رازوں کی جگہ اور بہترین وہ فرد جسے میں اپنے بعد چھوڑوں گا جو میرے وعدوں کو پورا کرے گا اور مجھے میرے دیون سے سبکدوش بنائے گا وہ

علیؑ ابن ابی طالب ہیں“

جناب ابوالیوب انصاری فرماتے ہیں کہ :

”میں نے رسول اللہؐ کو کہتے سنا آپ جناب سیدہ سے فرما رہے تھے کیا تم جانتی نہیں کہ خداوند عالم نے روئے زمین کے باشندوں پر نگاہ کی ان میں تمہارے باپ کو منتخب کیا اور نبوت سے سرفراز کیا پھر دوبارہ نگاہ کی اور تمہارے شوہر کو منتخب کیا اور مجھے وحی کے ذریعہ حکم دیا تو میں نے ان کا نکاح تمہارے ساتھ کر دیا

اور انھیں اپنا وصی بنایا“

بریدہ کہتے ہیں کہ میں نے رسولؐ کو کہتے سنا :

”ہر بنی کے لیے وصی اور وارث ہوا کرتا ہے اور میرے وصی و

وارث علیؑ بن ابی طالب ہیں“

جناب جابر بن یزید جعفی جب امام محمد باقرؑ سے کوئی حدیث روایت کرتے تو کہتے کہ مجھ سے وصی الاوصیاء وصیوں کے وصی نے بیان کیا (ملاحظہ ہو میزان الاعتدال علامہ ذہبیؒ حالات جابر)

ام خیر بنت حلث بنی بارقیہ نے جنگ صفین کے موقع پر ایک تقریر کی جس میں انھوں نے اہل کوفہ کو معاویہ سے جنگ کرنے پر ابھارا تھا۔ اس تقریر میں انھوں نے یہ بھی کہا تھا :

”اَوّ، اَوّ، خدا تم پر رحمت نازل کرے۔ اس امام کی طرف جو

عادل ہیں، وصی پیغمبرؐ ہیں، وفا کرنے والے اور صدیق اکبر ہیں“

اسی طرح کی پوری تقریر ان کی تھی۔

لے بلاغات انصار ص ۱۱۱

یہ توسلف صالحین کا ذکر تھا جنہوں نے اپنے اپنے خطبوں میں اپنی حدیثوں میں وصیت کا تذکرہ کر کے اس کو مستحکم کیا۔ اگر ان کے حالات کا جائزہ لیجیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ وصی کا لفظ امیر المومنینؑ کے لیے یوں استعمال کرتے تھے جیسے مسمیات کے لیے اسمار کا استعمال ہوتا ہے۔ آپ کا نام ہی پڑ گیا تھا وصی۔ حد تو یہ ہے کہ صاحب تاج العروس جلد ۱۰ ص ۲۹ لغت تاج العروس میں لفظ وصی کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”الوصي كعني لقب علي“

”وصی بر وزن عنی حضرت علیؑ کا لقب ہے۔“

اشار میں اس قدر کثرت سے آپ کے لیے لفظ وصی کا استعمال کیا گیا ہے کہ کوئی حساب ہی نہیں۔ ہم صرف چند شعر اپنے مقصد کی توضیح میں ذکر کیے دیتے ہیں۔
عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کہتے ہیں :

وصي رسول الله من دون اهله وناسه ان قيل هل من منازل

”آپ رسول خدا کے وصی ہیں البیتؑ میں آپ کے سوا اور کوئی

وصی رسولؐ نہیں اور اگر میدان جنگ میں دشمن کی طرف سے

مقابل کی طلب ہو تو آپ ہی شہسوار شجاعت ہیں“

مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب نے جنگ صفین میں چند شعر کہے تھے

جس میں اہل عراق کو معاویہ سے جنگ پر ابھارا تھا۔ اس میں ایک شعر یہ بھی تھا

هَذَا وصي رسول الله قاتلكم وصهره وكتاب الله قد فسرنا

”یہ رسول اللہؐ کے وصی اور تمھارے قاتل ہیں۔ رسولؐ کے واما

اور خدا کی کھل ہوئی کتاب ہیں“

عبداللہ بن ابی سفیان بن حارث بن عبدالمطلب کہتے ہیں :

ومن اعلى ذاك صاحب خيبر وصاحب بدر يوم سالت كتابه
وصي النبي المصطفى وابن عمه فنن ذابيدانيه ومن ذابيقاربہ
”اور ہم ہی میں سے وہ علیؑ ہیں خیبر والے (جنہوں نے خیبر فتح کیا)
اور بدر والے (جن کی بدولت جنگ بدر میں فتح ہوئی) جو پیغمبر
خدا حضرت محمد مصطفیٰؐ کے وصی اور ان کے چچا کے بیٹے ہیں کون
ان کا مقابلہ کر سکتا ہے اور عزت و شرف میں کون ان سے قریب
ہو سکتا ہے“

ابو البیثم بن تیہان صحابی پیغمبرؐ نے (جو جنگ بدر میں بھی شریک رہ چکے ہیں)
جنگ جمل کے موقع پر چند شعر کہے تھے۔ ان میں یہ شعر بھی تھا ہے
ان الوصی امامنا وولینا برح الخفاء وباحت الاسرار
”وصی پیغمبر ہمارے امام و حاکم ہیں۔ پردہ اٹھ گیا اور راز
ظاہر ہو گئے“

خرمیر بن ثابت ذوالشہادتین نے (یہ بھی جنگ بدر میں شریک رہ چکے ہیں)
جنگ جمل کے موقع پر چند شعر کہے، ان میں ایک شعر یہ تھا ہے
یا وصی النبي قد أحببت الحر الأعادي وسارت الأطفان
”اے وصی رسولؐ جنگ نے دشمنوں کو متحرک کر دیا ہے۔ یہود و
نشین عورتیں مقابلہ کے لیے چل کھڑی ہوئی ہیں“
انھیں کے یہ اشار بھی ہیں

اعاش خلی عن علی وعیبه بمالین نیہ اسمانت والدہ
وصی رسول اللہ من دون اہلہ وانت علی ما کان من ذاک شاہدہ
”اے عائشہؓ، علیؑ کی دشمنی اور ان کی عیب جوئی سے جو حقیقتاً ان میں

نہیں، بلکہ بخاری من گھڑت ہے باز رہو، وہ رسول خدا کے وحی ہیں
الہییت ہیں، آپ کے سوا اور کوئی وحی رسول نہیں اور علیؑ کو رسول
سے جو خصوصیت حاصل ہے تم خود اس کی چشم دید شاہد ہو۔
عبداللہ بن بدیل بن ورتاہزاعی نے جنگ جمل میں یہ شعر کہا تھا۔ یہ
بزرگ بہادر ترین صحابہ میں سے تھے۔ یہ اور ان کے صحابی عبدالرحمن جنگ صفین
میں شہید ہوئے۔

يا قوم للخطبة العظمى التي حدثت حرب الوصي وما للحرب من آسي
”اے قوم والو! یہ کتنی مصیبت ہے کہ جس نے وحی رسولؐ سے
جنگ چھیڑ دی ہے اور جنگ کے لیے کوئی مددوا نہیں“
خود امیر المومنینؑ نے جنگ صفین کے موقع پر یہ شعر فرمایا:
ما كان يرضى احمد لو اُخبرنا ان يقرنوا وصيه والا يُبتوا
”رسولؐ کو اگر یہ خبر پہنچائی جائے کہ لوگوں نے آپ کے وحی اور
مقطوع النسل یعنی معاویہ کو ہم پہلے سمجھ لیا ہے تو رسولؐ اس بات
سے ہرگز خوش نہ ہوں گے“

جریر بن عبداللہ بجلي صحابی نے چند اشعار شرجیل بن سمط کو تحریر
کر کے بھیجے تھے اس میں امیر المومنینؑ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: یہ
وصي رسول الله من دون اهله وفارسه الحجابي به يضرب المثل
”آپ رسول خدا کے وحی ہیں۔ الہییت میں آپ کے
سوائے کوئی دوسرا وحی رسول نہیں اور وہ جماعت کرنے
والے شہسوار ہیں جن سے مثل بولی جاتی ہے“
عمر بن حارثہ انصاری نے چند شعر محمد بن امیر المومنینؑ (جو محمد بن حنفیہ

کے نام سے مشہور ہیں) کی مدح میں کہے تھے۔ ان میں ایک شعر یہ بھی ہے :۔

سمي النبي وشبهه الوحي درايته لونها العندم

» (محمد بن حنفیہ) نبیؐ کے ہم نام اور وصیؑ نبیؐ (یعنی امیر المؤمنینؑ)

کے مشابہ ہیں اور آپ کے علم کے پھریرے کا رنگ خویش
رنگ ہے۔“

جب قتل عثمان کے بعد لوگوں نے حضرت علیؑ کی بیعت کی اس موقع
پر عبدالرحمن بن حیل نے یہ شعر کہے تھے :۔

لعبدی لقد بايعتم ذا حفيظة على الدين معروف العفان موقتا

علیاً وصیؑ المصطفیؑ وابن عمه وازل من حلی أخوا الدين والتقى

”اپنی زندگی کی قسم تم نے ایسے شخص کی بیعت کی جو دین کے معاملہ

میں بڑا باعزت و محبت ہے جس کی پاکدامنی مشہور آفاق ہے

اور توفیقات الہی جس کے شامل حال ہیں“

”تم نے علیؑ کی بیعت کی ہے جو محمد مصطفیؑ کے وصیؑ اور ان کے

چچا کے بیٹے ہیں اور پہلے نماز پڑھنے والے ہیں اور صاحبِ

دین و تقویٰ ہیں“

قبیلہ اُزد کے ایک شخص نے جنگ جمل میں یہ شعر کہے تھے :۔

هَذَا عَلِيٌّ وَهُوَ الْوَمِي آخَاهُ يَوْمَ النُّجُوةِ النَّبِيُّ

دُفَاتِلُ هَذَا بَعْدِي الْوَلِيُّ وَعَاهُ وَاعٍ وَنَسِي الشَّقَى

”یہ علیؑ ہیں اور وہی وصیؑ ہیں جنہیں رسولؐ نے یومِ نجرہ

اپنا بھائی بنایا تھا اور کہا تھا کہ یہ میرے بعد میرے ولی

ہیں۔ یاد رکھنے والوں نے اس کو یاد رکھا اور جو بد بخت تھے

وہ مجھلا بیٹھے۔

جنگِ جمل میں بنی ضبہ کا ایک نوجوان جو جناب عائشہ کی طرف سے
جنگ میں شریک تھا صف سے نکلا اور یہ اشعار بطور جز پڑھے :

نحن بنو ضبة أعداء علي ذاك الذي يعرف قدمًا بالوصي
رفاس الخيل على عهد النبي ما أنا عن فهدل علي بالعمي
لكنني أُنعي ابن عصفار التقي

”ہم بنو ضبہ ہیں جو علیؑ کے دشمن ہیں۔ وہی علیؑ جو ہمیشہ وصی
کہے گئے اور رسولؐ کے زمانہ میں لشکر کے شہسوار تھے ہیں
علیؑ کے فضل و شرف سے اندھا نہیں ہوں لیکن میں عثمان
کی خبر مرگ سنانے آیا ہوں۔“

سعید بن قیس ہمدانی نے جو حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ میں شریک
تھے، یہ اشعار کہے تھے : ے

أيه حرب اضرمتم نيرانها وكسرت يوم الوغى مرانها
قل للومي اقبلت تحطاتها فادع بها تكفيكها همدانها
هم بنوها وهم اخوانها

”یہ کون سی لڑائی کی آگ بھڑکائی گئی ہے اور جنگ کے دن
نیزے ٹوٹ ٹوٹ گئے کہو وصی سے کہ بنو قحطان کل کے کل
اُمڈ آئے ہیں آپ بنی ہمدان کو پکار بیے وہ آپ کی کفایت
کریں گے کیونکہ وہ بنو قحطان کے بیٹے اور بھائی ہیں۔“

زیاد بن لبید انصاری نے جو امیر المومنینؑ کے اصحاب سے ہیں جنگ
جمل میں یہ شعر کہے تھے : ے

کیف تنری الأنصار فی یوم الکلب إنا أناس لا نبالی من عطب
ولا نبالی فی الیومی من غضب وإنا الأنصار حبد لا لعب
هذا علی وابن عبد المطلب نتصرخ الیوم علی من قد کذب
من یکسب البغی فبئس ما اکتسب

» اے امیر المومنین! آپ اس شدید جنگ کے دن انصار کو
کیسا پارہے ہیں ہم لوگ ایسے آدمی ہیں جو موت سے
نہیں ڈرتے اور وصی کے بارے میں ہم غضب و غصہ کی
پروا نہیں کرتے۔ انصار کھیل ٹھٹھا نہیں، وہ حقیقت و واقعیت
کے حامل ہیں۔ یہ علی ہیں جو فرزند عبد المطلب ہیں۔ ہم ان کی آج
جھوٹوں کے مقابلہ میں مدد کر رہے ہیں جس نے بناوت کا ارتکاب
کیا اُس نے بہت بُرا کیا !

حجر بن عدی کنڈی نے بھی اسی دن یہ شعر کہے تھے :

یا ربنا سلم لنا علیا سلم لنا المبارک المصنیا
المومن الموحد التقیا لا حطل الرأی ولا غویا
بل هادیاً موفقاً مهدياً واحفظه ربی واحفظ النبیا
فیه فقد کان له ولیا ثم ارتضاه بعده وصیا

» پروردگار تو ہمارے لیے علیؑ کو صحیح و سالم رکھ۔ صحیح و
سالم رکھ ہمارے لیے مبارک اور منیا گستر ہستی کو جو
مومن ہیں، موحد ہیں، پرہیزگار ہیں۔ جہل رائے والے نہیں
نہ گمراہ ہیں۔ بلکہ ہدایت کرنے والے توفیقات ربانی کے حامل
ہدایت یافتہ ہیں۔ ان کو محفوظ رکھ پروردگار اور ان کی وجہ

سے نبیؐ کو محفوظ رکھ کیونکہ یہ رسولؐ کے ولی ہیں۔ پھر اپنے بعد کے
یہ نبیؐ نے انھیں وصی بنانا پسند کیا۔“

عمر بن الجحیہ نے جنگ جمل کے دن امام حسنؑ کے خطبہ کی تعریف و توصیف
میں جو آپ نے ابن زبیر کے خطبہ کے بعد فرمایا تھا چند شعر پڑھے۔ ایک شعر
یہ ہے : ہ

وَأَبَى اللَّهُ أَنْ يَقُومَ بِمَا قَامَ بِهِ ابْنُ الْوَمِيِّ وَابْنُ النَّجِيبِ
”خداوند عالم کو ہرگز گوارا نہیں کہ ابن زبیر وصی کے فرزند اور شریف
و معزز کے تختِ جگہ یعنی امام حسن کی برابری کر سکے۔“
زجر بن قیس جعفی نے بھی جنگ جمل کے موقع پر یہ شعر کہا تھا : ہ
اضربكم حتى تقرروا علي خير تليث كلها بعد النبي
من زانه الله وسماه الومي

”میں اس وقت تک تم کو تہ تیغ کرتا رہوں گا جب تک تم علیؑ کی
امامت کا اقرار نہ کر لو۔ وہ علیؑ جو بعد رسولؐ قریش میں سب
سے بہتر ہیں جنھیں خدا نے کمالات و فضائل سے زینت بخشی اور
ان کا نام وصی رکھا ہے۔“

انھیں زجر نے جنگ صفین کے موقع پر یہ اشارہ کیے تھے : ہ

فَضْلِي إِلَّا لَهُ عَلَى أَحْمَدِ رَسُولِ الْمَلِكِ تَمَامُ النِّعَمِ
رَسُولِ الْمَلِكِ وَمَنْ بَعْدَهُ خَلِيفَتُنَا الْقَائِمُ السَّعَمِ
عَلِيًّا عَنِيتُ وَصِي النَّبِيِّ يَجَالِدُهُ غَوَاةُ الْأُمَمِ
”خدا رحمت نازل کرے حضرت احمد مجتبیٰؑ پر جو خدا کے رسولؐ
تھے اور جن کے ذریعہ نعمتیں تمام ہوئیں (رحمت نازل ہو) خدا کے

رسولؐ پر اور ان کے بعد ہمارے موجودہ خلیفہؑ پر جو جائے پناہ ہیں۔
میری مراد علیؑ سے ہے جو رسولؐ کے وصیؑ ہیں جس سے امت کے
گمراہ لوگ برسرِ پیکار ہیں۔
اشعث بن قیس کنڑی کہتا ہے: ہے

أتانا الرسول رسول الامام نسر به مقدمه المسلمونا
رسول الوصي وصي النبي له السبق والفضل في المؤمنين
”ہمارے پاس قاصد آیا، امام کا قاصد، اس کے آنے سے
مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، وصی کا قاصد آیا وہ وصی
جو نبیؐ کا ہے جسے تمام مومنین میں سبقت و فضیلت
حاصل ہے۔“

نیز یہ اشعار بھی اسی اشعث کے ہیں: ہے

أتانا الرسول رسول الوصي علي المذهب من هاشم
وزير النبي وذي صهره وخير البديّة والعالم
”ہمارے پاس قاصد آیا وصی رسولؐ کا قاصد۔ یعنی علیؑ کا جو
بنی ہاشم میں (کمالات سے) آراستہ و پیراستہ ہیں جو نبیؐ کے وصی
ہیں اور داماد ہیں اور تمام عالم اور جملہ خلق سے بہتر ہیں۔“
نعمان بن عجلان زرقی انصاری نے جنگ صفین میں یہ اشعار کہے:
كيف التفرق والوصي امامنا لا كيف الاحيرة وتخاذلا
فذرنا معاوية الغوي وتابعوا دين الوصي لتحمدوه آجلا
”یہ پراگندگی کیسی جبکہ وصی رسولؐ ہمارے امام ہیں۔ نہیں بھلا
کیونکہ یہ پراگندگی ممکن ہے یہ صرف گزشتگی اور ایک دوسرے

کی مدد نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ گمراہ معاویہ کو چھوڑو اور وصیؑ رسولؐ کے دین کی پیروی کرو تاکہ تمہارا انجام پسندیدہ ہو۔“
عبدالرحمن بن ذؤیب اسلمی نے چند اشعار کہے جن میں معاویہ کو عراق کی فوجوں کی دھمکی دی تھی۔

يقودهم الوصي اليك حتى يردك عن ضلال وارتباب
”ان سواروں کو لے کر وصیؑ رسولؐ تم پر چڑھائی کریں گے۔“
”یہاں تک کہ تم گمراہی اور اس اشتباہی کیفیت سے پلٹ آؤ۔“
عبداللہ بن ابی سفیان بن حارث بن عبدالمطلب کہتے ہیں : ہ
ان ولی الامر بعد محمد علي وفي كل المواطن صاحبه
وصي رسول الله حقا وحنوه داؤل من صلي ومن لان جانبه
”رسالۃ کتاب کے بعد مالک و مختار علیؑ ہیں جو ہر منزل پر
رسولؐ کے ساتھ رہے۔ رسولؐ کے وصی برحق ہیں وہ اور رسولؐ
ایک جڑ کی دو شاخیں ہیں اور پہلے نمازی ہیں اور نرم پہلو
رکھنے والے ہیں۔“
خرمیر بن ثابت ذو الشہادتین کہتے ہیں : ہ

سے یہ تمام اشعار کتب سیر و تواریخ خصوصاً وہ کتابیں جو جنگ جمل و صفین پر لکھی گئی ہیں میں موجود ہیں
علامہ ابن الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ جلد اول میں یہ تمام اشعار اکٹھا کر دیے ہیں اور ان
اشعار کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ایسے اشعار جن میں حضرت کو وصی کہہ کر مراد لیا گیا
بے شمار ہیں ہم نے یہاں صرف وہ اشعار درج کیے ہیں جو بالخصوص جنگ جمل و صفین
کے موقع پر کہے گئے۔

وصی رسول اللہ من دون اہلہ وفارسہ مذکان فی سالف الزمان
 واول من صلی من الناس کلہم سوی خیرۃ النساء واللہ ذو منن
 ”رسولِ خدا کے وصی ہیں اہلبیتؑ میں آپ کے سوا کوئی وصی
 رسولؐ نہیں۔ رسولؐ کے شہسوار میدانِ وفا ہیں گزشتہ زمانے
 سے اور تمام لوگوں میں سوا جنابِ خدیجہ کے سب سے پہلے نماز
 پڑھنے والے ہیں اور خداوندِ عالم بڑے احسانات والا ہے۔“
 زفر بن خدیجہ اسدی کہتے ہیں: ہے
 فحوطوا علیاً وانصروہ فانہ وصی و فی الاسلام اول اول
 ”علیؑ کو اپنے حلقہ میں لے لو اور ان کی مدد کرو کیونکہ یہ وصی
 ہیں اور سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں اول ہیں۔“
 ابوالاسود دولی کہتے ہیں: ہے
 احب محمداً حباً شدیداً وعباساً وحبزۃ والوصیاء
 ”میں حضرت محمد مصطفیٰؐ سے بہت ہی زیادہ محبت رکھتا ہوں
 اور عباسؑ سے اور حمزہؑ سے اور وصی رسولؐ سے۔“
 نعمان بن عجلان جو انصار کے شاعر ہیں اور ان کے سرداروں میں سے
 ایک سردار تھے ایک قصیدہ میں کہتے ہیں جس میں انھوں نے عمرو عاص
 سے خطاب کیا: ہے

لے زفر کا یہ شعر اور اس کے قبل حمزہ کے دونوں شعر امام اسکانی نے اپنی کتاب نقض عثمانیہ میں ذکر
 کیا ہے اور اسے ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۴۵۸ پر نقل کیا ہے۔
 لے شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۱۳ و استیعاب حالات نعمان۔

وكان هوانا في علي وانه
فذلك بعون الله يدعوا الى الهدى
وصي النبي المصطفى وابن عمه
ولا تدرى ولا تدري

”عمر وعاص علیؑ کی اہانت کرتا ہے حالانکہ یہی علیؑ سر اور غلامنت ہیں
جیسا کہ تم جانتے ہو یا تم نہ بھی جالو خدا کی طرف سے ہدایت کی
طرف بلاتے ہیں اور بڑی باتوں سے بغاوت و سرکشی سے اور ہر
نا پسندیدہ امر سے روکتے ہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰ پیغمبر خدا کے
وصی اور ان کے چچا کے بیٹے ہیں اور مگر اسی و کفر کے سواروں کو قتل
کرنے والے ہیں“

فضل بن عباس نے چند اشعار کہے تھے ان میں یہ دو شعر بھی تھے :-
الان خير الناس بعد نبيهم
واول من صلي وصنو نبيه
”آگاہ ہو لوگوں میں بعد رسولؐ سب سے بہتر حضرت محمد مصطفیٰؐ
پیغمبر خدا کے وصی ہیں۔ ہر یاد رکھنے والے کے نزدیک اور پہلے
نماز پڑھنے والے ہیں اور رسولؐ و علیؑ ایک ہی جڑ کی دو شاخیں
ہیں اور پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے جنگ بدر میں سرکشوں کو
ہلاک کیا“

حسان بن ثابت نے چند اشعار کہے تھے جن میں بزبان انصار امیر المومنینؑ

لے تاریخ کاں جلد ۳ صفحہ ۲۴

لے اس مشرک و زبیر بن بکر نے منافقات میں دج کیا ہے اور اس سے ابن ابی الحدید مسترلی نے شرح نہج البلاغہ

جلد ۲ صفحہ ۱۵ پر نقل کیا ہے۔

کی مدح سرائی کی ہے :

حفظت رسول اللہ فینا وعہدہ الیک ومن اولی بہ منک من ومن
ألت أخاہ فی الہدی و وصیہ وأعلم منهم بالکتاب و بالسنن؟
”آپ نے ہمارے درمیان رسولؐ کی حفاظت کی اور اس عہد کی حفاظت
کی جو رسولؐ نے آپ سے متعلق کیا تھا اور آپ سے بڑھ کر رسولؐ سے
زیادہ قربت و خصوصیت کون رکھ سکتا ہے آیا کار ہدایت میں آپ
ان کے وصی نہیں اور تمام لوگوں سے زیادہ قرآن و احادیث نبیؐ کا علم
رکھنے والے ہیں ؟“

کسی شاعر نے امام حسنؑ سے خطاب کر کے کہا ہے :

یا اَجَلُ الْاِنَامِ یا ابن الوصی أنت سبط النبی وابن علی
”تمام مخلوق میں بزرگ و برتر سستی اے وصی رسولؐ کے فرزند
آپ سبط پیغمبرؐ اور علیؑ کے بیٹے ہیں“
امام سفیان بن عیینہ بن حشر مذحجیہ نے چند اشعار حضرت
علیؑ کو مخاطب کر کے کہے جن میں آپ کی مدح کی تھی :
تَدَکُنْتَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ خَلْفًا لَنَا اوصی الیک بنا فکنت وصیہ
”آپ رسولؐ کے بعد ہمارے لیے رسولؐ کے جانشین تھے رسولؐ
نے آپ کو اپنا وصی بنایا۔ آپ نے رسولؐ کی تمام باتیں پوری
کیں۔“

یہ چند اشعار ہیں جنہیں جلدی میں لکھ سکا اور تہنی گنجائش ہو سکی

لے بلاغات احمد

اس مکتوب میں ان اشعار کی جو امیر المومنینؑ کے زمانہ میں اس مضمون کے کہے گئے اگر عہد امیر المومنین کے بعد کے اشعار جمع کرنے بیٹھیں جن میں آپ کو وحی کہہ کر خطاب کیا گیا ہے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو جائے اور پھر بھی اشعار اکٹھا نہ ہو سکیں۔ سب اشعار لکھنے میں تھک بھی جائیں گے اور اصل بحث سے کبھی ہٹ جائیں گے اس لیے صرف مشاہیر کے کچھ اشعار پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔ انہیں چند اشعار کو اس مضمون کے تمام اشعار کا نمونہ سمجھ لیجیے۔

کیست ابن زیدا اپنے قصیدہ ہاشمیہ میں کہتے ہیں:

والوصی الذی اُمال التجوی بد عرش امة لانهدام
 ”وہ ایسے وصی ہیں جنہوں نے امت کے گرتے ہوئے عرش کو سید کر دیا“

اے علامہ شیخ محمد محمود الرافعی جنہوں نے کیست کے اشعار کی شرح لکھی ہے اس شعر کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وصی سے مراد علیؑ کم اللہ وجہہ ہیں کیونکہ پیغمبر خداؐ نے آپ کو وصی مقرر فرمایا چنانچہ ابن بریدہ سے روایت ہے کہ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا ہر نبی کے لیے وصی ہوا کرتا ہے اور علیؑ میرے وصی و وارث ہیں اور امام ترمذی نے پیغمبرؐ سے روایت کی ہے آپ نے ارشاد فرمایا من کنت مولاه فهذا علی مولاه اور امام بخاری نے سعد سے روایت کی ہے کہ جب پیغمبرؐ غزوہ تبوک میں جانے لگے اور مدینہ میں علیؑ کو اپنا خلیفہ بنایا تو علیؑ نے کہا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہیں حج سے دی منزلت حاصل ہے جو بارون کو موسیٰ سے تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ یہ لکھنے کے بعد علامہ رافعی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کو وصی رسولؐ کہنا اکثر و بیشتر کی زبان پر چڑھا ہوا تھا اور اس کے ثبوت میں انہوں نے مشہور شاعر کینہ عروہ کا شعر نقل کیا ہے۔ جو ہم انہی صفحات پر درج کر رہے ہیں۔

کثیر بن عبد الرحمن بن الاسود بن عامر الخزاعی جو کثیر عزة کے نام سے مشہور
ہیں کہتے ہیں: ۛ

وصي النبي المصطفى وابن عمه وفكاك اسناق وقاضي مغارم
”پیغمبر خدا محمد مصطفیٰ کے وصی اور آپ کے چچا کے بیٹے ہیں غلاموں
کو آزاد کرنے والے اور قرضوں کو پورا کرنے والے ہیں“
ابو تمام طائی اپنے قصیدہ رائیہ میں کہتے ہیں: ۛ

ومن قبله اخلصتم لوصيه بداهية دهياء ليس لها قدر
فجئتم بها بكرأعوانا ولم يكن لها قبلها مثلاً عوان ولا بكر
اخوه اذا عدا الفخار وصهره فلامثله أخ ولا مثله صهره
و شد به از النبي محمد كما شد من موسى بهارونه الازر

”اس کے پہلے تم نے ان کے وصی کو خوفناک مصیبت میں مبتلا
کیا جس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ تم نئی نئی مصیبتیں ان کے سامنے
لائے ایسی مصیبتیں اس سے پہلے کبھی نہیں آئیں۔ اظہار شرف
کے موقع پر علیؑ رسولؐ کے بھائی اور داماد ہیں۔ علیؑ جیسا نہ کوئی
بھائی تھا نہ داماد۔ رسولؐ کی پشت ان کی وجہ سے اس طرح
مضبوط ہوئی جس طرح ہارون کی وجہ سے موسیٰ کی پشت
مضبوط ہوئی“

دعبل بن علی حزامی حضرت مظلوم کربلاؑ کا مرثیہ کہتے ہوئے کہتے
ہیں: ۛ

رأس ابن بنت محمد ووصيه يا للرجال على قنائة يرفع
”ہائے لوگو! حضرت محمد مصطفیٰ کی دختر اور آپ کے وصی

کے فرزند کا سر اس قابل تھا کہ نیزے پر بلند کیا جائے۔
 ابوالطیب منقبی کو جب لوگوں نے برا بھلا کہا کہ تم ایرے غیرے کی
 مدح کرتے ہو اور حضرت علیؑ کی مدح میں تم نے کبھی ایک شعر بھی نہیں کہا تو
 وہ کہتا ہے: ے

وترکت مدی للوصی تعبداً اذکان نوراً مستطیلاً شاملاً
 واذا استطل الشیء قام بنفسه وصفات حواء الشمس تنذهب باطلاً

”میں نے وصی رسولؐ امیر المومنینؑ کی مدح نہ کی تو جان بوجھ کر

ایسا کیا کیونکہ وہ ایسا نور ہیں جس کی روشنی عالم میں پھیلی

ہوئی ہے اور تمام کائنات کو اپنے حلقہ میں لیے ہوئے

ہے۔ جب کوئی شے بلند ہو جاتی ہے تو اپنے بقا کی خود

ضامن بن جاتی ہے۔ نور خورشید کی ثنا و صفت کرنا فصل

عجب ہے۔“ (خورشید اپنے وجود کا خود معرفت ہے)

یہی منقبی ابوالقاسم طاہر بن الحسین بن طاہر علوی کی مدح لکھتے ہوئے کہتا ہے جیسا

کہ اس کے دیوان میں موجود ہے: ے

هو ابن رسول الله وابن وصیه وشبه لهما شبهت بعد التجارب

”یہ ابوالقاسم رسول اور ان کے وصی حضرت علیؑ کے فرزند ہیں اور ان

دونوں سے مشابہ ہیں۔“

میں نے ان کو ان بزرگوں سے جو تشبیہ دی ہے تو بہت کچھ تجربوں کے

بعد آراء پرکھ کے یوں ہی نہیں۔ اس جیسے بہت سے اشعار ہیں جس کی نہ کوئی

انتہا ہے نہ حد و حساب۔

ش

مکتوب نمبر ۵۵

ہم نے سابق کے کسی مکتوب میں آپ سے عرض کیا تھا کہ بعض متعصب
اشخاص آپ کے مذہب کے متعلق یہ کہتے پھرتے ہیں کہ آپ کا مذہب
ائمہ اہل بیتؑ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا نہ ان کی طرف آپ کے مذہب
کو منسوب کرنا صحیح ہے۔ آپ سے اس پر بھی روشنی ڈالنے کا وعدہ تھا۔
اب وقت آگیا ہے آپ وعدہ ایفاء فرمائیے۔ ان متعصبین کی بکواس
کا جواب دیجیے۔

س

جوابِ مکتوب

مذہبِ شیعہ کا اہلبیت سے ماخوذ ہونا

اربابِ فہم و بصیرت بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ فرقہ شیعہ کا سلف سے لے کر خلف تک ابتدا سے آج کے دن تک اصولِ دین، فروعِ دین ہر ایک میں بس ائمہ اہل بیت ہی کی طرف رجوع رہا۔ اصول و فروع اور تہران و حدیث سے جتنے مطالب مستفاد ہوتے ہیں یا تہران و حدیث سے جتنے علوم تعلق رکھتے ہیں غرض ہر چیز میں ان کی رائے کے تابع ہے۔ ان کل چیزوں میں صرف ائمہ طاہرین پر انھوں نے بھروسہ کیا۔ انھیں کی طرف رجوع کیا۔

مذہبِ اہلبیت ہی کے قاعدوں سے وہ خدا کی عبادت کرتے ہیں اس کا تقرب حاصل کرتے ہیں اس مذہب کے علاوہ کوئی راہ ہی نظر نہیں آتی اور نہ اس مذہب کو چھوڑ کر اس کے بدلہ میں کسی اور مذہب کو اختیار کرنا انھیں گوارا ہوگا۔

ہر ایک امام کے زمانے میں امیر المومنینؑ کے عہد میں، امام حسنؑ کے عہد میں، امام حسینؑ کے عہد میں، امام محمد باقرؑ و جعفر صادقؑ کے عہد میں امام موسیٰ کاظمؑ و امام علی رضاؑ کے عہد میں، امام محمد تقیؑ و علی نقیؑ کے عہد میں، امام حسن عسکریؑ کے عہد میں غرض جس امام کا بھی عہد آیا ان گنت ثقافت شیعہ حافظانِ حدیث، بے شمار صاحبِ ورع و ضبط و اتفاق نے جن کی تعداد تو از سر بھی بڑھ کر تھی اپنے اپنے زمانے کے امام کی صحبت میں

بیٹھ کر ان سے استفادہ کر کے ان اصول و فروع کو حاصل کیا اور انھوں نے اپنے بعد کے لوگوں سے بیان کیا۔ اسی طرح ہر زمانہ اور ہر نسل میں یہ اصول و فروع نقل ہوتے رہے یہاں تک کہ ہم تک پہنچے۔ لہذا ہم بھی آج اسی مسلک پر ہیں جو ائمہ اہل بیتؑ کا مسلک رہا کیونکہ ہم نے ان کے مذہب کی ایک ایک چیز جزئی جزئی باتیں اپنے آباء و اجداد سے حاصل کیں انھوں نے اپنے آباء و اجداد سے حاصل کیں اسی طرح شروع سے یہ سلسلہ جاری رہا۔ ہر نسل و ہر عہد میں جو دور بھی آیا وہ اپنے اگلے بزرگوں سے حاصل کرتا ہوا آیا۔ آج ہم شمار کرنے بیٹھیں کہ سلفِ شیعہ میں کتنے افراد ائمہ طاہرین کی صحبت سے فیضیاب ہوئے، ان سے احکام دین کو سنا، ان سے استفادہ کیا۔ تو ظاہر ہے کہ شمار کرنا سہل نہیں کس کے بس کی بات ہے کہ ان کا احصار کر کے۔ اس کا اندازہ لگانا ہو تو آپ ان بے شمار کتابوں سے لگائیے جو ائمہ طاہرینؑ کے ارشادات و افادات سے استفادہ کر کے لکھی ہیں، ائمہ طاہرینؑ سے معلوم کر کے ان سے سُن کر تحریر کی ہیں۔ یہ کتابیں کیا ہیں۔ ائمہ طاہرین کے علوم کا دفتر، ان کی حکمتوں کا سرچشمہ ہیں جو ائمہ طاہرینؑ کے عہد میں ضبط تحریر میں لائی گئیں اور ان کے بعد شیعوں کا مرجع قرار پائیں۔ اسی سے آپ کو مذہب المہدیینؑ اور دیگر مذاہب مسلمین میں فرق و امتیاز معلوم ہو جائے گا۔ ہم کو تو نہیں معلوم کہ ائمہ اربعہ کے مقلدین میں سے کسی ایک نے بھی ان ائمہ کے عہد میں کوئی کتاب تالیف کی ہو۔ ان ائمہ کے مقلدین نے کتابیں لکھیں اور بے شمار لکھیں لیکن اس وقت لکھیں جب ان کا زمانہ ختم ہو گیا انھیں دنیا سے رحلت ہوئے مدین گزر گئیں اور تقلید انھیں چاروں ائمہ میں منحصر سمجھ لی گئی۔ یہ طے کر لیا گیا کہ فروع دین میں بس انھیں چاروں اماموں میں سے کسی نہ کسی ایک کی تقلید ضروری ہے۔

اور خود یہ ائمہ اربعہ اپنے زمانے میں ایسے ہی تھے جیسے اور دیگر فقہاء و محدثین اپنے طبقہ کے لوگوں میں انھیں اس وقت کوئی امتیاز ہی نہ حاصل تھا۔ اسی وجہ سے ان کے زمانے میں کسی شخص کو یہ خیال بھی پیدا نہ ہوا کہ ان کے فتاویٰ اسی طرح اکٹھا کرنے کی زحمت اٹھائے جس طرح شیعوں نے اپنے ائمہ معصومینؑ کے اقوال و فتاویٰ جمع کرنے کا اہتمام کیا۔

شیعہ تو اول یوم ہی سے دینی امور میں سوائے ائمہ طاہرینؑ کے کسی اور کی طرف رجوع کرنا جائز ہی نہیں سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے بس انھیں کے آستانے پر ٹکٹ رہے۔ امور دین کے حاصل کرنے کے لیے بس انھیں سے لو لگائی یہی وجہ تھی جو انھوں نے ائمہ طاہرین سے سنی ہوئی ہر بات اور ان کے لب و زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ کو مدون کرنے کے لیے پوری طاقت صرف کی، تمام توانائیاں کام میں لائے۔ اس لیے تاکہ یہ علم کا خزانہ ائمہ کے ارشادات محفوظ ہو جائیں۔ جن کے متعلق ان کا اعتقاد تھا کہ بس یہی عند اللہ صبیح ہیں اور ان کے ماسوا سب باطل۔ آپ صرف انھیں کتابوں سے اندازہ لگائیں جو شیعوں نے امام جعفر صادقؑ کے زمانے میں لکھیں۔ جو صرف علم اصول کی ان چار سو کتابوں سے بھی دگنی چوگنی تعداد میں ہیں۔ جیسا کہ آپ جلد ہی اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے۔ رہ گئے آپ کے ائمہ اربعہ تو ان ائمہ میں سے کسی ایک امام کو بھی کسی ایک شخص کی نظروں میں نہ تو وہ وقعت حاصل ہوئی نہ کسی کے دل میں ان کی عزت پیدا ہوئی جو وقت و عزت ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی شیعوں کے نزدیک رہی بلکہ سچ پوچھیے تو آج یہ ائمہ اربعہ جس عزت کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں جو درجہ انھیں ان کے مرنے کے بعد دیا جا رہا ہے خود ان کے جیتے جی انھیں یہ عزت حاصل نہ ہو سکی جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں وضاحت کی ہے اور دیگر علمائے

اعلام نے بھی ان کے قول کو تسلیم کیا ہے اس کے باوجود بھی ہمیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان ائمہ اربعہ کا وہی مذہب رہا ہوگا جو آج ان کے پیروں کا ہے اور جس مذہب پر نسلاً بعد نسل عملدرآمد ہوتا آ رہا ہے اور اس مذہب کو پیروان ائمہ اربعہ نے اپنی کتابوں میں مدون کر لیا کیونکہ پیروان ائمہ اربعہ اپنے ائمہ کے مذہب کی پوری پوری معرفت رکھتے تھے جیسا کہ شیعہ حضرات اپنے ائمہ طاہرینؑ کے مذہب سے اچھی طرح واقف ہیں۔ جس مذہب پر عمل پیرا ہو کر خدا کی عبادت کرتے ہیں اور سوائے تقرب الہی کے اور کسی کا تقرب ان کے مد نظر نہیں۔

تصنیف و تالیف کی ابتدا شیعوں سے ہوئی

چچان بن کرنے والے بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ علوم کی تدوین میں حضرات شیعہ سب پر گوئے سبقت لے گئے۔ علوم مدون کرنے میں سب پر تقدم حاصل رہا۔ کیونکہ دور اول میں سوائے امیر المومنینؑ اور شیعیان امیر المومنینؑ کے تدوین علوم کا کسی کو خیال بھی پیدا نہ ہوا اور اس کا راز یہ ہے کہ ابتداءً صحابہ اسی میں الجھے رہے کہ علم کو کتابی صورت میں لانا، علم لکھنا جائز بھی ہے یا نہیں؟ صحابہ کے درمیان شدید اختلاف تھا۔ کوئی جائز بتاتا تھا کوئی ناجائز۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے مقدمہ فتح الباری وغیرہ میں تحریر کیا ہے کہ خود حضرت عمرؓ اس کو ناپسند کرتے تھے اور حضرت عمرؓ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت بھی ان کی ہم خیال تھی۔ انہیں یہ خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں حدیث لکھنے میں خلط ملط نہ ہو جائے۔ مگر حضرت علیؑ اور آپ کے

فرزند امام حسن مجتبیٰؑ اور صحابہ کی ایک خاصی تعداد نے اسے جائز قرار دیا۔ پہلے زمانہ میں تو یہی کشاکش رہی ایک جماعت جائز کہتی تھی دوسری ناجائز بتاتی تھی دوسرے دور میں جب تابعین کا زمانہ آخر تھا تو اس وقت اختلافات برطرف ہوئے اور سب کا اجماع ہو گیا کہ لکھنا جائز ہے۔ اس وقت ابن جریج نے مکہ میں مجاہد اور عطاء (تابعین) سے استفادہ کر کے آثار میں اپنی کتاب تالیف کی۔ امام غزالی ان کی اس کتاب کے متعلق فرماتے تھے کہ: پہلی کتاب جو اسلام میں لکھی گئی لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ پہلی کتاب ہے جسے غیر شیعہ مسلم نے لکھا ہے۔ ابن جریج کے بعد معمر بن راشد صنعانی نے یمن میں اپنی کتاب تالیف کی۔ نمیر النمر امام مالک کی موطاء کا ہے۔

مقدمہ فتح الباری میں ہے کہ ربیع بن صبیح پہلے وہ بزرگ ہیں جنہوں نے علوم جمع کیے اور یہ زمانہ تابعین کے آخر میں گزرے ہیں۔ بہر حال چاہے ربیع ابن صبیح پہلے مولف ہوں یا ابن جریج یہ تو یقینی اور اجماعی بات ہے کہ عصر اول میں شیعوں کے علاوہ مسلمانوں کی کوئی تالیف نہیں۔ مگر حضرت علیؑ اور آپ کے شیعہ کو تو عصر اول ہی میں اس کا خیال پیدا ہوا۔ انہوں نے دو راوی ہی میں تالیف کا کام شروع کر دیا۔ کتاب جسے امیر المومنینؑ نے مدون کیا وہ قرآن مجید ہے۔ حضرت علیؑ جب رسولؐ کے دفن و کفن سے فارغ ہوئے تو آپ نے یہ عہد کیا کہ جب تک قرآن جمع نہ کر لیں گے کوئی کام نہ کریں گے۔ چنانچہ آپ نے موافق نزول کلام مجید کو جمع فرمایا اور ساتھ ساتھ اس کی طرف بھی اشارہ کرنے لگے کہ کون آیت خاص ہے کون عام کون مطلق ہے کون مقید کون محکم ہے کون منشا بہ۔ ناسخ کون ہے منسوخ کون۔ عزائم کون ہیں رخص کون۔ سنن سے متعلق کون سی آیتیں ہیں۔ آداب سے متعلق کون۔ اسباب نزول کی بھی

آپ نے تصریح کی۔ نیز جو آیتیں کسی جہت سے مشکل تھیں ان کی وضاحت بھی کی
ابن سیرین کہا کرتے کہ اگر حضرت علیؑ کا جمع کیا ہوا قرآن مل جاتا تو تمام
علم اسی میں مل جاتا۔

اور بھی صحابہ نے قرآن جمع کرنے کی کوشش کی لیکن موافق نزول جمع کرنا
ان سے ممکن نہ ہو سکا اور نہ مذکورہ بالا رموز وہ لکھ سکے۔ اس بنا پر امیر المومنینؑ
کی جمع و ترتیب تفسیر سے زیادہ مشابہ تھی اور جب آپ قرآن کے جمع سے
فایز ہو چکے تو آپ نے جناب سیدہ کی تسکین و تسلی اور پدر بزرگوار کا غم غلط
کرنے کے لیے ایک کتاب تالیف فرمائی جو جناب سیدہ کی اولاد طاہرینؑ میں
مصحف فاطمہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں امیر المومنینؑ نے امثال حکمت
کی باتیں، مواعظ، نصائح، اخبار اور نواور جمع کیے تھے۔

اس کے بعد آپ نے ایک کتاب دیات میں تالیف کی۔ اس کا
نام صحیفہ رکھا۔ چنانچہ ابن سعد نے اپنی کتاب جو جامع کے نام سے مشہور ہے
کے آخر میں امیر المومنین کی طرف منسوب کر کے اس صحیفہ کا حوالہ دیا ہے۔
اور اس سے روایتیں کی ہیں۔ منجملہ ان روایات کے جو بخاری و مسلم نے
اس صحیفہ سے لی ہیں وہ حدیث ہے جو انھوں نے اعمش سے روایت
کی ہے اور اعمش نے ابراہیم تیمی سے انھوں نے اپنے باپ سے کی ہے۔ وہ
کہتے تھے کہ:

”حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ کلام مجید کو چھوڑ کے کوئی کتاب

ہمارے پاس نہیں جسے ہم پڑھا کریں سوائے اس صحیفہ کے، یہ کہہ کر آپ نے اس صحیفہ کو نکالا تو اس میں کچھ مسائل جراحات اور اسنان الابل کے متعلق تحریر تھے اور اسی صحیفہ میں یہ بھی مرقوم تھا کہ مدینہ عیبر سے لے کر ثور تک حرم ہے اتنی جگہ میں جو شخص کسی حادثہ کا مرتکب ہو گا یا کسی فساد کی کو پناہ دے گا اس پر خدا اور ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔“

یہ پوری حدیث صحیح بخاری جلد ۴ کتاب الفرائض کے باب إثم من تبدل من موالیه میں انھیں الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ اور صحیح مسلم جلد اول کتاب الحج باب فضل المدینہ میں موجود ہے۔ امام احمد نے بھی اپنے مسند میں اس صحیفہ کا اکثر بیشتر مقامات پر تذکرہ کیا ہے منجملہ ان کے مسند جلد اول صفحہ ۱۰۰ پر طارق بن شہاب سے روایت کی ہے طارق کہتے ہیں کہ:

”میں نے امیر المومنینؓ کو دیکھا کہ آپ منبر پر فرما رہے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی کتاب نہیں جسے ہم تمہیں پڑھ کر سنائیں سوائے کلام مجید کے اور اس صحیفہ کے (وہ صحیفہ آپ کی تلوار میں لٹک رہا تھا) جسے میں نے رسول اللہؐ سے حاصل کر کے لکھا ہے۔“

صفار نے عبد الملک سے روایت کی ہے کہ:

”امام محمد باقرؑ نے حضرت امیر المومنینؑ کی کتاب طلب کی۔ امام جعفر صادقؑ اسے اپنے پدر بزرگوار کے پاس لائے۔ وہ

مثل آدمی کی ران کے ضخیم اور لپٹی ہوئی تھی۔ اس میں یہ لکھا ہوا تھا: جب شوہر مر جائے تو اس کی زوجہ کو اس کے مکانات اور زمینوں سے کچھ نہ لے گا۔ امام محمد باقرؑ نے دیکھ کر سنبھلایا قسم بخدا یہ حضرت علیؑ کا خط ہے اور رسولؐ کا لکھایا ہوا ہے۔ شیعوں کی ایک خاصی تعداد نے بھی امیر المومنینؑ کی پیروی کی اور آپ کے عہد میں کتابیں تالیف کیں۔ منجملہ ان کے جناب سلمان فارسی اور ابوذر غفاری ہیں۔ جیسا کہ علامہ ابن شہر آشوب نے تحریر فرمایا ہے:

”اسلام میں سب سے پہلے مصنف حضرت علیؑ ابن ابی طالب ہیں پھر سلمان فارسی پھر جناب ابوذر۔“

اور دوسرے لوگ منجملہ شیعیان امیر المومنینؑ کے ابو رافع آزادؓ، غلام رسولؐ اللہ ہیں جو امیر المومنینؑ کے عہد میں بیت المال کے نگران بھی رہے۔ یہ امیر المومنینؑ کے مخصوص موالیوں میں سے تھے اور آپ کی قدر و منزلت کی معرفت رکھنے لگے تھے۔ انھوں نے ایک کتاب سنن و قضایا میں لکھی ہے جسے انھوں نے صرف امیر المومنینؑ کی حدیثوں سے ترتیب دیا تھا۔ یہ کتاب ہمارے اسلاف کے نزدیک انتہائی عظمت و احترام کی نظروں سے دیکھی جاتی تھی اور ہمارے اسلاف نے اپنے اپنے طرق و اسناد سے اس کی روایت کی ہے۔“

انھیں میں سے علی ابن ابی رافع ہیں (اصحاب میں ان کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ عہد رسالتؐ میں پیدا ہوئے اور رسول اللہ ہی نے ان کا نام علی رکھا) ان کی ایک کتاب فنون فقہ میں ہے جسے انھوں نے موافق مذہب

اہلبیتؑ تحریر کیا ہے۔ اہلبیت علیہم السلام اس کتاب کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور اپنے شیعوں کو اسی کتاب کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت فرماتے۔
موسیٰ بن عبداللہ بن حسن فرماتے ہیں کہ:

”میرے والد ماجد سے کسی نے تشہد کا مسئلہ پوچھا۔ والد ماجد نے مجھ سے فرمایا: کہ ابن ابی رافع والی کتاب لاؤ۔ کتاب لائی گئی اور آپ نے اسے ہم لوگوں کو دکھایا۔“

صاحب روضات الجنات نے خیال کیا ہے کہ یہ فقہ کی پہلی کتاب ہے جو شیعوں میں لکھی گئی لیکن انھیں غلط فہمی ہوئی۔

منجملہ ان مصنفین شیعہ کے عبید اللہ بن ابی رافع ہیں جو امیر المومنینؑ کے کاتب اور آپ کے مخصوص مریدوں میں سے تھے۔ انھوں نے رسول اللہؐ سے حدیثیں سنیں۔ انھیں سے رسول اللہؐ کی یہ حدیث مروی ہے جو آنحضرتؐ نے جناب جعفر طیار کے متعلق فرمایا کہ:

”اشبهت خلقی وخلقى“

”تم صورت و سیرت دونوں میں مجھ سے مشابہ ہو“

اس حدیث کی ایک جماعت نے عبید اللہ بن ابی رافع سے روایت کی ہے۔ منجملہ ان کے امام احمد بن حنبل نے بھی اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ فتم اول میں عبید اللہ اسلم کے عنوان سے ان کے حالات لکھے ہیں کیونکہ ان کے باپ ابو رافع کا نام اسلم تھا۔

انھیں عبید اللہ نے ایک کتاب تالیف کی جس میں امیر المومنینؑ کے ان تمام صحابیوں کا تذکرہ کیا ہے جو جنگ صفین میں امیر المومنینؑ کے ساتھ شریک تھے۔ ابن حجر نے اپنی اصابہ میں اکثر و بیشتر اس سے نقل کیا ہے انھیں

میں سے ربیع بن سیمع ہیں انھوں نے چوپایوں کی زکوٰۃ کے متعلق حضرت امیر المومنینؑ کی حدیثوں سے ایک کتاب تالیف کی۔ انھیں میں سے ایک عبداللہ بن حر فارسی ہیں جن کی ایک کتاب حدیث میں لمعہ ہے جو انھوں نے امیر المومنین کی حدیثوں سے جمع کی۔

انھیں میں سے اصبع بن نباتہ صحابی امیر المومنینؑ ہیں۔ یہ اصبع ابن نباتہ تویس امیر المومنینؑ ہی کے ہو رہے تھے۔ انھیں نے امیر المومنینؑ سے اس عہد نامہ کی روایت کی ہے جو امیر المومنینؑ نے مالک اشتر کو تحریر فرمایا۔ نیز اس وصیت نامہ کی جو آپؑ نے اپنے فرزند محمد کے لیے لکھا تھا۔ ہمارے رواۃ نے ان دونوں عہد نامہ و وصیت کی ان ہی اصبع بن نباتہ سے بسلسلہ اسناد صحیحہ روایت کی ہے۔

انھیں میں سے سلیم بن قیس ہلالی صحابی امیر المومنینؑ ہیں۔ انھوں نے امیر المومنینؑ اور جناب سلمان فارسی سے روایتیں کیں۔ انھوں نے امامت پر ایک کتاب لکھی جس کا ذکر امام محمد ابراہیم نعمانی نے اپنی کتاب غنیہ میں کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

”جملہ اہل تشیع جنھوں نے ائمہ سے تحصیل علم کی یا حدیثیں روایت کیں۔ ان میں کوئی اختلاف نہیں کہ سلیم بن قیس ہلالی کی کتاب ان بنیادی و اصولی کتابوں میں سے ایک کتاب ہے جسے اہل علم اور احادیث اہل بیتؑ کے حاملین نے روایت کی ہے۔ یہ کتاب تمام کتب اصول سے مقدم ہے اور ان اصولوں میں سے ہے جو تمام شیعوں کا مرجع ہے اور ہر ایک کے نزدیک معتد و معتبر ہے۔“

اس سے پہلے طبقہ میں ہمارے سلف صالحین میں سے جتنے حضرات صاحبِ تالیف ہوئے ان کے حالات اگر آپ دیکھنا چاہیں تو آپ ہمارے علماء کی وہ فہرستیں ملاحظہ فرمائیں اور وہ کتابیں دیکھیں جو انھوں نے رجال کے تذکرہ میں لکھی ہیں۔

دوسرے طبقہ یعنی دورِ تابعین میں شیعوں میں جو صاحبانِ تالیف گزرے ہیں ان کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً اس رسالہ میں اتنی گنجائش کہاں کہ سب کا تذکرہ ہو۔ ان مصنفین کے حالات اور ان کے اسانید کا تفصیلی بیان دیکھنے کے لیے ہمارے علماء کی فہرستیں اور فنِ رجال کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔

اس طبقہ کے مصنفین کے زمانہ میں اہل بیتؑ کے نور سے دنیا منور ہو رہی تھی۔ پہلے تو ظالموں کے ظلم کے بادل اس نور کو ڈھانکے ہوئے تھے لیکن کر بلا کے دردناک المیہ نے دشمنانِ آلِ محمدؐ کو پوری طرح رسوا کیا اور اربابِ بصیرت کی نگاہوں سے ان کا وقار رخصت ہو گیا۔ اب ہر دل میں یہ سوال کاٹنا بن کر کھٹکنے لگا، ہر سوچنے والے دماغ میں یہ فکر پیدا ہوئی کہ رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی اہل بیت پر مصائب کے پہاڑ کیوں ٹوٹ پڑے۔ آخر ان مصائب کے اسباب کیا ہوئے۔ ہر شخص کو کھوج پیدا ہوئی۔ اسباب ایسے مخفی تو تھے نہیں کہ سمجھ میں نہ آتے۔ دنیا جان گئی کہ ان مصائب کی تخم ریزی کیونکر ہوئی کیونکہ یہ پودا پروان چڑھا۔ کن لوگوں نے اس کی آبیاری کی۔ اس حقیقت کے انکشاف کے بعد باعزت مسلمان مکرستہ ہوئے کہ اہل بیتؑ کی حیثیت و منزلت

پر کوئی آپخ نہ آنے پائے۔ نیز یہ کہ ان کے خونِ ناحق کا بدلہ لیا جائے۔ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ فطری طور پر مظلوم کا ساتھ دیتی ہے اور ظالم سے نفرت کرتی ہے۔ کربلا کے خونین واقعہ نے مسلمانوں کی آنکھوں پر پڑے ہوئے پردے اٹھا دیئے اب وہ ایک نئے دور میں داخل ہوئے۔ امام علی ابن الحسینؑ زین العابدینؑ کی اطاعت کا دل میں جذبہ پیدا ہوا اور اصول و فروع دینِ قرآن و حدیث اور جملہ فنونِ اسلام میں انھیں کے در پر جبہ سائی اختیار کر کے ان تمام چیزوں میں انھیں کی طرف رجوع کرنا طے کیا۔ امام زین العابدینؑ کے بعد امام محمد باقرؑ سے وابستگی اختیار کی۔ ان دو اماموں یعنی امام زین العابدینؑ و امام محمد باقرؑ کے اصحاب ہزار ہا تھے، ان کی تعداد کا اندازہ کرنا ممکن نہیں لیکن ایسے افراد جن کے اسما اور حالات تذکرہ کی کتابوں میں مذکور ہو سکے وہ تقریباً چار ہزار حضرات جلیل القدر ارباب علم اصحاب ہیں۔ ان حضرات کی تصنیفات کم و بیش دس ہزار تک ہوئیں۔ ہمارے محدثین نے ہر دور میں صحیح اسناد سے ان سے روایتیں کیں ان میں اکثر ایسے خوش نصیب افراد بھی تھے جنہوں نے امام زین العابدینؑ و امام محمد باقرؑ کا بھی زمانہ پایا۔ اور امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں بھی باریاب ہوئے۔

چنانچہ منجملہ ان کے ابوسعید ابان بن تنلب بن رباح الجری مشہور قاری، فقیہ و محدث و مفسر اور اصولی و لغوی ہیں۔ یہ ثقہ ترین لوگوں میں سے ہیں تین اماموں سے ملاقات کا شرف انھیں حاصل ہوا اور تینوں اماموں سے بکثرت علوم کی انھوں نے روایت کی۔ مختصراً اسی سے اندازہ کر لیجیے کہ انھوں نے صرف امام جعفر صادقؑ سے تیس ہزار حدیثیں روایت کی ہیں جیسا کہ منتهی المقال میں علامہ میرزا محمد نے بسلسلہ حالات ابان تحریر فرمایا۔ انھیں ائمہ کی خدمت میں

بڑا تقرب اور مخصوص منزلت حاصل تھی۔
 امام محمد باقرؑ نے ابان سے فرمایا تھا کہ :
 ”مسجد میں بیٹھو اور لوگوں کو فتویٰ دو۔ میری دلی تمنا ہے کہ میں
 اپنے شیعوں میں تمہارے جیسا شخص دیکھوں“
 اور امام جعفر صادقؑ نے ان سے فرمایا تھا کہ :
 ”اہل مدینہ سے بحث و گفتگو کرو۔ مجھے یہ بہت ہی محبوب ہے
 کہ میں تمہارے جیسا شخص اپنے مخصوصین اور راویوں میں
 دیکھوں“

یہ ابان جب مدینہ آئے تو حلفے ٹوٹ کر ان کے گرد آجائے اور مسجد نبویؐ
 میں پیغمبرؐ جہاں بیٹھا کرتے تھے وہ جگہ ان کے لیے خالی کر دی جاتی۔
 امام جعفر صادقؑ نے سلیم ابن ابی حبتہ سے فرمایا کہ :
 ”تم ابان بن تغلب کے پاس جاؤ۔ انھوں نے مجھ سے بہت
 زیادہ حدیثیں سنی ہیں۔ وہ جس حدیث کی تم سے روایت
 کریں تم میری طرف سے اس کی روایت کرو“
 امام جعفر صادقؑ نے ابان بن عثمان سے فرمایا کہ :
 ”ابان بن تغلب نے مجھ سے تیس ہزار حدیثیں روایت کی ہیں تم
 ان حدیثوں کی ان سے روایت کرو“

جب یہ ابان امامؑ کی خدمت میں آتے تو امام جعفر صادقؑ ان سے ملنا
 فرماتے، مصافحہ کرتے اور مسند ان کے لیے بچھانے کا حکم دیتے اور پوری طرح
 متوجہ ہو کر ہم کلام ہوتے۔ جب امامؑ نے ان کے انتقال کی خبر سنی تو فرمایا :
 ”بخدا ابان کی موت نے میرے دل کو بیدار و بیدار پہنچایا“

ان کی وفات ۱۴۱ھ میں ہوئی۔

ابان نے انس بن مالک، اعمش، محمد بن منکدر، سماک بن حرب، ابراہیم نخعی، فضیل بن عمرو، اور حکم سے بھی روایتیں لی ہیں۔ ان کی حدیثوں سے احتجاج کیا ہے جیسا کہ ہم صفحات ماضی میں ذکر کر چکے ہیں۔ صرف امام بخاری نے البتہ ان سے روایت نہیں کی۔ ان کے روایت نہ کرنے سے کوئی نقصان بھی نہیں۔ امام بخاری کی حالت کوئی ڈھکی چھپی نہیں۔ ائمہ اہلبیت^۳ امام جعفر صادق^۴، امام موسیٰ کاظم^۵، امام رضا^۶، امام محمد تقی^۷ و علی نقی^۸، حسن عسکری^۹ کے ساتھ ان کے سلوک کا نمونہ موجود ہے۔ انھوں نے ان ائمہ اہلبیت^{۱۰} میں سے کسی ایک امام کی حدیث بھی صحیح بخاری میں درج نہیں کی۔ کسی امام کی حدیث کو اس قابل نہیں سمجھا۔ حد تو یہ ہے کہ نواسہ رسول^{۱۱} امام حسن مجتبیٰؑ جو سید و سردار جوانان اہل جنت ہیں ان کی حدیثیں بھی نہیں لیں۔ ہاں حدیث درج کس کی ہے۔ مروان بن حکم ایسے طریقہ رسول^{۱۲} کی، عمر بن حطان ایسے سرغنہ خوارج کی عکاسہ بربری وغیرہ ایسے لوگوں کی۔

ابان کی کئی مفید تصانیف ہیں منجملہ ان کے ایک کتاب ہے جو غرائب قرآن کی تفسیر میں انھوں نے لکھی۔ اس میں کلام مجید کی آیتوں کے شواہد میں بکثرت عرب کے اشعار درج کیے ہیں۔

ان کے بعد کے زمانہ میں عبدالرحمن بن محمد ازدی کو فی گزرے ہیں انھوں نے ابان بن تغلب، محمد بن سائب کلبی اور ابن روق عطیہ بن حارث کی کتابوں کو جمع کر کے ایک کتاب کی شکل دی۔ جن جن مسئلوں میں ان حضرات نے اختلاف کیا ہے اسے بھی لکھا اور جن جن مسئلوں میں یہ سب متفق رہے اس کی بھی وضاحت کی۔

ہمارے اصحاب نے ان دونوں کتابوں سے معتبر اسناد اور مختلف طریقوں سے روایتیں کیں۔ انھیں ابان کی ایک کتاب الفضائل ہے ایک کتاب صفین ہے اصول میں بھی ایک کتاب انھوں نے لکھی جو فرقہ امامیہ کے نزدیک مسلم طور پر احکام شرعیہ میں مانی جاتی ہے۔ تفصیل دیکھنا ہو تو رجال کی کتابیں ملاحظہ فرمائیے۔ منجہ ان کے ایک بزرگ ابو حمزہ ثمالی ہیں یہ ہمارے سلف صالحین کے ثقات و علمائے اعلام میں سے ایک بزرگ ہیں۔ انھوں نے امام جعفر صادقؑ و محمد باقرؑ و زین العابدینؑ سے تحصیل علم کی اور بس انہی کے مور ہے۔ ائمہ طاہرینؑ کی بارگاہ میں انھیں بڑا تقرب حاصل تھا۔ خود امام جعفر صادقؑ نے ان کی مدح و ثنا فرمائی ہے۔ چنانچہ امام کا قول ہے کہ :

”ابو حمزہ اپنے زمانہ میں ایسے ہیں جیسے سلمان فارسی اپنے زمانہ میں تھے۔“

امام رضاؑ فرماتے ہیں کہ :

”ابو حمزہ اپنے زمانے میں ایسے ہیں جیسے لقمان اپنے زمانہ میں“

ان کی ایک کتاب تفسیر القرآن ہے۔ علامہ طبرسی نے اپنی تفسیر مجمع البیان میں اکثر جگہ اس تفسیر سے نقل کیا ہے۔ انھیں کی کتاب النوادر کتاب الزہد اور رسالہ حقوق بھی ہے۔ انھوں نے ان کتابوں کو امام زین العابدینؑ سے روایت کیا ہے۔ انھوں نے انس اور شعبی سے بھی روایتیں کی ہیں اور ان سے وکیعؒ ابو نعیمؒ اور اس طبقہ کی ایک جماعت کے شیعہ و سنی دونوں نے حدیثیں بیان کیں

لے ملاحظہ فرمائیے تفسیر مجمع البیان آیتہ قل لا اسألكم الخ کی تفسیر کے سلسلہ میں اس کتاب سے نقل کیا گیا ہے۔

ان کا ذکر بھی ہم صفحاتِ ماسبق میں کر چکے ہیں۔

چند نامور اصحاب ایسے ہیں جنہوں نے امام زین العابدینؑ کا زمانہ تو نہ پایا لیکن امام محمد باقرؑ و جعفر صادقؑ کی خدمت میں باریابی سے شرف یاب ہوئے منجملہ ان کے ابوالقاسم برید بن معاویہ عجمی، ابوبصیر الاصغر لیث بن مراد بختری مرادی، ابوالحسن زرارہ بن اعین، ابوجعفر محمد بن مسلم بن رباح کوئی طائفی ثقفی ہیں۔ ان کے علاوہ ایک پوری جماعت ہے۔ اتنی گنجائش نہیں کہ سب کا ذکر کیا جائے۔ البتہ یہ چار حضرات بڑے جلیل القدر اور عظیم ترین شخصیت کے مالک ہیں۔ یہاں تک کہ خود امام جعفر صادقؑ نے ان حضرات کے تذکرہ کے ضمن میں فرمایا کہ:

”یہ حضرات خدا کے حلال و حرام پر خدا کے امین ہیں۔“

ایک اور موقع پر فرمایا کہ:

”میں کسی کو نہیں پاتا جس نے ہمارے ذکر کا احیاء کیا ہو سوائے

زرارہ، ابوبصیر لیث، محمد بن مسلم و بریدہ کے۔ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو کوئی بھی ہمارے ذکر کو تازہ نہ کرتا۔“

ایک اور موقع پر فرمایا:

”یہ حضرات دین کے محافظ اور میرے والد ماجد کے مقرر کردہ

حلال و حرام الہی پر امین اور دنیا میں بھی ہماری طرفِ سبقت کرنے والے ہیں اور آخرت میں بھی۔“

امام جعفر صادقؑ نے بشرِ المخبّیین بالجنة کی تلاوت فرمائی اور اس کے بعد ان چاروں حضرات کا ذکر کیا۔

ایک اور طولانی گفتگو میں ان کا ذکر فرماتے ہوئے امامؑ نے کہا:

”میرے والد بزرگوار نے ان حضرات کو حلال و حرام الہی پر امین بنایا تھا یہ حضرات میرے والد بزرگوار کے علم کے خزانہ دار ہیں اسی طرح آج بھی یہ حضرات میرے نزدیک وہی منزلت رکھتے ہیں اور میرے رازوں کے خزانہ دار ہیں۔ میرے والد بزرگوار کے برحق صحابی ہیں اور یہ میرے شیعوں کے لیے زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی ستارے ہیں۔ انہی کے ذریعہ خدا ہر بدعت کو دور کرے گا اور باطل کاروں کی اتہام تراشی کو زائل کرے گا اور غالیوں کی تناوٹیں باطل ہوں گی۔“

اس کے علاوہ بے شمار ارشاداتِ امام ہیں جن سے ان کا فضل و شرف کرامت و ولایت پوری طرح ثابت و محقق ہے۔ افسوس کہ اتنی گنجائش نہیں کہ مفصلاً بیان کیا جائے۔ باوجود ان کی اس اہمیت و جلالت قدر کے دشمنانِ اہل بیتؑ نے ان پر بڑی بڑی تہمتیں رکھیں جیسا کہ ہم اپنی کتاب مخقر الکلام فی مولفی الشیعہ من صدر الاسلام میں بیان کر چکے ہیں۔

دشمنوں کی تہمت تراشیوں سے ان کی وقعت و علوئے منزلت میں فرق نہیں پڑتا اور نہ ان کی جلالت قدر پر کوئی آنچ آتی ہے اور نہ اس وقعت میں کمی پیدا ہوتی ہے جو انھیں خدا اور رسول کے نزدیک حاصل ہے۔ جس طرح انبیاء سے حد کرنے والوں نے حد کر کے انبیاء کا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ برعکس ان کی علوئے مرتبت ہی کے باعث ہوئے اور بجائے اس کے کہ وہ حد کرنے والے ان انبیاء کی شریعتوں پر کچھ اثر انداز ہوتے وہ اور دین کی اشاعت اور ہمہ گیر مقبولیت کا سبب بن گئے۔

امام جعفر صادقؑ کے عہد میں علم بیش از بیش پھیل چکا تھا اور چار جانب

سے شیعان محمدؐ و آل محمدؐ امامؑ کی خدمت میں پہنچ رہے تھے۔ امامؑ پوری خندہ جبینی سے پیش آتے، بڑی توجہ فرماتے، ان کو استوار بنانے میں آپؑ نے کوئی کوشش اٹھانہ رکھی اور علم کے رموز حکمت کی باریکیوں، حقائق امور سے آگاہ بنانے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ جیسا کہ علامہ شہرستانی ملل و نخل میں امام کا ذکر فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”امام جعفر صادقؑ دین کا بے پایاں علم، حکمت میں پوری طرح دستگاہ رکھنے والے دنیا سے انتہائی بے غرض اور خواہشوں سے مکمل طور پر بے نیاز بزرگ تھے“

اس کے بعد لکھتے ہیں:

”آپؑ ایک مدت تک مدینہ میں مقیم رہے اور اپنے شیعوں کو فیض پہنچاتے رہے اور اپنے دوستوں کو رموز و اسرار علم تعلیم فرماتے رہے۔ پھر آپؑ عراق تشریف لائے۔ یہاں بھی مدتوں آپ کا قیام رہا۔ کبھی سلطنت کا خیال آپ کے دل میں پیدا نہ ہوا اور نہ خلافت کے لیے آپ نے کبھی کسی سے نزاع کی۔“

اسی سلسلہ میں علامہ شہرستانی لکھتے ہیں کہ:

”جو شخص بہر معرفت میں غوطے لگانے والا ہوا اسے ساحل کی طبع نہیں ہوتی اور جو حقیقت کی چوٹی تک بلند ہو چکا ہوا اسے نیچے گر جانے کا خوف لاحق نہیں ہوتا“

اسی طرح کی پوری عبارت ہے ان کی۔ سچ تو یہ ہے کہ حق، انصاف پسند اور معاند دونوں کی زبان پر آکر رہتا ہے۔

امام جعفر صادقؑ کے بے شمار اصحاب ہمہ گیر شہرت کے مالک ہوئے۔ وہ

سب کے سب ائمہ ہدایت، تاریکیوں کے چراغ، علم کے دریا اور ہدایت کے نجوم تھے۔ جن اصحاب کے نام اور حالات تذکرہ کی کتابوں میں مدون ہو سکے ان کی تعداد چار ہزار تک پہنچتی ہے۔ اس میں عراق کے رہنے والے تھے اور حجاز و فارس و شام کے بھی۔

یہ چاروں اصحاب بڑی مشہور مصنفات والے ہیں۔ ان کی مصنفات فرقہ امامیہ میں انتہائی شہرت رکھتی ہیں۔ منجملہ ان مصنفات کے صرف اصول میں چار سو کتابیں ہیں۔ جیسا کہ ہم سابق میں بیان کر چکے ہیں کہ یہ چار سو تصانیف چار سو مصنفین کی ہیں جو امام جعفر صادقؑ کے عہد میں انھیں کے فتاویٰ جمع کر کے لکھی گئیں اور امام کے بعد انھیں پر عمل کا دار و مدار رہا یہاں تک کہ بعض علمائے اعلام نے سہولت کے لیے ان کا خلاصہ کر ڈالا۔ ان میں چار کتابیں بہت عمدگی سے مرتب ہوئیں اور اصول و فروع میں شیعوں کا مرجع قرار پائیں۔ صدر اول سے لے کر آج کے دن تک۔ وہ چار کتابیں یہ ہیں۔ کافی۔ تہذیب۔ استبصار۔ من لایحضرہ الفقہ۔

یہ چاروں کتابیں متواتر ہیں اور ان کا صبح ہونا قطعی و یقینی ہے۔ ان چاروں میں "کافی" مقدم عظیم تر اور بہت خوبیوں کی جامع انتہائی کٹھوس کتاب ہے اس میں سولہ ہزار ایک سو ننانوے حدیثیں درج ہیں جو تعداد میں کل صحاح ستہ کی حدیثوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ جیسا کہ شہید ثانی نے ذکر کی میں تحریر فرمایا ہے نیز اور علمائے اعلام نے وضاحت کی ہے۔

ہشام بن حکم جو امام جعفر صادقؑ و امام موسیٰ کاظمؑ کے اصحاب میں سے تھے انھوں نے بکثرت کتابیں تالیف کیں۔ ان میں انیس کتابیں کافی مشہور ہوئیں یہ تمام بڑی کتابیں بڑی نادر اور بہت ہی مفید تصانیف ہیں۔ اور متعدد فنون میں

لکھی گئی ہیں۔ اصول، فروع، توحید، فلسفہ عقلیہ میں نزادۃ، ملحدین، نیچری، قدریہ، جبریہ، امیرالمومنینؑ اور اہلبیتؑ کے متعلق غلو کرنے والے خوارج، نواصب، حضرت علیؑ کے وصی پیغمبر ہونے سے انکار کرنے والے، آپ کو مؤخر رکھنے والے، آپ سے جنگ کرنے والے اور وہ لوگ جو مفضول کی تقدیم افضل پر جائز سمجھتے ہیں ان سب کی رد میں لکھی گئی ہیں۔

یہ ہشام قرن ثانی کے لوگوں میں بڑے پایہ کے بزرگ اور علم کلام حکمت الہیہ اور جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ میں سب سے بڑھ کر عالم تھے۔ فقہ و حدیث میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ تفسیر اور جملہ علوم و فنون میں انھیں تقدم حاصل تھا۔ یہ ہشام ان لوگوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے امامت پر بحث کی اور مناظرہ کر کے مذہب کی تبلیغ کی۔ انھوں نے امام جعفر صادقؑ و امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت کی۔ ان حضرات کے نزدیک ان کی بڑی منزلت تھی۔ ان کی مدح و ثنا میں زبان امامت سے ایسے الفاظ صرف ہوئے ہیں کہ ان کے علوئے مرتبت کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ شروع شروع میں یہ فرقہ جہمیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ پھر امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل ہوا اور آپ کی ہدایت سے معرفت و بصیرت کے حامل ہوئے۔ آپ کے بعد امام موسیٰ کاظمؑ کا زمانہ پایا اور آپ کے تمام صحابیوں میں فائق و ممتاز ہوئے۔

دشمنوں نے جو نور خدا کے بجھانے کی دن رات کوشش میں مصروف رہتے ہیں اہل بیتؑ سے حسد و دشمنی رکھنے کی بنا پر انھیں طرح طرح متہم کرنے کی سعی کی۔ جسمیت خدا کا قائل بتایا ہے مگر ان کے مذہب سے جس قدر ہم شیعہ واقف ہو سکتے ہیں ہمارے مخالفین نہیں۔ ہمارے پیش نظر ان کے اقوال و افعال ہیں۔ ہمارے مذہب کی تائید میں ان کی گرافت در مصنفات ہیں جن کا

ہم اشارتاً ذکر کر چکے ہیں لہذا ممکن ہی نہیں کہ غیروں کو جو ان کے مذہب و مشرب سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتے ان کے اقوال کا علم ہو اور ہم لاعلم رہیں۔ ہمیں کچھ پتہ نہ ہو حالانکہ یہ ہمارے سلف صالحین اور سابقین میں سے ہیں۔ علاوہ اس کے شہرستانی نے ملل و نخل میں جو عبارت ان کی طرف منسوب کر کے نقل کی ہے اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ جہانیت کے قائل تھے۔ میں اصل عبارت نقل کیے دیتا ہوں۔

علامہ شہرستانی لکھتے ہیں :

”ہشام بن حکم اصول مذہب میں بڑی گہرائی رکھتے ہیں۔ انھوں نے فرقہ محترمہ پر جو الزام عائد کیے ہیں ان سے غفلت نہ برتنا چاہیے۔ یہ شخص ان الزام سے آگے ہے جو دشمن اس پر لگاتے ہیں اور اس کے کلام سے جو تشبیہ ظاہر ہوئی ہے اس سے پیچھے ہے یعنی تشبیہ کا قائل نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ انھوں نے علاوہ سے کہا کہ جب تم یہ کہتے ہو کہ خدا عالم بہ سبب علم ہے اور علم اس کا عین ذات ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ عالم ہے مگر دنیا کے عالموں کی طرح عالم نہیں۔ تو پھر یہ بھی کیوں نہیں مانتے کہ وہ جسم ہے لیکن اور اجسام کی طرح نہیں۔ معمول عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر یہ کلام مان بھی لیا جائے کہ ہشام ہی کا تھا تو وہ بطور معارضہ ہے۔ علاوہ سے بطور معارضہ انھوں نے یہ بات کہی تھی اور معارضہ میں کوئی بات کہنے سے یہ ضروری نہیں کہ اس بات کا انسان معتقد بھی ہو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ہشام کا واقعی مقصد علاوہ کا جانچنا رہا ہو، یہ پتہ چلانا مقصود رہا ہو کہ

غلاف ہیں کتنے پانی میں۔ کس حد تک ان کا عالم ہے؟
 مزید برآں اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ ان کے اس جملہ سے ان کا قائل جنت
 الہی ہونا ثابت ہوتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ قبل میں جب تک انھیں معرفت
 نہ حاصل ہوئی تھی۔ امام کی خدمت میں باریاب نہ ہوئے تھے، وہ ایسا ہی عقیدہ
 رکھتے ہوں کیونکہ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ وہ ابتداءً جہیمہ مسلک پر تھے۔ پھر
 ہدایت آل محمدؐ سے انھیں بصیرت حاصل ہوئی اور ائمہ طاہرینؑ کے مخصوص
 و نامور افراد میں سے ہوئے۔ ہمارے سلف و خلف دونوں میں سے کسی
 فرد نے بھی کوئی ایسی بات ان میں نہیں پائی جن کا دشمن ان پر اتہام رکھتے ہیں
 جس طرح دشمن نے زرارہ بن اعیُن، محمد بن مسلم، مومن طاق اور ان جیسے
 بزرگوں پر طرح طرح کی تہمتیں باندھیں، غلط اسلٹ باتیں ان کی طرف منسوب کر
 کے بیان کیں اور یہیں ان کے متعلق کوئی بات بھی غلاف نہ معلوم ہو سکی۔ اسی
 طرح ہشام کے متعلق بھی دشمنوں نے افتراء پردازیاں کیں اور غلط اتہامات رکھے
 مگر ہمیں کوئی بات ان میں ڈھونڈھے سے بھی نہ ملی باوجودیکہ ہم نے اپنی تمام
 توانائیاں ان حضرات کے حالات کی چھان بین میں صرف کر دیں۔ مگر کوئی چیز
 قابل اعتراض نظر نہ آئی۔ یہ سب دشمنوں کی سرکشی و عداوت اور بہتان تراشیاں
 ہیں۔ ولا تحسبن الله عافلاً عما يعمل الظالمون۔
 ”ظالمین جو کچھ کرتے رہتے ہیں ان سے خدا کو ہرگز غافل نہ سمجھو۔“

علامہ شہرستانی نے ایک اور الزام ہشام پر لگایا ہے اور وہ یہ ہے
 کہ ہشام الوہیت امیر المومنینؑ کے قائل تھے۔ یہ الزام ایسا ہے جسے سن کر
 زبیرؓ مردہ بھی منس دے۔ ہشام کو بھلا ان خرافات و مہملات سے کیا
 نسبت۔ ان کی طرف ایسی رکیک باتوں کی نسبت دینا حد درجہ کی ناوانی ہے۔

توحید کے متعلق ایک طرف ان کا وہ کلام جو حلول سے خدا کو بانگ دہل پاک و پاکیزہ اور جاہلوں کی باتوں سے بلند و برتر ظاہر کرے دوسری طرف امامت اور امیر المومنینؑ کے وصی پیغمبر ہونے کے متعلق ان کے وہ خیالات جس سے واضح طور پر معلوم ہو کہ رسولؐ اعلیٰ سے افضل تھے اور علیؑ آپ کی امت و رعیت میں سے ایک فرد تھے اور خدا کے ان بندوں میں سے ایک تھے جن پر ظلم و جبر کیا گیا۔ جو اپنے حقوق کی حفاظت سے عاجز رہے۔ ہم دہر اس کے مارے دشمن کے آگے جھکنے پر مجبور ہوئے اور جن کا نہ کوئی معین تھا نہ ناصر۔ ان دونوں باتوں کے بعد پھر یہ اتہام رکھنا کہ ہشامؑ علیؑ کی خدائی کے قائل تھے کہاں تک قابل توجہ ہے۔

کہاں تو علامہ شہرستانی خود گواہی دیں کہ ہشام اصول مذہب میں بڑے گہرے تھے اور وہ ان الزامات سے بری تھے جو دشمن ان پر لگاتے ہیں۔ اس کے بعد ان کی طرف ان معاملات کی نسبت بھی دیتے ہیں کہ وہ حضرت علیؑ کی الوہیت کے قائل تھے۔ کیا شہرستانی کے کلام میں یہ تناقض نہیں ہے؟ اور ہشام ایسے عظیم المرتبت، صاحب فضل و شرف بزرگ کی طرف ان ہملات کا منسوب کرنا مناسب ہے؟ کون منصف مزاج اسے تسلیم کرے گا، لیکن واقعہ تو یہ ہے کہ مخالفین اہلبیتؑ اور پیروان اہلبیتؑ سے حسد رکھنے اور ان پر ہر ظلم روا سمجھنے کی جہت سے سوائے بہتان تراشیوں اور افترا پردازیوں کے کسی بات کو پسند ہی نہیں کر سکتے۔

امام موسیٰ کاظمؑ، علی رضاؑ، محمد تقیؑ، علی نقیؑ، حسن عسکری علیہم السلام کے زمانہ میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ بہت وسیع ہو چکا تھا۔ بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔ ہر شہر میں ائمہ طاہرین اور اصحاب ائمہ معصومینؑ سے روایت کرنے

والے پھیل چکے تھے۔ انھوں نے علم کی اشاعت پر کمر باندھی اور علم کی تدوین میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ علوم و معارف جمع کرنے میں اپنی ساری صلاحیتوں سے کام لیا۔
 محقق علیہ الرحمۃ معتبر میں فرماتے ہیں کہ :

”امام محمد تقیؑ کے تلامذہ میں بڑے نامور افاضل گزرے جیسے حسین بن سعید اور ان کے بھائی حسن، احمد بن محمد بن ابی نصر بزنطی، احمد بن محمد بن خالد برقی، شاذان، ابوالفضل العمی، ایوب بن نوح، احمد بن محمد بن عیسیٰ وغیرہ جن کی فہرست بہت طولانی ہے“

محقق فرماتے ہیں کہ :

”ان حضرات کی کتابیں آج علماء میں نقل ہوتی چلی آرہی ہیں ان کتابوں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ کس قدر بے پایاں علوم کے حامل تھے یہ حضرات..... الخ

میں کہتا ہوں کہ آپ صرف برقی کی کتابوں کو لیجیے۔ تنہا ان کی سو کتابیں ہیں۔ بزنطی کی ایک کتاب بڑی عظیم الشان کتاب ہے جو جامع کے نام سے مشہور ہے۔ حسین بن سعید کی تیس مصنفات ہیں۔

امام جعفر صادقؑ کی اولاد سے چھ اماموں کے جتنے تلامذہ گزرے اور انھوں نے جتنی کتابیں تالیف کیں ان کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ رجال کے حالات میں جو کتابیں اور فہرستیں ہیں ان میں ان چند حضرات کے حالات ملاحظہ فرمائیے محمد بن سنان، علی بن ہزیر، حسن بن محبوب، حسن بن محمد بن سماعۃ، صفوان بن یحییٰ، علی بن یقین، علی بن فضال، عبد الرحمن بن نجران، فضل بن شاذان (جن کی دوسو مصنفات ہیں) محمد بن مسعود عیاشی (جن کی مصنفات دوسو

سے بھی زیادہ ہیں) محمد بن عمیر، احمد بن محمد بن عیسیٰ، (انھوں نے امام جعفر صادقؑ کے سوا اصحاب سے حدیثوں کو سنا اور بیان کیا) محمد بن علی بن محبوب، طلحہ بن زید، عمار بن موسیٰ ساہلی، علی بن نعمان، حسین بن عبداللہ، احمد بن عبداللہ بن ہریران جو ابن خانہ کے نام سے مشہور ہیں۔ صدقہ بن منذرقی، عبداللہ بن علی حلبی، جنھوں نے اپنی تالیف امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں پیش کی اور امامؑ نے اس کی صحت فرمائی اور بنظر استخام دیکھا اور فرمایا تھا کہ:

”کیا تم نے ان لوگوں کی بھی کوئی ایسی کتاب دیکھی ہے؟“

ابو عمرو طیب، محمد اللہ بن سعید جنھوں نے اپنی کتاب امام رضاؑ کی خدمت میں پیش کی۔ یونس بن عبدالرحمن جنھوں نے اپنی تالیف امام حسن عسکریؑ کے ملاحظہ میں پیش کی۔

اگر شیعیان آل محمدؐ کے اگلے بزرگوں اور اسلاف صالحین کے حالات دیکھو تو مکر معلوم کیے جائیں اور پتہ چلا جائے کہ امام حسینؑ کی نسل سے بقیہ نو اماموں میں سے ہر امامؑ کے کتنے کتنے صحابی تھے اور ہر امامؑ کے عہد میں کتنے صحابیوں نے کتنی کتنی کتابیں لکھیں اور حساب لگایا جائے کہ وہ لوگ کتنے ہزار تھے جنھوں نے ان کتابوں کے مضامین دوسروں سے بیان کیے اور اصول و فروع دین کے متعلق جو آل محمدؐ کی حدیثیں تھیں ان کے حامل بنے۔ پھر اس پر غور کیا جائے کہ یہ علوم ایک جماعت سے دوسری جماعت میں، ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں نو اماموں کے زمانے سے نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے آئے تب اندازہ ہو گا، اس وقت آنکھیں کھلیں گی کہ ائمہ اہلبیت کا مذہب کس قدر متواتر ہے پھر کوئی شک نہ رہے گا۔ کہ ہم اصول و فروع دین میں جس طریقہ پر طاعت الہی کرتے ہیں وہ طریقہ

آل پیغمبر سے حاصل کیا ہوا اہل بیت رسولؑ سے ماخوذ ہے۔ اس میں نہ کسی شک کی گنجائش ہوگی نہ شبہ کی۔ ہاں ہٹ دھرمی اور خواہ مخواہ کا بغض رکھنے والے یا انتہائی جاہل و کورن انسان شک کرے تو بات دوسری ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم لوگوں کی اس طریقے کی طرف ہدایت کی اگر خداوند عالم ہمیں ہدایت نہ کرتا تو ہم خود ہدایت حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

ش

مکتوب نمبر ۵۶

میں گواہی دیتا ہوں کہ اصول و فروع میں آپ اسی مسلک پر ہیں جس پر اہل بیت پیغمبر تھے۔ آپ نے اس چیز کو واضح کر کے بخوبی روشن کر دیا اور ڈھکی چھپی باتیں ہویا کر دیں۔ شک کرنا نا انصافی ہے اور شک و شبہ میں ڈالنا گمراہ بنانا ہے۔ میں نے آپ کے مذہب کو اچھی طرح دیکھا بھالا مجھے شروع سے آخر تک پسندیدہ ہی نظر آیا۔ میں پہلے جبکہ آپ کے ذریعے حقائق تک نہیں پہنچا تھا، آپ لوگوں کے متعلق بڑی غلط فہمی میں مبتلا تھا کیونکہ اب تک میرے کانوں میں بہتان باندھنے والوں اور فترا پر دازوں ہی کی آوازیں پہنچائی گئیں۔ جب خدا نے مجھے آپ تک پہنچایا تو میں آپ کے ذریعے ہدایت کے جھنڈے کے نیچے آگیا اور تاریکیوں کے چراغ تک پہنچ گیا اور آپ کے پاس سے میں فلاح یافتہ اور رستگار ہو کر واپس ہوا۔ خدا نے

آپ کے ذریعے کتنی گراں قدر نعمت مجھ پر نازل کی۔ میں کیا عرض کروں کہ آپ نے کتنا بڑا احسان مجھ پر فرمایا۔

س

جوابِ مکتوب

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ قلم و دین و دانش کے تاجدار ہیں۔ آپ نے شہاب سے زیادہ تابانی دکھائی۔ اور محیطِ بحث و نظر کے بے بہا گوہرِ غلطاں نکال لائے۔ بتحقیق باریک نگاہی کو آپ نے پایہِ معراج تک پہنچا دیا۔ حقائق کی تہوں میں آپ کی نگاہ پہنچی نہ تھی۔ نہ قومی جذبات نے آپ کا دامن کھینچا اور نہ شخصی اغراض نے آپ کی راہ رو کی۔ اختلافِ نظر نے آپ کو برہم نہ کیا۔ آپ تو پہاڑ سے بھی زیادہ قوتِ برداشت رکھتے ہیں۔ آپ کے دل کی وسعت لا محدود ہے۔ حق بے نقاب ہو گیا۔ صبحِ چشمِ بینا کے لیے درخشاں ہو گئی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے اپنے دین کی طرف رہنمائی کی اور موافق فرمایا کہ اس کے راستے پر قوم لگ گئی۔

ش

حضرت علیؓ کو بیچاؤ

اُن کی لسانِ حکمت سے

مولائے کونین جب جنگِ نہروان سے فارغ ہو کر کوفہ تشریف
لائے تو ایک فیض و بلیغ خطبہ دیا جس کا کچھ اقتباس دیا جاتا ہے :

بعد حمد خدا و صلوٰۃ محمد و آل محمد فرمایا :
” میں سب سے پہلا مومن ہوں ، سب سے پہلا مسلم
سب سے پہلا نماز گزار ، سب سے پہلا روزہ دار
اور سب سے اول جہاد کرنے والا ہوں “
” میں خدا کی محکم رسی (حبل اللہ المتین) اور اس کی برہنہ
شمشیر ہوں “

میں ہی صدیق اکبر اور فاروقِ اعظم اُمت ہوں اور بابِ
مدینہ علم اور اس الحکم ہوں۔ میں ہی ہدایت کا جھنڈا،
عدل سے فیصلہ کرنے والا، اور فتوے دینے والا، میں
شیعہ دینِ مبین اور امیر المؤمنین ہوں۔ میں امام المتقین،
سید الوصیین اور یسوع الدین ہوں۔

میں خدا کا روشن ستارہ ہوں اور اس کے دشمنوں
کے لیے سخت عذاب ہوں۔

میں ہی وہ ناپید کنسار سمندر ہوں جو خشک نہیں ہوتا
اور میں قاتل المشرکین اور مہلک الکافرین ہوں۔ مومنوں
کا فریاد رس اور شیعوں کا راہنما سردار، میں
ہی اہل جہنم کو اس کی طرف ہنکانے والا اور میں ہی ان
پر عذاب ڈالنے والا ہوں۔

میں دیگر صحفِ انبیاء سلف میں ایلیا نام رکھتا ہوں
اور توریت میں اودیا، عرب میں علی اور سُورن
میں میرا نام ہے جس کو پہچانتا ہے جو پہچانتا ہے۔ میں
ہی وہ صادق ہوں جس کی پیروی کا خدا نے حکم دیا ہے
اور فرمایا ہے کہ سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

ﷺ یسوع : سرگروہ

اے یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وكونوا مع الصادقين

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

(سورہ توبہ)

میں ہی صالح المومنین ہوں اور میں ہی دنیا و آخرت میں خدا کی طرف سے پکارنے والا ہوں۔

میں ہی مصداق لافتنی، ابن الفتنی اور اخوالفتنی ہوں۔ اور میں ہی ممدوح "هَلْ اَتَى" ہوں۔

میں ہی وجہ اللہ اور حزب اللہ ہوں اور میں ہی شانِ خدا ہوں۔ میرے پاس سب علم گزشتہ اور آئندہ ہے تا روز قیامت میرے سوا امت میں کوئی اس کا دعویٰ ہو نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے میرے قلب کو روشن اور میرے عمل کو پسند فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکمت عطا کی ہے اور اسی سے پرورش کیا ہے۔

جب سے میں پیدا ہوا ہوں چشمِ زدن کے لیے شرک کا مرتکب نہیں ہوا اور جب سے دنیا میں آیا ہوں کبھی خوف نہیں کھایا۔ میں نے ہی صنادرید (بڑے بڑے سردار) عرب اور ان کے شہسواروں کو قتل کیا ہے اور ان کے سرکشوں اور بہادروں کو فنا کیا ہے۔

اے لوگو! پوچھو مجھ سے علمِ مخزونِ الہی کی بابت اور اس کی اس حکمت کی بابت جو مجھ میں ذخیرہ کی گئی ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ

(کوکب درسی ص ۷۷ سے ۷۸)

اے جب اللہ: اللہ کا پہلو یعنی اللہ کے قریب ہونا۔